جدید فقہی مباحث

☆اسلام کا نظام عشر و خراج ☆
و اراضی ہند کی شرعی حیثیت

جلد دوم

ترتیب

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی

جلد ـ ۹

ناشر

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

گلشن اقبال کراچی فون 34965877

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ابتدائیہ

اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ مجلۂ فقہ اسلامی کی چھٹی جلد کا دوسرا حصہ ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے. چھٹے فقہی سیمینار کے مقالات پر مشتمل یہ دستاویزی مجموعہ اسلام کے نظام عشر و خراج کے موضوع پر اس دور کا جامع ترین تحقیقی کام ہے، جس میں مختلف علماء و اصحاب افتاء نے موضوع کے مختلف گوشوں پر غیر معمولی تحقیقی کام انجام دیا ہے.

اسلامک فقہ اکیڈمی نے پچھلے چند برسوں میں جو تحقیق و مطالعہ کا نیا رجحان پیدا کیا ہے، اور ہمارے علماء نے جس طرح قدیم ذخیروں کو کھنگال لئے اور نئے حالات پر شرع اسلامی کی تطبیق کا کارنامہ انجام دیا ہے وہ نہ صرف یہ کہ قانون کا رشتہ زندگی سے جوڑتا ہے بلکہ شرع اسلامی کی متحرکیت (DYNAMISM) کا بہترین ثبوت ہے.

حقیقت یہ ہے کہ قانون اسی وقت زندہ رہ سکتا ہے جس کا ذہن سے رشتہ ہو اور جو زندگی کے مسائل کو چھوتا ہو. قانون اپنے اصول و کلیات کے اعتبار سے دائمی اور پائیدار حیثیت رکھتا ہے لیکن اس کی جزئیات اور مختلف زمان و مکان میں اس کی تطبیق (APPLICATION) وقت اور مقام کی گرد و غبار سے مبرا نہیں ہوتا. فقیہ کا اصل مقام یہی ہے کہ وہ غور کرے کہ کون سے احکام مخصوص احوال، عرف اور کسی خاص جغرافیائی مقام کے تقاضوں پر مبنی ہیں اور حالات، عرف اور زمان و مکان کی تبدیلی کا اصل احکام پر کیا اثر پڑے گا اور پھر قواعد کلیات، مصالح و مقاصد شریعت اور پائیدار اصول و ضوابط کو سامنے رکھتے ہوئے نئے حالات پر احکام کی تطبیق کرے.

اراضی کی حیثیت. کسی ملک کی فتح کے وقت اس ملک کی اراضی کے ساتھ فاتحین کے برتاؤ پر

ملک کے حالات کی سیاسی تبدیلیاں، حقوق ملکیت کے سلسلہ میں انسانوں کے بنائے ہوئے مختلف قوانین کے اثرات اور عشر و زکوٰۃ جیسے مسائل میں شریعت کے بنیادی احکام اس مسئلہ کو بلاشبہ بدلتے ہوئے حالات میں غور و فکر کا موضوع بنانے کی ضرورت پر دلیل ہیں۔

مجھے خوشی ہے کہ ہمارے علماء نے مسئلہ کا گہرائی اور گیرائی کے ساتھ جائزہ لیا ہے اور اپنے مقالات میں بڑی وضاحت سے مسائل کو چھیڑا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پچھلے مجموعوں کی طرح یہ مجموعہ بھی مستقبل میں حوالہ کا کام دے گا۔

صحت سے متعلق اکیڈمی کے فیصلوں کا شرعی اپیل کورٹ پاکستان نے اپنے معروف فیصلہ میں حوالہ دیا ہے اور ابھی جب انسانی اعضاء کی پیوندکاری کے موضوع پر اسلام آباد میں ایک مذاکرہ منعقد ہوا تو مجمع الفقہ اسلامی، بحث و نظر اور ہمارے سیمیناروں میں کئے گئے فیصلوں سے بطور حوالہ استشہاد کیا گیا۔

اب ساتویں فقہی سیمینار منعقدہ دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ کی روداد ان شاء اللہ جلد ہی منظر عام پر آئے گی۔ رفقاء سے دعاء کی درخواست ہے۔

مجاہد الاسلام قاسمی

۱۰/ستمبر ۹۵ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دار الکفر میں عشر و خراج اور ہندوستان

محور چہارم

محمد عبید اللہ الاسعدی ——— الجامعۃ العربیۃ ہتھورا، باندہ

اس محور کے تحت مذکورہ سوالات کے اصل جواب سے پہلے بطور تمہید بنیادی چند امور کا ذکر کرنا مفید و ضروری معلوم ہوتا ہے۔

(الف) ہندوستان دار الکفر ہے

ہندوستان موجودہ حالات میں "دار الاسلام" نہیں بلکہ "دار الکفر" یا معروف تعبیر کے مطابق "دار الحرب" ہے۔

اگرچہ فقہ اکیڈمی میں یہ مسئلہ ابھی زیر غور و تحقیق ہے۔ اس اکیڈمی کی طرف سے اس بابت کوئی فیصلہ نہیں ہو سکا ہے مگر دوسرے سیمینار سے متعلق اپنے مقالے میں اور بالخصوص اپنی ایک تالیف "الربا" میں احقر نے وضاحت کے ساتھ اس کو ذکر و ثابت کیا ہے۔

ہندوستان سے متعلق یہ رجحان دو صدیوں سے زائد عرصے سے پایا جا رہا ہے اور ۱۸۵۷ء سے پہلے ہی سے بار بار علماء محققین کی طرف سے اس کا اظہار کیا جاتا رہا ہے بلکہ فتاوی صادر ہوتے رہے اور جیسے جیسے ہوتے گئے لازماً ہمارے اکابر و حلقہ کے درمیان ایک درجہ یہ اتفاقی امر ہو گیا ۱۸۵۷ء سے پہلے کے عہد میں بالخصوص شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کا اس بابت فتویٰ معروف ہے جو کہ شاہ صاحب کے مجموعہ فتاوی میں بھی محفوظ ہے اور بعض دیگران کا فتوی

ان کے علاوہ کا اتفاقی فتویٰ تھا جیسا کہ ان کے اخلاف و علماء کے اقدامات سے پتہ چلتا ہے۔

۱۸۵۷ء اور ۱۹۴۷ء کے درمیان جب کہ اس ملک پر انگریزوں کا مکمل تسلط و قبضہ ہو گیا اور رہا تو اس عہد میں بالخصوص اس فتویٰ کی شہرت ہوئی اور اس پر بحث رہی اور اکابر علماء دیوبند نے برابر اس کا اظہار کیا۔

معارف السنن میں مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی یہی تحقیق نقل کی گئی ہے اور معارف میں ہی مولانا بنوری نے ذکر کیا ہے کہ جمعیۃ علماء کے اجلاس پشاور میں علامہ انور شاہ صاحب کشمیری نے مستقلاً اس کو ثابت فرمایا تھا۔[۱] مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندی نے بھی اپنے ایک فتویٰ میں ذکر فرمایا ہے ــــــ "یہی علماء محققین کی رائے ہے۔"[۲]

مفتی محمد شفیع صاحب اپنی گرانقدر تالیف اسلام کے نظام اراضی میں جو کہ تقسیم و آزادی کے بعد تالیف کی گئی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

> ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان پر انگریزوں کے مکمل تسلط اور اسلامی حکومت کے آثار کالعدم ہو جانے کے بعد ہندوستان کا دارالحرب ہونا جمہور علماء ہند کے نزدیک محقق ہو چکا تھا۔ فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ کا مستقل رسالہ اس موضوع پر شائع ہو چکا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ تقسیم ملک کے بعد جو انقلاب آیا اس میں بھی وہ حصہ جو بعد تقسیم غیروں کے اقتدار میں رہا اس کے احکام انگریزی عہد سے کچھ مختلف نہیں ہو سکتے، اس لئے موجودہ حصہ کی صورت حال بھی مشہور و واضح ہے۔[۳]

ایک بات یہ بھی ملحوظ رہے کہ دارالکفر و دارالحرب کی دو اقسام ہیں۔ ۱۔ دارالکفر اصلی: کفار کے استبداد و اقتدار کا ایسا ملک ہے کہ جس پر کبھی مسلمانوں کا تسلط و اقتدار قائم نہیں ہوا ۲۔ دارالکفر طاری: ایسا ملک جس پر مسلمانوں کی حکومت اور ان کا تسلط و اقتدار تھا جس کو

۱؎ معارف السنن ج ۶ ص [illegible] ۲؎ فتاویٰ دارالعلوم جدید ج ۲ ص [illegible]

۳؎ نظام اراضی ج ۲ ص [illegible]

کفار نے ان سے چھین لیا، ہندوستان اسی دوسری قسم کا دارالکفر و دارالحرب ہے۔[1]

(ب) دارالکفر اور عشر و خراج

(۱) دارالکفر میں عشر و خراج نہیں۔[2]

دارالکفر و دارالحرب کی زمین پر کوئی شرعی وظیفہ عائد نہیں ہوتا یعنی وہ عشر یا خراج کی تنفیذ و الزام (لازم کرنے) کا محل نہیں ہے، اس لئے کہ اسلامی احکام اور بالخصوص وہ احکام جو کہ مالیات سے متعلق ہیں اور جن کی تنفیذ اجراء حکومت کے واسطے سے ہے، ایسے احکام کا محل و موضوع دارالاسلام ہے نہ کہ دارالکفر، کم از کم فقہ حنفی میں اور امام ابوحنیفہ کے لئے یہی مسائل موجود ہیں۔[3]

اس بابت کوئی نص تو علم میں نہیں آسکی البتہ یہی کوئی باقاعدہ صریح یا استقلالی جزئیہ تاہم فقہاء کی بعض عبارات کی بنا پر ہمارے علماء یعنی اکابر علماء ہند یا علماء دیوبند اس مسئلہ کو ذکر کرتے رہے ہیں اور کیا بہ حکم کہ وہ اس پر متفق ہیں اگرچہ ان میں سے بیشتر کے اور اکثر فتاویٰ عشر و خراج کی ذکر و تفصیل پر مبنی ہیں، بلکہ فقہاء احناف کا بھی اتفاق معلوم ہوتا ہے۔

جن حضرات نے اس کی تصریح کی ہے یا ان سے اس کی صراحت و فتویٰ منقول ہے ان میں سے چند نام حسب ذیل حضرات علماء ہیں:

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی،[4] مفتی عزیزالرحمن صاحب دیوبندی،[5] مولانا اشرف علی صاحب تھانوی،[6] مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی،[7] علامہ انور شاہ صاحب کشمیری۔[8]

مفتی عزیزالرحمن صاحب نے وجوب عشر و خراج کے قول سے رجوع کر کے اس کو اختیار کیا تھا[9] اور سب سے زیادہ انھوں نے ہی اس پہلو کا ذکر فرمایا ہے۔

---

۱ ایضاً ص ... ملخصاً — ۲ ملاحظہ ہو تاتارخانیہ ج ۴ کتاب السیر

۳ معارف السنن ج ۵ ص ... — ۴ فتاویٰ دارالعلوم جدید ج ... باب عشر

۵ امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ... — ۶ جواہر الفقہ

۷ معارف السنن ج ۵ ص ... — ۸ فتاویٰ دارالعلوم جدید ج ... ص ...

"اب چند مدت ہوئی ہے کہ شامی جلد ثانی باب العشر میں یہ عبارت نظر پڑی جو ذیل میں درج ہے اور جس کا حاصل یہ ہے کہ اراضی بلاد العرب عشری ہیں۔ خیال پیدا ہوا کہ یہ مسئلہ اب بوجہ تصریح فقہاء ہندوستان کی اراضی سے عشر کی نفی نکلتی ہے۔ اور اس کے خلاف اب تک کہیں دیکھا نہیں کہ اراضی عرب میں وجوب عشر کی تصریح کی ہو لہذا پہلے جو فتوی حسب قواعد عامہ وجوب عشر کا دیا جاتا تھا اب اس کو چھوڑنا پڑا۔" ؎۱

ایک دوسرے فتوی میں فرماتے ہیں:

" پھر کچھ زمانے کے بعد الادب المفرد میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تحقیق اور تصریح نظر سے گزری کہ انہوں نے اپنی کتاب میں زکوٰۃ کے مسائل کے ساتھ عشر کے احکام اس وجہ سے نہیں لکھے کہ ان دیار میں زمینیں عشری نہیں ہیں۔ اس کے ساتھ یہ ماننا بھی ضروری ہے کہ قاضی صاحب کا یہ حکم فرمانا کہ یہاں کی زمینیں عشری نہیں ہیں اس زمانہ کا متفق علیہ مسئلہ ہوگا کیونکہ قاضی صاحب حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے خاص تلمیذ اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب وغیرہ کے ہم عصر ہیں اور سب حضرات باہم متفق ہیں باہم کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ضروری ہے کہ یہ مسئلہ اس زمانہ کا متفق علیہ مسئلہ ہوگا کہ ہندوستان کی عشری زمینیں نہیں ہیں۔ پھر اس کے ساتھ ہی یہ معمول دیکھا کہ کوئی بھی بزرگوں میں عشر کا اہتمام مثل زکوٰۃ کے نہیں کرتا بلکہ تعجب ہوتا تھا اور تردد بھی ہوتا تھا اور گویا حضرت قاضی صاحب کی تحقیق کی تائید ہوئی تھی۔ کہ اب بھی کیا سبب ہے کہ سب بزرگوں نے عشر کا اہتمام چھوڑ دیا ضرور کوئی بات ہے جس کی وجہ سے علانیہ عشر ترک ہو گیا ہے، وہ حضرات ہندوستان کی زمینوں کو عشری نہیں سمجھتے کیونکہ ہندوستان کو وہ حضرات دار الحرب سمجھتے تھے۔" ؎۲

رہ گئی یہ بات کہ اس کے باوجود کم از کم علماء دیوبند حضرت گنگوہی وغیرہ بار بار وجوب عشر کو کیوں ذکر فرماتے رہے، تو مفتی صاحب موصوف نے اس اشکال کو ذکر کرکے اس کے

؎۱ فتاوی دار العلوم جدید ج ۲ ص ۱۴۲-۱۴۳ ؎۲ ایضاً ص ۱۶۷-۱۶۸

کچھ مقتضیات کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے:

"حضرت اقدس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا قول و عمل احتیاط پر مبنی کہا جاوے گا۔"[1]

اور خود مفتی صاحب نے رجوع کے بعد اس کو مدلل و مبرہن کرکے ذکر کرنے کے بعد دوبارہ تحریر فرمایا ہے کہ احتیاط اسی میں ہے کہ عشر لیا جاوے اور خود بھی اسی پر عامل تھے۔[2]

حضرت تھانوی نے جو عموماً وجوب عشر و خراج کو ذکر فرمایا ہے امداد الفتاویٰ میں بھی اور دیگر مواقع میں بھی تو اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ اس کی بنیاد بھی یہی ہے اس لئے کہ حضرت نے اس قسم کے فتاویٰ واقع کے موجود ہوتے ہوئے تصراحۃً اور کنایۃً بالتعیین یہ بات ذکر فرمائی ہے کہ ہندوستان چونکہ دارالحرب ہے لہٰذا یہاں کی زمین نہ تو عشری ہے اور نہ خراجی[3] اور ایسے فتوی کے بعد اور اس کے ساتھ بھی احتمال و تحقیق یا احتیاط کی بنیاد پر عشر و خراج کی ادائیگی کو ذکر کیا گیا ہے۔ ایک فتوی میں مفتی عزیز الرحمن صاحب کے فتوی کی تصدیق و توضیح کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"ہاں صحیح ہے لیکن اگر کسی کے نزدیک یہ دارالاسلام ہو تو یہ حکم ہوگا۔"[4]

ایک فتوی میں فرماتے ہیں:

"اگر بعض حضرات کی رائے کے مطابق کہ دارالحرب کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی کوئی عمل کرے تو ابتلاء کی حالت میں گنجائش ہے۔"[5]

ایک فتوی میں ہے:

"اگر ہندوستان ..... غیر دارالاسلام ہے تو اس کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی۔"[6]

امداد الاحکام کے ایک فتوی میں ہے:

"اس ملک کے دارالحرب ہونے میں علماء کا اختلاف ہے اس لئے احتیاط اسی میں

---

[1] ایضاً ص [illegible] [2] ایضاً اس سے شاہ عبدالعزیز صاحب نیز مفتی صاحب وغیرہ کے نزدیک جو بنیاد تھی وہ معلوم ہوتی ہے جیسا کہ فتاویٰ عزیزیہ و معارف السنن سے معلوم ہوتا ہے۔ آگے اس کی تفصیل آنے والی ہے۔

فرمایا [illegible] [3] امداد الفتاویٰ ج ۲ ص [illegible] امداد الاحکام ج ۲ ص [illegible]

[4] امداد الفتاویٰ ج ۲ ص [illegible] [5] ایضاً ص [illegible] [6] ایضاً ص [illegible]

ہے کہ عشر دیا جائے۔ ۱؎

بہرحال مجموعی طور پر فتاوی سے احتیاطاً اس حکم پر عمل کا علم ہوتا ہے۔ اور بعض فتاویٰ کی صراحت
کے مطابق اس احتیاط کی بنیاد ہندوستان کی شرعی حیثیت کی بابت علماء کا اختلاف ہے نہ کہ وجوب
عشر کا حکم اور اس کے دلائل۔ البتہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ دارالحرب میں عشر و خراج کے سقوط کا حکم حضرت
نے بالکلیہ رجوع اختیار کیا یا یہ کہ احتیاط سے کہا اس لئے کہ آپ کے فتاوی کے مجموعہ میں ۱۳۲۲ھ سے اس قسم
کے فتاوی کا سلسلہ ملتا ہے۔ اس سے تو بظاہر رجوع ہی سمجھ میں آتا ہے اگرچہ اس کی صراحت نہیں ملی۔

(۲) ایک اختلاف

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ علماء دیوبند اس پر متفق معلوم ہوتے ہیں کہ دارالحرب میں عشر و خراج
کا حکم نہیں ہے۔ لیکن ایک اختلاف یہ ضرور پایا جاتا ہے کہ یہ حکم ہر دارالحرب کا ہے یا یہ کہ صرف اس
دارالکفر و دارالحرب کا جو کہ اصلی ہے۔ اور ہندوستان یا اس جیسے ملک کا جو پہلے دارالاسلام تھا
یہ حکم نہیں ہے۔

اس بابت عام رجحان تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی فرق نہیں۔ اس لئے کہ اکابر کے جو فتاوی
محفوظ ہیں وہ سب ہندوستان کی بابت ہیں۔ مفتی محمد شفیع صاحب نے اس بابت اس خیال کا
اظہار کیا ہے کہ یہ حکم اصلی دارالحرب و دارالکفر کا ہے، ہندوستان جیسے ملکوں کا نہیں، جیسا کہ شرح
السیر الکبیر کی عبارت سے واضح ہوتا ہے۔ ۲؎ شرح السیر میں صاف صاف یہ عبارت موجود ہے:

"ان العشر والخراج انما يجب في اراضي المسلمين وهذه
اراضي اهل الحرب ليست بعشرية ولا خراجية" ۳؎

۱؎ امداد الاحکام ج ۲ ص [illegible] امداد الاحکام حضرت تھانوی کی خانقاہ و دارالافتاء سے صادر
ہونے والے ان فتاوی کا مجموعہ ہے جو کہ حضرت کی حیات میں ان کی زیر سرپرستی تحریر کئے گئے اور
ان کے علم میں لائے جاتے رہے۔ ۲؎ جواہر الفقہ ج ۲ ص [illegible]

۳؎ شرح السیر الکبیر ج ۴ ص [illegible]۔

مفتی صاحب نے حضرت تھانوی کے ایک فتوی کی بھی یہی توجیہ کی ہے[1] اگرچہ دوسرے
فتاوی سے اس کی تائید نہیں ہوتی ہو لیکن بعض قرائن سے عام رجحان کی تائید ہوتی ہے مثلاً
یہ کہ ایسے علاقے جو کہ دارالحرب ہو گئے ہوں وہاں کے مسلمانوں کے لئے جو احکام فقہاء نے ذکر
کئے ہیں ان میں کسی کو قاضی تجویز کرنے کی بات بھی آتی ہے ان احکام میں عشر و خراج کی ادائیگی
وصول کرنے کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔ البتہ یہاں یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ کفار کی طرف سے مسلمانوں
کا کوئی والی و حاکم تجویز کیا جائے یا مسلمان بنالیں اسے کر لیں تو اس کے وظائف میں ضرور اس کا
تذکرہ آیا ہے[2]

اہم قرینہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے زیر قبضہ و زیر اقتدار جو علاقے ہوں خواہ وہ اس سے کہ
وہاں کے عام باشندے مسلمان ہوں اور ان کی باقاعدہ حکومت ہو یا یہ کہ باشندے غیر مسلم ہوں
اور ان کی حکومت ہو مگر مسلمانوں سے ان کا باقاعدہ عہد ہو چکا ہو اور وہ ان کے پابند ہوں اگر ایسے
علاقے سے مسلمانوں کا اقتدار ختم ہو جائے اور کفار کی حکومت قائم ہو جائے تو کتب فتاوی میں صراحتہً
یہ مذکور ہے ——— اور امام محمد سے نقل کیا گیا ہے کہ ایسے علاقوں کا حکم ان کے سابق حال کے
مطابق ہو جائے گا اس اعتبار سے کہ اگر دوبارہ مسلمان اس کو فتح کر لیتے ہیں اور ان کا اقتدار قائم
ہوتا ہے تو زمینوں اور غیر مسلم باشندوں کے ساتھ حسب سابق معاملہ کیا جائے گا صرف اتنا
فرق ہوگا کہ مسلمانوں کی جو املاک تھیں اگر مالکان حاضر ہو کر ثبوت پیش کر دیں تو سابقہ شرعی وظائف
کے ساتھ ان کی زمینیں ان کو ہی واپس کر دی جائیں گی۔ یہ بھی اس وقت جب کہ دو فتح و اقتدار
جدید کے بعد زمینوں وغیرہ کی نئی تقسیم و تنظیم سے پہلے پہلے رابطہ کر کے حاصل کر لیں ورنہ نیا نظام جو
نافذ ہو چکا اس کے مطابق ہی ان کو زمینیں مل سکیں گی[3]

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب نے بھی اس سلسلے کے ایک فتوی میں اس قسم کی عبارت
سے استدلال کیا ہے، فرماتے ہیں :

---

[1] ملاحظہ ہو جواہر الفقہ ج ۲ ص [illegible] [2] تاتارخانیہ ج ۵ ص [illegible]

[3] عالمگیریہ ج ۲ ص [illegible] ، تاتارخانیہ ج ۵ ص [illegible] کتاب الاصل ج ۲ ص [illegible]

"وفی العالمگیریة ـــ ثم هذه الدار اذا اصلحت دار الحرب لو افتتحها الامام ثم جاء اهلها قبل القسمة اخذوها بغیر شیء وبعد القسمة بالقیمة ولو افتتحها الامام عادت الی الحکم الاول الخراجی یصیر خراجیا والعشری یصیر عشریا" ؎

اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

"قلت فیه دلالة علی ان ارض المسلم اذا صارت دار الحرب لا تبقی خراجیة ولا عشریة، دل علیها قوله عادت الی الحکم الاول" ؎

میں کہتا ہوں کہ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ دار الاسلام جب کہ دار الحرب ہو جاتا ہے تو اس کی زمینیں نہ عشری رہ جاتی ہے اور نہ خراجی۔ عادت الی الحکم الاول کے الفاظ اسی پر دلالت کرتے ہیں۔

(۳) استدلال و دلائل

دار الکفر و دار الحرب میں عشر و خراج کے واجب و لازم ہونے کی بابت استدلال و دلائل کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے متعلق کسی نص کا علم نہیں ہو سکا اور نہ ہی مستقلاً کسی قاعدہ کلیہ یا جزئیہ کا۔

علامہ انور شاہ صاحب فرماتے ہیں :

"اعلم أن اراضی بلاد الهند لیست بعشریة لانها اصبحت من دار الحرب ـ وهکذا انطلق عندی من کتب الفقه" ؎

ہندوستان کے دار الحرب ہو جانے کی وجہ سے اب یہاں کی زمینیں عشری نہیں رہ گئی ہیں۔ میرے نزدیک کتب فقہ سے ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔

لیکن شاہ صاحب کے بیان اور معارف السنن کی تفصیل و توضیح میں دلائل کی بابت کچھ زیادہ وضاحت نہیں ہے۔ ایسے تمام حضرات کے استدلال میں شامی کی ایک عبارت ہی ملتی ہے۔ بعض حضرات نے

؎ امداد الاحکام ج ۲ ص [illegible] ؎ معارف السنن ج ۵ ص [illegible]

شرح سیر کبیر کی بھی ایک عبارت ذکر کی ہے اور شامی کی مذکورہ عبارت بھی تبعاً آگئی ہے اور اصل تو یہ بحث یعنی عشر و خراج سے متعلق بحث میں نہیں بلکہ ایک دوسری بحث اور باب میں ہے عبارت یہ ہے :

لأن أرضها (أي أرض الحرب أو أرض دار الحرب) ليست أرض خراج أو عشر

یہ عبارت کہاں اور کس سیاق میں آئی ہے پوری تفصیل پیش کی جا رہی ہے۔ کتب فقہ میں ایک بحث یہ آتی ہے کہ کسی شخص کو اگر کوئی خزانہ کسی زمین میں ملتا ہے تو اس کے کیا احکام ہوں گے، اس سلسلہ میں فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ عبارت آتی ہے :

"مسلم أو ذمي وجد معدن ذهب أو فضة أو حديد أو رصاص أو نحاس في أرض عشر وخراج" [2]

یہ عبارت فقہ حنفی کی مشہور متن ملتقی الابحر کی ہے، اور معمولی فرق و اختلاف کے ساتھ فقہ حنفی کے تمام مفصل و شروح میں موجود ہے [3]۔ بحث یہ ہو رہی ہے کہ فقہاء نے یہ قید کیوں لگائی کہ عشری و خراجی زمینوں کے خزانہ کا یہ حکم ہے؟ علامہ حموی نے یہ ذکر کیا ہے کہ مقصد یہ ہے کہ اگر رہائشی مکانوں کے اندر خزانہ ملے تو یہ حکم نہیں ہوگا۔ علامہ شامی نے یہ ذکر کیا ہے کہ مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دار الحرب کی زمین نہ ہو اس لئے کہ دار الحرب کی زمین اور اس کے خزانے کے احکام دوسرے ہیں پھر اپنے اس خیال کی تائید میں ایک عبارت نقل کی ہے۔ اس عبارت کی ابتداء میں وہ ٹکڑا ملتا ہے جو کہ اس مسئلہ میں محل استدلال بن گیا ہے۔ ملاحظہ ہو :

"ثم رأيت من ما قلته في شرح الشيخ إسماعيل حيث قال: ويحتمل أن يكون احترازاً عما وجد في دار الحرب فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر" [4]

---

[1] جواہر الفقہ ج۲ ص[illegible]

[2] ملتقى الأبحر مع شرحه الدر المنتقى على هامش مجمع الأنهر ج ۱ ص[illegible]

[3] الدر المنتقى، مجمع الأنهر ج۱ ص[illegible]، البحر الرائق مع الكنز ج[illegible] ص[illegible]، فتح القدير مع الهداية ج[illegible] ص[illegible]، الدر المختار مع الرد ج[illegible] ص[illegible]

[4] شامی ج۲ ص[illegible]

یعنی ہمارے فقہاء نے جو یہ کہا ہے کہ عشری وخراجی زمین کا خزانہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دار الحرب کی زمین سے اس کو نہ حاصل کیا گیا ہو۔ یا اس لئے کہ وہاں کی زمین ہی ایسی ہوتی ہے کہ جس میں عشر وخراج کا حکم نہیں ہوتا۔

بظاہر اس عبارت کے علاوہ کوئی دوسری عبارت ان حضرات کے استدلال میں نہیں آئی ہے کہ جس میں دار الحرب کی زمین سے متعلق اس قسم کے حکم کا ذکر کیا گیا ہو، سارے ہی حضرات نے علامہ شامی کی نقل کردہ اس عبارت کی اس صراحت پر اعتماد کرتے ہوئے ہی یہ استدلال کیا ہے۔

(۴) استدلال کا جائزہ

ظاہر ہے کہ دار الکفر ودار الحرب سے متعلق مذکورہ حکم پر ہمارے اکابر متفق یا متفق سے ہیں اور استدلال پر مطمئن بھی، اور اتفاق سے ان حضرات کی تحریرات میں اس استدلال پر کوئی باقاعدہ بحث یا تفصیل بھی نہیں مل سکی اس لئے مجھ جیسے کو زیب تو نہیں دیتا، مگر عملی مسئلہ ہے اور بعض حضرات کی بحث وتحقیق سے تقویت بھی ملتی ہے اس لئے جسارت کرتا ہوں کہ کچھ عرض کروں۔

شرح السیر الکبیر کی جس عبارت سے استدلال کیا جاتا ہے اس پر تو نقد وتبصرہ مفتی محمد شفیع صاحب ومفتی رشید احمد صاحب نے بھی کیا ہے، البتہ مفتی محمد شفیع صاحب نے فرمایا ہے کہ اس میں "دار الکفر اصلی" کے حکم کا بیان ہے نہ کہ "دار الکفر طاری" کا[1] اور مفتی رشید صاحب کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ اس میں اس کا تذکرہ ہے کہ دار الکفر کے کافر باشندوں کی زمین پر کوئی وظیفہ نہیں ہے مسلمانوں کی زمین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے[2]

سیر کبیر اور شرح السیر الکبیر میں یہ عبارت جس سیاق وتفصیل کے ساتھ آئی ہے واقعہ یہ ہے کہ اس کا تعلق دار الکفر ودار الحرب کے باشندگان کی زمین سے ہے نہ کہ وہاں کے مسلمان باشندوں کی زمین سے۔ اس لئے اس سے تو مفتی رشید احمد صاحب کی ہی تائید ہوتی ہے۔

امام محمد علیہ الرحمہ نے سیر کبیر میں ایک مسئلہ یہ ذکر فرمایا ہے کہ اگر مسلمانوں کی کوئی فوج یا

---

[1] جواہر الفقہ ج ۲ ص ۱۹۵ [2] احسن الفتاوی ج ۶ ص ۳۰

مسلمانوں کی اراضی کا حکم ہے کہ ان پر نہ عشر ہے نہ خراج، حالاں کہ مقصد یہ ہے کہ اہل حرب کی اراضی پر عشر یا خراج نہیں کیوں کہ وہ احکام شرع کے مکلف نہیں ہیں چنانچہ شمس الائمہ سرخسی کی عبارت اس مراد کی وضاحت کرتی ہے" ونصہ — ان العشر والخراج انما یجب فی اراضی المسلمین وهذه اراضی اهل الحرب لیست بعشریة ولاخراجیة (شرح السیر الکبیر ج ۴ ص ۲۳۲) [1]

یعنی اس عبارت میں جو عشر و خراج کی نفی کا تعلق ہے، وہ اس زمین سے ہے جو کہ دار الحرب کی اور اہل حرب کی ہو مسلمانوں کی زمین سے اس کا کوئی تعلق نہیں خواہ ان کی زمین دار الحرب میں کیوں نہ ہو جب کہ وہ دار الحرب میں سکونت پذیر ہوں۔ مولانا رحمانی صاحب نے بھی اس عبارت کا محمل یہی ذکر فرمایا ہے [2]

شامی کی عبارت کی مذکورہ توجیہ کی تائید باب الرکاز میں آنے والے مسائل اور تفصیل سے نیز السیر الکبیر اور اس کی شرح کی عبارت سے بھی ہوتی ہے، اس اعتبار سے کہ یہ مذکورہ قید اسی زمین کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہے کہ جو دار الحرب کی ہو اور وہاں کے غیر مسلم باشندوں کی ملک اور ان کے زیر اقتدار و زیر تصرف ہو۔

(۵) شامی کی عبارت کی حیثیت

اس توجیہ و تفصیل کے بعد پھر ان عبارات یا مذکورہ عبارت سے اس استدلال کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ پھر یہ استدلال اصولی طور پر بھی محل نظر ہے، اس لئے مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نے سخت الفاظ میں اس پر تبصرہ فرمایا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ شامی کی یہ عبارت:

"مجمل — بلا سند — غیر منسوب الی امام — ہے نہ دلیل، نہ دوسری کتاب میں، اس لئے نہ لائق اعتبار، نہ قابل استناد، نہ لائق فتویٰ ہے" [3]

---

[1] احسن الفتاوی ج ۴ ص ۳۰۴

[2] کتاب العشر والزکاۃ ص ۳۳ حاشیہ [3] ایضاً

اس کے بعد انھوں نے اس عبارت کا وہ حل تجویز فرمایا ہے جس کو پیچھے ذکر کیا گیا ہے۔ مولانا نے
اس عبارت پر جو تبصرہ و نقد فرمایا ہے مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر وہ لائق توجہ ہے۔ ایک طرف تو عشر کی
شرعی حیثیت اور اس کے وجوب کے وافر قطعی و قوی دلائل جن میں کوئی استثناء و تفصیل کہیں نہیں ہے،
دوسری طرف صرف ایک یہ عبارت، نہ تو بطور قاعدہ و کلیہ اس قسم کی کوئی بات کسی کتاب میں، اور نہ ہی بحیثیت
جزئیہ کوئی صاف صریح چیز اپنے موقع پر کسی جگہ، نہ ائمہ مذاہب یا متقدمین و متاخرین اہل تحقیق کی کوئی صراحت
و وضاحت، نہ ہی ایسی کسی دلیل کا تذکرہ اور اس پر روشنی کہ جس سے اس فرق کی وضاحت ہوتی ہو
اور پھر مذکورہ عبارت میں بھی یہ صاف صاف نہیں کہ دار الحرب کی کوئی زمین بھی عشری و خراجی نہیں
ہوتی اگرچہ مسلمانوں کے زیر تصرف کیوں نہ ہو۔

رہ گیا تاتارخانیہ وغیرہ کا جزئیہ اور یہ مسئلہ کہ دار الاسلام دار الکفر بن جانے تو سابق حیثیت
ختم۔ تو خود ان جزئیات میں یہ صراحت موجود ہے کہ سابق مسلمان مالکان جو اپنی اراضی [1] حاصل کریں گے
ان کی سابق عشری یا خراجی حیثیت ہی برقرار رہے گی، اور ساتھ ہی یہ کہ جن اراضی کے متعلق ثبوت فراہم
کر کے حاصل نہ کیا جا سکا ان کے ساتھ حکومت وہی معاملہ کرے گی جو کہ اس ملک و علاقہ کو پہلی مرتبہ فتح
کرنے کے موقع پر کیا گیا ہو، یعنی جو زمینیں سابق مسلمان مالکان نے حاصل کر لیں ——
بقیہ سب حکومت کے زیر تصرف اور ان کی سابق جو بھی حیثیت رہی ہو یا جس کی ملک بھی رہی ہوں وہ سب
ختم اب نئے سرے سے جس کو ملیں گی حسب ضابطہ احکام ہوں گے —— تو یہ تو دار الاسلام
میں بھی بعض زمینوں کے متعلق ہوتا رہتا ہے، ہمارے فقہاء نے بار بار ذکر کیا ہے کہ دار الاسلام میں
جو زمینیں مالکوں کے لاوارث فوت ہونے یا لاپتہ ہو جانے کی وجہ سے حکومت کے زیر تصرف
آ جائیں ان کا حکم اب سابق حکم سے مختلف ہوگا، یعنی حکومتیں نیا تصرف و معاملہ جس قسم کا کریں گی اس
کے مطابق کرایہ و اجارہ کے طور پر عوام سے کاشت کرائیں یا حسب صوابدید عاملین کو دیں یا مستقل
کسی کو دے دیں یا کوئی ان سے بالعوض حاصل کرے، سب کے الگ الگ احکام ہوں گے،
حتی کہ بعض حضرات نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ ایسی جو زمینیں بالعوض حکومت سے حاصل

---

[1] [illegible]

کی جائیں گی ان میں نہ تو عشر ہوگا اور نہ خراج [۱]

پھر یہ کہ تاتارخانیہ وغیرہ میں یہ حکم صرف زمین و جائداد کی حد تک ہے بقیہ املاک و اموال کے تو مسلمان ہی مالک رہیں گے۔ اس صورت میں بھی جب کہ مسلمان باشندے ہوں وہاں کے اور اس صورت میں بھی جب کہ دارالاسلام کا کوئی مسلمان وہاں جاکر کچھ جائداد بنالے۔ البتہ امام ابویوسف دوسرے فقہاء کی طرح یہ فرماتے ہیں کہ جو کچھ کسی مسلمان کے مالکانہ تصرفات میں ہو وہ سب کا سب اس کا ہوگا [۲] اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی نے امام ابویوسف کی رائے کو ترجیح دی ہے۔

(ج) مسئلہ کا دوسرا رُخ

زمینوں کا شرعی وظیفہ ہر جگہ

دارالحرب کے مسلمانوں کی زمینوں پر شرعی وظیفہ کے عائد ہونے کا ایک رُخ تو یہ ہے جس کی تفصیل مع استدلال پیش کی گئی، اور دوسرا رُخ یہ ہے کہ

(۱) دارالکفر بھی محلِ احکام ہے

(الف) کسی ملک کے دارالکفر و دارالحرب ہونے کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ شرعی طور پر آزادی کی جگہ ہے اور وہاں کے مسلمانوں سے کسی قسم کا کوئی مطالبہ نہیں اور ان پر کوئی حکم عائد نہیں ہوتا۔ بس خاص بات یہ ہوتی ہے کہ جن احکام کی ادائیگی کے لئے حاکم و حکومت کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان سے متعلق نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ مسلم حکمرانوں کا ایسے ملکوں کے اندر اثر و رسوخ نہیں ہوتا کہ وہ اس کے ذریعہ دارالکفر کے مسلمان باشندوں کا مواخذہ و گرفت کریں اور خود وہاں کوئی نظم قائم ہو جائے خواہ مسلمان خود کرلیں یا یہ کہ ان کی کافر حکومت اس کا نظم کردے اور اس کو قبول کرے تو پھر تمام احکام جاری ہوتے ہیں اور ہوں گے۔ تاتارخانیہ میں ہے:

---

[۱] رد المحتار ۳/۵۰ ناقلا عن صاحب البحر

[۲] اعلاء السنن ۱۲/ ص ۱۳۹ تا ص ۱۵۲ و ص ۲۲۲ وغیرہ

"وکل مصرفیه والٍ مسلم من جهتهم یجوز فیه اقامة الجمعة والأعیاد وأخذ الخراج وتقلید القضاة وتزویج الأیتام لاستیلاء المسلم علیهم"[1]

کفار کے ملک کے جس شہر و علاقہ میں کفار کی طرف سے کوئی مسلمان حاکم تجویز ہو تو اس میں جمعہ و عیدین کا قیام اور خراج کی وصولی اور قضاۃ کی تعیین اور یتیموں کی شادی (وغیرہ جیسے) تمام امور جائز ہیں اس لئے کہ مسلمانوں کا حاکم مسلمان ہی ہے۔

خلاصہ یہ کہ مواخذہ و گرفت کے احکام ان کے لئے نہیں ہوتے ورنہ تو وہ مسلمان ہونے کی وجہ سے اور مسلمان ہونے کے ساتھ اسلامی زندگی و شرعی احکام کے پابند ہوتے ہیں، نماز و روزہ کی ادائیگی ان پر فرض ہوتی ہے، اسی طرح اور دیگر حلال و حرام، حقوق اللہ و حقوق العباد کا ان کو خیال رکھنا ہوتا ہے۔ کتاب و سنت کی نصوص اور فقہاء کی تصریحات سب سے یہ واضح ہے۔

مدینہ منورہ کی ہجرت سے پہلے کہ مکہ مکرمہ کی زندگی سب سے بڑی واضح دلیل ہے، نماز مکہ مکرمہ میں فرض ہوئی اور وہیں سے اس کا مطالبہ رہا۔ اس لئے علماء نے اس کی صراحت کی ہے جیسے کہ دیگر احکام سے متعلق خود ہمارے ائمہ کی بھی صراحت ملتی ہے حتی کہ دار الحرب میں کئے جانے والے معاملات سے متعلق بھی اور قتل وغیرہ سے متعلق بھی۔ کوئی مسلمان، خواہ دار الاسلام کا باشندہ ہو جو کسی طرح دار الکفر و دار الحرب میں پہنچ گیا ہو یا وہیں اسلام لایا ہو اور وہیں رہتا ہو۔ اگر دار الکفر کے اور کوئی ایسا مالی معاملہ کسی مسلمان کے ساتھ کرتا ہے جو کہ شرعاً جائز نہیں ہے تو امام صاحب کے یہاں تو کچھ گنجائش ہے باقی جمہور حتی کہ صاحبین بھی منع کرتے ہیں۔

اسی طرح دار الکفر و دار الحرب کے اندر اگر کسی مسلمان کا دوسرے مسلمان کے ذریعہ قتل ہو جائے۔ تو کم از کم کفارہ کے وجوب پر تو ہمارے ائمہ متفق ہیں اور امام ابو یوسف ہر صورت میں اس کے ساتھ دیت کو بھی واجب قرار دیتے ہیں اگرچہ استحساناً ہو، بعض صورتوں میں امام صاحب بھی موافق ہیں اور امام محمد اکثر مواقع میں موافقت کرتے ہیں۔[2]

---

[1] تاتارخانیہ ۵/۳۲۶ [2] تاتارخانیہ ۵/۳۳۸، ۳۳۱، ۳۳۲

دار الحرب کا مسلمان اگر ناواقفیت کی وجہ سے نماز و روزہ چھوڑتا رہے۔ اور دارالاسلام جانے یا منتقل ہونے پر اس کو علم ہو تو امام ابویوسف اور عام فقہاء کہتے ہیں کہ اس کو نماز و روزہ کی قضا کرنی ہوگی[1]

السیر الکبیر اور اس کی شرح میں یہ بھی صراحت موجود ہے کہ دار الحرب میں رہتے ہوئے اموال پر زکوۃ بھی واجب ہے لیکن یہ کہ فیما بینہ وبین اللہ ادا کرے گا، امام المسلمین نہیں لے گا،[2] یعنی مواخذہ نہیں کرے گا اس لئے کہ اس کا عمل و دخل نہیں ہے۔ اور اگر زکوۃ نہ ادا کی اور سالہا سال گذر گئے تو عام فقہاء کہتے ہیں کہ جب مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو یا یہ کہ اس کو علم ہو، یا دارالاسلام منتقل ہو تو سالہائے گذشتہ کی زکوۃ ادا کرے گا[3] البتہ بظاہر ہمارے فقہاء اور بالخصوص امام صاحب زکوۃ کی قضا کو بھی واجب نہیں کرتے۔

بہرحال ایسا نہیں کہ دار الکفر و دار الحرب میں مسلمان پر شرعی احکام و مطالبات نہیں ہیں۔ بیشک ہیں اور بالاتفاق ہیں البتہ نوعیت کا فرق ہے۔

(۲) نصوص عشر کا عموم اور اس کا تقاضا

(ب) پھر یہ کہ وجوب عشر کی نصوص عام و مطلق ہیں جن کا تقاضا ہر مسلمان کی زمین پر اس وظیفہ کے عائد ہونے کا ہے۔ خراج کا مطالبہ و وجوب تو اس کو ساقط کر دیا کرتا ہے (کم از کم عند الاحناف) ورنہ اس کا وجوب مسلمانوں کی زمینوں پر اسی طرح سمجھ میں آتا ہے جیسے کہ زکوۃ کا وجوب املاک میں سب ہی مانتے ہیں، نصوص کے اس تقاضے کا تذکرہ مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ نے بھی کیا ہے[4] اور کفایت المفتی کے ایک مبسوط فتوی میں جو کہ بعض اکابر دیوبند کا تصدیق کردہ ہے۔ (اگرچہ مفتی کفایت اللہ صاحب کا تحریر کردہ نہیں ہے بلکہ ان کا نوٹ ہے) اس میں بھی اس کا ذکر ہے[5] مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نے بھی اس پہلو سے کافی گفتگو فرمائی ہے[6] اور مفتی عزیز الرحمن صاحب

---

[1] ایضاً ص۳۲۳، المغنی ۲/۴۰۸ [2] السیر الکبیر مع شرح ص۲۱۳۶-۲۱۳۵ [3] المغنی ۲/۴۰۸

[4] فتاوی دارالعلوم جدید ۶/۱۷۱ [5] کفایت المفتی ص۲۹۹ تا ۳۰۲ [6] ملاحظہ ہو کتاب العشر والزکاۃ

نے تو اسی بنیاد پر احتیاطاً ہی وجوب عشر کو ذکر فرمایا ہے لیکن مولانا رحمانی صاحب وغیرہ نے وجوبی طور پر ذکر فرمایا ہے۔ مفتی رشید احمد صاحب بھی بظاہر دارالکفر و دارالحرب میں مطلقاً وجوب کے قائل ہیں اس لئے کہ انھوں نے شامی کے جزئیہ کی یہ توجیہ فرمائی ہے کہ اس کا تعلق دارالحرب کے غیر مسلم باشندوں کی زمین سے ہے نہ کہ مسلم باشندوں کی زمین سے؎

(ج) پھر یہ کہ ہمارے فقہاء عشر کے وجوب کو پیداوار کی نمو سے متعلق کرتے ہیں، اور شروط عشر کے استدلال کی کیا حیثیت ہے تفصیل آ چکی ہے۔ اس سب کا تقاضا دارالکفر میں بھی ادائیگی عشر کا ہے۔

(۳) مولانا ظفر احمد صاحب کا محققانہ فیصلہ

شرعی حیثیت سے مسلمانوں کی زمین پر عشر

یہ بحث مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کی اس سلسلہ کی فیصلہ کن و محققانہ رائے پر ختم کی جاتی ہے۔ مولانا نے اعلاء السنن میں ایک عنوان قائم کیا ہے: "حکم ارض الحرب اشتراها مسلم أو أسلم عليها أهلها هي خراجية أو عشرية"۔ اس کے تحت شامی کا مذکورہ جزئیہ اور سیر کبیر و شرح السیر کی عبارت نیز بعض دوسری عبارات نقل فرمائی ہیں۔ اس کے بعد مولانا فرماتے ہیں:

> "یہ جو کہا جاتا ہے کہ دارالکفر و دارالحرب کی زمین نہ عشری ہے اور نہ خراجی تو اس کا معنی بظاہر یہ ہے کہ زمین وہاں کفار حربی کے تصرف میں ہوتی ہے، اس پر تصرف کا قبضہ حقیقی نہیں ہوتا بلکہ حقیقی قبضہ تو اس علاقہ کے حاکم و حکومت کا ہوتا ہے، لہٰذا اہل حرب (دارالحرب کے باشندوں) کی زمین میں عشر نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ ان کے حاکم کے قبضہ میں ہوتی ہے اور (مسلمان اگر حملہ آور ہوئے تو) ان کا حاکم (گرفتار ہو کر) مسلمانوں کا مملوک (اور ان کے لئے غنیمت) شمار ہوگا تو جو کچھ اس کے قبضہ میں وہ بھی مسلمانوں کی ملکیت و غنیمت ٹھہرے گا۔ اور عشر صرف اس زمین پر ہوتا ہے جو کہ

؎ احسن الفتاوی ج ۴ ص ۳۴۲

مسلمانوں کے قبضہ (اور مکمل ملک) میں ہو اور اس زمین پر خراج اس لئے نہیں ہوگا کہ خراج کا وجوب صرف دارالاسلام کے اندر ہے کیونکہ یہ اسلام کے ان مخصوص احکام میں سے ہے جو کہ صرف دارالاسلام میں رہنے والوں پر جاری ہوتے ہیں"۔

البتہ امام ابو یوسف کے قول کا تقاضہ یہ ہے کہ دارالحرب کے مسلم باشندوں کی زمین پر عشر واجب ہو، اس لئے کہ امام ابو یوسف یہ فرماتے ہیں کہ اگر دارالحرب پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے تو وہاں کے مسلم باشندوں کی جملہ املاک مسلمانوں کی ہی رہیں گی وہ غنیمت میں شامل و شمار نہ کی جائیں گی، اور عشر زمین کی زکوٰۃ ہے، جیسے کہ اموال کی زکوٰۃ ہوا کرتی ہے وہ اس پر واجب ہوگی اسی طرح عشر بھی اس پر واجب ہوگا۔

اور پیچھے ایک باب میں یہ بات گذر چکی ہے کہ قوۃ دلیل کی بنا پر امام ابو یوسف کا قول بھی ہمارے نزدیک راجح و صحیح ہے اور اس میں عامۃ الناس کی رعایت بھی زیادہ ہے۔ اس لئے دارالحرب کا جو باشندہ اسلام لائے اس کی زمین پر عشر کا وجوب ہی راجح ہے۔ اور جب اس کی زمین پر عشر واجب ہے تو جو لوگ وہاں کے رہنے والے ہیں اور پشتہا پشت سے مسلمان ہیں؛ جن لوگوں نے اس علاقے کو فتح کیا تھا ان کی اولاد ہیں یا یہ کہ ان کے باپ دادا اسلام لائے تھے اور پورا علاقہ دارالاسلام تھا، پھر کافروں کا تسلط و اقتدار ہو گیا اور کفار حکمرانوں نے ان کی املاک سے کوئی تعرض نہ کیا۔ تو اگرچہ مجھ کو صراحۃً کوئی چیز نہیں ملی لیکن چوں کہ امام ابو یوسف کا قول ہمارے نزدیک راجح ہے۔ اس کا تقاضہ یہی ہے کہ ایسے لوگوں کی زمین پر بھی عشر واجب ہو۔

چند سطروں کے بعد مولانا فرماتے ہیں :

" ہمارے علماء نے صراحت کی ہے کہ چوں کہ امام ابو یوسف کا قضا سے تعلق رہا اور خوب تجربہ رہا۔ لہٰذا قضا و اوقاف کے باب میں ان کے قول کو ترجیح دی جائے گی اور اسی پر فتویٰ دیا جائے گا، اسی طرح زمین سے متعلق احکام، عشر و خراج میں بھی ان کے قول کو ترجیح ہونی چاہئے اس لئے کہ عشر و خراج کا زمین سے اسی طرح کا تعلق ہے جیسا کہ اوقاف کا ہے[1]۔

---

[1] اعلاء السنن ج ۱۲ ص ۳۲۳—۳۲۱

مولانا ظفر احمد صاحب نے نیز مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نے بھی اپنے استدلال میں ایک عبارت کو بھی ذکر کیا ہے جس میں اس بابت ایک اصولی مسئلہ ذکر کیا گیا ہے۔ یہ عبارت و مسئلہ امام ابو یوسف کی "کتاب الخراج" میں بھی ہے اور امام محمد کی کتاب الاصل میں بھی کتاب الاصل کی عبارت نقل کی جاتی ہے:

"قلت: أرأيت قوما من اهل الحرب أسلموا في دارهم أيكون أرضهم من أرض العشر؟ قال: نعم قلت: لم؟ قال: لأنهم أسلموا عليها ولم يفتح المسلمون بلادهم فيكون فيئاً فأرضهم من أرض العشر"

امام محمد سے دریافت کیا گیا کہ جو اہل حرب اپنے ملک میں رہتے ہوئے مسلمان ہو جائیں تو کیا ان کی زمینیں عشری ہوں گی؟ فرمایا ہاں! اس پر دریافت کیا گیا کہ ایسا کیوں ہے؟ تو فرمایا اس لئے کہ وہ خود سے اسلام لائے ہیں مسلمانوں نے ان پر حملہ کر کے ان کو زیر نہیں کیا ہے اس لئے ان کی زمین فئی قرار پا کر عشری زمین ہو گئی۔ اس کے بعد نظیر میں حجاز و یمن وغیرہ کے علاقوں کا حال اور ان کا حکم ذکر کیا گیا ہے[1]

البتہ احقر کے خیال میں ان حضرات کا یہ فرمان اس صورت کے لئے ہے جب کہ پورا علاقہ اور پورا ملک اسلام لے آئے، جیسا کہ مذکورہ علاقوں میں ہوا تھا نہ یہ کہ بعض افراد، تاہم اس ضمن میں بعض افراد بھی آ ہی جاتے ہیں۔

(د) دار الکفر کی زمین کا شرعی وظیفہ

صرف عشر یا عشر و خراج دونوں

یہ طے ہو جانے کے بعد کہ دار الکفر کے مسلمانوں کی زمین پر بھی شرعی وظیفہ ہے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ وظیفہ کیا ہوگا؟ صرف عشر یا حسب ضابطہ خراج بھی۔ یہ سوال خصوصیت

---

[1] کتاب الاصل ج۷ ص۲۳ تا ۲۵، الخراج لابی یوسف ص۶۲-۶۳، اعلاء السنن ج۱۲ ص۲۲۴

سے بعض حضرات کی بحث اور تفصیل و تحقیق کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، اور یوں بھی تعیین و توضیح
کی ضرورت ہے۔

عام فتاویٰ میں تو جہاں شرعی وظیفہ کی ادائیگی کی بات آئی ہے، عشر و خراج دونوں کی
بات آئی ہے اور جن حضرات نے تحقیقی طور پر کچھ لکھا ہے مثلاً مفتی محمد شفیع صاحب و مفتی رشید احمد
صاحب و مفتی نظام الدین صاحب[1] ان حضرات نے بھی حسب ضابطہ دونوں کے لزوم و ادائیگی کو ذکر
کیا ہے، لیکن بعض حضرات کا رجحان یہ ہے یا معلوم ہوتا ہے کہ صرف عشر ہی ہوگا خراج نہیں۔

کفایت المفتی میں مفتی جمیل الرحمٰن صاحب کا جو مبسوط فتویٰ ہے، جو کہ حضرت مولانا
اعزاز علی صاحب نیز مفتی مسعود احمد صاحب (مفتیان دار العلوم دیوبند) کا تصدیق کردہ بھی ہے
اس میں مدلل طور پر یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ عشر ہی دینا ہوگا۔ اس سے کہ عشر
اصل وظیفہ ہے اور خراج دار الاسلام ہے، اور ملک دار الاسلام رہا نہیں،[2] مفتی محمد شفیع صاحب
نے بھی ذکر فرمایا ہے کہ بعض حضرات اطلاقاً عشر کو فرماتے ہیں[3] مولانا ظفر احمد صاحب کی جو تحریر
و رائے پیچھے نقل کی گئی اس سے بھی کچھ ایسا ہی مترشح ہوتا ہے اس لئے کہ مولانا نے ان بحث
کی تمہید میں جو عبارتیں نقل کی ہیں ان میں سیر کبیر کی یہ عبارت بھی آئی ہے:

"ان خراج الأرض لا يجب إلا على من هو من أهل دار الإسلام
لأنه حكم من أحكام المسلمين وحكم المسلمين لا يجري
إلا على من هو من أهل دار الإسلام"[4]

یعنی زمین کا خراج اسی پر واجب ہوتا ہے جو کہ دار الاسلام کے رہنے والوں میں سے
ہو۔ اس لئے کہ یہ مسلمانوں کے احکام میں سے ہے، اور مسلمانوں کے احکام انہیں لوگوں پر جاری
ہوتے ہیں جو کہ دار الاسلام میں رہتے ہوں۔

---

[1] جواہر الفقہ جلد دوم رسالہ عشر و خراج، احسن الفتاوی ج ۴ ص ۳۶۸–۳۷۰، نظام الفتاوی ۱/۳۵۶
[2] کفایت المفتی ج ۴ ص ۲۹۹–۳۰۲
[3] جواہر الفقہ ۲/۲۶۵
[4] اعلاء السنن ۱۲/۳۲۱ – بحوالہ السیر الکبیر ۴/۳۵۳

ان عبارات کے بعد کی گفتگو میں مولانا نے "لاخراجیہ" کی تفسیر و تشریح یہی کی فرمایا ہے کہ خراج اس لئے نہیں کہ خراج دارالاسلام میں ہوتا ہے[1]۔ امداد الاحکام کے ایک فتوی میں بھی اسی انداز کا مضمون آیا ہے[2]

امام سرخسی اور علامہ عینی وغیرہ نے خراج کے لئے دارالاسلام کے مخصوص احکام میں سے ہونے کا یا جزیہ کے تابع ہونے کا تذکرہ آیا ہے اور جزیہ بالاتفاق دارالاسلام میں لازم و نافذ ہوتا ہے[3]

خلاصہ یہ کہ اس دوسری رائے و تحقیق کے مطابق ہندوستان جیسے ملکوں میں صرف عشر ہی لازم ہوگا، اگر ہوگا۔ خراج نہیں، اس لئے کہ خراج دارالاسلام کے خواص میں سے ہے۔ اور اس کے مخصوص مصارف ہیں جو کہ دارالاسلام میں ہی پائے جاتے ہیں۔

مفتی شفیع صاحب نے اس رائے پر یہ نقد فرمایا ہے کہ:

"اس تحقیق میں یہ خامی ہے کہ فقہاء کی جن عبارات کی بناء پر اراضی دارالحرب کے خراج کے ارتفاع کو ثابت کیا گیا ہے انہیں عبارتوں میں عشر کی بھی نفی موجود ہے تو خراج کی نفی سے عشر کا اثبات ان روایات فقہاء سے کس طرح ثابت کیا جاسکتا ہے"[4]

لیکن مفتی صاحب کا یہ نقد شامی کے مشہور جزئیہ یا سیر کبیر کی عبارت "لا عشر ولا خراج" کی حد تک تو صحیح معلوم ہوتا ہے، مفتی جمیل الرحمٰن صاحب نے جو امور ذکر کئے ہیں نیز مولانا ظفر احمد صاحب نے بھی جن کا کچھ تذکرہ پیچھے آچکا ہے ان کی نسبت سے یہ نقد محل نظر ہے، اس لئے کہ وہ خصوصیت سے خراج کے سقوط و نفی کے الگ اور مستقل دلائل ہیں اور کہا جاسکتا ہے کہ دارالکفر و دارالحرب کی زمین سے عشر کے سقوط و معافی کے دلائل سے زیادہ قوی دلائل ہیں، فقہاء نے بڑی صراحت کے ساتھ اور بطور اصول دارالاسلام کے ساتھ خراج کا اختصاص ذکر کیا ہے اور عشر کے لئے اس قسم کی صراحت ہم کو نہیں ملی۔

---

[1] اعلاء السنن ۱۲/۳۴۲ [2] امداد الاحکام ۲/۳۸

[3] کفایت المفتی ۴/۳۰ [4] جواہر الفقہ ۲/۲۶۵

اس بحث کے شروع میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ عموماً لوگوں نے اس بحث کو کوئی فرق نہیں کیا ہے۔ جن حضرات کے سامنے ہندوستان کا دار الکفر ودار الحرب ہونا ہے اور اس کے باوجود انھوں نے احتیاطاً یا تحقیقاً وتعییناً ہندوستان کی زمینوں میں شرعی وظیفہ کی ادائیگی کا فتویٰ دیا ہے وہ عموماً عشر وخراج دونوں ہی چیزوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ "امداد الاحکام" جو کہ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کے فتاویٰ پر بھی مشتمل ہے اس میں بھی دار الحرب سے سقوطِ وظیفہ کے بعد۔ عشر وخراج دونوں کی ادائیگی کا تذکرہ ایک فتویٰ میں آیا ہے [1]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فقہاء نے جس صراحت کے ساتھ خراج کے دار الاسلام کے ساتھ اختصاص کا تذکرہ کیا ہے عشر کے لئے نہیں کیا ہے اور فقہاء یہ بھی فرماتے ہیں کہ عشر میں تو عبادت کا پہلو پایا جاتا ہے جب کہ خراج میں یہ پہلو نہیں ہے اس لئے اس کا مطالبہ کافر سے ہوتا ہے [2] اور مسلمان دار الکفر میں انھیں امور کا مکلف ہوگا جو کہ عبادات کے قبیل کے ہوں۔

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کم از کم فقہاء احناف کے یہاں ایک مسلمان بھی خراج کی ادائیگی کا مکلف ہوتا ہے اور صرف خراج کا۔ اور بقاءً ہی نہیں ابتداءً بھی۔ اس صورت میں ہی نہیں کہ ایک کافر کی زمین پر خراج لازم ونافذ تھا اور پھر کسی مسلمان نے اس زمین کو اس سے خرید لیا تو اب مسلمان کو اس زمین کا سابق وظیفہ جو کہ خراج تھا وہی ادا کرنا ہوگا۔ جیسا کہ ہماری کتابوں میں معروف ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ہماری کتابوں میں یہ بھی معروف ہے کہ "نو آباد زمینیں" جنھیں مسلمان ہی آباد کریں ان میں حسب موقع وضابطہ عشر کے بجائے خراج بھی واجب ولازم ہوگا [3] اور ظاہر ہے کہ یہ وجوب ابتداءً ہوتا ہے یعنی نو آباد زمین پر پہلا وظیفہ شرعی ہوتا ہے اور بعنوان خراج اور بصورت خراج۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ صورتوں میں مسلمانوں پر خراج کیوں عائد ہوا؟ جب وہ عبادت کے پہلو سے خالی ہے۔ بالخصوص دوسری صورت میں جب کہ زمین پر پہلا وظیفہ عائد

---

[1] امداد الاحکام ۲/۴۹۰ [2] رد المحتار ۲/۲۰ و بدائع ۲/۵۴ - ۵۵ [3] ایضاً

سے کوئی اہم ضرورت ہی تو بدلتا ہے ورنہ نہیں بدلتا۔ اور جب کوئی ذمی کسی مسلمان سے عشری زمین خریدتا ہے تو ایسی ہی ضرورت پائی جاتی ہے اس لئے کہ کافر عشر کے وجوب کا اہل نہیں ہے اور مسلمان فی الجملہ خراج کے وجوب کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس لئے مسلمان نے کسی ذمی سے جو زمین خریدی اس میں مالک کے بدلنے کی وجہ سے تبدیلی کی ضرورت نہیں۔

"فی الجملہ وجوب کی اہلیت" سے بظاہر یہی مراد ہے کہ کبھی اس پر ابتداءً بھی خراج واجب ہوتا ہے یا یہ کہ زمین کے شرعی وظیفہ میں، خواہ وہ عشر ہو یا خراج "مؤنت" یعنی ٹیکس کا پہلو عشر خراج دونوں میں پایا جاتا ہے پھر عشر کو یہ امتیاز ہے کہ اس میں اس کے ساتھ عبادت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے جو کہ اس کو مسلمان کے ساتھ خاص کر دیتا ہے اس لئے کہ عبادت کا اہل و مکلف وہی ہے۔

اس قسم کے مسائل سے متعلق تفصیلات سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ "وظیفہ میں تبدیلی نہ ہونے" کا قاعدہ جیسے کلی نہیں ہے، اتفاقی بھی نہیں ہے۔ امام محمد کے یہاں مطلقاً تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور امام ابو یوسف کے یہاں بعض صورتوں میں ہو بھی جاتی ہے۔ صاحب بحر کے ایک تجزیہ کے مطابق مسلمان جو زمین خریدے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ دوسروں کی خریداری میں ہوتی ہے۔ مگر مسلمان کی خریداری میں بھی بعض صورتوں میں امام ابو یوسف تبدیلی کے قائل ہیں[1]

اور یہ ساری تفصیلات ہمارے یہاں یعنی فقہ حنفی میں ہیں، دوسرے حضرات کے یہاں بھی تبدیلیاں ہوتی ہیں اگرچہ دوسرے انداز میں، جن میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی سے اس کی خراجی زمین کو خریدتا ہے تو اس کو اس زمین پر لگا ہوا سابق خراج بھی ادا کرنا پڑتا ہے، اور مسلمان ہونے کی وجہ سے عشر بھی اس پر لازم ہوتا ہے۔ ایسے ہی اگر ذمی اسلام لے آئے تو بھی یہی حکم ہے اور اگر کوئی ذمی کسی مسلمان کی عشری زمین خریدتا ہے تو اس سے شرعی وظیفہ ساقط ہو جاتا ہے[2]

---

[1] رد المحتار ۲/ ۵۲ [2] شرح المہذب ۵/ ۵۶۰، المغنی ۲/ ۵۸۳ تا ۵۸۶، ۵۹۱ تا ۵۹۳، اعلاء السنن ۱۲/ ۵۵۷

خلاصہ یہ کہ اگر خراج میں اصلاً عبادت کا پہلو نہیں ہے اور اصلاً اس کا مکلف دارالاسلام کا غیر مسلم باشندہ ہوتا ہے۔ مگر ایک مسلمان سے بھی اس کو وصول کیا جاتا ہے اور اس پر بھی بعض صورتوں میں لازم ہوتا ہے۔ اور فی الجملہ ائمہ اربعہ کے نزدیک یا یوں کہئے کہ مذاہب اربعہ کے اتفاق کے ساتھ۔

جس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ اصلاً اس میں عبادت کا پہلو نہیں ہے۔ لیکن جیسے دونوں کے اندر یہ بات پائی جاتی ہے کہ دونوں ہی "مؤنۃ الارض" یعنی زیر تصرف زمین اور اس سے انتفاع کا ٹیکس اور معاوضہ ہیں، اسی طرح یہ بات بھی مشترک ہے کہ دونوں ہی زمین پر عائد ہونے والے شرعی وظائف ہیں اور شریعت نے دونوں کے الگ الگ اور جدا گانہ مصارف تجویز کئے ہیں جو کہ مسلمانوں اور دارالاسلام سے متعلق ہوا کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ عشر میں عبادت کا پہلو اسی جہت سے ہے کہ شریعت نے ایک مسلمان کو اس کا مکلف بنایا ہے تو جب معاملہ شریعت کی تجویز کا ہے تو خراج کے اندر بھی یہ بات پائی ہی جاتی ہے کہ وہ بھی عشر کی طرح زمین کا ایک شرعی وظیفہ اور شریعت کی طرف عائد کردہ ہے۔ لہٰذا فی الجملہ اس کے اندر بھی وہ بات پائی جاتی ہے کہ جس کی وجہ سے ایک مسلمان سے عشر کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور اس طرح خراج کے اندر بھی ایک درجہ عبادت کی شان پیدا ہو جاتی ہے کہ جس کی وجہ سے بعض صورتوں میں ایک مسلمان پر بھی ابتداءً اس کی تنفیذ ہوتی ہے اور بعض صورتوں میں اس سے صرف خراج ہی بطور شرعی وظیفہ کے وصول کیا جاتا ہے۔ اور کہا جا سکتا ہے کہ صاحب بدائع نے شاید "فی الجملہ" کے لفظ سے اسی انداز کی تفصیل و توجیہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اور اس ساری تفصیل کا مقتضی یہ ہے کہ ایک مسلمان دارالکفر میں جیسے عشر کا مکلف ہوتا ہے، اسی طرح خراج سے متعلق تفصیلات کے پائے جانے پر وہ بطور شرعی وظیفہ کے خراج بھی ادا کرنے کا مکلف ہے اور جیسے اس کا ادا کردہ عشر عبادت کا پہلو لئے ہوئے ہوتا ہے اسی طرح اس کا ادا کردہ خراج بھی عبادت کی حیثیت رکھے گا۔

(۷) غیر شرعی وظائف اور عشر و خراج

دارالاسلام کے باشندے حسب اصول وضابطہ عشر وخراج کے [illegible]

زمینوں کے وظائف نکال لئے اور حکومت کو سپرد کرتے ہیں جو کہ مصارف میں صرف کرتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکومتیں اپنی طرف سے جو وظائف متعین اور لازم و لاگو کرتی ہیں، ایک مسلمان کے لئے ان کی ادائیگی کیا حیثیت رکھتی ہے؟ بالخصوص وہ وظائف جو کہ خراجی زمینوں پر عائد ہوں تو کیا وہ شرعی خراج سے بری قرار دیں گے؟

اس بحث کے تحت دو صورتیں آتی ہیں، ایک عشری زمین پر سرکاری و غیر شرعی وظائف کا مسئلہ اور دوسرے خراجی زمینوں پر عائد اس قسم کا وظیفہ۔

تو پہلی صورت میں یعنی عشری زمینوں پر عشر کے بجائے کسی دوسرے اعتبار کے وظیفہ و ٹیکس کے مطالبہ وادائیگی کی وجہ سے عشر کے اپنی جگہ برقرار رہنے اور اس کے مطالبہ کے ختم نہ ہونے پر ہمارے ارباب افتاء تقریباً متفق ہیں اور وہ اس لئے کہ عشر ایک شرعی وظیفہ ہے، عبادت کی حیثیت رکھتا ہے، زکوٰۃ کی طرح اس کے مصارف بھی خاص و متعین ہیں، اور دوسرے وظائف جن کی تجویز حکومتیں اپنی مصلحتوں کی بنا پر کرتی ہیں ان کی یہ حیثیت نہیں ہے اور نہ ہی وہ وظائف عشر کے مصارف میں صرف کئے جاتے ہیں۔

مولانا عبدالحی صاحب کے ایک فتوی میں سرکاری وظیفہ و ٹیکسوں کی وجہ سے عشر کے ساقط ہونے کی بات آئی ہے [۱] اور مفتی عزیز الرحمن صاحب کے بعض فتاوی سے بھی ایسا ہی محسوس ہوتا ہے بلکہ بعض میں اس قسم کی صراحت ہے [۲] اور دلیل یہ ذکر کی گئی ہے کہ ہمارے فقہاء نے قاعدہ ذکر کیا ہے لا یجتمع العشر والخراج [۳] امداد الفتاوی کے استفتاء میں قاری عبدالرحمن صاحب محدث پانی پتی اور مولانا محمد علی صاحب تھانوی کی طرف بھی اسی کی نسبت کی گئی ہے [۴] اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا رجحان بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ انھوں نے ایک فتوی میں ہندوستان کی اراضی سے متعلق تحریر فرمایا ——— اراضی خراجیہ میں عشر واجب نہیں ہے [۵]

[illegible] ملاحظہ ہو: امداد الفتاوی، احسن الفتاوی، رشیدیہ وغیرہ (مطبوعہ [illegible]) [illegible]

[۱] مجموعۃ الفتاوی [illegible] [۲] فتاوی دار العلوم [illegible]

[۳] [illegible] [۴] امداد الفتاوی [illegible]

[۵] فتاوی عزیزیہ [illegible] مطبع مجتبائی دہلی

مگر حضرت تھانوی وغیرہ نے جواب میں اسی انداز کی بات ذکر فرمائی ہے جو کہ پیچھے ذکر کی گئی کہ یہ محصول و وظیفہ غیر شرعی ہے، اور عشر ایک شرعی چیز اور عبادت ہے جس کا مصرف بھی خاص ہے، ان حضرات کی تائید ہمارے فقہاء کی ذکر کردہ اس تفصیل سے بھی ہوتی ہے جو کہ کتب فقہ میں اس مسئلہ کے تحت آتی ہے کہ اگر کسی دارالاسلام میں مسلمانوں کی ہی کوئی باغی حکومت قائم ہو جائے اور وہ عشر و خراج بھی وصول کرے تو اس کا حکم ہوگا اس میں یہ صراحت بھی آئی ہے کہ اگر باغی عشر و زکوٰۃ کو وصول کریں اور پھر مصارف میں خرچ نہ کریں تو زکوٰۃ و عشر دوبارہ ادا کرنا ہوگا کم از کم دیانۃً اور فیما بینہ وبین اللہ[1]

رہ گیا مسئلہ عشر و خراج کے جمع نہ ہونے کا، اور ایک ہوگا تو دوسرا نہ ہوگا۔ اس کا تو اس کے متعلق خود مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے جن کے اکثر فتاوی میں صراحۃً یہ بات آئی ہے کہ سرکاری محصول سے عشر کا مطالبہ ساقط نہیں ہوتا — مولانا عبدالحئی صاحب کے فتوی پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ "خراجی زمین سے عشر اور عشری زمین سے خراج نہیں لیا جائے گا۔ اس کا اس سے تعلق نہیں ہے کہ عشری سے اگر خراج لیا تو عشر ساقط ہوگا یا نہیں[2] اور مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نے یہ فرمایا ہے کہ اس عبارت میں "خراج" سے "شرعی خراج" مراد ہے، کسی حکومت کی طرف سے عائد کردہ اور سرکاری محصول نہیں۔[3] دوسرے حضرات کا موقف بھی یہی سمجھ میں آتا ہے[4]

اس تفصیل سے واضح ہے کہ دارالکفر میں عشری زمینوں پر سرکاری وظائف و محصول شرعی مطالبہ کو ساقط و ختم نہیں کرتے۔

رہ گئی دوسری صورت یعنی خراجی زمین پر کسی نام و عنوان سے نیز کسی مقدار و حساب میں کسی وظیفہ کی ادائیگی اور اس کی وجہ سے شرعی مطالبہ اور شرعی خراج کا سقوط، اور اس کی

---

[1] رد المحتار ۲/۴۳ [2] فتاوی دارالعلوم ۶/۸۲-۸۱، احسن الفتاوی ۴/۳۳۸

[3] کتاب العشر والزکاۃ ص۱۵۴

[4] جواہر الفقہ ۲/۲۶۹، امداد الفتاوی ۲/۶۸

عدم ادائیگی کا حکم ـــــ تو اس میں بعض اکابر کا رجحان یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایسی زمینوں پر کسی بھی وظیفہ کی ادائیگی سے آدمی شرعی مطالبہ و وظیفہ سے بری الذمہ ہو جاتا ہے[1] جس کا مبنیٰ بظاہر یہ ہے کہ خراج ایک ٹیکس ہے عبادت نہیں ہے۔ لہٰذا کسی بھی حکومت نے لیا خواہ مسلم یا غیر مسلم حکومت ہو یا غیر مسلم آدمی نے خود کو بری و عہدہ برآ کر لیا۔ جواہر الفقہ میں آیا ہے:

"خراج چونکہ عبادت نہیں بلکہ محض ایک ٹیکس ہے، اس لئے خراجی زمینوں کا خراج موجودہ حکومت کی سرکاری مال گذاری ادا کرنے سے ادا ہو جاتا ہے۔"[2]

لیکن بعض دوسرے حضرات کی رائے میں اس مسئلہ کے اندر تفصیل ہے، اور وہ یہ کہ اگر مسلمان وصول کرنے والے اور لاگو کرنے والے ہوں تب تو کافی ہوگا۔ اور اگر غیر مسلم ہوں تو نہیں۔ اس لئے کہ خراج صرف ٹیکس نہیں ہے جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے اور پھر اس کا بھی مصرف متعین ہے، اگرچہ عشر کے مقابلہ میں کچھ توسع ہے۔ مفتی محمد شفیع صاحب و مفتی رشید احمد صاحب[3] نے تفصیل سے اس کو واضح کیا ہے۔

حضرت تھانوی ایک فتوی میں فرماتے ہیں:

"عشر و خراج از حقوق شرعیہ است چنانچہ انکم ٹیکس مسقط زکوۃ نیست ہم چنیں محصول سرکاری مسقط ایں حقوق نباشد۔"[4]

عشر و خراج شرعی حقوق ہیں تو جیسے انکم ٹیکس زکوۃ کو ساقط نہیں کرتا اسی طرح سرکاری محصول ان حقوق کو ختم نہیں کرے گا۔

مفتی محمد شفیع صاحب نے علامہ ہمایونی سندھی کے رسالہ "سراج الہند فی خراج الہند"

---

[1] فتاوی رشیدیہ ص۵۲۳، فتاوی دارالعلوم ۱۰۲/۶، محمودیہ ۳۹/۲

[2] جواہر الفقہ ۲۸۷/۲ میں نے مفتی صاحب کی یہ عبارت صرف اس کے الفاظ کی حد تک استدلال میں نقل کی ہے، اس لئے کہ الفاظ مذکورہ موقف کی ترجمانی کرتے ہیں اگرچہ مفتی صاحب کی اس عبارت کا سیاق یہ نہیں ہے۔

[3] احسن الفتاوی ۳۳۹/۴ ـــ ۳۴۱

[4] امداد الفتاوی ۶۹/۲

کی ایک عبارت نقل کی ہے جس کا حاصل یہ ہے:

"جس شخص پر بھی خراج لازم ہو اس کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ خراج کو اس کے ان مصارف میں صرف کرے جو کہ کتب فقہ میں بیان کئے گئے ہیں" تاکہ عند اللہ اس کی ذمہ داری سے بری ہو سکے اور قیامت میں ماخوذ نہ ہو اور عیسائی حکام جو کچھ لے رہے ہیں وہ خراج کی ادائیگی میں شمار نہیں ہوگا اس لئے کہ کفار کو مسلمانوں سے خراج وصول کرنے کا حق نہیں ہے، اور نہ ہی وہ خراج کا مصرف ہیں۔ لہٰذا اگر مسلمان ان کو خراج دیتے ہیں تو وہ خراج کی ذمہ داری و مطالبہ سے نہیں نکلیں گے، اس لئے کہ یہ کفار نہ اہل حرب سے جنگ کرتے ہیں اور نہ مسلمانوں اور ان کے ملک کی طرف سے دفاع کرتے ہیں۔"[1]

باغیوں کی طرف سے عشر و زکوٰۃ کی وصولیابی سے متعلق ہمارے فقہائے نے جو تفصیل کی ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اس لئے کہ انھوں نے لکھا ہے کہ اگر باغی خراج وصول کریں تو اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے، اور وہ اس وجہ سے کہ باغی بھی مسلمان ہونے کی وجہ سے ——— (ضرورت پر) مسلمانوں اور ان کے ملک پر حملہ آور کفار سے جنگ کرتے ہیں اور خراج مسلمان مجاہدین کا حق ہے[2] لہٰذا کوئی بھی مسلم حکومت اگر اس کو وصول کرتی ہے تو خراج اپنے مصرف میں ہی پہنچتا ہے اس لئے کہ ہر ملک و حکومت میں فوجیں اور آج کل ان کے گراں قدر اخراجات ہیں۔[3]

مذکورہ بالا تفصیل سے واضح ہے کہ ہندوستان جیسے ملکوں میں خراجی زمینوں کا وظیفہ مسلمانوں کو اسی طرح اپنے طور پر نکالنا ہوگا جیسے وہ عشر کے نکالنے کے مکلف ہیں اور سرکاری وظیفہ اور محصول شرعی خراج کی طرف سے کفایت نہ کرے گا۔[4]

---

[1] جواهر الفقه ۲/۲۷۹ و ۲۸۳، حاشیه

[2] رد المحتار ۲/۴۳

[3] جواهر الفقه ۲/۲۵۳

[4] ایضاً ۲/۲۵۳، احسن الفتاوی ۴/۳۰۲ و ۳۳۹

اراضی سلطانیہ اور عشر و خراج

تعریف و حکم

"اراضی سلطانیہ" کا مصداق وہ زمینیں قرار دی جاتی ہیں جو کسی بھی حکومت کے قبضہ و ملک میں رہتی ہیں۔ "اراضی سلطانیہ" کو "اراضی الحوز" وغیرہ بھی کہتے ہیں۔

خواہ اس کی شکل یہ بنی ہو کہ حکومت نے اپنے تسلط و اقتدار کی ابتداء اور روز اول سے کسی زمین کو اپنے لئے خاص کر لیا ہو یا یہ کہ بعد میں کوئی صورت بنی ہو مثلاً کسی مالک کے لاوارث مر جانے کی وجہ سے یا حکومت کی طرف سے کسی زمین کے ضبط کر لینے اور مالکان سے کسی طرح حاصل کر لینے اور قبضہ میں لے لینے کی وجہ سے ہوتی ہو۔

ایسی زمینوں کا حکم یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ اگر حکومت نے ملک کے کسی باشندے کو مالکانہ حیثیت سے دے دیا تو حسب ضابطہ و قواعد اس میں عشر یا خراج لازم و نافذ ہوگا۔ اور اگر کسی کو بس کاشت و انتفاع کی حد تک دیا تو اس پر عشر و خراج نہ ہوگا بلکہ حکومت نے جو معاملہ کیا ہو اس کے مطابق ادائیگی ہوگی جو کہ بقول صاحب فتح القدیر اجرت کی حیثیت رکھے گی۔

ہندوستان اور اراضی سلطانیہ

موضوع سے متعلق اکابر کی تحریرات و تحقیقات جو علم میں آئیں ان کے مطابق علماء ہند نے تین بنیادوں پر یکے بعد دیگرے یہ فتویٰ دیا کہ ہندوستان کی زمینیں اراضی سلطانیہ کا حکم رکھتی ہیں لہٰذا ان میں عشر و خراج نہیں ہے۔

پہلا مرحلہ ۱۸۵۷ء سے پہلے، جب کہ مولانا محمد اعلیٰ صاحب تھانوی وغیرہ نے یہ فتویٰ دیا اور اس بنیاد پر کہ ہندوستان کی عام زمینیں خراجی تھیں اور صدیاں گذر گئیں، مالکان کا پتہ نہیں، لہٰذا اب یہ اراضی سلطانیہ ہیں جیسے کہ صاحب فتح القدیر نے مصر و شام کی زمینوں کے متعلق فرمایا ہے اور بعد کے

محققین نے اس پر اعتماد کیا ہے بظاہر قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کے فتوی کی بنیاد بھی یہی ہے اس لئے کہ فتاوی عزیزیہ میں کچھ اسی قسم کی بات آتی ہے [1]

دوسرے مرحلہ میں یہ فتوی انگریزوں کے تسلط کے بعد اس بنیاد پر دیا گیا کہ انھوں نے ملک کی تمام اراضی کو ضبط کر لیا اور تمام مالکان کے مالکانہ قبضہ کو ختم کر دیا اور پھر حسب صوابدید تصرف کیا، کسی کو دیا اور محصول وغیرہ لگایا۔

تیسرا مرحلہ اس وقت آیا جب کہ زمینداری بل پاس ہوا اور ۱۹۴۷ء کی آزادی کے بعد کم از کم یوپی میں حکومت نے اپنے ایک اعلان کے ذریعہ ساری زمینیں اپنی قرار دیں۔

پہلی بنیاد کا تذکرہ فتاوی عزیزیہ اور امداد الفتاوی وغیرہ میں [2] اور دوسری کا فتاوی رشیدیہ وامداد الفتاوی وفتاوی دار العلوم [3] میں اور تیسری کا فتاوی محمودیہ اور نظام الفتاوی میں آیا ہے [4]

پہلی دو بنیادوں کو کم از کم عام علماء دیوبند نے قبول نہیں کیا، اس لئے انھوں نے برابر عشر وخراج کے وجوب کا فتوی دیا اور اگر انکار کیا تو دار الکفر ودار الحرب ہونے کی وجہ سے، نہ کہ اس بنیاد پر، بلکہ حضرت تھانوی اور بالخصوص مفتی محمد شفیع صاحب ومفتی رشید احمد صاحب نے اس پر نقد کیا اور مؤخر الذکر دونوں حضرات نے بتحقیق اراضی ہند کا عشری وخراجی ہونا اور حالیہ قبضہ رکھنے والوں کے لئے ملکیت کو ثابت کیا ہے [5] جیسے کہ علامہ شامی نے صاحب فتح القدیر کے اس نظریہ کا رد کیا ہے اور اس کو ذکر و ثابت کیا ہے کہ جن لوگوں کا قبضہ چلا آرہا ہے وہی مالک ہیں [6]

اور خصوصیت سے دوسری بنیاد پر مفتی عزیز الرحمن صاحب اور حضرت تھانوی نے نقد کیا ہے اور حضرت گنگوہی نے بھی اور جو لوگ متصرف وقابض ہیں ان کے لئے مالکانہ قبضہ کا اعتبار کیا ہے [7]

[1] فتاوی عزیزیہ ص۴۸۵ [2] ایضاً، امداد الفتاوی ۲/۶۵،۶۶، معارف السنن ۵/۲۱۹

[3] فتاوی رشیدیہ ص۵۳۲، امداد الفتاوی ۲/۶۲، فتاوی دار العلوم ۶/۱۴۶

[4] فتاوی محمودیہ ۲/۳۶، نظام الفتاوی ۱/۲۵۹

[5] امداد الفتاوی ۲/۶۲،۷۷، جواہر الفقہ ۲/۲۷، احسن الفتاوی ۴/۳۱۰

[6] رد المحتار ۲/۵۹،۲۵۵،۲۵۶

[7] مراجع مذکورہ در حاشیہ ۳

اور رہی تیسری بنیاد تو مفتی نظام الدین صاحب نے اس کو ذکر کرنے کے ساتھ تفصیل کی ہے اور بعض قانون دانوں سے جوابات معلوم ہوئی اور دوسرے بعض حضرات سے بھی، تو بات وہی سمجھ میں آئی جو کہ حضرت تھانوی وغیرہ نے انگریزوں کے قبضہ سے متعلق تحریر فرمائی ہے۔

حضرت تھانوی ایک فتوی میں فرماتے ہیں:

"ضبط کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں، ایک قبضہ مالکانہ، اگر یہ ہوا ہے تو وہ اراضی عشری نہیں رہیں۔ دوسرا قبضہ حاکمانہ و مالکانہ و متصلانہ، اور احقر کے نزدیک قرائن قویہ سے اس کو ترجیح ہے۔" [1]

مفتی عزیز الرحمن صاحب نے بھی ایک فتوی میں یہی بات فرمائی ہے اور فتاوی رشیدیہ میں مزید کچھ تفصیل ہے، ایک سوال کے جواب میں حضرت گنگوہی تحریر فرماتے ہیں:

"اگر سرکار مالک ہے تو بیع و شراء مالگذار کا سرکار کا ہے مانع نہیں ہے، یہ دلیل ملک مالگذار کی ہے اور اگر زمین مالگذاری سرکار اپنی سڑک یا مکان میں لیوے تو قیمت زمین کی رقم مالگذار کو دیتی ہے، یہ دلیل مالگذاری کی بدیہی ہے، اگر ملک سرکار ہوگی تو قیمت دینے کے کیا معنی ہوں گے ...... یہ لکھنا کہ مالگذاری کی عدم ادائیگی میں سرکار دوسرے کو زمین دیتی ہے یہ دوسرے کو دینا اپنے حق کی تحصیل کے واسطے ہے نہ اپنی زمین کا لینا، جیسے وقت عدم ادا خراج کے شرعاً بھی زمین خراجی دوسرے کو دے دیتے ہیں حالانکہ صاحب خراج مالک زمین کا ہوتا ہے لہٰذا یہ دلیل ملک سرکار کی ہے۔" [2]

حضرت تھانوی و مفتی عزیز الرحمن صاحب نے جن قرائن کا تذکرہ فرمایا ہے بظاہر وہی امور ہیں جن کی حضرت گنگوہی کی تحریر میں صراحت آئی اور یہ جو کچھ لکھا گیا ہے یہ ۱۸۵۷ء کے بعد کے نظام پر بھی منطبق ہے، لہٰذا حکم ایک ہونے میں کیا اشکال؟

۱؎ امداد الفتاوی ۲/۸۲ فتاوی دار العلوم ۶/۱۹۴

۲؎ رشیدیہ ص۴۴۹

معارف السنن میں اس سلسلہ میں ایک بات یہ بھی آئی ہے کہ اراضی سلطانیہ تو وہ ہیں جن کا مالک اسلامی بیت المال ہو اور یہ ان مالکوں کے مرنے کے بعد یہ صورت ہے کہ بیت المال ہی نہیں بلکہ یہ کہ غیر مسلم حاکم ہیں تو وہ بات کہاں رہی، جیسا کہ فتاوی رشیدیہ نیز مفتی شفیع صاحب وغیرہ کی توجیہ ہیں جس زمانہ کی تفصیل آئی ہے ثبوت ملکیت کے سلسلہ میں معارف السنن میں بھی اس کا تذکرہ ہے

ایک بحث اور جو لائق توجہ ہے وہ یہ ہے ——— جیسا کہ حضرت گنگوہی و حضرت تھانوی نے بھی بعض فتاوی میں اشارہ کیا ہے اور معارف السنن میں بھی اس کی صراحت آئی ہے ——— کہ عشر کے وجوب کے لئے بالخصوص حضرات صاحبین کے مسلک پر یہ ضروری نہیں ہے کہ کاشت کرنے والا زمین کا مالک بھی ہو تب ہی اس پر عشر واجب ہو بلکہ جو بھی کاشت کرے اور جس حیثیت سے کرے، اس لئے کہ وجوب عشر کے لئے پیداوار کو دیکھا جاتا ہے نہ کہ زمین کی ملکیت کو، صاحب بدائع نے وجوب عشر کے شرائط میں اس کا تذکرہ کیا ہے [1] اور متعدد صورتوں میں اسی بنیاد پر وجوب عشر کو فقہاء تذکرہ کیا کرتے ہیں [2] بلکہ بعض جزئیات ایسے بھی ملتے ہیں کہ جہاں زمین سرے سے کسی کی ملک نہیں اور نہ آدمی نے اس سے حاصل ہونے والے پھل کے لئے کوئی محنت کی، بس جس کے قبضے میں پھل آیا اس کو عشر ادا کرنا ہوگا، مثلاً پہاڑوں و جنگلات میں پائے جانے والے خودرو پھل وغیرہ ہمارے فقہاء کی صراحت کے مطابق ان میں بھی عشر واجب ہوتا ہے، اگرچہ اس کے لئے کچھ قیود بھی ہے [3]

آخری بات

گزشتہ ساری تفصیلات کی روشنی میں یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ ہندوستان کی زمینوں کو شرعی وظائف سے خالی و معاف قرار دینا دونوں بنیادوں (ہندوستان کا دارالکفر ہونا ——— یا اس کی اراضی کا اراضی سلطانیہ ہونا) میں سے کسی کی رو سے کم از کم قوت کے ساتھ ثابت نہیں

---

[1] معارف السنن [illegible] [2] [illegible] [3] [illegible]

[4] [illegible]

ہوتا اور مسئلہ ایک شرعی وظیفہ اور عبادت کا ہے لہذا یہاں کی اراضی بھی دیگر ممالک اسلامیہ کی طرح شرعی وظائف کا محل ہوں گی۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

جوابات متعلقہ سوالات محور چہارم

س ۱ (الف) ہندوستان کی زمینیں موجودہ صورت حال میں عشری بھی ہیں اور خراجی بھی۔

(ب) جن زمینوں کے متعلق یقینی ثبوت موجود ہو کہ وہ کفار سے منتقل ہو کر مسلمانوں کو ملی ہیں وہ خراجی ہوں گی اور بقیہ عشری۔ کفار کے ہاتھوں سے حاصل ہونے کی ایک صورت ان سے خریدنے کی ہے اور صورت یہ کہ کافر حکام یا زمینداروں کا عطیہ ہو۔

کم از کم ۱۹۴۷ء کے بعد جو زمینیں بھی حاصل ہوتی ہوں ان کے متعلق تو اس قسم کی معلومات لوگوں کو ہیں ہی لہذا اس کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا جائے گا۔

س ۲ — احتیاطاً عشر نکالا جائے گا۔ جیسا کہ مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

س ۳ — سرکاری وظائف سے شرعی وظائف کی خانہ پری وادائیگی نہیں ہوگی

س ۴ — ہندوستان میں خراج کی ادائیگی کی صورت یہ ہے کہ مسلمان اپنے طور پر خراج کو مصارف متعینہ میں پہنچائے اور صرف کرے، عشر کا مصرف تو وہی ہے جو کہ زکوۃ کا ہے۔ البتہ خراج کا مصرف دینی و ملی کام اور کام کرنے والے لوگ ہیں بالخصوص علماء، وطلباء، اور قضاۃ وائمہ وغیرہ۔

یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ مسلمان کی زمین پر جو خراج عائد ہوگا وہ صرف ٹیکس نہیں بلکہ عبادت کا پہلو بھی رکھتا ہے۔

س ۵ — جہاں تک سوال ہے شرح ادائیگی کا تو مفتی محمد شفیع صاحب وغیرہ کی رائے میں ہندوستان کی اراضی میں خراج موظف لازم ہے، جو کاشت کی جانے والی اشیاء کے حیثیت سے مختلف ہوگا۔

ا۔ گیہوں وغیرہ اور اس انداز کی چیز میں ہر بیگہ پر ایک صاع یعنی ساڑھے تین ماشہ یا ساڑھے تین گرام چاندی کی قیمت اور چار پانچ کیلو غلہ۔

۲۔ عام باغات جن میں صرف پھل پیدا ہوتے ہیں اور ان کی زمین سے کاشت کا کام نہیں لیا جاتا۔ ان میں ہر بگھہ پر دس درہم یعنی ۳۵ گرام چاندی کی قیمت۔

۳۔ اور بیگن وغیرہ جیسی سبزیوں میں فی بگھہ پانچ درہم یعنی ساڑھے سترہ گرام چاندی کی قیمت۔

۴۔ دوسری اشیاء میں ان کی کاشت وغیرہ کو دیکھ کر کچھ فیصلہ کیا جائے گا۔

احقر یہ سمجھتا ہے کہ ہندوستان میں جہاں اب عام اراضی عشری ہی ہیں اور کوئی ایسا نظام نہیں ہے کہ جو مسلمانوں کی زمینوں اور کاشت کا بار بار سالانہ و فصلانہ جائزہ لے کر یہ طے کرے کہ کیا لیا دیا جائے۔ خراج موظف کے بجائے خراج مقاسمہ کو اختیار کیا جائے کہ اس میں سہولت ہے اور خراج مقاسمہ کے تحت خراجی زمینوں سے وظیفۂ خراج کی ادائیگی کے لئے پیداوار کا پانچواں حصہ نکالنے کا حکم دیا جائے جیسا کہ محمد بن قاسم نے اراضی سندھ وغیرہ میں کیا تھا۔ اور ان علاقوں کی اراضی کا اب بھی یہی حکم ہے (کما حققہ المفتی محمد شفیع) یا ایسی زمینوں کے لئے مطلقاً عشر کو طے کر دیا جائے۔

س ۵ــــ شریعت نے عشری زمینوں میں دو حالتوں کے پیش نظر صرف دو وظیفے تجویز کئے ہیں عشر اور نصف عشر لہٰذا خواہ کتنے ہی اخراجات ہوں اس وظیفہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔ اور اخراجات کو منہا کئے بغیر اخراجات والی کاشت سے نصف عشر نکالا جائے گا۔

س ۶ــــ صاحبین کے قول کے مطابق بٹائی دار اور مالک دونوں پر ہوگا ہر ایک کے حصے میں البتہ جو غیر مسلم ہوگا اس کے حصے سے ساقط ہوگا۔ محققین متاخرین اور اکابر کا فتوی صاحبین کے قول پر ہی ہے۔

احکام عشر و خراج

از ———— حضرت مولانا عبد الجلیل صاحب قاسمی جامعہ اسلامیہ
قرآنیہ سمرا، مغربی چمپارن

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ۔

عشر اور خراج شریعت اسلام کے دو اصطلاحی لفظ ہیں۔ ان دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی حیثیت ان دونوں میں ہے۔

فرق یہ ہے کہ عشر صرف ٹیکس نہیں بلکہ اس میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور اسی لئے اس کو زکوٰۃ الارض کہا جاتا ہے۔ ———— اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس لئے عشر مسلمانوں کی زمین کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور عملی فرق یہ ہے کہ عشر تو زمین کی پیداوار پر ہے۔ اگر پیداوار نہ ہو خواہ کسی سبب مالک زمین کی غفلت ہی ہو اس پر عشر لازم نہیں ہوگا کیونکہ عشر پیداوار ہی کے ایک حصہ کا نام ہے۔ بخلاف خراج کے کہ وہ قابل کاشت زمین پر عائد ہے اگر مالک نے غفلت برتی اور قابل کاشت ہونے کے باوجود اس میں کاشت نہیں کی تو خراج اس حالت میں بھی اس پر لازم ہوگا۔ مراد اس سے خراج موظف ہے۔ یعنی جس زمین پر کچھ نقد رقم بطور خراج کے عائد کردی گئی ہے وہ اس صورت میں معاف نہ ہوگی۔ خراج کی دوسری قسم جس کو خراج مقاسمہ یعنی بٹائی کہا جاتا ہے وہ اس صورت میں معاف ہو جائے گا کیونکہ بٹائی تو پیداوار کا حصہ ہے پیداوار نہیں تو بٹائی بھی نہیں۔ البتہ زمین کا قابل کاشت ہونا اس میں بھی شرط ہے۔ غیر زمین جس کی کاشت کی صلاحیت

محورِ چہارم

۱ـــــ محورِ اول میں عشری وخراجی زمینوں کے بارے میں جو تفصیل پیش کی گئی اس کی روشنی میں ہندوستان کی زمینوں کے عشری وخراجی ہونے کا فیصلہ آسان ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں کے پاس جو زمینیں ہیں اگر وہ قدیم سے مسلمانوں کے مالکانہ قبضہ میں چلی آرہی ہیں اور کسی بھی دور میں ان پر کسی غیر مسلم کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے تو وہ زمینیں عشری سمجھی جائیں گی اور جن پر کسی وقت غیر مسلموں کا مالکانہ قبضہ تھا پھر ان سے خرید کر یا کسی دوسرے جائز ذریعہ سے مسلمانوں کی ملکیت میں آگئیں تو وہ خراجی قرار پائیں گی

۲ـــــ اوپر ذکر کردہ تفصیل کے مطابق ہندوستان کی اراضی عشری ہوں گی یا خراجی۔ کوئی زمین ان دونوں سے خالی نہیں ہوگی۔ کما ہو ظاہر

۳ـــــ سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؛ اس سلسلہ میں ہمارے اکابر علماء کی آراء مختلف ہیں، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ زمین معافی ہو یا اس میں مالگذاری سرکاری ہو محصول بجائے خراج تو کافی ہے مگر بجائے عشر کافی نہیں۔ (۱)

حضرت مولانا مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی دامت برکاتہم بھی اسی کے قائل ہیں۔ (۲)

اس کے برخلاف حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سرکاری مالگذاری کو خراج کے حکم میں داخل نہیں کرتے فرماتے ہیں؛

”عشر وخراج از حقوق شرعیہ است پس چنانکہ انکم ٹیکس مسقط زکوٰۃ نیست، ہمچنیں محصول سرکاری مسقط این حقوق نباشد۔ (۳)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں،

”لیکن ہندوستان میں یہ صورت نہیں نہ وہاں مسلمانوں کی حکومت ہے نہ اسلامی فوج ہے جس کی خدمت کا معاوضہ خراج کے مد سے دیا جائے اور نہ موجودہ حکومت خراج کے اصول پر

---

(۱) فتاویٰ رشیدیہ ۲/۵۵ (۲) فتاویٰ محمودیہ ۳/۳۰—۳۲۔

(۳) امداد الفتاویٰ ۲/۵۹۔

اس کو وصول کرتی ہے۔ بلکہ وہ ایک خاص ٹیکس ہے جس کے ادا کرنے سے خراج کی شرعی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی۔ اس لئے وہاں کے مسلمانوں پر واجب رہتا ہے کہ خراجی زمینوں کا خراج نکال کر اس کے ان مصارف پر خرچ کردیں جو ہندوستان میں موجود ہیں مثلاً مدارس دینیہ کے مدرسین وطلبا، فتویٰ اور تبلیغ کا کام کرنے والے علماء۔ ان پر یہ رقوم خرچ کی جائیں۔

علامہ محمد ہاشم سندھی کے رسالہ "سراج الہند فی خراج السندھ" میں اس مسئلہ کو بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ کوئی غیر مسلم حاکم اگر مسلمانوں کی خراجی زمینوں کا خراج، خراج کہہ کر بھی وصول کرے تو اس سے خراج ادا نہیں ہوگا۔ بلکہ خود مسلمانوں کو تم خراج نکال کر اس کے ان مصارف پر خرچ کرنا واجب ہوگا جو اس ملک میں موجود ہیں مثلاً علماء وطلباء وغیرہ۔

علامہ سندھی کی عبارت یہ ہے:

"پس ہر آنکہ چیزے کہ خراج لازم آید ادا لازم است کہ در مصارف خراج کہ در کتب فقہ مبین شدند صرف نماید تا کافی شد از عہدۂ آں بیروں آید و در قیامت ماخوذ نگردد۔ آنچہ حکام نصاریٰ می گیرند پس در ادائے خراج محسوب نمی گردد لان الکافر لیس لہم ولایۃ اخذ الخراج من المسلمین وایضا لیسوا بمصارف الخراج کما فی جامع الفصولین (۱)

اس لئے اگر کوئی مسلمان مالگذاری کو خراج میں محسوب کرے تو اس کی گنجائش ہے، لیکن بہرحال احتیاط یہ ہے کہ اپنی خراجی زمینوں کا خراج خود نکال کر اس کے مصارف میں خرچ کردے اگر خود مصرف نہ ہو۔

۴ —— خراج میں تو عشر کی طرح عبادت کا پہلو نہیں ہے، اس لئے ابتداءً مسلمان پر خراج واجب نہیں ہوتا بلکہ غیر مسلموں پر خراج واجب ہوتا ہے کہ وہ عبادت کے اہل نہیں ہیں۔ البتہ اگر کوئی مسلمان خراجی زمین کا مالک ہوتا ہے تو اس پر خراج واجب ہوجاتا ہے۔ اور اگر کوئی غیر مسلم مسلمان کی زمین کا مالک ہوجائے تو اس سے عشر نہیں لیا جاتا بلکہ خراج لیا جاتا ہے۔

خراج کی دو قسمیں ہیں۔ خراج مقاسمہ اور خراج موظف

---

(۱) جواہر الفقہ ۲/۲۶۴۔

خراج مقاسمہ میں تو پیداوار کا ایک حصہ لیا جاتا ہے جیسے نصف، ثلث وغیرہ ــــــــ اور خراج موظف میں پیداوار سے قطع نظر ایک رقم مقرر کردی جاتی ہے۔ فقہاء نے یہ وضاحت کردی ہے کہ زمین کا وظیفہ نہیں بدلے گا۔ الا یہ کہ اگر کوئی غیر مسلم عشری زمین کا مالک ہوجائے تو وہ خراج ادا کرے گا، کیونکہ وہ عشر کا اہل نہیں ہے۔ لیکن اگر خراجی زمین کا کوئی مسلمان مالک ہوجائے تو اس کو خراج ہی ادا کرنا ہوگا۔

ہندوستان کی زمینوں میں خراج مقاسمہ ہوگا یا خراج موظف؟ ــــــــ اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے ہندوستان کی زمینوں میں خراج موظف کا وجوب بتایا ہے۔ اس سلسلہ میں پوری تفصیلی بحث کے بعد لکھتے ہیں۔

"اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں آج بھی خراج موظف کا حکم جاری ہے"[1]

خراج کی مقدار کیا ہو۔ اس سلسلہ میں فقہ وفتاوی کی کتابوں میں مذکور ہے کہ زیادہ سے زیادہ نصف پیداوار تک لیا جاسکتا ہے۔ کم از کم کتنی مقدار ہو عام طور پر مذکور نہیں ہے۔ صاحب درمختار نے حاوی سے نقل کیا ہے کہ نصف سے زائد اور خمس سے کم نہ ہو۔ علامہ شامی نے اس کو خراج مقاسمہ پر محمول کیا ہے۔ اس عبارت کی وضاحت میں فرماتے ہیں

هذا فى خراج المقاسمة الم يقيد به من التعبير بالنصف والخمس فان خراج الوظيفة ليس فيه جزء معين۔ (۲)

قاضی خاں اور فتح القدیر کی عبارتوں سے مفہوم ہوتا ہے کہ خراج مقاسمہ خمس سے کم بھی ہوسکتا ہے۔ خراج مقاسمہ وهو أن يكون الواجب شيئاً من الخارج نحو الخمس والسدس وما اشبه ذلك۔ (۳)

یہی عبارت عنایہ میں بھی ہے۔ (۴)

عالمگیری کی عبارت سے بھی مفہوم ہوتا ہے کہ امام کی رائے پر موقوف ہے۔

واما خراج المقاسمة فالتقدير فيه مفوض الى الامام ولكن لا يزاد على نصف الخارج۔ (۵)

---

(۱) جواهر الفقه ۲/ ۲۸۷ (۲) رد المحتار ۳/ ۱۸۸

(۳) قاضیخان ۱/ ۱۳۰ (۴) فتح القدیر ۵/ ۲۸۳ (۵) عالمگیری ۲/ ۲۴۳۔

لیکن چونکہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی تحقیق کے مطابق ہندوستان میں خراجی مقامات نہیں ہے اس لئے اس بحث کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

خراج موظف کے بارے میں فقہ و فتاویٰ کی تقریباً تمام ہی کتب میں توظیف عمری کے نام سے ایک مقدار متعین ہے، یعنی عام قابل کاشت زمینوں میں ایک جریب میں ایک درہم اور ایک صاع گندم یا جو اور ترکاری کی ایک جریب میں پانچ درہم اور انگور، کھجور کا باغ جو متصل درختوں پر مشتمل ہو ایک جریب میں دس درہم۔ (۱)

جہاں حضرت عمرؓ کے بعد خراج مقرر ہوا اس کی مقدار کیا ہونی چاہئے؟ اس سلسلہ میں حضرت امام محمدؒ کی رائے ہے کہ اگر زمین میں صلاحیت ہو تو حضرت عمرؓ کے مقرر کردہ خراج کی مقدار میں اضافہ کیا جاسکتا ہے، اور ایک قول امام ابو یوسفؒ کا بھی یہی ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ کا دوسرا قول اور امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ اس میں اضافہ کرنا صحیح نہیں ہے، اور اسی کو مفتی بہ قرار دیا گیا ہے۔

ولكن إذا فتحت بلدة بعد عمر فأراد الإمام أن يضع على ما يزرع حنطة درهمين وقفيزا وهي تطيقه ليس له ذلك عند أبي حنيفة لأن عمر لم يزد لما أخبر بزيادة الطاقة أفاده في النهر عن الكافي قال وهذا نص صريح في حرمة ما أحدثه الظلمة على الأرض من الزيادة عن الوظائف۔ (۲)

وأما الأراضي التي يريد الإمام توظيف الخراج عليها ابتداء فإن زاد على وظيفة عمر رضي الله عنه على قول محمد وأحد الروايتين عن أبي يوسف يجوز وعلى قول أبي حنيفة وإحدى الروايتين عن أبي يوسف لا يجوز وهو الصحيح۔ (۳)

الوالي لا يزيد في الخراج على وظيفة عمر وإن كان أرضهم تطيق ذلك۔ (۴)

حاصل یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ نے جو مقدار متعین فرمادی ہے اس میں اضافہ نہ کیا جائے۔

اب ایک جریب کی مقدار جس پر تقریباً تمام کتابوں میں مذکور حضرت عمرؓ سے

---

(۱) ہدایہ ۲/۶۰۲، بدائع الصنائع ۲/۶۲، مجمع الانہر ۱/۶۷۳، در مختار ۴/۱۷۸

(۲) رد المحتار ۴/۱۸۷ (۳) عالمگیری ۲/۲۳۸ (۴) قاضی خان ۲/۲۷۹۔

زمانہ میں جریب ساٹھ ذراع کا ہوتا تھا۔ علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق ایک ذراع کی مقدار سات قبضہ ہے اور ایک قبضہ چار انگل ہے۔

ھو ستون ذراعا فی ستین بذراع کسری سبع قبضات (در مختار)

(بذراع کسری) احترز من ذراع العامة وھو ست قبضات فتح۔ والقبضة أربع أصابع۔ (۱)

سات قبضہ ۲۸ انگل ہوا جو تقریباً ۹ ۱/۳ گرہ کے برابر ہے۔ اس طرح ساٹھ ذراع تقریباً ۳۵ گز ہوتا ہے۔ گویا اُس وقت کا جریب ۳۵ گز کا تھا۔ یعنی ایک مربع جریب ۱۲۲۵ مربع گز کا تھا۔ اور آج کل ہندوستان میں جو جریب ہے وہ تو ۲۲ گز ہے۔ یعنی ایک ایکڑ چار ہزار آٹھ سو چالیس مربع گز کا ہوتا ہے۔ گویا حضرت عمرؓ کے زمانہ کا ایک مربع جریب آجکل کے تقریباً ایک چوتھائی ایکڑ کے برابر ہوا۔

اب ایک بحث اور قابل غور ہے کہ جریب کی مقدار میں کمی و زیادتی کی وجہ سے خراج موظف کی مقدار میں کمی و زیادتی کی جائے یا نہیں؟ ——— علامہ ابن ہمام کی عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جریب کی مقدار چاہے جو بھی ہو لیکن خراج کی مقدار میں کمی بیشی نہیں ہونی چاہئے۔ ملاحظہ ہو۔

قوله فی الکافی ما قیل الجریب ستون فی ستین حکایة عن جریبهم فی أراضیهم ولیس بتقدیر لازم فی الاراضی کلها بل جریب الأرض یختلف باختلاف البلدان فیعتبر فی کل بلد متعارف أهله یقتضی أن الجریب یختلف قدره فی البلدان ومقتضاه أن یتحد الواجب وهو قفیز ودرهم مع اختلاف المقادیر فإنه قد یکون عرف بلد فیه مائة ذراع وعرف أخری فیه خمسون ذراعا (۲)

کفایہ میں بھی مذکور ہے وقیل هذا حکایة عن جریبهم (۳)

علامہ شامی نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ (۴)

اگر ایک جریب پچاس ذراع کا ہو تو ایک مربع جریب کی مقدار ڈھائی ہزار مربع ذراع ہوگی۔

---

(۱) رد المحتار ۳/۱۸۹ (۲) فتح القدیر ۵/۲۸۳

(۳) فتح القدیر ۵/۲۸۳ (۴) رد المحتار ۳/۱۹۲۔

اور اگر جریب سو ذراع کا ہو تو ایک مربع جریب کی مقدار دس ہزار مربع ذراع ہوگی یعنی چار گنا۔ اور یہ بات قابل فہم نہیں معلوم ہوتی کہ زمین کی مقدار میں تو چار گنا تک کا فرق ہو۔ لیکن خراج کی مقدار ایک ہی ہو اسلئے میری رائے ہے کہ زمین کی مقدار میں کمی زیادتی کی صورت میں خراج میں بھی کمی زیادتی ہو۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ کا ایک جریب آجکل کے ایک ایکڑ کا تقریباً ایک چوتھائی ہے۔ اس لئے اس وقت ایک جریب میں خراج کی جو مقدار تھی آج ایک ایکڑ میں اس کا چار گنا کر دیا جائے۔ یعنی عام قابل کاشت زمینوں میں چار درہم اور چار صاع گندم، جَو یا دھان اور ترکاری کے ایک ایکڑ میں بیس درہم اور گھنے باغات کے ایک ایکڑ میں چالیس درہم۔

اب ضرورت ہے کہ درہم وصاع کو موجودہ باٹ کے وزن میں تبدیل کیا جائے۔ علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق ایک درہم کا وزن ۲ ماشہ ۱½ رتی ہے۔

والدرهم أربعة عشر قيراطا والقيراط خمس شعيرات فيكون الدرهم الشرعي سبعين شعيرة (درمختار)

علامہ شامی لکھتے ہیں:

زاد في النهر عن السراج الا ان كون الدرهم اربعة عشر قيراطا عليه الجم الغفير والجمهور الكثير واطباق كتب المتقدمين والمتاخرين (۱)

كل خرنوبة أربع شعيرات أو أربع قمحات (۲)

ایک درہم کا ستر جَو ہوا اور ایک رتی چار جَو کی ہوتی ہے تو ستر جَو کی ۱۷½ رتی ہوگی اور ۸ رتی کا ایک ماشہ ہوتا ہے۔ اس طرح ایک درہم دو ماشہ ۱½ رتی کا ہوگا۔ حضرت مولانا عبد الشکور صاحب کی تحقیق یہی ہے ملاحظہ ہو علم الفقہ جلد ۳ ص۲۳۔ حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانیؒ سابق نائب امیر شریعت بہار واڑیسہ نے بھی اپنی کتاب "کتاب العشر والزکوٰۃ" ص۳۳ میں اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ تو

تو چار درہم کا وزن آٹھ ماشہ ۶ رتی ہوا یعنی موجودہ باٹ میں ۸ ½ گرام۔

لیکن عام طور پر ہندوستان میں دو سو درہم کا وزن ۵۲ ½ تولہ رائج ہے اور دار العلوم دیوبند

---

(۱) رد المحتار ۲/۲۹۷ (۲) رد المحتار ۲/۲۹۶۔

کے مفتیان کرام حضرات نے اسی کو اختیار فرمایا ہے۔ اس حساب سے ایک درہم کا وزن ۳ ماشہ ۱/۵ رتی ہوتا ہے۔ اور چار درہم کا وزن ایک تولہ ۳ ماشہ ۱/۵ رتی ہوگا موجودہ باٹ میں بارہ اعشاریہ چھبیس گرام (۱۲.۲۶) گرام صاع کے وزن کی تعیین پر بھی اس اختلاف کا اثر پڑے گا، صاحب درمختار نے لکھا ہے۔

"الصاع المعتبر ما یسع ألفا وأربعین درهما" (۱)

اگر ایک درہم کا وزن دو ماشہ ۱/۲ ۱ رتی ہو تو اس حساب سے ایک صاع کا وزن موجودہ باٹ میں دو کیلو ۳۱ گرام ہوگا۔ اور اگر درہم کا وزن ۳ ماشہ ۱/۵ رتی ہو تو ایک صاع کا وزن موجودہ باٹ میں تین کیلو ۱۴۰ گرام ہوگا۔

بہر حال ایک مسلمان کے لئے گنجائش ہے کہ وہ عام قابل کاشت زمین کے ایک ایکڑ میں ۹ کیلو گندم، جو یا دھان اور ۴۰ ۱/۲ گرام چاندی بطور خراج اس کے مصرف میں خرچ کردے۔ لیکن احتیاط یہ ہے کہ فی ایکڑ ۱۳ کیلو گندم، جو یا دھان اور ۱۲ ۱/۲ گرام چاندی ادا کرے اور ترکاری کے ایک ایکڑ میں ۴۲ ۱/۲ گرام چاندی اور احتیاطاً ۶۱ گرام چاندی۔ اور گھنے باغات میں فی ایکڑ ۵۰ گرام چاندی اور احتیاطاً ۷۲ گرام چاندی بطور خراج اس کے مصرف میں ادا کرے۔ ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب۔

۵ــــ زراعت کے جملہ اخراجات، مزدوری، بیج، ہل، بیل یا خرچ محافظت، کھاد، دوا یا اسی طرح کی دوسری چیزیں، کوئی خرچ وضع نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ زمین کی پیداوار کے جتنے حصہ کا مسلمان مالک ہو اس کو اپنے مملوکہ غلہ اور پھل کا عشر یا نصف عشر نکالنا ہوگا۔

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے یا ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کل اخراجات یا بعض کو وضع کرکے عشر ہونا چاہئے، تو یہ کوئی نئی خواہش یا نیا شبہ نہیں ہے پہلے لوگوں کو بھی ہوا ہے اور جو جواب فقہاء کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے دیا ہے وہی جواب آج بھی ہے۔

"یجب العشر فی الأول ونصفه فی الثانی بلا رفع أجرة العمال ونفقة البقر وکری الأنهار وأجرة الحافظ ونحو ذلک" "در" قال فی الفتح یعنی لا یقال بعدم وجوب العشر فی قدر الخارج الذی بمقابلة المؤنة بل یجب العشر فی الکل لأنه علیه السلام حکم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة ولو رفعت

---

(۱) رد المحتار ۳۶۵/۲۔

المؤنة كان الواجب واحدا وهو العشر وانما فى الباقى لانه لم يتنزل

الى النصف الا المؤنة والباقى بعد رفع المؤنة لا مؤنة فيه فكان الواجب

دائما العشر لكن الواجب قد تفاوت شرعا فعلمنا ان لم يعتبر شرعا

عدم عشر بعض الخارج وهو القدر المساوى للمؤنة اصلاً. (۱)

۹ ــــــ جو عشری زمین بٹائی پر ہو یعنی پیداوار مالک اور کاشتکار کے درمیان تقسیم ہوتی ہو عام ازیں کہ نصف نصف ہو یا کمی وبیشی کے ساتھ۔ ایسی صورت میں ہر ایک کو اپنے اپنے حصہ کا عشر نکالنا چاہئے یعنی جتنے غلہ کا مالک ہے اسی قدر کا عشر ادا کرے۔ کیونکہ عشر پیداوار کی زکوٰۃ ہے اور پیداوار دونوں کے درمیان مشترک ہے۔ اس لئے دونوں پر عشر واجب ہے۔ یہ صاحبینؒ کا مسلک ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

ولو دفعها مزارعة فاما على مذهبهما فالمزارعة جائزة والعشر يجب

فى الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما. (۲)

علامہ شامیؒ نے بھی اس عبارت کو نقل کیا ہے۔ (۳)

وفى المزارعة على قولهما العشر عليهما بالحصة. (۴)

(جواب کا باقی حصہ آخر صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

محور پنجم

۱ ــــــ عشر کے لئے کوئی نصاب ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین رحمہم اللہ کے درمیان اختلاف ہے۔ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک نصاب ہے اور وہ پانچ وسق ہے۔ امام صاحبؒ کے نزدیک کوئی نصاب نہیں ہے۔ پیداوار کم ہو یا زیادہ اس میں عشر یا نصف عشر واجب ہوگا۔ فقہ وفتاویٰ کی تقریباً تمام ہی کتب میں یہ تفصیل موجود ہے۔ (۵)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ جلد ۲ ص ۲۴۲ میں امام صاحب کے مسلک کو

---

(۱) رد المحتار ۲/۳۲۸، اسی مفہوم کی عبارتیں ھدایہ ۱/۱۸۳، بدائع ۲/۶۲، عالمگیری ۱/۹۶ میں ہیں۔

(۲) بدائع ۲/۵۹ (۳) رد المحتار ۲/۳۳۵ (۴) عالمگیری ۱/۹۶ (۵) ھدایہ ۱/۱۸۲، بدائع ۲/۵۹، رد المحتار ۲/[illegible]

اختیار کیا ہے۔ انھوں نے صاحبین کے مسلک کو ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت بہار و اڑیسہ اپنی کتاب "کتاب العشر والزکوٰۃ" میں امام صاحب اور امام ابو یوسف رح کا اختلاف ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ خود حضرت امام ابو یوسفؒ بھی امام صاحبؒ کے قول کو اختیار کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ مولانا لکھتے ہیں:

"لیکن امام ابو یوسف رح کتاب الخراج میں خود فرماتے ہیں کہ دونوں قول ہیں۔ یعنی نصاب کا اعتبار اور عدم اعتبار، پس بیت المال اور قوم کے لئے جو صحیح اور مفید ہو اس کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ یعنی وہ خود بھی امام صاحبؒ کے قول پر عمل کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور احتیاط بھی یہی ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو امام صاحب رح کے قول پر عمل کر کے قلیل اور کثیر سب کا عشر ادا کرنا چاہئے۔ کیونکہ قوم کے لئے صحیح اور مفید یہی ہے اور احتیاط بھی اسی کی مستحق ہے" (۱)

۲۔ زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں دو قسم کی ہو سکتی ہیں۔ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی کاشت کی جاتی ہے اور ان سے نفع حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ ایسی چیزوں میں عشر یا نصف عشر واجب ہوگا۔ دوسری قسم کی چیزیں وہ ہیں جو خود رو ہوتی ہیں۔ ان سے نفع مقصود نہیں ہوتا بلکہ کھیت کو ان سے صاف کیا جاتا ہے جیسے گھاس، بانس وغیرہ۔ ان میں عشر واجب نہیں ہوگا۔ البتہ اگر ان چیزوں کی کاشت کی جائے اور ان سے نفع مقصود ہو تو ان میں بھی عشر واجب ہوگا

"اما الحطب والقصب والحشيش لا تستنبت في الجنان عادة بل تنقى عنها حتى لو اتخذها مقصبة أو مشجرة أو منبتا للحشيش يجب فيها العشر (۲)

ومنها أن يكون الخارج من الأرض مما يقصد بزراعته نماء الأرض وتستغل به الأرض عادة فلا عشر في الحطب والحشيش والقصب الفارسي لأن هذه الأشياء لا تستنمى بها الأرض ولا تستغل بها عادة لأن الأرض لا تنمو بها بل تفسد فلم تكن نماء الأرض حتى قالوا في الأرض إذا اتخذها مقصبة وفي شجرة الخلاف التي تقطع في كل ثلاث سنين أو أربع سنين

---

(۱) کتاب العشر والزکوٰۃ ص ۵۱ (۲) ھدایہ ۱/۱۸۹

انہ یجب فیہا العشر لأن ذالک غلۃ وافرۃ۔ (۱)

عشر زمین کی پیداوار میں ہوتا ہے۔ پانی میں پیدا ہونے والی چیزوں میں عشر واجب نہیں ہوگا۔

۳ ـــــ مچھلی میں عشر واجب نہیں ہونا چاہیے کیونکہ وہ زمین کی پیداوار نہیں ہے۔ فقہاء نے پیٹرول اور تارکول میں عدم وجوب عشر کی وجہ یہی بتایا ہے کہ وہ زمین کی پیداوار نہیں ہے:

ولیس فی عین القیر والنفط فی أرض العشر شیئ لأنہ لیس من إنزال الأرض (۲)

درمنتقی میں لانہما لیسا من غلۃ الارض ہے۔ اور مجمع الانہر میں لأنہما لیسا من انزال الأرض ہے (۳)

بدائع میں ہے:

ومنہا أی من شرائط المحلیۃ وجود الخارج حتی أن الارض لو لم تخرج شیئًا لم یجب العشر لان الواجب جزء من الخارج وإیجاب جزء من الخارج ولا خارج محال۔ (۴)

البتہ مچھلی کی قیمت سونا، چاندی یا روپیوں میں ملاکر زکوٰۃ دی جائے گی۔

۴ ـــــ عام طور پر فقہ وفتاوی کی کتابوں میں موجود ہے کہ ریشم کے کیڑوں میں عشر واجب نہیں ہے امام شافعی رح نے شہد میں عدم وجوب عشر پر ریشم سے بھی استدلال کیا ہے۔ ان کا جواب دیتے ہوئے صاحب ھدایہ لکھتے ہیں:

بخلاف دود القز لأنہ یتناول الأوراق ولا عشر فیہا۔ (۵)

لیکن جس طرح خودرو گھاس، بانس اور درختوں میں عشر نہیں ہے البتہ اگر ان کی کاشت کی جائے اور ان سے نفع مقصود ہو تو عشر واجب ہوجاتا ہے جیسا کہ اوپر بحث گذری ـــــ اسی طرح شہتوت کے درخت اور پتوں میں عشر نہیں ہے اور نہ اس سے پیدا ہونے والے ریشم میں۔ لیکن جب اس کی باضابطہ کاشت کی جائے اور ان سے نفع اٹھانا مقصود ہو جائے تو بانس، گھاس کی طرح اس میں بھی عشر واجب ہوگا اور اس سے پیدا ہونے والے ریشم میں بھی۔

---

(۱) بدائع ۲/۵۹، اسی مفہوم کی عبارت درمنتقی اور مجمع الانہر ۱/۲۱۶ رد المحتار ۲/۴۹ قاضیخان ۱/۲۲ عالمگیری ۱/۹۵ میں بھی ہے

(۲) ھدایہ ۱/۱۸۲ (۳) مجمع الانہر ۱/۲۱۹ (۴) بدائع ۲/۵۹ (۵) ھدایہ ۱/۱۸۲ مجمع الانہر ۱/۲۱۶، کذا فی اکثر الکتب۔

۵ ـــــ پھلدار درختوں کے پھل میں عشر واجب ہوگا اور جو درخت پھل دار نہیں ہیں خود ان ہی میں عشر ہو"۔

وفی شجرة الخلاف التی تقطع فی کل ثلاث سنین أو أربع سنین انه یجب فیها العشر لأن ذلک غلة وافرة. (۱)

۶ ـــــ خضراوات میں بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر واجب ہے جب جب پھل توڑے جائیں گے ان میں سے عشر ادا کیا جائے گا

فأما کون الخارج مما له ثمرة باقیة فلیس بشرط لوجوب العشر بل یجب سواء کان الخارج له ثمرة باقیة أو لیس له ثمرة باقیة وهی الخضراوات (۲)

البتہ مکان کے گرد و پیش افتادہ زمین میں درخت لگائے جائیں یا سبزیاں اگائی جائیں یا چھتوں پر سبزیاں اگائی جائیں ان میں عشر واجب نہیں ہوگا۔

لا شیئ فی الدار التی بها أشجار وإن لم یجعلها بستانا بل أبقاها دارا ولکن فیها نخیل لا شیئ فیها. (۳)

ولو کان فی دار رجل شجرة مثمرة لا عشر فیها. (۴)

رجل فی داره شجرة مثمرة لا عشر فیها وإن کانت البلدة عشریة بخلاف ما إذا کانت فی الأرض. (۵)

۷ ـــــ اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا۔

وکذا ملک الأرض لیس بشرط لوجوب العشر وإنما الشرط ملک الخارج فیجب فی الأراضی التی لا مالک لها وهی الأراضی الموقوفة. (۶)

فیجب فی الأراضی الموقوفة. (۷)

ویجب العشر فی الأراضی الموقوفة وأرض الصبیان والمجانین إن کانت عشریة

---

(۱) بدائع ۲/۵۸ (۲) بدائع ۲/۵۹ هدایه ۱/۱۸۱ مجمع الأنهر ۱/۲۱۵

(۳) مجمع الأنهر ۱/۲۱۸ (۴) عالمگیری ۱/۱۸۶ (۵) فتاویٰ قاضی خان ۱/۲۳۰

(۶) بدائع الصنائع ۲/[illegible] (۷) [illegible] رد المحتار ۲/[illegible]

وإن كانت خراجية ففيها الخراج۔ (۱)

وكذا ملك الأرض ليس بشرط للوجوب لوجوبه في الأراضي الموقوفة۔ (۲)

يجب العشر والخراج في أرض الوقف كذا في الوجيز للكردري۔ (۳)

جب عام اوقاف میں عشر وخراج واجب ہے تو وقف علی الاولاد میں بدرجۂ اولیٰ واجب ہوگا۔

محور چہارم سوال (۶) کا بقیہ

اگر کسی مسلمان زمیندار نے اپنی عشری زمین کسی غیر مسلم کو بٹائی پر دے دیا تو صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی عشر پیداوار میں اپنے اپنے حصے کے مطابق ہوگا۔ یعنی عشری زمین کی پیداوار سے ہی عشر لیا جائے گا۔ چاہے کاشتکار غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو ـــــ ایک دوسرا مسئلہ اس میں یہ بھی ہے کہ اگر کسی مسلمان نے اپنی عشری زمین کسی غیر مسلم کو عاریۃً دے دیا تو عشر کس پر ہوگا؟

علامہ کاسانیؒ کی عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک پیداوار ہی میں عشر ہوگا۔ اور امام صاحب کے نزدیک ایک قول کے مطابق پیداوار میں ہوگا اور دوسرے قول کے مطابق مالکِ زمین پر ہوگا۔

ولو أعارها من مسلم فزرعها فالعشر على المستعير عند أصحابنا الثلاثة

.... ولو أعارها من كافر فكذلك الجواب عندهما لأن العشر عندهما في الخارج على كل حال وعن أبي حنيفة رحمه الله فيه روايتان في رواية العشر في الخارج وفي رواية على رب المال۔ (۳)

حالانکہ علامہ شامیؒ نے درّ سے نقل کیا ہے کہ اس صورت میں چونکہ غیر مسلم عشر کا اہل نہیں ہے اس لئے مالکِ زمین پر ہی عشر ہوگا، کیونکہ فقراء کے حق کے ضیاع کا سبب وہی ہوا ہے کہ اس نے عشری زمین غیر مسلم کو کاشت کے لئے دے دیا۔

---

(۱) فتاویٰ قاضی خان ۱/۱۳۲ (۲) عالمگیری ۱/۹۵

(۳) عالمگیری ۱/۱۰۳ (۴) بدائع ۲/۵۷۔

وقيد بالمسلم لأنه لو استعارها ذمي فالعشر على المعير اتفاقا لتفويته حق الفقراء بالإعارة من الكافر كذا في شرح درر البحار. أي لكونه ليس أهلا للعشر. (۱)

لیکن انہوں نے بھی بدائع کی عبارت نقل کی ہے۔

لكن في البدائع لو استعارها كافر فعندهما العشر عليه، وعن الإمام روايتان في رواية كذلك وفي رواية على المالك۔ (۲)

بٹائی کی صورت میں صاحبین پیداوار میں ہی عشر کے قائل ہیں۔ چاہے کاشتکار مسلم ہو یا غیر مسلم اور امام صاحب رح کے نزدیک چونکہ بٹائی صحیح نہیں ہے۔ اس لئے وہ بہر صورت عشر رب الارض پر واجب قرار دیتے ہیں چاہے کاشتکار مسلم ہو یا غیر مسلم۔

ولو دفعها مزارعة فأما على مذهبهما فالمزارعة جائزة والعشر يجب في الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما وأما على مذهب أبي حنيفة رح فالمزارعة فاسدة ولو كان يجيزها كان يجب على مذهبه جميع العشر على رب الأرض إلا أن في حصته جميع العشر يجب في عينه وفي حصة المزارع يكون دينا في ذمته۔ (۳)

علامہ شامی ؒ لکھتے ہیں۔

في شرح درر البحار عشر جميع الخارج على رب الأرض عنده لأن المزارعة فاسدة عنده فالخارج له تحقيقا أو تقديرا لأن البذر إن كان من قبله فجميع الخارج له وللمزارع أجر مثل عمله وإن كان من قبل المزارع فالخارج له ولرب الأرض أجر مثل أرضه وهو بمنزلة الخارج إلا أن عشر حصته في عين الخارج وعشر حصة المزارع في ذمة رب الأرض۔ (۴)

---

(۱) رد المحتار ۳۳۳/۲ (۲) حوالہ مذکور

(۳) بدائع ۵۶/۲ (۴) رد المحتار ۳۳۵/۲۔

چوں کہ فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ کے قول بٹائی کے صحیح ہونے پر ہے۔ اس لئے میری رائے ہے کہ اگر بٹائی دار بھی مسلمان ہو تو دونوں پر اپنے اپنے حصہ کے مطابق عشر لازم ہوگا۔ اور اگر بٹائی دار غیر مسلم ہو تو چونکہ اسلامی حکومت نہیں ہے کہ اس کے حصہ کا عشر وصول کر کے فقراء تک پہونچایا جاسکے۔ اس لئے میری رائے ہے کہ اس صورت میں امام صاحب رح کے مسلک کے مطابق مسلمان زمیندار سے ہی بٹائی دار کے حصہ کا عشر وصول کیا جائے۔ حضرت مولانا عبد الصمد صاحب رحمانی رح کی رائے بھی یہی ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کا نظام عشر و خراج

(محور پنجم)

از: نور الحق رحمانی (فاضل دیوبند) ——————— مجمع الفقہ الاسلامی الہند

نصاب عشر کا مسئلہ

ا —— زرعی پیداوار اور پھلوں کی کسی مخصوص مقدار پر عشر واجب ہے، یا زمین سے حاصل ہونے والی ہر قلیل و کثیر پیداوار پر، بالفاظ دیگر دوسرے اموال کی زکوٰۃ کی طرح کھیتوں اور پھلوں کی زکوٰۃ کے لئے شرعاً کوئی نصاب مقرر ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں فقہائے کرام کے دو اقوال ہیں ایک تو یہ کہ وجوب عشر کے لئے شرعاً کوئی نصاب مقرر نہیں ہے، پیداوار کی ہر مقدار پر خواہ وہ کم ہو یا زیادہ عشر یا نصف عشر واجب ہے۔ یہ قول امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"وکذا النصاب لیس بشرط لوجوب العشر فیجب العشر فی کثیر الخارج وقلیلہ ولا یشترط فیہ النصاب عند ابی حنیفۃ"[1]

اسی طرح وجوب عشر کے لئے نصاب شرط نہیں ہے لہٰذا زمین سے نکلنے والی ہر قلیل و کثیر مقدار پر عشر واجب ہے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں نصاب کی شرط نہیں ہے۔

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۹

ابراہیم نخعی، عطاء، مجاہد، حماد، زفر اور عمر بن عبدالعزیزؒ کو بھی یہی قول نقل کیا گیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں:

"قول ابی حنیفة مذهب ابراهیم النخعی ومجاهد وحماد وزفر وعمر بن عبد العزیز ذکره ابو عمر وهو مروی عن ابن عباس وهو قول داؤد واصحابه فیما لا یوسق وحکاه یحیی بن آدم بسند جید عن عطاء"[1]

امام ابوحنیفہ کا جو قول ہے وہی مذہب ہے ابراہیم نخعی، مجاہد، حماد، زفر اور عمر بن عبدالعزیزؒ کا، ابوعمرو نے اس کا تذکرہ کیا ہے اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی یہی مروی ہے، اور یہی قول ہے داؤد ظاہری اور ان کے اصحاب کا ان چیزوں کے بارے میں جن کا وسق سے اندازہ نہیں کیا جاسکتا، اور عمدہ سند سے یحییٰ ابن آدم عطاء سے بھی یہی روایت کرتے ہیں۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ عشر کے سلسلے میں کتاب وسنت کے نصوص میں عموم ہے، ان میں مطلقاً زمین کی پیداوار سے زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا گیا اور پیداوار کی کسی مقدار کی تخصیص نہیں کی گئی ہے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا گیا:

"یا ایها الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض"[2]

اے ایمان والو! اپنے کمائے ہوئے حلال اور پاکیزہ مالوں میں سے خرچ کرو اور ان چیزوں میں سے جو ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہیں۔

سورۂ انعام میں ارشاد فرمایا گیا:

"کلوا من ثمره اذا اثمر وآتوا حقه یوم حصاده"[3]

تم ان (باغوں اور کھیتوں) کے پھل (اور پیداوار) کھاؤ جب وہ پھلیں اور اس کی کٹائی کے دن اللہ کا حق ادا کرو۔

پہلی آیت میں زمین کی پیداوار میں سے خرچ کرنے یعنی عشر نکالنے کا حکم دیا گیا، اور قلیل وکثیر مقدار کے درمیان

---

[1] عمدۃ القاری ۹/۷۳ [2] البقرہ ۲۶۷ [3] الانعام ۱۴۱

کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ اور دوسری آیت میں پھلوں کے باغات، کھیتوں، کھجور، زیتون اور انار کا تذکرہ کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کو استعمال کرنے اور پھر اپنا حق ادا کرنے یعنی عشر نکالنے کا حکم دیا۔ اس میں بھی علی الاطلاق ہر زرعی پیداوار میں سے اللہ کا حق ادا کرنے کا حکم دیا گیا جس سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ زمین کی ہر پیداوار میں خدا کا حق ہے۔

اسی طرح عشر سے متعلق درج ذیل حدیث جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور جسے اصحاب صحاح میں سے اکثر حضرات نے نقل کیا ہے:

"فیما سقت السماء و العیون العشر، وفیما سقی بالنضح نصف العشر"[1]

جو کھیتی بارش اور چشموں کے پانی سے سیراب ہوئی ہو اس میں عشر ہے اور جسے آب پاشی کے ذریعہ سیراب کیا گیا ہو اس میں نصف عشر ہے۔

اس سے بھی زمین کی ہر پیداوار پر قدرتی پانی سے سیراب ہونے کی صورت میں عشر اور آب پاشی کے ذریعہ سینچائی ہونے کی صورت میں نصف عشر کا وجوب سمجھ میں آ رہا ہے۔ قلیل و کثیر کے درمیان کوئی تفریق نہیں کی گئی۔[2]

دوسری وجہ یہ ہے کہ وجوب عشر کا سبب زمین کا قابل کاشت ہونا اور پیداوار کا حقیقۃً حاصل ہونا ہے تو پیداوار کم ہو یا زیادہ دونوں صورتوں میں یہ سبب پایا جا رہا ہے:

"ولأن سبب الوجوب وهي الأرض النامية بالخارج لا يوجب التفصيل بين القليل والكثير"[3]

اور اس لئے کہ سبب وجوب عشر جو زمین کا نامی ہونا اور پیداوار کا حاصل ہونا ہے وہ قلیل و کثیر مقدار کے درمیان فصل نہیں کرتا۔

عشر میں اور دوسرے اموال کی زکوٰۃ میں کئی اعتبار سے فرق ہے، دوسرے اموال کی زکوٰۃ کے لئے سال کا پورا ہونا، دین سے ذمہ کا فارغ ہونا اور عقل و بلوغ شرط ہے جبکہ وجوب عشر کے لئے ان میں سے کوئی شرط نہیں اسی طرح عشر کے لئے نصاب کی بھی شرط نہیں۔

دوسرا قول جمہور فقہاء اور صاحبین کا ہے۔ ان حضرات کے نزدیک جس طرح سونا چاندی، حیوانات

---

[1] ترمذی ج ۱ ص ۱۳۹ باب ما جاء فی الصدقۃ فیما یسقی بالانہار وغیرھا، ابن ماجہ باب صدقۃ الزروع والثمار، کتاب الزکوٰۃ [2] دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان [3] بدائع الصنائع ۲/۵۸

اور تجارتی اموال کی زکوٰۃ کے لئے نصاب شرط ہے۔ اسی طرح زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ (عشر) کے لئے بھی نصاب شرط ہے، اور وہ پانچ وسق ہے، اور ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے، ابن المنذر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے:

"نقل ابن المنذر وغيره الإجماع على أن الوسق ستون صاعا"۔

اس طرح پانچ وسق کی مقدار تین سو صاع ہوئی۔ اب صاع کے سلسلے میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے۔ فقہائے عراق کے نزدیک صاع آٹھ رطل کا ہوتا ہے اور فقہائے حجاز کے نزدیک پانچ رطل اور ایک تہائی رطل کا، اور رطل کیلوگرام کے حساب سے ۵۷۰ کیلوگرام کا ہوتا ہے، جمہور فقہاء چونکہ صاع حجازی کا اعتبار کرتے ہیں اور امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ بھی۔ اور یہی حضرات عشر کے لئے پانچ وسق نصاب کے قائل ہیں اس لئے ان حضرات کے قول کے مطابق پانچ وسق (تین سو صاع) موجودہ رائج کیلوگرام کے وزن سے چھ سو ترپن کیلوگرام ہوتا ہے۔ گویا جمہور فقہاء کے نزدیک چھ سو ترپن کیلوگرام سے کم پیداوار اور پھل ہو تو اس میں عشر واجب نہ ہوگا۔ ان حضرات کا استدلال صحیحین وغیرہ کی اس روایت سے ہے جو حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ليس فيما دون خمسة أوسق صدقة"۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں ہے۔

یہ حضرات اس حدیث کو عشر والی حدیث کے لئے مخصص قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ جس طرح اونٹ کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "فی سائمة الإبل الزكاة" (سائمہ اونٹ میں زکوٰۃ ہے) یہ حدیث مطلق ہے پھر دوسری حدیث میں آپ نے اونٹ کا نصاب بیان فرمایا: "ليس فيما دون خمس ذود صدقة" (پانچ اونٹ سے کم میں صدقہ نہیں ہے) جس طرح یہ دوسری حدیث اونٹ کی زکوٰۃ کے سلسلے میں مخصص ہے، اسی طرح عشر کے سلسلے میں پانچ وسق والی حدیث پہلی حدیث کے لئے مخصص ہے۔ ان حضرات کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حدیث کی رو سے زکوٰۃ [illegible] جیسا کہ حضرت

۱؎ [illegible]

معاذ بن جبل والی روایت میں اس کی صراحت آئی ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں یمن کا قاضی بنا کر بھیجتے ہوئے فرمایا تھا کہ تم اہل کتاب قوم کے پاس جا رہے ہو، انھیں پہلے اس کی دعوت دینا کہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کی گواہی دیں، پھر اگر وہ اس کا اقرار کرلیں تو انھیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن رات میں پانچ وقت کی نماز فرض کی ہے پھر اگر وہ اسے تسلیم کرلیں تو انھیں بتانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے مالداروں سے لی جائے گی اور ان کے فقیروں پر تقسیم کر دی جائے گی، حدیث کے الفاظ میں:

"فاخبرهم ان الله عز وجل فرض عليهم صدقة تؤخذ من اغنيائهم وترد على فقرائهم"۔[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ صرف مالداروں پر فرض ہے، اور عشر بھی دراصل زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ ہے، لہٰذا اس کے واجب ہونے کے لئے بھی مالدار ہونا ضروری ہوگا، پانچ وسق والی حدیث نے گویا غنا کی حد مقرر کر دی کہ اس سے کم میں غنا متحقق نہ ہوگا جس طرح دوسرے اموال کی زکوٰۃ کے لئے نصاب کے ذریعہ غنا کی حد مقرر کی گئی ہے۔

پھر قیاس کا بھی تقاضہ ہے کہ جس طرح تھوڑے مالوں پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اسی طرح تھوڑی پیداوار پر بھی عشر واجب نہ ہو۔

جہاں تک دونوں اقوال میں ترجیح کی بات ہے تو اس عاجز کے نزدیک دلائل کی رو سے صاحبین اور جمہور فقہاء کا مسلک راجح ہے، البتہ چوں کہ امام ابوحنیفہؒ کا مسلک احتیاط پر مبنی ہے اور اس میں بیت المال اور فقراء کا فائدہ زیادہ ہے، اس لئے وہ زیادہ قابل اتباع ہے، اسی بنا پر امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ جو جمہور کی طرح عشر میں نصاب کے قائل ہیں وہ اپنی مشہور تصنیف "کتاب الخراج" میں دونوں اقوال کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ قوم کے لئے اور بیت المال کے لئے جو اصلح اور زیادہ مفید ہو اس پر عمل کرنا چاہئے۔

"فخذ من ذلك بما رأيت انه اصلح للرعية و اوفر على بيت المال، وبأى القولين اخذت"۔[2]

---

[1] مسلم، کتاب الزکوٰۃ، باب وجوب الزکوٰۃ ج ۱ ص ۲۳

[2] موسوعة الخراج، فصل ما يخرج من الحب ... دار المعرفة بيروت - لبنان

رہی پانچ وسق والی روایت تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا بھی محل ہے۔ وہ اسے مال تجارت پر محمول کرتے ہیں یعنی اگر کوئی شخص غلوں کی تجارت کرتا ہے تو جب تک اس کی مقدار پانچ وسق یا اس کی قیمت دو سو درہم کو نہ پہنچ جائے اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی یعنی اس حدیث میں غلوں کی تجارت کرنے والوں کے لئے زکوٰۃ کا نصاب بیان کیا گیا ہے کیونکہ لوگ وسق ہی کے ذریعہ سے غلوں کی خرید و فروخت کرتے تھے اور ایک وسق کی قیمت چالیس درہم تھی اس اعتبار سے پانچ وسق کی قیمت دو سو درہم ہو گئی اور زکوٰۃ تجارت پر محمول کرنے کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں صدقہ کا لفظ آیا ہے اور مطلق صدقہ سے ذہن معروف زکوٰۃ کی طرف منتقل ہوتا ہے نہ کہ عشر کی طرف۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"وتأويل ما روياه زكاة التجارة لأنهم كانوا يتبايعون بالأوساق وقيمة الوسق أربعون درهماً۔"[1]

اور صاحبین نے پانچ وسق والی جو روایت بیان کی اس کی تاویل یہ ہے کہ اس سے مراد زکوٰۃ تجارت ہے کیونکہ صحابہ وسق کے ذریعہ خرید و فروخت کرتے تھے اور ایک وسق کی قیمت چالیس درہم تھی۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"وأما الحديث فالجواب عن التعلق به من وجهين: أحدهما أنه من الآحاد لا يقبل في معارضة الكتاب والخبر المشهور...... والثاني أن المراد من الصدقة الزكاة لأن مطلق اسم الصدقة لا ينصرف إلا إلى الزكاة المعهودة ونحن به نقول إن ما دون خمسة أوسق من طعام أو تمر للتجارة لا يجب فيه الزكاة ما لم تبلغ قيمتها مائتي درهم"[2]

اور پہلی [illegible] حدیث اوسق کا تعلق [illegible] ہیں ایک تو یہ کہ [illegible] کتاب اللہ [illegible] ہے ......

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ صدقہ [illegible] لفظ زکوٰۃ معہودہ ہی کی طرف

[1] ہدایہ [illegible] کتاب الزکوٰۃ [illegible]

ہوتا ہے اور ہم بھی کہتے ہیں کہ پانچ وسق سے کم غلہ اور کھجور جو تجارت کے لئے ہو اس میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی جب تک کہ اس کی قیمت دو سو درہم کو نہ پہنچ جائے۔

۲- عشر کن چیزوں میں واجب ہے؟

زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر عشر واجب ہے یا کچھ چیزیں وجوب عشر سے مستثنیٰ ہیں؟ اس سلسلے میں بھی فقہا کے اقوال مختلف ہیں۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر اس چیز پر عشر واجب ہے جسے زمین سے نفع حاصل کرنے کی غرض سے لگایا گیا ہو، خواہ وہ غذائی اجناس ہوں جیسے گندم، جو، چاول، مکئی اور دالیں اور تمباکو وغیرہ یا پھل اور میوے مثلاً انگور، کشمش، زیتون، انجیر، آم، امرود، سیب، کیلا، ناسپاتی، شفتالو، زردآلو، انار وغیرہ۔ یا ساگ سبزیاں مثلاً کھیرا، لکڑی، خربوزہ، آلو، بینگن، ٹماٹر، گاجر، شلغم، مولی، پیاز، لہسن وغیرہ یا غیر غذائی اجناس مثلاً زعفران، روئی، سن پاٹ وغیرہ خواہ وہ مطعومات کے قبیل سے ہو یا نہ ہو قابل پیمائش اور قابل ادخار ہو یا نہ ہو۔ اس سے صرف وہ گھاس، بانس اور درخت مستثنیٰ ہیں جو خود سے اُگ آتے ہیں۔ لیکن اگر ان چیزوں کی کاشت مقصود ہو، اور زمین کے کسی ٹکڑے کو گھاس اگانے، بانس لگانے یا ساکھو اور شیشم وغیرہ کے درخت لگانے کے لئے خاص کر دیا جائے۔ اور ان کی سینچائی کی جائے، اور لوگوں کو اس میں آمد و رفت سے روک دیا جائے تو اس صورت میں ان میں بھی عشر واجب ہوگا۔ عالمگیری میں ہے:

"ویجب العشر عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ فی کل ما تخرجہ الارض من الحنطۃ والشعیر والدخن والارز واصناف الحبوب والبقول ...... سواء له ثمرۃ باقیۃ او غیر باقیۃ قل او کثر ...... یبلغ فی الوسق اولا ......

ویجب فی الکتان وبذرہ لان کل واحد منہما مقصود" [1]

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز میں عشر واجب ہے یعنی گندم، جو، چاول اور مختلف قسم کے غلے اور سبزیاں ...... خواہ اس کا پھل باقی رہے یا نہ رہے، تھوڑا ہو یا زیادہ ...... وسق کے ذریعہ اس کی پیمائش ہو سکتی ہو یا نہیں ...... اور کتان

---

[1] الفتاویٰ الہندیۃ ۱۸۶/۱

دوسرا قول یہ ہے کہ عشر زمین کی اس پیداوار پر واجب ہے جو غذائی اجناس کے قبیل سے ہو یعنی جسے عام طور پر غذا کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا ہو اور جسے لوگ اگاتے ہوں اور جو قابل ادخار ہو، یہ قول امام شافعی اور ان کے اصحاب کا ہے۔ اس قول کی رو سے زعفران، روئی، کتان (سن)، لکڑی اور بانس جیسی پیداوار جو مطعومات کے قبیل سے نہیں ہے ان پر عشر واجب نہ ہوگا، اسی طرح سبزیاں، میوہ جات اور وہ پھل جو باقی رہنے والے اور ذخیرہ کرکے رکھے جانے کے قابل نہیں ہیں ان پر عشر واجب نہیں، صاحب مہذب فرماتے ہیں:

"وتجب الزكاة فى كل ما تخرجه الارض مما يقتات وييدخر وينبته الآدميون كالحنطة والشعير والدخن والذرة والجاورس والارز وما اشبه ذلك"[1]

اور عشر زمین کی ہر اس پیداوار پر واجب ہے جو غذائی اجناس کے قبیل سے ہو اور جو قابل ادخار ہو اور لوگ اسے اگاتے ہوں مثلاً گندم، جو، باجرہ، مکئی، چاول اور اس طرح کی دوسری چیزیں۔

اور پھلوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وتجب الزكاة فى ثمر النخيل والكرم ...... ولا تجب فيما سوى ذلك من الثمار كالتين والتفاح والسفرجل والرمان لانه ليس من الاقوات ولا من الاموال المدخرة المقتاتة"[2]

کھجور اور انگور کے پھل میں عشر واجب ہے...... اور ان کے علاوہ دوسرے پھلوں مثلاً انجیر، سیب، ناریل، اور انار میں واجب نہیں ہے، کیوں کہ وہ غذائی اجناس اور ذخیرہ کرکے رکھی جانے والی چیزوں میں سے نہیں ہے۔

بنیادی طور پر تقریباً یہی قول مالکیہ، حنابلہ اور احناف میں سے صاحبین کا ہے۔ البتہ جزوی تفصیلات میں ان ائمہ کے درمیان قدرے اختلاف ہے، مثلاً صاحبین وجوب عشر کے لئے غذائی اجناس کی شرط نہیں لگاتے بلکہ وہ امام ابوحنیفہ کی طرح گنا، زعفران، روئی اور کتان (سن) وغیرہ میں عشر کو واجب قرار دیتے ہیں، لیکن میوہ جات اور سبزیوں میں یہ حضرات بھی جمہور فقہاء کی طرح عشر کے قائل نہیں ہیں، اسی طرح مالکیہ بھی میوہ جات اور سبزیوں میں عشر کے قائل نہیں ہیں۔

---

[1] المہذب مع المجموع ۵/۴۹۲ [2] حوالہ سابق ص۴۵۲

چار چیزوں میں عشر کے قائل ہیں۔

تیسری روایت ترمذی کی ہے جو حضرت معاذ بن جبل سے مروی ہے:

"عن معاذ انه كتب الى النبي صلى الله عليه وسلم يسأله عن الخضروات وهي البقول فقال ليس فيها شيء" ۵

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خط لکھ کر سبزیوں کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ ان میں کچھ نہیں ہے۔

صاحب مہذب فرماتے ہیں:

"فاما القثاء والبطيخ والرمان والقصب والخضر فعفو عفا عنها رسول الله صلى الله عليه وسلم" ۶

بہرحال ککڑی، خربوزہ، انار، بانس اور سبزیاں تو ان میں عشر معاف ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے عشر کو معاف فرمایا ہے۔

اس مسئلے میں تمام اقوال و مذاہب کا جائزہ لینے اور تمام دلائل پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس مسئلے میں زیادہ راجح اور قوی مسلک ان حضرات کا ہے جو زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر عشر کو واجب قرار دیتے ہیں۔ کتاب و سنت کے نصوص اسی کے متقاضی ہیں اور یہ مسلک شریعت کے منشا اور زکوٰۃ کی مصلحت سے بھی زیادہ ہم آہنگ ہے۔ اور جو روایات عشر کے چار یا پانچ اجناس میں محدود ہونے یا میوہ جات اور سبزیوں کے عشر سے مستثنیٰ ہونے کے مسئلے میں نقل کی گئیں ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اس قابل نہیں کہ انہیں قرآنی نصوص (يا ايها الذين آمنوا انفقوا من طيبات ما كسبتم ومما اخرجنا لكم من الارض) البقرہ، اور حدیث مشہور "فيما سقت السماء والعيون العشر" (بخاری) کے معارض قرار دیا جائے جن سے ہر قسم کی زمینی پیداوار میں عشر کا واجب ہونا معلوم ہوتا ہے اور جن میں نہ غذائی اجناس کا ذکر ہے نہ ذخیرہ یا پیمائش ہو سکنے کی شرط ہے، نہ خشک ہونے اور دیر تک باقی رہنے کی قید ہے، بلکہ سورہ انعام کی آیت میں جن

---

۵ ۔ جامع ترمذی، کتاب الزکوٰۃ، باب ما جاء فی زکوٰۃ الخضروات [illegible]

۶ ۔ المہذب مع المجموع، ج ۵، ص ۴۴۲ – ۴۴۳

ﷲ

چیزوں کا تذکرہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اس میں عام باغات، ٹٹیوں پر لگائے جانے والے باغات، کھجور زرعی پیداوار، زیتون اور انار کا ذکر ہے۔ اور انار ظاہر ہے کہ ایک میوہ ہے۔ زیادہ دنوں رہنے والا پھل نہیں ہے۔ قرآن کی تصریح کے مطابق انار میں عشر واجب ہے۔ اس لئے زیادہ دنوں باقی رہنے کی شرط لگانا اس آیت کے خلاف ہے۔ اسی طرح ٹٹیوں پر لگائی جانے والی چیزوں میں انگور کی طرح دوسری سبزیاں بھی داخل ہیں۔ پھر کاٹنے اور توڑنے کے دن جو عشر کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے میوہ جات، پھلوں اور سبزیوں ہی میں اس حکم پر آسانی سے عمل کرنا ممکن ہے کہ ان میں توڑنے ہی کے دن عشر کی ادائیگی ہو سکتی ہے۔ اس لئے یہ چیزیں بطور اولیٰ اس آیت میں داخل معلوم ہوتی ہیں۔ ترمذی والی آخری روایت جسے دارقطنی نے بھی روایت کیا ہے اور جس میں یہ تذکرہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبل نے یمن سے خط لکھ کر سبزیوں کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ سبزیوں میں کچھ نہیں ہے۔ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس کی اسناد صحیح نہیں ہے۔ اور اس باب میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث ثابت نہیں ہے۔ اور اس روایت کی سند میں مذکور حسن (ابن عمارہ) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ اہل حدیث کے نزدیک ضعیف ہیں، شعبہ وغیرہ نے انھیں ضعیف قرار دیا ہے :

"قال ابو عیسی اسناد هذا الحدیث لیس بصحیح ولیس یصح فی هذا الباب عن النبی صلی اللہ علیه وسلم شیئ ...... قال ابو عیسی والحسن هو ابن عمارة وهو ضعیف عند اهل الحدیث ضعفه شعبة وغیره وترکه عبد اللہ بن المبارک"[1]

معلوم ہوا کہ سبزیوں میں زکوٰۃ واجب نہ ہونے کے سلسلے میں کوئی صحیح روایت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔

اسی طرح دوسری روایت ابن ماجہ کی جو حضرت عمرو بن شعیب سے مروی ہے اس نئے نسخے میں جو محمد فؤاد عبد الباقی کی تحقیق و تعلیق کے ساتھ المکتبہ العلمیہ بیروت سے شائع ہوا ہے اس روایت کے ذیل میں محقق لکھتے ہیں :

---

[1] ترمذی ج ۱/ ۱۴۳ باب ماجاء فی زکوٰۃ الخضراوات ط: مطبع مجیدی کانپور ہندستان

مالکی فقیہ ابن عربی اس مسئلہ میں شرح ترمذی میں امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"واقوی المذاهب فی المسألة مذهب ابی حنیفة دلیلا واحوطها للمساکین واولاها قیاما بشکر النعمة وعلیه یدل عموم الآیة والحدیث۔"[1]

اس مسئلہ میں دلیل کے اعتبار سے سب سے زیادہ قوی مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے، مساکین کے فائدے کے لحاظ سے بھی اس میں زیادہ احتیاط ہے اور نعمت الٰہی کا شکر ادا کرنے کے پہلو سے بھی زیادہ بہتر ہے، اور آیت اور حدیث کا عموم بھی اسی پر دلالت کرتا ہے۔

عصر حاضر کے مشہور محقق اور فقیہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی اپنی مشہور تصنیف فقہ الزکوٰۃ میں امام ابوحنیفہؒ کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ان تمام مذاہب میں سب سے زیادہ ترجیح کے لائق مذہب ابوحنیفہؒ کا ہے جو عمر بن عبدالعزیزؒ، مجاہد، حماد، داؤد اور نخعی کا مسلک بھی ہے یعنی کہ زمین سے جو کچھ پیداوار ہو اس میں زکوٰۃ ہے، قرآن و سنت کے نصوص کا عموم اسی کی تائید کرتا ہے اور یہی مسلک زکوٰۃ کو مشروع قرار دئے جانے کی حکمت کے موافق ہے۔ میرے خیال میں یہ کوئی معقول بات نہیں ہے کہ شارع جو اور گیہوں کی کھیتی کرنے والوں پر تو زکوٰۃ (عشر) فرض کرے اور نارنگی، آم اور سیب کے باغچوں کے مالکوں کو عشر سے مستثنیٰ قرار دے اور جہاں تک ان احادیث کا تعلق ہے جو عشر کو چار غذائی اجناس تک محدود کرتی ہیں تو ان میں سے کوئی طعن اور کلام سے پاک نہیں ہے۔"[2]

ان دلائل کی روشنی میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک قوی، احوط اور انسب ہونے کی وجہ سے زیادہ قابل ترجیح اور لائق اتباع ہے۔ اس کے برخلاف جن روایات میں سبزی وغیرہ میں صدقہ نہ ہونے کا ذکر ہے وہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہیں، اور بر تقدیر صحت احناف کے نزدیک ان کا محمل موجود ہے اور وہ یہ کہ میوہ اور سبزی وغیرہ جو زیادہ دنوں باقی نہیں رہتی بلکہ جلد خراب ہو جاتی ہے اس میں عشر کی یہ صورت نہیں ہے کہ عاملین کے ذریعہ

---

[1] شرح الترمذی لابن عربی ج ۳ ص ۱۳۵ [2] فقہ الزکوٰۃ ۱/ ۳۷۱-۳۷۰

وصول کیا جائے بلکہ اصحاب مال خود سے ان کا عشر ادا کردیں اور محتاجوں میں تقسیم کردیں کیونکہ یہ چیزیں جلد خراب ہوجانے والی ہیں تو اگر ان کے عشر وصول کرنے میں بھی عاملین کو واسطہ بنایا جائے تو مستحقین تک پہنچنے سے قبل وہ خراب ہوجائیں گی۔

کھاد اور سنگھاڑا چونکہ زمین ہی کی پیداوار ہیں اس لئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان میں عشر واجب ہوگا۔ کھاد دیرپا اور قابل ادخار ہے اس لئے صاحبین کے نزدیک بھی اس میں عشر واجب ہوگا، البتہ سنگھاڑا میں نہیں۔ اور جو حضرات صرف غذائی اجناس میں عشر کو واجب قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک ان دونوں میں عشر واجب نہ ہوگا۔

۳۔ مچھلی کی کاشت پر عشر ہے یا نہیں؟

مچھلی کی کاشت خواہ زراعتی اراضی پر تالاب کھود کر ہو لیکن اس عاجز کے خیال میں اسے زراعت میں داخل کرکے اس پر احکام عشر نافذ نہیں کئے جاسکتے۔ کیوں کہ عشر کے احکام زمین سے پیدا ہونے والی چیزوں کے لئے ہیں۔ اور مچھلی زمین کی پیداوار نہیں۔ قرآن کریم کی آیت ومما اخرجنا لکم من الارض اور روایت ما اخرجتہ الارض ففیہ العشر کے الفاظ صاف بتلاتے ہیں یہ حکم زمین کی پیداوار کے لئے ہے۔ نہ کہ زمین کے اوپر حاصل ہونے والے ہر مال کے لئے۔ اسی طرح سورۂ انعام کی آیت وآتوا حقہ یوم حصادہ "جس میں عشر کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے اس میں جن چیزوں کا تذکرہ ہے یعنی ام باغات، ٹیٹوں پر چڑھائے جانے والے باغات کھجور، کھیتی، زیتون اور انار وغیرہ یہ سب زمین ہی کی پیداوار ہیں۔ اس لئے مچھلی کی کاشت خواہ کتنی ہی نفع بخش ہو اور ہر قسم کی کاشت سے زیادہ سبب منفعت ہو لیکن عشر کا حکم اس پر نافذ نہ ہوگا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی زراعتی زمین پر کوئی فیکٹری اور کارخانہ قائم کردیا جائے جس سے مالک زمین کو لاکھوں کی آمدنی ہو لیکن اس پر عشر کا حکم نافذ نہ ہوگا بلکہ زکوٰۃ کا اس کے معروف شرائط کے ساتھ۔ اسی طرح مچھلی کی کاشت پر زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہونا چاہئے نہ کہ عشر کا۔

۴۔ ریشم کی کاشت پر عشر ہے یا نہیں؟

ریشم کو شہد کے ساتھ اس حیثیت سے مشابہت

ہے کہ دونوں کی پیداوار حیوان سے ہوتی ہے۔ اور ان دونوں حیوانوں کی غذا زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں ہیں۔ پھل اور پھول شہد کی مکھی کی غذا ہے۔ اور شہتوت کے پتے ریشم کے کیڑوں کی غذا ہیں۔ شہد کے چھتے عام طور پر درختوں ہی پر لگتے ہیں۔ اور ریشم کے کیڑوں کی پرورش اور ریشم کی کاشت تو شہتوت کے درختوں ہی پر ہوتی ہے۔ اور یہ درخت خاص اسی مقصد کی خاطر لگائے جاتے ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصول کی رو سے جس چیز کو اگانے سے زمین کی آمدنی مقصود ہو اس پر عشر ہے۔ اس لئے شہتوت کے درخت خود رو درختوں کی طرح نہیں ہیں۔ ان کے پتے بھی اس کاشت سے مقصود ہیں۔ اس لئے اس کا حکم خود رو پودوں کا نہیں ہوگا۔ اور غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ریشم کی کاشت کو پھلوں کے باغات اور کھیتوں سے ظاہری اور معنوی دونوں مشابہتیں ہیں۔ جس طرح پھل اور میوے اور روئی کے پھل درختوں اور زمین کے پودوں پر نشوونما پاتے ہیں۔ اور زمین سے ان کی غذا فراہم ہوتی ہے اسی طرح ریشم شہتوت کے درخت پر تیار ہوتے ہیں اور زمین سے ان کو غذا فراہم ہوتی۔ اور ریشم کی یہ کاشت دیکھنے میں بھی پھلوں اور گندم اور جو کی بالیوں کے مشابہ ہیں۔ اور شہد کے ساتھ تو اسے پوری مشابہت ہے ہی اس لئے جو حضرات شہد میں عشر کے قائل ہیں ان کے نزدیک ریشم کی کاشت پر بھی عشر واجب ہونا چاہئے۔

شہد پر عشر کے سلسلے میں احادیث کی متعدد کتابوں میں روایات موجود ہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے شہد کے عشر کے سلسلے میں ایک مستقل باب "باب ما جاء فی زکوۃ العسل" قائم کیا ہے اور اس کے ذیل میں حضرت عبداللہ بن عمر کی درج ذیل روایت ذکر کی ہے:

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: فی العسل فی کل عشرۃ ازق زق"[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شہد کی ہر دس مشکوں میں ایک مشک (عشر) ہے۔

اور آگے لکھتے ہیں کہ اس باب میں حضرت ابوہریرہ، ابوسیارہ متقی اور عبداللہ بن عمرو سے بھی روایت ہے۔۔
۔۔۔۔ اور اکثر اہل علم کا اس پر، شہد میں عشر کے وجوب پر، عمل ہے، اور احمد اور اسحاق اسی کے قائل ہیں:

---

[1] ترمذی ۱/۹۲، ابواب الزکوۃ۔

قائل ہوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے اس کی زکوٰۃ (عشر) لی ہے۔
آگے لکھتے ہیں:

"ويروى ذلك عن عمر بن عبد العزيز ومكحول والزهري وسليمان

ابن موسى والأوزاعي وإسحاق ...... وقال أبو حنيفة: إن كان في

أرض العشر ففيه العشر وإلا فلا زكاة فيه"[۱]

اور عمر بن عبد العزیز، مکحول، زہری، سلیمان بن موسیٰ، اوزاعی اور اسحاق سے بھی یہی منقول ہے
...... اور امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر شہد عشری زمین میں ہو تو اس میں عشر
واجب ہوگا ورنہ نہیں۔

اس کے بعد ابن قدامہؒ نے ابن ماجہ والی مذکورہ بالا دونوں روایتیں ذکر کی ہیں، اور خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ اثر نقل کیا ہے کہ انھوں نے شہد کا عشر ادا کرنے کا حکم جاری فرمایا تھا[۲]۔

اس طرح کی متعدد روایات اور آثار امام ابو داؤد، احمد اور دارقطنی وغیرہ نے بھی ذکر کئے ہیں ان احادیث کی اسناد پر کلام بھی کیا گیا ہے لیکن کثرت طرق سے مروی ہونے کی وجہ سے انھیں قوت حاصل ہو جاتی ہے جیسا کہ علامہ ابن قیمؒ نے بھی اس کی تصریح کی ہے[۳]۔ علامہ شوکانی نے بھی "الدرر البہیہ" میں اس کی تصریح کی ہے کہ شہد میں عشر واجب ہے اور اس کے شارح نواب صدیق حسن خاں نے بھی اس کی تائید کی ہے اور اس سلسلے کے آثار کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"وبمجموعها لا يقصر عن الصلاحية للاحتجاج به"[۴]

اور یہ تمام روایات و آثار مل کر اس لائق ضرور ہو جاتے ہیں کہ ان سے احتجاج کیا جا سکے۔

شہد کے سلسلے میں یہ وضاحت اس لئے ضروری سمجھی گئی کہ اس کی روشنی میں زیر بحث مسئلہ (ریشم کی کاشت) کو قیاس کیا جا سکے۔ بہر حال شہد کے سلسلے میں اکثر اہل علم احناف، حنابلہ اور صحابہ، تابعین اور تبع تابعین میں سے ایک جماعت عشر کے وجوب کی قائل ہے۔ اور اس کی علت فقہائے یہ بتائی ہے کہ شہد کی مکھیوں کا جو ال

۱؎ حوالہ مذکور ص ... ۲؎ دیکھئے المغنی ج ۳ ص ... ۳؎ دیکھئے زاد المعاد ... ۱۴۲ ۴؎ الدراری المضیہ ...

زمین کی پیداوار سے ہے۔ جو حضرات شہد میں عشر کے قائل نہیں ہیں وہ شہد کو دودھ پر قیاس کرتے ہیں کہ دونوں جانور سے حاصل ہونے والے مشروب ہیں۔ لہٰذا جس طرح دودھ پر بالاتفاق عشر نہیں ہے اسی طرح شہد پر بھی نہیں ہونا چاہیے لیکن عشر کے قائلین کی طرف سے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ دودھ کی اصل یعنی جانوروں پر زکوٰۃ واجب ہے اس لئے اس کی فرع یعنی دودھ پر زکوٰۃ نہ ہوگی۔ بخلاف شہد کی مکھی پر زکوٰۃ نہیں ہے اس لئے اس سے حاصل ہونے والے شہد پر عشر کا وجوب قرین قیاس ہے۔

اس عاجز کے خیال میں ریشم کے کیڑوں کو شہد کی مکھیوں پر قیاس کرتے ہوئے شہد کی طرح ریشم کی کاشت پر عشر کو واجب قرار دینا عقل و قیاس کا تقاضا ہے۔ جیسا کہ ڈاکٹر یوسف قرضاوی لکھتے ہیں:

"ان قیاس المستغلات الحیوانیة علی العسل قیاس صحیح، لا معارض له فلا ینبغی العدول عنه"

حیوانات سے پیدا شدہ چیزوں کو شہد پر قیاس کرنا قیاس صحیح ہے اور اس کا کوئی معارض نہیں ہے لہٰذا اس سے عدول کرنا مناسب نہیں۔

۵۔ درختوں کی کاشت کا مسئلہ

جو درخت اور باغات پھل حاصل کرنے کی غرض سے لگائے جاتے ہیں ان کے پھلوں پر تو عشر ہے ہی۔ البتہ وہ درخت جو پھل کے علاوہ دوسرے مقاصد کے تحت لگائے جاتے ہیں مثلاً جلانے کے لئے، فرنیچر تیار کرنے کے لئے، یا عمارت میں استعمال کرنے کے لئے یا انہیں فروخت کر کے ان سے پیسہ حاصل کرنے کے لئے تو ان تمام صورتوں میں عشر واجب ہوگا چونکہ یہ زمین سے نفع حاصل کرنے ہی کی مختلف صورتیں ہیں اور زمین کی آمدنی حاصل کرنے کے لئے جس چیز کی بھی کاشت ہو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک اس پر عشر واجب ہے۔ صاحب کفایہ لکھتے ہیں:

"فالاصل عند ابی حنیفة رحمه الله ان کل ما یقصد به استغلال الارض یجب فیه العشر"

[illegible] الکفایة مع فتح القدیر [illegible]

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اصول یہ ہے کہ باغات یا زمینوں میں جو چیز اگائی جائے اور اس سے زمین کی آمدنی مقصود ہو تو اس میں عشر واجب ہے۔

علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

"اما الحطب والقصب والحشیش فلا تستنبت فی الجنان عادة، بل تنقی عنها حتی لو اتخذها مقصبة او مشجرة او منبتا للحشیش یجب فیه العشر"۔[1]

ہر حال لکڑی، بانس اور گھاس تو عام طور پر باغات میں نہیں اگائے جاتے بلکہ اگر خود سے بھی اگ آئیں تو صاف کر دئے جاتے ہیں، اس لئے ان میں عشر نہ ہوگا، لیکن اگر کسی نے کسی زمین کو بانس اگانے، یا درخت لگانے یا گھاس حاصل کرنے کے لئے خاص کر دیا تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

اس اصول کے پیش نظر احناف کے نزدیک سوال میں مذکور مقاصد کے لئے جو درخت لگائے جائیں گے ان میں عشر واجب ہوگا۔ البتہ عشر میں لکڑی ہی نکالنا ضروری نہیں ہے بلکہ اس کی قیمت کا نکالنا بھی کافی ہوگا۔ خاص طور پر وہ لکڑیاں جو جلانے یا عمارت میں استعمال کرنے کے لئے لگائی گئی ہوں، ان کی قیمت کا اندازہ کر کے عشر نکال دینا کافی ہوگا۔

۶۔ کن سبزیوں میں عشر واجب ہے؟

جو سبزیاں مزروعہ اور عشری زمینوں میں تجارت کی غرض سے لگائی جائیں ان میں عشر واجب ہے، اور چونکہ سبزیوں اور پھلوں کی پیداوار مسلسل رہتا ہے اور وہ وقفے وقفے سے توڑی جاتی ہیں اس لئے بہتر صورت یہ ہے کہ ہر دفعہ جتنی سبزی توڑی جائے ناپ کر اسی وقت اس کا عشر نکال دیا جائے لیکن اگر عشر میں نکالی گئی سبزی کی مقدار اتنی معتد بہ ہو جس سے غریبوں کو قابل لحاظ فائدہ پہنچ سکے تو عشر کی ادائیگی میں سہولت کے لئے یہ بھی ممکن ہے کہ شروع میں جتنا حاصل ہو اسے عشر کے طور پر غریبوں میں تقسیم کر دیا جائے

---

[1] فتح القدیر ۲ ۔ ۱۹ ـ ۱۸

اگر کسی شخص کے گھر میں کوئی پھلدار درخت ہو تو اس میں عشر نہیں ہے۔

۷- اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر کا مسئلہ

اوقاف کی زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے۔ کیوں کہ ادائے عشر کے سلسلے کی آیات و احادیث کا عموم اسے بھی شامل ہے۔ وجوب عشر کے لئے زمین کی ملکیت شرط نہیں ہے بلکہ پیداوار کا مالک ہونا شرط ہے وجوب عشر کا سبب زمین کا نامی ہونا اور پیداوار کا حاصل ہونا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اوقاف کی زمین میں بھی یہ دونوں سبب پائے جا رہے ہیں لہٰذا عشر واجب ہوگا۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

"وكذا ملك الارض ليس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج فيجب في الاراضي التي لا مالك لها وهي الاراضي الموقوفة لعموم قوله تعالى ......"[1]

اسی طرح زمین کی ملکیت وجوب عشر کے لئے شرط نہیں ہے۔ صرف پیداوار کا مالک ہونا شرط ہے لہٰذا عشر ان زمینوں میں بھی واجب ہوگا جن کا کوئی متعین شخص مالک نہیں ہے۔ اور وہ موقوفہ زمینیں ہیں۔ کیوں کہ (عشر کے حکم کے سلسلے میں) اللہ تعالیٰ کے قول (ومما اخرجنا لكم من الارض وآتوا حقه) میں عموم ہے۔

پس خواہ عام اوقاف کی زمینیں ہوں یا وقف علی الاولاد کی ان کی پیداوار پر عشر واجب ہوگا۔ واللہ اعلم۔

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۶

ینقص الخارج"[1]

اور خراج کے سلسلے میں یوں لکھتے ہیں:

"لان الحاجة الی ابتداء التوظیف علی الکافر والخراج الیق به لان فیه معنی العقوبة المتعلق بالتمکن من الزراعة وان لم یزرع"[2]

فرق ثانی

قرآنی آیات مثلاً: "یا ایها الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض" اور "کلوا من ثمره اذا اثمر واتوا حقه یوم حصاده" وغیرہ میں مکان ومقام کے اطلاق وعموم سے ہر جگہ کے مسلمانوں پر گویا عشر کا فریضہ من جانب الشارع واجب ہو جاتا ہے اور اس کی شرعی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ گو کہیں اور کبھی حاکم اسلام کی طرف سے عشر کا مطالبہ بلکہ توظیف نہ بھی ہو تاہم اس پر لازم ہے کہ وہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر" (بخاری) کی روشنی وہدایت کے مطابق عشر و نصف عشر ادا کر کے اپنا ذمہ فارغ کر لے۔ اس کا خلاصہ یہ نکلا کہ عشر کا وجوب اور پھر مختلف حالتوں میں اس کے قدر میں تفاوت بصراحۃً منصوص ہے، جب کہ خراج کا ایجاب اور اس کے قدر کی تحدید مفوض الی رای الامام اور معلق علی توظیف الحاکم الشرعی ہے۔

فرق ثالث

عشر میں عبادت وزکوٰۃ الارض کی حیثیت کے غالب ہونے کی وجہ سے اس کے مصارف بھی زکوٰۃ وصدقات واجبہ کے مصارف کی طرح نصاً محدود و متعین ہیں، جب کہ خراج کے مصارف میں عموم ہے، مصالح عامہ سد ثغور بنا قناطر وجسور وغیرہ میں بھی یہ خرچ کئے جا سکتے ہیں۔

یہاں موضوع سے ہٹ کر افادہ مزید کے طور پر اس کی وضاحت بھی کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ گو زکوٰۃ وعشر کے مصارف ایک ہی ہیں لیکن ان دونوں میں مختلف وجوہ سے باہمی بڑا فرق بھی ہے۔

---

[1] ھدایہ ثانی ص۱۶۸ [2] حوالہ سابق

نصاب حولان حول تکرار فریضہ فی عام یا عدم وغیرہ کے اشتراط و عدم اشتراط میں تو دونوں مختلف ہیں۔ عبادت کی حیثیت سے بھی دونوں میں اختلاف ہے۔ زکوٰۃ و صدقات خالص عبادت مالیہ ہے جس میں ٹیکس یا مؤنت زمین ہونے کا قطعاً کوئی شائبہ نہیں اس لئے مالک نصاب کی موت سے زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے۔ بخلاف عشر میں کہ گو نہ ٹیکس و مؤنت زمین کی حیثیت بھی پائی جاتی ہے اس لئے عشر ادا کئے بغیر اگر کوئی مر جائیگا تو فقہ حنفی کی ایک روایت کے مطابق اس کے ترکہ سے عشر وصول کیا جائے گا۔[1]

فرق رابع

عشر کے وجوب کا سبب زمین کا حقیقتاً نامی ہونا ہے۔ چنانچہ پیداوار اگر نہ ہو سکے تو مالک زمین عشری پر عشر واجب نہیں ہوتا ہے۔ جب کہ خراج کے وجوب کے لئے زمین کا تقدیراً نامی ہونا کافی ہے یعنی اگر زمین سے پیداوار حاصل کرنا ممکن ہو اور قابل کاشت ہو گو حقیقت واقع میں پیداوار کچھ نہ ہوئی ہو تب بھی کم از کم خراج موظف واجب ہو جائے گا۔

فرق خامس

عشر میں ایک سال کے اندر پیداوار کے تکرار سے وجوب بھی مکرر ہو جاتا ہے جب کہ خراج اگر موظف ہو خراج مقاسمہ نہ ہو تو اس کا وجوب تکرار پیداوار کے باوجود مکرر نہیں ہوتا ہے۔

فرق سادس

وجوب عشر کا تعلق اصلاً نفس پیداوار سے ہے زمین کی ملکیت کو کوئی حیثیت حاصل نہیں چنانچہ اگر کوئی کسی کی زمین سے کوئی پیداوار حاصل کرے تو اس مالک پیداوار پر عشر واجب ہوگا۔ مالک زمین پر نہیں۔ اور اگر بطور بٹائی کاشت کرے گا تو اور زمین کسی کی مملوکہ ہو یا موقوفہ تو اس بٹائی دار پر بھی اپنے حصہ کی بقدر عشر واجب ہو جائے گا۔

---

[1] [illegible] ص ۱۰۴

جب کہ خراج مالک زمین ہی پر عائد ہوتا ہے گویا وجوب خراج میں اصل موثر اور دخیل زمین کی ملکیت ہی ہے، ھذا کلہ ظاھر ومصرح فی الکتب المتداولۃ۔

عشری وخراجی زمینوں کے درمیان باہمی فرق

نفس عشر وخراج کے درمیان وجوہ بالا کے اعتبار سے فرق کی وضاحت کے بعد عشری وخراجی اراضیات کے درمیان فرق وامتیاز کو بہ انداز ذیل بیان کیا جا سکتا ہے:

۱ــــ بلاد عرب کی ساری زمینیں علی الاطلاق فی کل حال عشری ہی ہو سکتی ہے وہ کبھی خراجی نہیں ہوگی؛ ارض العرب کلہا ارض عشر۔[۱]

۲ــــ بلاد عجم کی زمینیں کبھی عشری ہوں گی تو کبھی خراجی اس سلسلہ میں شرعی ضابطہ اور پہلا اصول یہ ہے:

(الف) "کل ارض فتحت عنوۃ واقر اھلہا علیہا فھی ارض خراج وکذا اذا صالحھم" (ھدایہ) جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ہر وہ علاقہ عجمی جو جنگ وجہاد کے بعد بزور شمشیر مفتوحہ ومحروسہ ہو جائے یا قبل جنگ وجہاد بطور صلح حکومت اسلامیہ کے زیر نگیں آجائے اور اسے مجاہدین کے درمیان تقسیم نہ کیا جائے بلکہ وہاں کے باشندوں ہی کے زیر ملکیت وتصرف چھوڑ دیا جائے تو یہ زمین خراجی ہوں گی۔

(ب) دوسرا اصول یہ ہے کہ:

"کل ارض اسلم اھلہا او فتحت عنوۃ وقسمت بین الغانمین فھی ارض عشر" (ھدایہ ثانی)

جس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ ہر وہ علاقہ خواہ عربی ہو یا عجمی جس کے باشندے بلا جنگ وجدال اسلام قبول کریں اس کی اراضیات عشری ہوں گی۔

اسی طرح جو علاقہ عربی یا عجمی بزور شمشیر مفتوحہ ہو کر مجاہدین کے درمیان تقسیم ہو جائے عشری قرار پائیں گی۔

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمہ کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

"فکل ارض اسلم اھلہا علیہا وھی من ارض العرب او ارض العجم

---

[۱] ھدایہ ثانی ص۵۵

فهي لهم وهي أرض عشر بمنزلة المدينة حين أسلم أهلها وبمنزلة اليمن "[1]

پھر یہ بھی لکھتے ہیں:

"أيما دار من دور الأعاجم قد ظهر عليها الإمام وتركها في أيدي أهلها فهي أرض خراج، وإن قسمها بين الذين غنموها فهي أرض عشر ألا ترى أن عمر بن الخطاب ظهر على أرض الأعاجم وتركها في أيديهم فهي أرض خراج وكل أرض من أراضي الأعاجم صالح عليها أهلها وصاروا ذمة فهي أرض خراج"

اراضیات کے عشری وخراجی ہونے کے سلسلے میں ان اصولوں سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ کسی زمین کے عشری وخراجی ہونے میں اصل موثر اور کلیدی حیثیت ان تین امور کو حاصل ہے۔

"اولاً علاقہ کی عربیت وعجمیت کو۔ ثانیاً — مجاہدین کے درمیان تقسیم وعدم تقسیم کو۔ ثالثاً — ابتداء توظیف کے وقت وہاں کے باشندوں کے اسلام وکفر کو"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرات خلفاء راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے طرز عمل سے یہی روشنی وہدایت ملتی ہے۔

چنانچہ مکہ مکرمہ زادھا اللہ شرفاً گو قہراً وغلبۃً مفتوح ہوا اور وہاں کی اراضیات وہاں کے باشندوں کے درمیان ہی چھوڑ دی گئیں تاہم وہاں سے خراج نہیں لیا گیا اور نہ کسی دوسری اراضی عرب سے خراج کا وصول کیا جانا کسی ضعیف سے ضعیف تر نقل وروایت سے ثابت ہو پاتا ہے۔

اہل مدینہ ابتداء توظیف کے وقت ہی سے مسلمان تھے تو ان سے عشری لیا جاتا رہا۔ اراضی خیبر عنوۃ فتح کے بعد مجاہدین کے درمیان تقسیم ہو گئیں تو وہ عشری قرار پائیں۔ جب کہ سواد عراق جو بدور فاروقی عنوۃ فتح ہوا مگر "اقر اهلها عليها" مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی گئی تو وہاں سے خراج وصول کیا جاتا رہا۔

خلاصہ یہ کہ زمینوں کے عشری وخراجی ہونے میں اصل دخل تو انہیں تینوں امور مذکورہ بالا کو ہے۔

---

[1] کتاب الخراج ص[illegible]

گویا بسا اوقات کسی امر خارج و عارض کے سبب اراضیات کے ان اصلی وظیفے میں تبدیلی بھی واقع ہو جاتی ہے مثلاً اگر کسی مسلمان سے اس کی عشری زمین کو کوئی ذمی کاشتکار خرید لے تو وہ خراجی ہو جاتی ہے وجہ ظاہر ہے کہ عشر میں عبادت کی حیثیت غالب ہے اور ذمی اس کا اہل نہیں اور اس کے برعکس صورت میں وہ وظیفہ خراج علی حالہ برقرار رہتا ہے کیونکہ خراج میں خالص مؤنت کی حیثیت ہے اور مسلمان میں مؤنت ارض کے تحمل کی بھی اہلیت موجود ہے اس لئے گو ابتداءً اس مسلمان پر خراج کی توظیف نہ ہوتی مگر اقدام شراء کر کے از خود جب انھوں نے التزام خراج کیا ہے تو بقاءً اس پر خراج ہی لازم ہوگا۔

اسی طرح اصل تو یہی ہے کہ ابتداءً توظیف کے وقت اگر وہ مسلمان ہے تو اس کی اراضیات کا وظیفہ عشری ہوگا مگر عارض کی بنا پر کبھی اس میں بھی استثنائی طور پر تبدیلی آجاتی ہے مثلاً اراضی حوزہ یعنی اسلامی حکومت کی زیر تحویل زمینیں ارض موات وغیرہ کو اگر کوئی مسلمان قابل کاشت بنا تا اور آباد کرتا ہے تو ایسی زمینوں کا وظیفہ امام محمد علیہ الرحمہ کے نزدیک پانی کے تابع ہو جاتا ہے، پانی اگر خراجی ہوگا تو وہ زمینیں خراجی بن جائیں گی، جب کہ ذمی کاشت کے قابل بنائے گا تو بہر حال یہ خراجی ہی ہوں گی۔ وغیر ذالک کچھ مزید ایسی صورتیں نکل سکتی ہیں جن میں اس اصل کلی کے برخلاف کسی عارض کی بنا پر زمینوں کا وظیفہ عشر و خراج اول بدل جائے، لیکن زمینوں کے عشری و خراجی ہونے میں اصل ضابطہ وہی کہلائے گا جسے مفصلاً اوپر بیان کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اراضی ہند کا شرعی حکم

اراضیات کے عشری و خراجی ہونے کے متعلق جن شرعی اصول و ضابطے کی اوپر وضاحت کی گئی ہے یا جن استثنائی اور عارضی صورتوں کی نشاندہی ہوتی ہے اس کی روشنی میں بڑا آسان تھا کہ ہم اراضی ہند کا وظیفہ عشر و خراج بھی متعین کر لیتے۔

مگر ایک طرف یہ ہندوستان ہے جو بلاد عجم میں سے ہے اور جس کی زمینوں کے وظائف اصلیہ میں عشر و خراج دونوں کا امکان ہے۔ اور پھر بعض صورتوں میں ابتدائی اور اصلی وظیفہ عشر و خراج کے اندر کسی عارض کی بنا پر تبدیلی کے وقوع سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا۔

اور دوسری طرف اس ہندوستان کے مختلف علاقوں کے حالات و انقلابات، ابتداءً توظیف کے وقت ان علاقوں کے باشندوں کا کفر و اسلام کے اعتبار سے حقیقی وصف اور واقعی صورت حال،

اور پھر ان اراضیات کے انتقال میں کئی ملکی کی خصوصیات جو ان وظائف عشر و خراج کو ادل بدل کر دیتے ہیں کلیدی رول ادا کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ ساری ہی چیزیں اور سارے ہی تحولات و تطورات تاریخ ہند کے اس تاریک دور کے دبیز پردوں میں مستور ہیں جن کی تحقیق اور واقعی صورت حال پر پڑے ہوئے ان پردوں کا اٹھانا تقریباً ناممکن ہو وہاں بے تاریخی طور پر ان واقعات ماضیہ اور پچھلے انقلابات کی ترتیب و تفصیل اس طرح منقطع اور غیر مربوط ہے کہ اسے جوڑ کر صحیح نتیجے تک پہنچنا دو و نزع یا اقتصادی ہو چکا ہے۔

اس لئے تحقیقی انداز سے یہ فیصلہ کرنا کہ اراضی ہند کا عشری و خراجی ہونے کے اعتبار سے کیا حکم ہے بہت مشکل ہے، یہی وجہ ہے کہ اس سلسلے میں ہمارے اکابر رحمہم اللہ کے فتاوی بھی بہت مختلف بلکہ باہم متضاد ہیں جو اپنی جگہ مذکور ہیں۔

ایسی صورت حال میں میرا خیال ہے کہ حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی علیہ الرحمہ نے جو تحقیقات پیش کی ہیں اور انہوں نے اراضی ہند کے متعلق مختلف شواہد و قرائن کی بنیاد پر جو فیصلہ کر دیا ہے عمل بالاحوط کی اولویت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہندوستانی مسلمانوں کو اسی فیصلہ کے مطابق عمل کرنے کی ہدایت دی جانی چاہئے۔

حضرت مولانا موصوف علیہ الرحمہ نے اپنی مشہور تحقیقی تصنیف کتاب العشر والزکوٰۃ میں دارالحرب اور عشر کا عنوان قائم کر کے علامہ شامی کی مشہور عبارت ان ارض الهند ليست ارض عشر ولا خراج پر بحث کرتے ہوئے امام ابو یوسف کی کتاب الخراج اور سرخسی کی شرح سیر کبیر کی عبارتوں کو نقل کیا ہے اور اس سے استدلال کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ شامی وغیرہ کی عبارت بالا کا اصل اور صحیح محمل یہ ہے کہ اس سے مراد دارالحرب کی وہ زمینیں لی جائیں جو حربی کافر کے قبضہ و تصرف میں ہوں، وہی لاعشری ولاخراجی ہوں گی اس لئے کہ عشر و خراج کا بنیادی طور پر مطالبہ اور تعیین حاکم اسلام کی طرف سے ہوتا ہے اور دارالحرب پر حاکم اسلام کی کوئی حکومت نہیں۔

لیکن مسلمانوں کے حق میں چونکہ عشر ایک عبادت ہے اس لئے نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ بلکہ دیگر عبادتوں و دیانتی تمام معاملات کی طرح جن کا تعلق حکومت کی قوت سے نہ ہو بلکہ باہم مسلمانوں سے ہو، دارالاسلام اور دارالحرب کی تفریق کے بغیر رضاکارانہ طور پر ہر جگہ اسے بھی ادا کرنا چاہئے کیونکہ مسلمانوں پر ہر جگہ خواہ دارالاسلام میں ہوں یا دارالحرب میں حسب استطاعت تمام ہی عبادتوں کی ادائیگی دیانۃً لازم و ضروری ہے۔

"خلیفۂ وقت ہارون الرشید نے ایک موقع سے سوال کیا کہ دار الحرب کے مسلمانوں کی جان اور ان کی زمینوں کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

حضرت امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"سألت یا امیر المؤمنین عن قوم من اهل الحرب اسلموا على انفسهم وارضيهم والحكم في ذلك؟ قال: دماؤهم حرام بما اسلموا عليه من اموالهم فلهم وكذلك ارضوهم لهم وهي ارض عشر" له

اور سرخسی شرح سیر کبیر میں صراحتاً لکھے:

"اراضی اهل الحرب ليست بعشرية ولا خراجية" له

ظاہر ہے کہ سرخسی کی عبارت واضح ہے شامی کی عبارت مبہم اور مجمل کا یہی محمل حسن ہے کہ لا عشری ولا خراجی صرف حربی کافر ہی کی زمینیں ہو سکتی ہیں۔

اور امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کے جواب سے دار الحرب کے مسلمان باشندے کی زمینوں کا عشری ہونا بھی صراحتاً معلوم ہو جاتا ہے۔

بہر حال ان بحثوں کے بعد حضرت مولانا موصوف علیہ الرحمۃ نے اراضی ہند میں سے جتنی زمینیں یہاں کے مسلمانوں کی ملکیت و تصرف میں نہیں ان کی امکانی صورتوں کی تفصیلات پیش کی ہیں اور اس طرح اس کی تیرہ صورتیں قرار دی ہیں جن میں دس صورتیں ایسی بنتی ہیں جن کا حکم عشر و خراج کے معروف اسلامی ضابطہ کی روشنی میں عشری ہونا ہی طے ہے۔

صرف تین صورتیں ایسی بچتی ہیں جن میں خراجی ہونے کی علت پائی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد مولانا لکھتے ہیں کہ:

> "ان تمام تفصیلات سے ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی زمین کے خراجی ہونے کی صورتیں بہت کم ہیں اور ان کی تحقیق بھی نہایت مشکل ہے اس لئے ظاہر حال کو لحاظ کرکے مسلمانوں کو احتیاطاً کے مسلک پر تمام ہی زمینوں کی پیداوار میں عشر نکالنا چاہئے۔" له

له کتاب الخراج ص۶۹ له سرخسی شرح سیر کبیر ۲۰۳ له کتاب العشر والزکوٰۃ ص۳۳

اور اس کی تائید کے طور پر آگے حضرت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی علیہ الرحمہ کے علم الفقہ کے حوالہ سے ہندوستانی زمینوں پر عشر ہونے نہ ہونے کے متعلق ایک استفتا اور اس کا دو جواب نقل کرتے ہیں ایک حضرت رشید احمد گنگوہی علیہ الرحمہ کا اور دوسرا دار العلوم دیوبند کا۔

گرچہ یہ دونوں جواب جسے کتاب العشر والزکوۃ صفحہ ۱۱ میں بحوالہ علم الفقہ نقل کیا گیا ہے، ہمیں اپنی ناقص تلاش و جستجو اور تفحص کے باوجود نہ تو علم الفقہ میں ملے نہ فتاوی رشیدیہ اور فتاوی دار العلوم ہی میں صورت

[illegible]

ان دونوں جواب کا قدر مشترک بہرحال یہی نکلتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی مملوکہ زمینیں عشری بھی ہو سکتی ہیں۔

چنانچہ آخر میں ان دونوں جواب کا حاصل و خلاصہ پیش کرتے ہوئے مولانا موصوف لکھتے ہیں:

"مولانا رشید احمد صاحب کے جواب میں ہندوستان کے اندر عشری زمین ہونے اور ان پر عشر واجب ہونے کا بیان ہے اور یہ کہ جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں اور وہ مسلمانوں کے پاس سے آتی ہیں یا ان کا حال معلوم نہ ہو اس کو وہ عشری فرماتے اور عشر کو واجب سمجھتے ہیں تو وہ ایک اصول کا بیان ہے لیکن دار العلوم دیوبند کے فتوی نے حکم بہت واضح بتا دیا ہے مسلمانوں کی زمینوں کو خراجی ہونا مشکوک یا شاذ و نادر ہے اس لئے وہ ساقط الاعتبار ہیں اور کل اہل اسلام کی زمینوں پر عشر واجب بتایا ہے۔ ہمارے نزدیک بھی یہی صحیح ہے اور اس کے علاوہ ایک دوسری بات سے بھی اور اس میں احتیاط کا مقتضا یہی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر امام رحمہ اللہ کے نزدیک مسلمانوں کی ہر زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے گرچہ خراجی ہی زمین کیوں نہ ہو چنانچہ بہت سے صحابہ اور تابعین ارض عراق کے اندر خراجی زمین کے مالک تھے اور وہ خراج کے علاوہ عشر بھی دیتے تھے اسی لئے یہاں اپنے امام کے مسلک سے علیحدہ بھی نہ ہو اور احتیاط کی راہ اختیار کی جائے تو بہتر ہے اور ہمارے ائمہ کے نزدیک خراجی زمین کی پیداوار سے عشر ادا کرنا گناہ نہیں ہے۔"[1]

---

[1] ایضاً صفحہ ۱۲

وسیلہ ہے۔ زکوٰۃ کوئی ٹیکس یا مالگذاری کا نام نہیں بلکہ یہ ایک بہترین عبادت ہے۔ جو تزکیۂ نفس وطہارت مال کا باعث ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ

"خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم وتزکیہم"

ان کے مالوں سے زکوٰۃ وصول کر کے ان کو پاک وصاف کرو۔

عشر کی حقیقت

عشر کے معنی لغت میں دسواں حصے کے ہیں۔ فتح القدیر میں ہے۔ "العشر لغۃ واحد من العشرۃ" حاشیہ شرح ہدایہ میں ہے۔ "العشر بضم العین احد اجزاء العشرۃ" یعنی دس کے اجزاء میں سے ایک جزء کا نام عشر ہے۔ اور اصطلاح شرع میں عشر مسلمانوں کی زرعی پیداوار کے دسویں حصہ کا نام ہے۔ یعنی پیداوار کا دسواں حصہ مسلمانوں کی ان زرعی پیداواروں سے لیا جائے گا جو بارش کے پانی سے سیراب ہوتی ہوں یا جن کی سینچائی تالاب، چشمہ، دریا، نہروں کے ذریعہ اس طور پر کی گئی ہو کہ کاشتکار کو اس پر کوئی قابل لحاظ مصارف اٹھانے پڑے ہوں اور نہ کوئی خاص محنت کرنی پڑی ہو۔

عشر کا ثبوت

عشر کا ثبوت قرآن، سنت، اجماع امت، اور معقول ہر ایک سے ثابت ہے۔ تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو!

(۱) قرآن:۔ —— اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "کلوا من ثمرہ اذا اثمر وآتوا حقہ یوم حصادہ"

اکثر مفسرین بالخصوص رئیس المفسرین حضرت عبد اللہ بن عباس، طاؤس، سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ آیت مبارکہ میں حق سے مراد عشر ہی ہے۔ دوسری جگہ ارشاد فرمایا!

یاایہا الذین امنوا انفقوا من طیبٰت ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض

(۲) سنت:۔ —— سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا!

"ما اخرجت الارض ففیہ العشر"

دوسری جگہ ارشاد فرمایا!

کتب انہ ھو البلغ منہن من الصدقۃ من العقار عشر ما سقتہ السماء

فتح القدیر میں ہے:

الخراج ما يخرج من نماء الأرض أو نماء الغلام ويسمى به ما يأخذه السلطان من وظيفة الأرض والرأس"

خراج کا ثبوت

خراج کا ثبوت اجتہاد سے ہے یا نص قرآنی سے؟ یہ مختلف فیہ بحث ہے۔ جمہور کی رائے یہ ہے کہ اس کا ثبوت اجتہاد سے ہے اور بعض اعتبار، بالخصوص قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نص قرآنی سے ثابت ہے۔ دلیل یہ ہے کہ خراج دراصل فیئ ہی کی ایک قسم ہے اور فیئ کا ثبوت قرآن سے ہے۔ صغریٰ کی دلیل یہ ہے کہ معمولی جنگ کے بعد کفار مغلوب ہو کر صلح کر لیں تو وہ مال بھی "فیئ" ہی میں شمار ہوتا ہے۔ تو گویا جب غلبۂ اسلام کے بعد خلیفہ نے صلح کے ساتھ کفار کی زمینوں کو مجاہدین و غانمین پر تقسیم کرنے کے بجائے ان پر ٹیکس مقرر کر کے ان ہی کے قبضہ میں رہنے دیا تو یہ ٹیکس بھی "فیئ" شمار ہوگا۔ کبریٰ کی دلیل سورہ حشر کی یہ آیت کریمہ ہے۔ جو ذیل میں ہے۔

ما أفاء الله على رسوله من أهل القرى فلله وللرسول ولذي القربى واليتامى والمساكين وابن السبيل كي لا يكون دولة بين الأغنياء منكم؛

جو مال اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے دلوا دیا وہ اللہ تعالیٰ اور رسول کے لئے اور قرابت داروں کے لئے اور یتیموں، محتاجوں اور مسافروں کے لئے ہے تاکہ وہ تم سے دولت مندوں کے دریا ہی میں دائر و محصور نہ رہے۔

امام ابو یوسف ارشاد فرماتے ہیں:

قال أبو يوسف فأما الفيء يا أمير المؤمنين فهو الخراج عندنا خراج الأرض والله أعلم لأن الله يقول في كتابه "ما أفاء الله على رسوله" الآية؛

شرح خراج

خراج کے لئے کوئی شرح شریعت نے متعین نہیں کی بلکہ مختلف زمانوں میں زمین کی کیفیت کے لحاظ سے حکومت مختلف شرحیں طے کر سکتی ہے۔ البتہ اس شرح کی تعیین میں تین بنیادی باتوں کا لحاظ ضروری ہے۔

۱۔ زمین کی کیفیت۔

۲۔ پیداوار۔

۳۔ کاشتکاری کے اخراجات وضروریات۔

قاضی ابویعلیٰ الاحکام السلطانیہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

لابد لواضع الخراج من اعتبار ما وصفنا من الأوجه الثلاثة من اختلاف الارضين واختلاف الزرع واختلاف الشرب ليعلم قدر ما تحتمله الأرض من خراجها"

یعنی خراج مقرر کرنے والے کے لئے ہماری بیان کردہ تین چیزوں پر نظر رکھنا ضروری ہے۔ وہ تینوں چیزیں یہ ہیں: زمینوں کا اختلاف، پیداوار کا اختلاف، اور آبپاشی کا اختلاف۔ تاکہ زمین کی حیثیت کے مطابق خراج کی مقدار کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو سکے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے افسران بندوبست حضرت حذیفہ بن یمان اور عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہما کو تاکید کرتے ہوئے فرمایا تھا:

انظرا لا تكونا حملتما الأرض ما لا تطيق، اما لئن بقيت لارامل اهل العراق لأدعهن لا يحتجن إلى احد بعدي:

تم دونوں خوب سوچ لو، زمین کی حیثیت سے زیادہ ٹیکس مقرر نہ کرنا، اگر میں زندہ رہا تو عراق کی بیواؤں کو ایسا بنا دوں گا کہ وہ میرے بعد کسی کی محتاج نہ رہیں گی۔

خراج وٹیکس کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے گورنر کو یہ فرمان لکھا تھا:

ان قوام الدين العدل والاحسان وأن لا تحمل خرابا على عامر ولا عامرا على خراب ولا تأخذ من الخراب إلا ما تطيق ولا من العامر إلا وظيفة الخراج في رفق وتسكين لأهل الأرض في الأموال۔

اس حقیقت سے بہترین طریقے واقف ہو کہ دین کا قوام عدل واحسان ہے۔ آباد وغیر آباد زمین میں فرق کرو، آباد کو غیر آباد [illegible] اور غیر آباد سے وصول کرو جو اس کی حیثیت وطاقت کے موافق ہو اور آباد زمین سے مقررہ خراج کے علاوہ کچھ نہ لینا۔ اس میں بھی زمین والوں کی آسانی اور سہولت کا خیال رکھنا۔

خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں ہیں (۱) خراج مقاسمہ یعنی پیداوار کا کوئی حصہ آدھا یا تہائی یا چوتھائی مقرر ہو جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر پر مقرر فرمایا تھا۔ (۲) خراج موظف کہ ایک مقدار لازم کر دی جائے خواہ روپے مثلاً سالانہ دو روپیہ بیگھہ یا کچھ اور جیسے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مقرر فرمایا تھا۔ تنویر الابصار اور درمختار میں ہے۔

وهو اي الخراج نوعان: خراج مقاسمة ان كان الواجب بعض الخارج كالخمس ونحوه. وخراج وظيفة ان كان الواجب شيئاً في الذمة يتعلق بالتمكن من الانتفاع بالارض كما وضع عمر رضي الله عنه على السواد۔

اگر معلوم ہو کہ سلطنت اسلامیہ میں یہاں کیا خراج مقرر تھا تو وہی ہے ورنہ خراج موظف میں جہاں جہاں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے مقدار منقول ہے اس پر زیادت نہ ہو۔ اور جہاں منقول نہیں وہاں نصف پیداوار سے زیادہ نہ ہو۔ یونہی خراج مقاسمہ میں نصف سے زیادت نہ ہو اور کم از کم عشر ہو کہ اتنے کی طاقت بھی رکھتی ہو۔ فتاوی عالمگیری میں ہے۔

واما الاراضي التي يبتدئ الامام توظيف الخراج عليها ابتداء اذا زاد على وظيفة عمر على قول محمد رحمه الله واحدى الروايتين عن ابي يوسف يجوز وعلى قول ابي حنيفة رحمه الله والرواية الاخرى عن ابي يوسف لا يجوز وهو الصحيح۔

واما خراج المقاسمة فالتقدير فيه مفوض الى الامام ولكن لا يزيد على نصف الغلة

اگر معلوم نہ ہو کہ سلطنت اسلام میں کیا مقرر تھا تو جہاں جہاں حضرت فاروق اعظم نے مقرر فرمایا ہے وہ وہاں اور جہاں مقرر نہ فرمایا ہو نصف دیں۔[۱]

زمین کی قسمیں

زمین کی تین قسمیں ہیں (۱) عشری (۲) خراجی (۳) نہ عشری نہ خراجی۔

اول و سوم دونوں کا حکم ایک ہے یعنی عشر دینا اور دوم کا حکم خراج دینا۔

---

۱ فتاوی رضویہ

عشری اور خراجی کا معیار

۱ـــــ عشری زمینیں وہ ہیں جن کے مالک ان پر قابض رہتے ہوئے بغیر جنگ کے اسلام لائے ہوں۔ یا جن کو امام نے غنیمت میں سے حصے کے طور پر کسی فرد کی ملکیت میں دیا ہو یا جو پہلے افتادہ رہی ہوں مگر اب احیاء کے ذریعہ یا امام نے بطور جاگیر عطا کرنے پر کوئی فرد ان کا مالک ہو۔ ان زمینوں کی پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہے۔ (۱)

۲ـــــ خراجی زمینیں وہ ہیں جن کے غیر مسلم مالکوں سے صلح کر لی گئی ہو یا جن کو بزور قوت فتح کرنے کے بعد امام نے ان کے سابق مالکوں کے قبضہ میں رہنے دیا ہو۔ ان زمینوں پر ان شرحوں کے مطابق خراج وصول کیا جائیگا جو ازروئے معاہدہ طے پائے ہوں یا جو امام نے مقرر کر دی ہوں۔ (۲)

۳ـــــ نہ عشری نہ خراجی وہ زمینیں جو مذکورہ زمینوں کے علاوہ ہوں جیسے وہ زمین جو فوجی کشمکش کے بعد اسلامی ریاست کے زیر ملکیت آئی ہو، کسی کی ملکیت میں نہ دی گئی ہو یا وہ زمین جس کا مالک مر گیا ہو اور اس کا کوئی وارث نہ ہو اور بیت المال کی تحویل میں آ چکی ہو۔

قال فی رد المحتار عن الدر المنتقی شرح الملتقی هذا النوع ثالث لیس لاعشرية ولاخراجية من الاراضی التی تسمی أرض المملكة واراضی الحوز وهو ما مات اربابه بلا وارث وآل لبیت المال أو فتح عنوة وأبقی للمسلمين الی يوم القيامة!

عشری اور خراجی زمینوں کے مابین بنیادی فرق

جو غیر مسلم بزور شمشیر و سنان اسلامی اقتدار کے تحت آئے ہوں ان کی زمینیں ان کی ملکیت میں نہیں رہ جاتی ہیں بلکہ اسلامی ریاست میں آ جاتی ہیں۔ خراج کا تعلق اصلاً ایسی زمینوں سے ہے۔ (۳)

تفصیل: یہ ایک اجمالی اور بنیادی ضابطہ ہے جس کی تفصیل بصورت جزئیات درج ذیل ہے۔

زمین کے عشری ہونے کی بہت سی صورتیں ہیں:

۱ـــــ مسلمانوں نے کسی زمین کو قہراً فتح کیا۔ اور زمین مجاہدین پر تقسیم ہو گئی۔

(۱، ۲، ۳) کتاب الاموال لابی عبید۔

۲ـــــ یا وہاں کے لوگ خود بخود مسلمان ہو گئے، جنگ کی نوبت نہیں آئی۔ ہدایہ میں ہے:

"كل أرض أسلم أهلها أو فتحت عنوة أو قسمت بين الغانمين فهي أرض عشر"

۳ـــــ یا عشری زمین کے قریب افتادہ زمین تھی اسے کاشت میں لایا گیا۔ عالمگیری میں ہے:

"من أحيا أرضا مواتا فإن كانت من حيز أرض الخراج فهي خراجية وإن كانت من حيز أرض العشر فهي عشرية وهذا إذا كان المحيي لها مسلما أما إذا كان ذميا فعليه خراج وإن كانت من حيز أرض العشر"

۴ـــــ یا اس افتادہ زمین کو کھیت بنایا۔

۵ـــــ یا جو عشری و خراجی دونوں سے قرب و بعد کی یکساں نسبت رکھتی ہے۔ رد المحتار میں ہے:

"وإن كانت بينهما فعشرية مراعاة لجانب المسلم"

۶ـــــ یا اس کھیت کو عشری پانی سے سیراب کیا۔

۷ـــــ یا خراجی و عشری دونوں پانی سے۔ فتح القدیر میں ہے:

"كل أرض لم تفتح عنوة بل أحياها مسلم إن كان يصل إليها ماء الأنهار فخراجية أو ماء عين ونحوه فعشرية"

۸ـــــ یا مسلمان نے اپنے مکان کو باغ یا کھیت بنالیا اور اسے عشری پانی سے سیراب کرتا ہے یا عشری و خراجی دونوں سے۔ رد المحتار میں ہے:

"فتحصل أن الماء يعتبر فيما لو أحيا مسلم أرضا أو جعل داره بستانا بخلاف المنصوص على أنه عشري أو خراجي"

۹ـــــ یا عشری زمین کافر ذمی نے خریدی، مسلمان نے اسے شفعہ میں لے لیا، بیع فاسد ہوگئی یا خیار شرط یا خیار رؤیت کی وجہ سے واپس ہوئی یا خیار عیب کی وجہ سے قاضی کے حکم سے واپس ہوئی۔

خراجی کی صورتیں

خراجی زمین کی صورتیں بہت ہیں، مثلاً

۱ـــــ فتح کرکے وہیں کے باشندوں کو بطور احسان واپس دے دی۔

۲ — یا دوسرے کافر ملک کو دے دی۔

۳ — یا صلح کے طور پر فتح کیا گیا۔ تنویر الابصار و درمختار میں ہے:

"وما فتح عنوة ولم یقسم بین جیشنا بل منّ به سواء أقر أهله علیه أو نقل إلیه کفار آخرون أو فتح صلحاً خراجیة لأنه ألیق بالکافر"

۴ — یا ذمی نے مسلمان سے عشری زمین خریدی۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"الذمی إذا اشتری عشریة قال أبو حنیفة وزفر رحمهما الله تعالیٰ یؤخذ منه الخراج کذا فی الزاد"

۵ — یا مسلمان نے ذمی سے خراجی زمین خریدی۔ ہدایہ میں ہے:

"ویجوز أن یشتری المسلم أرض الخراج من الذمی ویؤخذ منه الخراج"

۶ — یا ذمی نے بادشاہ اسلام کے حکم سے بنجر کو آباد کیا، بنجر زمین ذمی کو دے دی گئی۔

۷ — یا کسی مسلمان نے آباد کیا مگر خراجی زمین کے قریب تھی۔

۸ — یا خراجی زمین نے اسے سیراب کیا۔

خراجی زمین کو اگرچہ عشری پانی سے سیراب کیا جائے خراجی ہی رہے گی، یوں ہی عشری زمین کو اگرچہ خراجی پانی سے سیراب کیا جائے عشری ہی رہے گی۔ فتح القدیر میں ہے:

والحاصل أن البلاد التی فتحت عنوة إن أقر علیها الکفار فلتوظف علیهم الخراج ولو سقیت بماء المطر وإن قسمت بین الغانمین لا یوظف إلا العشر وإن سقیت بماء الأنهار

تنقیح مطالب

جب ہم اسلامی قانون معیشت کے ماہرین اور مسلم الثبوت فقہاء اسلام کی تحریروں کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ شرعی نقطہ نظر سے اسلامی حکومت کے زیر تحکم آنے والی اراضی چار بڑی اقسام پر منقسم ہوتی ہے۔

۱ — وہ اراضی جن کے مالک جنگ کی نوبت آنے سے پہلے اسلام قبول کر لیں۔

۲۔ وہ زمینیں جن کے کفار مالک اپنے دین پر قائم رہیں مگر ایک معاہدہ کے ذریعہ اپنے آپ کو اسلامی حکومت کی تابعیت میں دے دیں۔

۳۔ وہ اراضی جن کے مالک بزور شمشیر مسلمان مغلوب و مقہور ہوں۔

۴۔ وہ اراضی جو کسی کی ملک میں نہ ہوں۔

قسم اول کا حکم

پہلی قسم کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ضابطہ پر عمل فرمایا تھا وہ یہ ہے۔

ان القوم اذا اسلموا احرزوا دماءهم واموالهم (۱)

جب لوگ اسلام قبول کرلیں تو وہ اپنی جانوں اور مالوں کو محفوظ کر لیتے ہیں۔

احادیث و آثار کا پورا ذخیرہ اس پر شاہد ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب میں کسی جگہ بھی اسلام قبول کرنے والوں کی املاک سے خود ان کو تعرض نہیں فرمایا بلکہ جس چیز کا مالک تھا اسی کا مالک رہنے دیا گیا۔ خلافت راشدہ کے زمانہ میں بھی اسی پر عمل تھا۔ البتہ بعض صورتوں میں چند مصالح اور مفاد عامہ کے پیش نظر اس سے ہٹ کر بھی عمل ہوتا تھا۔ جس کو ہم بعد میں بیان کریں گے۔ پہلے اس بات میں اسلامی قانون کی تشریح قاضی امام ابو یوسف کی زبانی سنیے۔

فان دماءهم حرام وما اسلموا عليه من اموالهم وكذلك ارضوهم لهم وهي ارض عشر بمنزلة المدينة حيث اسلم اهلها مع رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت ارضهم ارض عشر وكذلك الطائف والبحرين وكذلك اهل البادية اذا اسلموا على مياههم وبلادهم فلهم ما اسلموا عليه وهو لهم وليس لاحد من اهل الخلافة ان يبيح (؟) شيئا يستحق به شيئا ولا يخرجه بغير حق يستحق به شيئا وليس لهم ان يمنعوا بعضكلا ولا يمنعوا الرعاة ولا المواشي من الماء والكلاء ولا قطعا في تلك المياه وارضهم

---

(۱) ابوداؤد شریف کتاب الخراج

اسلام نے مسلمانوں کی معاشی زندگی میں جو مناسب و متوازن اصلاحیں کی اور پیش بندی کے طور پر کیں، مگر جو ملکیتیں پہلے سے لوگوں کے قبضہ میں چلی آرہی تھیں ان سے کوئی تعرض نہیں کیا۔

قسم دوم کا حکم

معاہد یعنی ان لوگوں کی تھیں جنھوں نے اسلام تو قبول نہ کیا مگر مصالحانہ طریقے سے زندگی گزارنے کا ارادہ کیا، یعنی اسلامی حکومت کے تابع بن کر رہنا گوارہ کیا۔ ایسے لوگوں کے بارے میں بانیٔ اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ضابطہ مقرر کیا تھا وہ یہ تھا کہ جن شرائط پر مصالحت ہوئی تھی، بعینہٖ بلا کمی بیشی کے انھیں پورا کیا جائے۔ چنانچہ حدیث شریف میں آپ کا ارشاد ہے:

لعلکم تقاتلون قوما فیظہرون علیکم فیتقونکم بأموالہم دون أنفسہم وأبنائہم فتصالحونہم علی صلح فلا تصیبوا منہم فوق ذلک فإنہ لا یصلح۔ (ابوداؤد)

کبھی ایسا ہو کہ کسی قوم سے تمہاری جنگ ہو پھر وہ تمہارے سامنے آکر اپنی اور اپنے اہل بچوں کی جانیں بچانے کیلئے اپنے مال دینے پر تیار ہو جائیں، اور تم ان سے صلح کر لو تو ایسی صورت میں جس چیز پر تمہاری صلح ہو اس سے زائد کچھ نہ لینا کیونکہ وہ تمہارے لئے جائز نہیں۔

دوسرا ارشاد ہے:

ألا من ظلم معاہدا أو انتقصہ أو کلفہ فوق طاقتہ أو أخذ منہ شیئا بغیر طیب نفس فأنا حجیجہ یوم القیامۃ۔ (ابوداؤد)

اسی ضابطے کے مطابق سرکار نے نجران، ایلہ، اذرعات، ہجر اور دوسرے جن جن علاقوں اور قبیلوں کے ساتھ صلح کی ان سب کو ان کی زمینوں اور جائدادوں اور صنعتوں اور تجارتوں کو بدستور رہنے دیا اور صرف وہ جزیہ ان سے وصول کرنے پر اکتفا فرمایا جس پر ان سے معاہدہ ہوا، پھر اسی اصول پر خلفائے راشدین نے بھی عمل کیا۔

یہ فقہائے اسلام کا متفق علیہ قانون ہے جس میں کوئی اختلاف نہیں۔ امام ابو یوسف رح اس کو اپنی کتاب مستطاب "الخراج" میں قانونی دفعہ کی شکل میں اس طرح ثبت فرماتے ہیں:

" أیما قوم من أہل الشرک صالحہم الإمام علی أن ینزلوا علی الحکم والقسم

أفضل فهو في سعة من ذلك وهي أرض عشر وإن لم يرَ قسمتها ورأى الصلاح في إقرارها في أيدي أهلها كما فعل عمر بن الخطاب في السواد فله ذلك وهو أرض خراج۔ وليس له أن يأخذها بعد ذلك منهم وهي ملك لهم يتوارثونها ويتبايعونها ويقع عليهم الخراج ولا يكلفوا من ذلك ما لا يطيقون۔ (كتاب الاموال)

یعنی جس سرزمین کو امام بزورِ شمشیر فتح کرے اس کے معاملہ میں وہ اختیار رکھتا ہے۔ اگر چاہے تو فاتح فوج میں اسے تقسیم کر دے اس کی وہ زمین عشری ہوگی۔ اور اگر تقسیم کرنا مناسب نہ سمجھے اور بہتر یہی خیال کرے کہ اس کے پرانے باشندوں کے ہاتھوں میں رہنے دے جیسا کہ عمر بن الخطابؓ نے سواد عراق میں کیا تو وہ ایسا کرنے پر بھی اختیار رکھتا ہے۔ اس صورت میں وہ زمین خراجی ہوگی اور خراج لگ جانے کے بعد امام کو یہ حق باقی نہ رہے گا کہ اس کے باشندوں سے اس کو چھین لے۔ وہ ان کی ملک ہوں گی ان کی اس زمین پر وراثت، خرید و فروخت کے حقوق حاصل رہیں گے۔ ان پر خراج و ٹیکس لگایا جائے گا اور ان کی طاقت سے زیادہ ان پر بوجھ نہ ڈالا جائے گا۔

قسم چہارم کا حکم

زمین کی چوتھی قسم وہ زمین جو کسی کی ملک میں نہ ہو ابتداءً دو قسموں پر منقسم ہے۔ مواتؔ، خالصہؔ۔

موات: ——— افتادہ اور پڑتی زمینیں خواہ وہ عادی الارض ہوں (جن کے مالک رہے ہوں مگر فی الحال موجود نہ ہوں، مر گئے ہوں) یا جن کا کبھی کوئی مالک رہا ہی نہ ہو)

خالصہ: ——— وہ زمینیں جو سرکاری و ریاستی تحویل میں ہوں۔ اس مفہوم میں متعدد شکل کی اراضی تھیں۔ ایک وہ جن کے مالکوں نے از خود ان سے دست بردار ہو کر حکومت کی تحویل میں دیا تھا۔ دوسری وہ جن کے مالکوں کو غداری کی خلاف ورزی کی بنا پر بے دخل کر دیا گیا تھا جیسے مضافات مدینہ میں بنی نضیر کی اراضی۔ تیسری وہ زمینیں جن کو مفتوحہ علاقوں میں سرکاری تحویل میں لیا گیا تھا جیسے وہ اراضی جو عراق میں کسریٰ اور اس کے اہل خانہ کے قبضہ میں تھیں اور حضرت عمر فاروقؓ نے فوج کشی کے بعد ان کو اجلّہ صحابہ سے بڑا اختلاف رائے کے باوجود مجاہدین میں تقسیم نہ کر کے حکومت کی تحویل میں لے لیا تھا۔

موات کا حکم

فقہائے اسلام کے درمیان متفق علیہ مسئلہ بصورت ضابطہ یہ ہے کہ موات و افتادہ زمین کو جو بھی آباد کرے وہ اسی کی ہے۔ اس کے استعمال کا وہی زیادہ حقدار ہے۔ البتہ اختلاف اس امر میں ہے کہ محض تعمیر و آبادی سے کوئی شخص افتادہ زمین کا مالک ہو جاتا ہے۔ یا ملکیت کے ثبوت کے لئے حکومت کی منظوری یا اجازت شرط ہے؟ ——— امام اعظم ابو حنیفہؒ منظوری و اجازت کو شرط مانتے ہیں۔ صاحبین رحمہ اس کے برخلاف اسے شرط نہیں مانتے۔ ان کا کہنا ہے کہ محض آبادکاری کے فعل سے ملکیت کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ ثبوت ملکیت کے لئے حکومت کی جانب سے منظوری و اجازت ضروری نہیں۔

مذکورہ حکم و قاعدہ مقتضیات فطرت پر انسان کے مالکانہ حقوق کی بنیاد ہونے کے ساتھ ساتھ نبی کریمؐ کے فرمودات سے مؤید بھی ہے چنانچہ احادیث کریمہ میں آیا ہے:

عن عائشة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال من عمر أرضا ليست لأحد فهو أحق بها قال عروة قضى به عمر في خلافته (بخاری ونسائی)

دوسری حدیث میں ہے کہ

عن عروة قال أشهد أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قضى أن الأرض أرض الله والعباد عباد الله ومن أحيا مواتا فهو أحق بها جاءنا بهذا عن النبي صلى الله عليه وسلم الذين جاءوا بالصلوات عنه (ابوداؤد)

یعنی عروہ بن زبیرؓ جو مشہور تابعی ہیں، کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا تھا کہ زمین اللہ کی ہے اور بندے بھی اللہ کے ہیں۔ جو شخص کسی مردہ زمین کو زندہ کرے وہی اس کا زیادہ حقدار ہے۔ یہ قول ہم تک انہی لوگوں کے ذریعہ پہنچا ہے جن کے ذریعہ ہم تک نماز۔

خالصہ کا حکم: ایسی زمینوں کا حکم یہ ہے کہ امیر و حکومت اپنی صوابدید سے مفاد عامہ کے پیش نظر جس کو چاہے دے اور اس کی تقسیم و تنظیم کرے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اوّل تا پنجم

اسلام کا نظامِ عشر و خراج

حکیم ظل الرحمٰن ——————— سنہری مسجد، چاندنی چوک، دہلی

قبل اس کے کہ ہم محور وار جوابات تحریر کریں کچھ بنیادی باتیں عرض کرنا مناسب ہوگا۔ بنیادی بات یہ ہے کہ عشر کوئی علٰحدہ چیز نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ ہی کا ایک حصہ ہے جس کا تعلق زمین سے حاصل شدہ پیداوار سے ہے۔ جناب مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی اپنی کتاب اسلامی فقہ پر رقمطراز ہیں:

"زمین کی پیداوار کی جو زکوٰۃ دی جاتی ہے اس کو شریعت میں عشر کہتے ہیں"[۱]

اس کے احکام روپیے پیسے اور سامان تجارت سے جدا ہیں اور قرآن و حدیث میں ان کا الگ الگ ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن میں دو جگہ اس کا ذکر ہے۔ ایک جگہ ہے:

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَکُمْ مِّنَ الْاَرْضِ"[۲]

اے ایمان والو خدا کی راہ میں خرچ کرو اچھی چیزیں اپنی کمائی کی اور جو کچھ ہم نے تم کو زمین کے ذریعہ پیداوار دی ہے۔

دوسری جگہ فرمایا ہے:

---

[۱] اسلامی فقہ حصہ اول ص۴۳۳   [۲] آل عمران

"وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أُكُلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ"

وہی اللہ ہے جس نے باغات اگائے ہیں۔ اس میں کچھ باغ بھی جن کی بیلیں ٹٹیوں وغیرہ پر چڑھائی جاتی ہیں (مثلاً انگور) اور وہ بھی جن کی بیلیں نہیں ہوتیں اور کھجور کے درخت اور کھیتیاں جن میں مختلف قسم کے کھانے کی چیزیں ہوتی ہیں اور زیتون اور انار اور یہ آپس میں ملتے جلتے بھی ہوتے ہیں اور ملتے جلتے نہیں بھی تو جب ان میں پھل آجائیں تو خود بھی کھاؤ کھلاؤ اور توڑنے کے وقت ان میں جو حق ہو (عشر) ہو اس کو دے دو اور اسراف نہ کرو اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے غلہ اور پھل حتیٰ کہ شہد وغیرہ کا عشر بھی نکلواتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ زمین سے اگے اس میں صدقہ ہے۔ مولانا مزید لکھتے ہیں:

"ہر مسلمان پر خواہ مرد ہو یا عورت، بالغ ہو یا نابالغ، عاقل ہو یا پاگل عشر فرض ہے۔"

جناب مولانا ابو الحسن صاحب ندوی اپنی کتاب ارکان اربعہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"زکوٰۃ سال میں ایک بار فرض ہے البتہ باغات زراعت کو سال میں اس وقت ادا کیا جائے گا جیسے ہی باغات اور کھیتیاں پک جائیں اور اسے کاٹ کر پہنچ جائیں۔"

اس پوری تمہید کا مفہوم یہ ہے کہ عشر زکوٰۃ ہی کا ایک حصہ ہے کوئی علیحدہ شے نہیں ہے البتہ اس کا نصاب و شرح مختلف ہے اور اس پر ایک سال گذرنے کی شرط نہیں ہے بلکہ یہ پیداوار کے حصول کے وقت ہی واجب ہو جاتی ہے۔

مندرجہ بالا تمہید لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ بعض حضرات نے عشری زمین صرف ان زمینوں کو قرار دیا ہے جو کسی جنگ کے نتیجے میں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں اور وہ مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئی ہوں۔ عشری زمینوں کی یہ تعریف نامناسب اور غیر درست ہے۔

اس کے بعد اصل سوالات کا جواب علیحدہ پیش کر رہے ہیں۔

جوابات

اسلام کا نظامِ عشر و خراج اور ہند و پاک کی اراضی کا حکم

۱۔ محور اول ۔ عشر و خراج کی حقیقت

اسلام نے اسلامی سلطنت کی اراضی کو دو اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ (۱) عشری (۲) خراجی
مسلمانوں کے لئے ایک تیسری قسم ہے غیر اسلامی سلطنت میں مسلمانوں کی اراضی۔

۱ ــــ عشری :۔

اسلامی سلطنت میں مسلمانوں کی زمینوں پر ان کی پیداوار کا عشر (دسواں حصہ) یا نصف عشر (بیسواں حصہ) بیت المال کے لئے وصول کیا جاتا ہے۔ اس لئے ان کی زرعی اراضی عشری اراضی کہلاتی ہے۔

۲ ــــ خراجی :۔

اسلامی سلطنت کے مفتوحہ ممالک کی غیر مسلم رعایا کی اراضی زراعت جس پر خود ان سے یا ان کے حاکم سے کسی معاہدہ کے تحت خراج لیا جاتا ہو خراجی اراضی کہلاتی ہے۔ ان اراضی پر ان سے پیداوار کا کوئی حصہ بیت المال کے لئے نہیں لیا جاتا۔

۳ ــــ غیر اسلامی سلطنت میں جہاں مسلمانوں کو مذہبی آزادی حاصل ہو وہاں کی مسلمانوں کی اراضی بھی عشری ہی کہلائیں گی۔ البتہ ان پر انہیں اس کی ادائیگی اور مصرف کا اپنا انتظام خود بنانا ہوگا۔

: ملحوظ رہے کہ اسلامی یا غیر اسلامی سلطنت کی طرف سے کسی ایسے ٹیکس کی وصولیابی جو بلا امتیاز مذہب تمام افراد سلطنت سے عمومی طور پر اراضی کاشت پر وصول کیا جاتا ہو جو ضروریات سلطنت کی خاطر وصول ہوتا ہو، سے زمینوں کی نوعیت نہیں بدلے گی۔ کتاب و سنت، عمل عہد صحابہ و تابعین، فقہائے امت کے اجتہادات کے مطابق پوری اسلامی تاریخ میں

ہمیں یہی دکھائی دیتا ہے کہ ماسوا جو غیر مسلم جنگ میں مسلمانوں کے خلاف لڑے اور شکست کھا کر فرار ہو گئے اور اپنی آراضیوں کو لاوارث چھوڑ گئے وہ تو اسلامی سلطنت کی ملکیت قرار دے کر مسلمانوں میں تقسیم کر دی جاتی تھیں ورنہ تمام غیر مسلموں کی آراضیاں اور حقوق سابقہ محفوظ رہتے تھے۔ اس کی بنیاد بھی رسول اکرم کا نجران کے عیسائیوں سے معاہدہ ہے جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

> نجران اور اس کے اطراف کے باشندوں کی جانیں، ان کا مذہب، ان کی زمینیں، ان کا مال، ان کے حاضر و غائب، ان کے قافلے، اللہ کی امان اور اس کے رسول کی ضمانت میں ہیں۔ ان کی موجودہ حالت میں کوئی تغیر نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی ان کے حقوق میں سے کسی حق میں دست درازی کی جائے گی۔ کوئی اسقف نہ راہب اپنے عہدے سے نہیں ہٹایا جائے گا۔ ان کے زمانہ جاہلیت کے کسی جرم یا خون کا بدلہ نہیں لیا جائے گا۔ نہ ان سے کوئی فوجی خدمت لی جائے گی۔ نہ ان پر عشر لگایا جائے گا۔ نہ اسلامی فوج ان کی سرزمین کو پامال کرے گی۔ نہ ان پر ظلم ہوگا۔ ان کو ظلم کے ذریعے کسی بات پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔[۵]

پورے عہد خلافت اور بعد کی مسلمان سلطنتوں میں یہی طرز عمل رہا ہے اور کسی دور میں بھی اسلامی فقہا نے غیر مسلموں کی آراضیوں پر قبضہ کو جائز نہیں قرار دیا ہے۔ اصولی طور پر جزیہ کی ادائیگی کے بعد غیر مسلموں کے تمام حقوق محفوظ ہو جاتے ہیں اور یہ حقوق ہندوستان کی ان مسلمان سلطنتوں میں برقرار رہے ہیں جہاں مسلمانوں سے عشر وصول ہوتا تھا اگرچہ وہ سلطنتیں اسلامی نہیں تھیں صرف مسلمان سلطنتیں تھیں۔

(۲) محور دوم

۱- آراضی ہند کا تاریخی جائزہ

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہندوستان کے مسلم حکمرانوں نے مفتوحہ علاقوں کے

---

۵ [illegible]

[illegible]

راجاؤں ہی کو یا ان کے خاندان کے ہی دوسرے افراد کو ان کی سلطنتیں خراج کی ادائیگی کی شرط پر واپس کر دی ہیں۔ اور خراج کی وصولیابی کے بعد کبھی بھی رعایا سے ڈائرکٹ کوئی عشر یا دوسرا ٹیکس وصول نہیں کیا گیا۔ اور اس میں وہ مسلمان رعایا بھی شامل تھی جو اس حکمرانوں کے ماتحت تھی حکمران مطلوبہ خراج بالعموم اپنے خزانہ سے ادا کرتے تھے اور رعایا سے اپنا واجب کردہ ٹیکس وصول کرتے تھے ایسی حالت میں وہ سب زمینیں علاوہ مسلمانوں کی آراضی کے خراجی شمار ہوتی تھیں۔ اور مسلمانوں سے بھی عشر حکومت وصول نہیں کرتی تھی انھیں خود ہی اپنا انتظام بنانا ہوتا تھا۔

اس موضوع پر یہ بھی دھیان رکھنا چاہئے کہ ہندوستان میں محمد بن قاسم کے بعد جو بھی سلطنتیں قائم ہوئیں وہ اسلامی سلطنتیں نہیں تھیں صرف مسلمان حکمرانیاں تھیں ان میں کبھی بھی اسلامی قوانین اور تعزیرات نافذ نہیں ہوئے بلاشبہ بعض حکمرانوں نے جزیہ کا نفاذ کیا تو مسلمانوں پر زکوٰۃ اور عشر بھی نافذ کیا۔ ان سب کا مقصود حکومت کے اخراجات کا حصول تھا۔ ان سب کے علاوہ بھی مالگذاری وغیرہ بھی وصول ہوتی تھی۔

(۲) انگریزوں کی عملداری سے ۱۹۴۷ء تک آراضی کی نوعیت

دورِ برطانیہ میں مختلف صوبوں میں آراضی سے متعلق مختلف قوانین نافذ تھے کہیں مکمل مالکانہ حقوق تھے کہیں لیز (LEASE) یعنی حق کاشت حاصل تھا۔ کاشتکار اور زمیندار کی حیثیت علٰحدہ علٰحدہ تھی کہیں شکمی کاشتکار بھی ہوتے تھے لیکن ان حالات میں مالکانہ حقوق زمیندار ہی کو حاصل تھے۔ جو ایک مخصوص لگان لے کر اپنی زمین مختلف لوگوں سے کاشتکاری کراتے تھے۔ جو زمیندار اپنی زمینوں پر خود کاشت کرتے تھے وہ سیر دار کہلاتے تھے بعض حالات میں زمیندار اپنے کاشتکار کو آسانی سے بے دخل نہیں کر اسکتے تھے اور اسے شکمی کاشتکار بھی مقرر کرنے کا حق حاصل تھا۔ نوعیت آراضی کتنی بھی مختلف رہی ہو مالکان آراضی کی نوعیت قابل فروخت تھی۔ ایسی حالت میں شرع کے تقاضہ کے لئے نوعیت آراضی کا فرق بے معنی ہے۔ اس ضمن میں فتاویٰ محمودیہ پر درج ذیل فتویٰ موجود ہے:

"ہندوستان کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی بلکہ بیت المال اور مملکت کی زمینیں ہیں یا شامی نے ایسی زمینوں میں عشر و خراج کے واجب ہونے کی تصریح کی ہے۔

اصح قول یہ ہے کہ محصول مذکور زمینوں کا کرایہ ہے جس کی وجہ سے عشری زمینوں سے عشر
ساقط نہیں ہوگا۔ جب زمین خراجی ہوں تو یہ محصول خراج کے قائم مقام ہوگا۔ وکذا فی
فتاوی الرشیدیہ جب زمین مذکور نہروں سے سیراب کی جائیں جن کے اندر محصول
لیا جاتا ہو تو ایسی زمینوں پر نصف عشر واجب ہوگا۔ اس حالت میں کاشتکار اپنی پوری
پیداوار کا مالک ہوتا ہے لہذا مسلمان کاشتکار پر لگان یا مالگذاری کے ساتھ عشر بھی
واجب ہوگا۔ ؎

(۳) محور سوم : [illegible]

میرے خیال میں فتاوی محمودیہ اور فتاوی رشیدیہ کے مندرجہ بالا فتوی کے بعد عشر کے
مقصد کے لئے نوعیت زمین از روئے قانون بے حیثیت ہو جاتی ہے۔ تو زمین کچھ بھی رہے جو ان
مالکان اراضی کو حق فروخت حاصل تھا اور وہ اپنی پیداوار کے مکمل مالک تھے۔ (زمیندار اور کاشتکار
کے فرق کی بحث علیحدہ ہے) اور اس میں وہ اپنی مرضی کے مطابق اگانے کے مختار تھے اس لئے میری رائے
میں اس پر بحث غیر مفید ہے۔

(۴) آراضی ہند کی شرعی حیثیت (محور چہارم)

ہندوستان میں آزادی کے بعد تمام زمینیں کاشتکاروں کو مالکانہ حقوق کے ساتھ دے
دی گئی ہیں جو بھومی دھری کہلاتی ہیں۔ اب سب لوگوں کو صرف لگان دینا ہوتا ہے زمینداری مالگذاری
کا نظام ختم کیا جا چکا ہے۔ یہ کوئی خراج نہیں ہے بلکہ سلطنت کے ضروری انتظامات کے لئے ایک
ٹیکس ہے جو بلا کسی امتیاز مذہب و ملت ہر کاشتکار کو ادا کرنا پڑتا ہے لہذا یہاں نہ کوئی زمین خراجی ہے
اور نہ عشری۔ البتہ مسلمان کاشتکاروں پر اپنی پیداوار کا عشر یا نصف عشر شرعاً واجب ہوتا ہے جسے وہ
خود بطریق زکوٰۃ ادا کرنے کے پابند ہیں جس کے لئے وہ بیت المال قائم کرنے کے لئے حکومت کی

؎ محمودیہ ج ۳ [illegible]　　؎ ایضاً

طرف سے نوازے ہیں۔ بعض لوگ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ ہندوستان کی زمینیں عشری نہیں جیسے کہ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے مالابد منہ میں لکھا ہے لیکن مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب مرحوم نے بڑی تحقیق سے اپنی کتاب "کتاب العشر والزکوٰۃ" میں یہ ثابت کیا ہے کہ مسلمانوں کے پاس جو زمینیں ہیں وہ سب عشری ہیں۔[1]

۲ ـــــ جب اراضی کی نوعیت نہ خراجی ہو اور نہ عشری تو اس کا حکم مذکورہ بالا ہے کہ صرف مسلمان اپنی پیداوار کا عشر یا نصف عشر خود بطریق زکوٰۃ ادا کریں گے کیونکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"کلوا من ثمرہ اذا اثمر وآتوا حقہ یوم حصادہ"[2]

ان سب کی پیداوار کھاؤ جب وہ پھل آئے اور اس میں جو حق (شریعت کے اعتبار سے) واجب ہو اسے کاٹنے کے دن مسکینوں کو دیا کرو۔

اس سے دو چیزیں واضح ہیں:

(۱) عشر بھی ایک قسم کا صدقہ ہے جس کا دینا ہر مسلمان پر واجب ہے۔

(۲) اس پر حولان حول یعنی پورا سال گذرنے کی قید نہیں ہے پیداوار ملتے ہی واجب ہے۔

۳ ـــــ سرکار کو ادا ہونے والا لگان کسی بھی طرح خراج کے حکم میں نہیں ہے وہ سلطنت کے انتظامات کے مصارف کے لئے ایک ٹیکس ہے۔

۴ ـــــ ہندوستان میں کوئی زمین خراجی نہیں ہے۔ یہاں کی بیشتر زرعی زمینیں آبپاشی پر منحصر ہیں کہیں یہ آبپاشی نہری ہے جس کے اخراجات حکومت کو دینے پڑتے ہیں اور کہیں یہ خود اپنے ٹیوب ویل اور دوسرے ذاتی ذرائع سے کی جاتی ہے۔ البتہ راجستھان کے بعض علاقوں میں زراعت کلیتاً قدرتی بارش پر منحصر ہے۔ یہاں خود مسلمانوں کو عشر یا نصف عشر ادا کرنا ہے اور وہ اس کے مستحقین تک پہنچانے کے بھی ذمہ دار ہیں۔

۵ ـــــ یہ مسئلہ بہت توجہ کا محتاج ہے۔ شریعت نے عشر اور نصف عشر کا فرق صرف اخراجات آبپاشی کو ملحوظ کر کے رکھا ہے لیکن صاحب کنز الدقائق نے امام ابو حنیفہؒ کا قول پیداوار سے اخراجات منہا کرنے کو

---

[1] اسلامی معیشت ص ۲۰۳ [2] سورہ انعام پارہ ۸ رکوع ۴

قرار دیتے ہیں۔

ماضی میں زراعت کے اخراجات بیج اور آبپاشی کے علاوہ کچھ نہیں تھے محنت کاشتکار کی ہوتی تھی مگر آج کاشت کے اخراجات بہت زیادہ ہیں۔ عمدہ بیج، ٹریکٹر کی جتائی، ٹیوب ویل کی آبپاشی کے اخراجات۔ مختلف اوقات میں خریدکردہ کیمیائی کھاد۔ مزدوروں کی نلائی اور فصل کٹنے کی مزدوری۔ عقل سلیم یہ مطالبہ کرتی ہے کہ تمام اخراجات پیداوار سے منہا کرنے چاہئیں اور پھر عشر واجب کرنا چاہئے یا آبپاشی کے اخراجات نہ منہا کئے جائیں اور نصف عشر واجب کیا جائے۔

بہرکیف یہ مسئلہ فقہائے کرام کی خصوصی توجہ اور اجتہاد کا محتاج ہے کیونکہ آج کاشت پر کل پیداوار کے بقدر نصف اخراجات پڑ جاتے ہیں علاوہ کاشتکار کی اپنی محنت کے۔

۵ ـــــ اگر مالک اراضی اور کاشتکار دونوں مسلمان ہوں اور تقسیم کی بنیاد حصہ پیداوار ہو تو دونوں پر اپنے اپنے حصہ پر عشر واجب ہوگا۔ ورنہ صرف مسلمان پر واجب ہوگا۔ اور اگر اراضی کسی مخصوص کرایہ پر حاصل کی گئی ہو تو چونکہ کل پیداوار کاشتکار کی ملکیت ہوگی اس لئے پوری پیداوار کا عشر بھی کاشتکار کو ہی دینا ہوگا اگر وہ مسلمان ہے۔ عشر مسلمان پر اس لئے واجب ہے کہ مسلمان کے لئے یہ عبادت بھی ہے۔

بٹائی کے مسئلہ پر ہندوستان میں مروجہ نظام کاشت کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ ہندوستان میں مروجہ نظام کاشت درج ذیل ہے۔

۱ ـــــ زمین کا مالک خود کاشت کرتا ہے۔

۲ ـــــ زمین کا مالک کسی مخصوص نرخ پر زمین کسی دوسرے کو کاشت کے لئے دے دیتا ہے۔

۳ ـــــ زمین کا مالک کاشتکار سے پیداوار میں اپنا حصہ متعین کرلیتا ہے اس کی بھی دو شکلیں ہیں:

ا ـــ تمام اخراجات کاشت علاوہ جتائی اور نگرانی مالک اراضی برداشت کرتا ہے اور کاشتکار کی ذمہ داری ہل بیل، ٹریکٹر کی جتائی اور نگرانی کرنا ہوتی ہے۔ اس حالت میں کاشتکار کل پیداوار کا ½ حصہ کا مستحق ہوتا ہے کہیں کہیں یہ حصہ ایک تہائی بھی ہوتا ہے۔

۲ ـــ علاوہ محنت اور جتائی اور نگرانی جو کلیتاً کاشتکار کی ذمہ داری ہوتی ہے بقیہ تمام اخراجات میں یعنی بیج، لگان، کھاد، آبپاشی وغیرہ میں کاشتکار بھی نصف کا ذمہ دار ہوتا ہے اور اس حالت میں کاشتکار نصف پیداوار کا مالک ہوتا ہے۔ اس تیسری حالت کی مندرجہ بالا تینوں شکلوں

کو امام ابو حنیفہؒ ناجائز قرار دیتے ہیں لیکن صاحبین امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور بقیہ تینوں ائمہ جناب امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد ابن حنبلؒ اسے اجرت معلوم قرار دیتے ہیں اور جائز قرار دیتے ہیں۔

ان حالات میں یہ مسئلہ بہت اہم ہے کہ اخراجات منہا کئے جائیں یا نہیں۔

(۵) محور پنجم

۱۔۔۔ جناب امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک عشر کا کوئی نصاب مقرر نہیں ہے لیکن صاحبین کے نزدیک ۵ وسق کا نصاب ہے اس سے زائد پر ہی عشر واجب ہوگا۔ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے فتویٰ صاحبین کی رائے پر ہی ہے[1] پانچ وسق ۸۰ تولہ والے سیر سے ۲۵ من پونے چوبیس سیر ہوتا ہے[2]

۲۔۔۔ ہر پیدا ہونے والی چیز پر عشر واجب نہیں ہے مثلاً گھاس، بانس، درخت اپنے جانوروں کی خوراک کے لئے اگایا ہوا چارہ پر عشر واجب نہیں ہے لیکن یہی چیزیں اگر تجارت کے لئے ہوں تو بطور اموال تجارت ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ پانی میں پیدا ہونے والی اشیاء مثلاً سنگھاڑے مکھانے وغیرہ پر عشر واجب ہوگا، اور تالاب بشکل آراضی شمار ہوگا۔ کیوں کہ اس کا وجود آراضی کے وجود پر ہی منحصر ہے۔ صاحبین اور امام شافعیؒ کے نزدیک ان ہی چیزوں پر عشر ہے جو ایک سال تک باقی رہ سکتی ہوں[3]

۳۔۔۔ مچھلی کی پیداوار زراعت میں شمار نہیں ہوگی۔ اگر وہ اپنے کھانے کے لئے پالی گئیں ہیں تو ان پر کوئی زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور اگر تجارتی مقاصد کے لئے ہیں تو وہ اموال تجارت شمار ہونگی۔ یہ ایک ایسا کاروبار ہے کہ جس میں قدم قدم پر محنت اور نگرانی کرنی ہوتی ہے جب ضرورت ہو دوا ڈالنی ہوتی ہے۔ انھیں یومیہ چارہ ڈالنا ہوتا ہے۔ تالاب کے پانی کو سردیوں میں ایک مخصوص درجہ حرارت پر رکھنا پڑتا ہے وغیرہ وغیرہ پھر وہ از نسل درخت نہیں ہے از نسل جانور ہے اس لئے وہ اموال تجارت شمار ہوں گی۔

---

[1] ھدایہ باب زکوٰۃ [2] اسلامی فقہ ۱/۴۲ [3] درمختار باب العشر

۴ـــــ ریشم کا کیڑا فی نفسہ اس ریشم کے دھاگے کے حصول کا ذریعہ ہے جس سے ریشمی کپڑا تیار ہوتا ہے لہٰذا شہتوت کے درخت اور ریشم کے کیڑے حاجت اصلیہ شمار ہوں گے۔ اور ان سے حاصل شدہ خام ریشم اموال تجارت شمار ہوگا اور اس پر بطور اموال تجارت زکوٰۃ واجب ہوگی عشر واجب نہیں ہوگا کیوں کہ کیڑا اور شہتوت ذریعہ ہیں اصل مال نہیں ہیں اور خود بے قیمت ہیں، ریشم نکالنے کے بعد کیڑے پھینک دیئے جاتے ہیں۔

۵ـــــ باغات کے درخت جن کے پھل قابل فروخت ہیں صرف ان کی پیداوار پر ہی عشر واجب ہوگا۔ عام درخت جو لکڑی کے حصول کے لئے لگائے گئے ہوں پر عشر واجب نہیں ہوگا۔ البتہ کاروباری مقاصد کے لئے لگائے گئے جنگلات پوکلپٹس کے درخت خواہ وہ کھیتوں کی منڈیروں پر ہی ہوں جن کی نیت ایک مدت کے بعد فروخت کی ہو جو بالعموم اپنے ابتدائی ایام میں بے قیمت ہوتے ہیں اور ان کی مدت تکمیل قیمت ۵-۷ سال اور بسا اوقات دس سال تک ہوتی ہے ایسی حالت میں وہ اموال تجارت شمار ہوں گے اور مال تجارت بھی وہ کٹ جانے کے بعد شمار ہوں گے۔

البتہ بعض پودے جو اچھے بڑے ہوتے ہیں اور فصل کٹنے کے بعد قابل فروخت ہوتے ہیں جیسے ارہر کے جھیپے پیداوار کا حصہ شمار ہوں گے اور ان پر عشر واجب ہوگا۔

۶ـــــ سبزیاں اگر کاروبار کے لئے ہوں تو ان پر عشر واجب ہوگا۔ فصل بیک وقت حاصل ہو یا وقفہ وقفہ سے فصل کی پوری پیداوار کا حساب لگا کر عشر ادا ہوگا اگر ذاتی استعمال کیلئے مکان کے ارد گرد ہوں گی تو وہ یقیناً نصاب سے کم ہوں گی اور ان پر عشر واجب نہیں ہوگا۔

۷ـــــ اراضی وقف کی دو قسم ہیں:

۱۔ وقف علی اللہ　　　　۲۔ وقف علی الاولاد

(۱) وقف علی اللہ چوں کہ خود صدقات کی مد ہے اور اس میں حاصل ہونے والی آمدنی۔ آمدنی بیت المال کے مثل ہے اس لئے اس آراضی پر عشر واجب نہیں ہوگا البتہ یہی آراضی کسی کاشتکار پر ہو اور وہ مسلمان ہو تو اس پر عشر واجب ہوگا۔

(۲) وقف علی الاولاد آراضی کی کوئی خاص حیثیت اس کے علاوہ نہیں ہے کہ وہ ناقابل فروخت

ورنہ اس کا حق استعمال حسب حق وراثت ہے اس لئے اس پر عشر واجب ہوگا۔

محور سوم

ہندوستان کی آراضی کا قانونی جائزہ

۱۔ مغلیہ سلطنت کے زوال اور برطانوی تسلط کے آغاز سے لے کر ۱۹۴۷ء تک آراضی ہند کی نوعیت سے متعلق وقتاً فوقتاً جاری ہونے والے قوانین کا جائزہ۔ اس سلسلے میں مختلف صوبوں میں ۱۹۴۷ء سے پہلے جاری ہونے والے قوانین کا علیحدہ علیحدہ تفصیلی جائزہ۔

۲۔ قانون تنسیخ زمینداری کے بعد آراضی ہند کی نوعیت وحیثیت کاشتکاروں کے مالکانہ حقوق میں کیا تبدیلی آئی۔ اور ہندوستان کے مختلف صوبوں میں آزادی کے بعد سے لے کر اب تک آراضی کے بارے میں جو دوراس قانونی تبدیلیاں آئیں ان کا ایک جائزہ۔

میں نے اپنے پہلے جواب میں ان سوالات کے جوابات کو فتاوی محمودیہ کی روشنی میں اختصار کے ساتھ نظر انداز کر دیا تھا۔ اب حکم ثانی کی تعمیل میں تفصیلی رائے پیش خدمت ہے۔

سلطنت برطانیہ کے استحکام کے بعد جو ۱۸۵۷ء کے بعد حاصل ہوا آراضی سے متعلق دو نظام قائم ہوئے:

۱۔ جاگیردارانہ

یہ نظام ریاستوں پر مشتمل تھا اور ریاستی خزانے سے سلطنت ہندوستان کو ایک مخصوص رقم ادا کی جاتی تھی۔ ریاست کے اندر حکمرانی نوابین اور راجاؤں کی ہوتی تھی حکومت ہند کا ایک نمائندہ ریزیڈنٹ رہتا تھا۔ انتظامی سطح پر I.A.S. اور I.C.S. افسران مامور ہوتے تھے۔ نیچے کی سطح پر زمیندار ہوتے تھے۔ کاشتکاروں کی حیثیت ان کی رعایا کی سی ہوتی تھی۔

۲۔ **مرکزی حکومت کے تحت ڈائریکٹ علاقے** :۔ ان علاقوں میں زمیندارانہ نظام ڈائریکٹ تھا۔

زمیندار کی قانونی حیثیت ایک درجاتی شخصیت کی ہوتی تھی وہ کاشتکار سے متعینہ شرح سے لگان وصول کرتے تھے اور حکومت کو مالگذاری ادا کرتے تھے۔ عموماً لگان اور مالگذاری میں ۳ : ۱ کی نسبت ہوتی تھی یعنی تین روپے کی وصولیابی سے حکومت کو ایک روپیہ ملتا تھا۔ تصور یہ تھا کہ وصول شدہ رقم میں سے ایک روپیہ حق زمینداری اور ایک روپیہ اخراجات وصولیابی اور ایک روپیہ حق حکومت انتظامی ضرورتوں کے تحت اسے نیم مالکانہ حقوق بھی حاصل تھے وہ اس زمین پر خود کاشت کا بھی حق رکھتا تھا۔

دوسری طرف کاشتکاروں کے بھی موروثی حقوق قانونی طور پر محفوظ تھے۔ کوئی بھی کاشتکار کسی قانونی عدالت کے حکم کے بغیر اس کی زمین سے بے دخل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اسے ضمنی کاشتکار مقرر کرنے کا حق ہوتا تھا اور کسی وجہ سے اصل کاشتکار بے دخل کیا جاتا تو اس ضمنی کاشتکار کو موروثی کاشتکار کا درجہ حاصل ہو جاتا تھا اسے بھی قانونی طور پر ہی بے دخل کیا جا سکتا تھا۔

زمینوں میں زمیندار اور کاشتکار دونوں کو حق وراثت حاصل تھا اگرچہ قانوناً عورتیں بھی وراثت آراضی کی حقدار ہوتی تھیں لیکن عملاً کچھ ایسا رواج ہو گیا تھا کہ عورتیں اپنے حقوق آراضی سے اپنے بھائیوں اور دیگر اعزا رزینہ کے حق میں دستبردار ہو جاتی تھیں۔ البتہ پنجاب میں عورتوں کو آراضی میں حق وراثت قانوناً ممنوع تھا۔ یہ قانون سر سکندر حیات اور سر چھوٹو رام کی وزارتوں کے دوران پاس ہوتے تھے۔

صوبوں میں آراضی کے عام قوانین نہیں تھے جو تھے وہ شرح آبیانہ۔ لگان اور مالگذاری سے متعلق تھے۔ آراضی سے متعلق مرکزی قوانین ہی نافذ العمل تھے البتہ مخصوص پہاڑی اور قبائلی علاقوں میں ان کے اپنے مروجہ دستوروں کو قانونی درجہ دے دیا گیا تھا۔ آج وہ تفصیلات حاصل کرنا تقریباً ناممکن سا ہو گیا ہے اس لئے علیحدہ علیحدہ تبصرہ ممکن نہیں ہے لیکن ان کی جو مجموعی حیثیت تھی وہ اوپر بیان کر دی گئی ہے۔ آراضی میں باغات کو ایک مخصوص نوعیت حاصل تھی وہ اصل مالک زمیندار ہی کا شمار ہوتا تھا اور اگر اس میں کوئی کاشتکار وقتی طور پر کاشت کرتا تھا تو اس کی حیثیت ضمنی کاشتکار کی ہوتی تھی اور مالک باغ کو اسے علیحدہ کرنے کا حق ہوتا تھا۔

جو زمیندار اپنی زمینوں پر خود کاشت کرتے تھے وہ دسبردار کہلاتے تھے۔ ان کو ایک

حق حاصل تھا کہ وہ کسی کو شریک کار بنا کر کاشت کرالیں۔ اس حالت میں شریک شخص کو کوئی حق کاشتکاری حاصل نہیں ہوتا تھا۔ یہ شکلیں درج ذیل تھیں :

۱ ـــــ مالک زمین یعنی زمیندار خود ہی تمام امور کاشت انجام دیتا تھا۔

۲ ـــــ زمین دار کسی کو مخصوص شرح پیداوار پر کاشتکار کو زمین کاشت کے لئے دیتا تھا اس صورت میں بقیہ پیداوار کاشتکار کی ہوتی تھی۔ مثلاً دو تھوکنڈم فی بیگھہ وغیرہ۔

۳ ـــــ زمیندار تمام اخراجات برداشت کرتا تھا کاشتکار صرف اپنی محنت دیتا تھا یعنی اس کی حیثیت ایک مزدور کی ہوتی تھی اس حالت میں وہ صرف چوتھائی پیداوار کا حقدار ہوتا تھا بقیہ پیداوار زمین کی ہوتی تھی۔ کسی کسی جگہ کاشتکار کا حق تہائی بھی ہوتا تھا۔

۴ ـــــ زمیندار جملہ اخراجات کا نصف بار برداشت کرتا تھا اور کاشتکار اپنی محنت کے علاوہ نصف اخراجات برداشت کرتا تھا اس حالت میں وہ نصف پیداوار کا حقدار ہوتا تھا۔

نوٹ :۔ مندرجہ بالا تیسری اور چوتھی شکل کو امام ابو حنیفہؒ اجرت مجہول کی بنیاد پر ناجائز قرار دیتے ہیں لیکن صاحبین یعنی امام محمدؒ اور امام یوسفؒ نیز امام شافعیؒ امام مالکؒ امام احمد بن حنبلؒ اسے اجرت معلوم قرار دیتے ہیں اور جائز قرار دیتے ہیں۔

آزادی سے قبل زمینوں کی یہی صورت حال تھی لیکن اس کے معاشرے پر کیا اثرات تھے وہ ہم نذر ناظرین کر رہے ہیں۔

سلطنت برطانیہ نے اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے ایک درمیانی وفادار نیم حکمراں جماعت زمیندار تخلیق کی جسے زمینوں کے نیم مالکانہ حقوق بھی دے گئے لیکن ساتھ ہی عوامی بغاوت کے خوف سے کاشتکاروں کے حقوق کا تحفظ کیا گیا لیکن رفتہ رفتہ یہ حالت بن گئی کہ زمیندار کاشتکار کی خالصتاً محنت کا بغیر کسی محنت کے حصہ دار بن گیا۔ اور ایک وقت طبقاتی کشمکش کا یہ آیا کہ زمیندار انتہائی خوش حال کلاس اور کاشتکار نان شبینہ سے محتاج ہو کر رہ گیا۔ اکثر کاشتکار اپنی پیداوار کا بڑا حصہ لگان۔ زمیندار کا قرض۔ بیج کھاد کی قیمت میں دے دیتے تھے اور خود معاشی طور پر مفلوک الحال اور ضروریات زندگی کے لئے ترستے تھے۔ کردار کے اعتبار سے زمیندار کلاس اپنے کاشتکاروں کے ساتھ بے حد نار وا سلوک کی عادی تھی۔

رفتہ رفتہ دنیا میں سماجی انصاف کے تقاضے ابھرنے شروع ہوئے۔ روس میں ۱۹۱۷ء کے انقلاب نے سماجی نظریات بدل کر رکھ دئے اور محنت کش طبقہ نے اپنے جائز حقوق کا مطالبہ شروع کر دیا۔ سیاسی جماعتوں نے زمیندارانہ ظلم و ستم کے خلاف آواز بلند کرنا شروع کر دیا۔ بالآخر کانگریس نے ۱۹۳۶ء میں ایک رزرولیشن خاتمۂ زمینداری کے سلسلے میں پاس کیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ نظام زمینداری نے معاشرہ میں ایک طبقاتی کشمکش پیدا کر دی تھی۔ غریب مزید غریب ہوتا چلا جا رہا تھا اور اپنی تمام تر محنت کے باوجود اپنے بال بچوں کو ضروریات زندگی فراہم کرنے سے قاصر تھا۔ کاشت کی ضروریات تک کے لئے وہ مہاجن اور زمیندار سے سود پر قرض لینے پر مجبور ہوتا تھا۔ حکومت کا لگان وہی دیتا تھا۔ زمیندار یہ لگان وصول کرتا تھا اور اس کا کل ایک تہائی ہی وہ حکومت کو ادا کرتا تھا۔ آبپاشی۔ بیج۔ کھاد۔ محنت یہ سب کاشتکار کی ذمہ داری تھی ان حالات کو کوئی بھی معاشرہ برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ نتیجہ کے طور پر آزادی کے بعد تمام صوبوں نے اس کو عملی جامہ پہنایا۔ سب سے پہلے یوپی میں خاتمہ زمینداری ایکٹ پاس ہوا اور پھر دوسری تمام ریاستوں میں بھی اسی نوعیت کے قانون پاس ہوئے اور ماسوائے چند پہاڑی اور قبائلی علاقوں کے پورے ہندوستان سے زمیندارانہ نظام کا خاتمہ ہو گیا۔ ان نئے قوانین کی عمومی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

۱۔ حکومت نے ایسے تمام لوگوں کی زمینوں کو جو خود کاشت نہیں کرتے تھے معاوضہ دے کر اپنی ملکیت میں لے لیا اور پھر ان تمام کاشتکاروں کو لگان کا ایک مخصوص فیصد معاوضہ دے کر حق ملکیت دے دیا اور اب وہ بھومی دھر کہلائے لیکن یہ ملکیت مشروط رہی۔ اس کی شرائط درج ذیل تھیں:

۱۔ نظام چکبندی کر کے ایک شخص کی متعدد جگہوں کو ختم کر کے اس کے بقدر ایک جگہ زمین دیدی جائے گی۔

۲۔ کوئی بھی شخص جس کے پاس پہلے سے ایک متعینہ یا اس سے زائد رقبہ ہو یا اس حق کے بعد یہ متعینہ رقبہ ہو جائے مزید کوئی زمین نہیں خرید سکتا۔

۳۔ زمین ایک متعینہ رقبہ سے کم پر قابل تقسیم نہیں ہوگی اور نہ ہی اس کا کوئی جز کسی غیر شریک کو قابل فروخت ہوگا البتہ شرکاء میں سے کسی کو بھی کوئی شریک اپنا حصہ اراضی فروخت کر سکتا ہے۔

۴۔ اگر کوئی شخص خود کاشت نہ کرے اور کسی دوسرے سے کاشت کرائے تو اس کے مالکانہ حقوق

بحق حکومت سلب ہو جائیں گے اور اصل کاشتکار لگان کا دس گنا داخل خزانہ سرکاری کر کے
بھومی دھر بن سکتا ہے۔ البتہ ایسے مالکان آراضی جو سرکاری فوج میں ملازم ہوں یا بیوہ جس کے
کوئی بالغ اولادِ نرینہ ہو اس قانون سے مستثنیٰ ہیں۔

۵ــــــ وراثتاً یہ حق ملکیت ان ہی لوگوں میں قابل انتقال ہے جو خود کاشت کر سکتے ہوں اسی اصول
کے تحت اس اراضی میں لڑکیوں کو حصہ نہیں ملتا۔ البتہ بیوہ کو یہ حق ملتا ہے۔

۶ــــــ اوقاف کی اراضی کا معاوضہ نہیں ادا ہوتا بلکہ جو آمدنی اس وقف سے متعلقہ اداروں کو حاصل
ہوتی تھی وہ حکومت بدستور اپنے خزانہ سے ان اداروں کو ادا کرتی رہے گی۔ زمین کاشتکاروں
کو دے دی گئی ہے۔

ان قوانین کے سلسلے میں جناب مولانا مفتی شفیع صاحبؒ کا ایک مختصر رسالہ "القول الماضی
فی الاحکام آلا راضی" ہے جس کا ایک باب یوپی کے خاتمہ زمینداری سے متعلق ہے۔ مولانا موصوف
نے جناب مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کا ایک فتویٰ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تائید کا بھی
تذکرہ کر دیا ہے۔ یہ سب تفصیلات مفتی صاحب کی کتاب پر دیکھی جا سکتی ہیں۔[1]

آئیے اب اسلامی نقطۂ نگاہ سے ان فتاویٰ کا جائزہ لے لیں۔

اسلامی شریعت نے زمین کو اللہ کی ملکیت قرار دیا ہے اور انسان کو اس کا جائز حق استعمال
دیا ہے اور یہ حق کسی حد تک مالکانہ ہے۔ اس میں انسان کی وراثت ہے اور اسے کسی دوسرے کو کرایہ
پر یا حصہ پیداوار کی شرکت پر دینے کا حق دیا ہے۔

دوسرا نقطۂ نگاہ جو ان فتویٰ سے ظاہر ہوتا ہے وہ یہ کہ سلطنت کو کسی کی ذاتی ملکیت کو جبریہ
طور پر کوئی معاوضہ دے کر لینے کا حق حاصل نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک یہی امر قابلِ بحث ہے۔

شریعت کا ایک اصول عدل بھی ہے اور ایک اصول یہ بھی ہے کہ امت کے اجتماعی مفادات
کو ذاتی مفادات پر ترجیح حاصل ہے اور امت کی نمائندگی اسلامی حکومت کرتی ہے۔ خلفائے
راشدین کے دور میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ فتوحات کے ذریعہ حاصل شدہ زمینوں کے کچھ

---

[1] جواہر الفقہ ج ۲ ص ۴۳۱ تا ۴۴۸

تھے اونٹوں اور دوسرے جانوروں کی چراگاہوں کے طور پر چھوڑ دیے گئے اور ہر کسی کو اس میں جانور چرانے کا حق دیا گیا جب کہ یہ زمینیں مجاہدین میں قابل تقسیم تھیں۔

حکومت وقت کو یہ حق ہمیشہ مسلم رہا ہے کہ اجتماعی ضرورتوں کے تحت وہ کسی بھی اراضی یا جائداد کو مناسب معاوضہ دے کر قومی ملکیت میں لے کر اسے کسی قومی ضرورت کے لئے استعمال کرے اگر حکومت کے پاس یہ حق نہ ہو تو اجتماعی اور رفاہی مفادات کے امور مثلاً سڑکیں بلڈنگیں اسکول۔ بڑے کارخانے۔ ہسپتال کبھی بھی نہ بن سکیں گے اس لئے کہ کوئی بھی شخص اپنی جائداد یا اراضی کو حکومت کو خوشی دینے کو رضامند نہیں ہو سکتا۔ اصولاً جب شرعی طور پر ہم نے یہ مان لیا کہ ملت اور سلطنت کے اجتماعی مفادات ذاتی مفادات پر مقدم ہیں تو آج کی تاریخ میں جب ساری دنیا میں یہ اصول مسلمہ ہے تو اسے شرعاً ناجائز کہنا خلاف عرف ہے جب کہ عرف کی شریعت اسلامیہ میں ایک حیثیت ہے اور اس کی بنیاد پر جواز اور عدم جواز کے فتاوی دئے جاتے رہے ہیں۔

اب ہمیں آج کے نظام کاشتکاری پر غور کرنا ہوگا۔

ماضی میں کاشت کی پیداوار کا بیشتر انحصار قدرتی وسائل پر ہوتا تھا۔ آبپاشی کا عمومی ذریعہ بارش تھی کہیں کہیں دریاؤں اور نہروں سے بھی آبپاشی ہوتی تھی عموماً کاشتکار کی ذمہ داری بیج اور محنت ہوتی تھی لیکن آبادی کے اضافے نے پیداوار کی ضرورت کو بڑھا دیا اور انسان نے تحقیق کے ذریعے نئے وسائل پیدا کئے۔ عمدہ نسل کے بیج۔ کھاد اور آبپاشی کی بروقت فراہمی کے لئے ٹیوب ویل ضروری ہوئے۔ جتائی کٹائی کے لئے ٹریکٹر اور دوسرے آلات کی فراہمی ضروری ہو گئی اور یہ سب ایک بڑے سرمایہ کے محتاج ہوئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج کاشتکاری خود ایک صنعت بن گئی جتنا زیادہ لگاؤ اتنا ہی زیادہ پاؤ۔ آج کی حیثیت یہ ہے کہ نصف روپیہ لگاؤ تو ایک روپیہ پاؤ۔ نتیجتی کھاد پیداوار کے اضافے کا سبب ہیں رسل و رسائل اور منڈی تک لے جا کر خود فروخت کرنے کے وسائل زیادہ مالی وسعتیں رکھتے ہیں۔ یہ سب وسائل چھوٹے کاشتکار کے بس کی بات نہیں ہے کو آپریٹیو فارمنگ کا تجربہ بھی روس میں ناکامیاب ثابت ہو چکا۔ اسی مقصد کے لئے حکومت نے چکبندی اسکیم کو عملی جامہ پہنایا کہ ایک آدمی کی تمام زمین ایک ہی جگہ کٹھی کر دی جائے تاکہ وہ اس کی خاطر خواہ نگہداشت کر سکے۔ ایک ہی آدمی کے اگر دس چھوٹے چھوٹے قطعات دس جگہ ہوں تو وہ ان کی خاطر خواہ

نگہداشت نہیں کرسکتا اور پیداوار کم ہوگی. گرانی بڑھ جائے گی غرباء کے لئے مزید پریشانیاں ہو جائینگی اور یہ ایک قومی نقصان ہوگا اس لئے اس کے تدارک کے لئے حکومت وقت اگر نیک نیتی سے کوئی قدم اٹھائے تو وہ ہر حال میں جائز ہونا چاہئے لیکن بادی النظر میں چونکہ فقہاء کے نزدیک کسی کی آراضی اکوائر کرنا اور اس کو اس کے بدلے میں دوسری آراضی دینا جس میں اس کی رضا حاصل نہ ہو جائز نہ ہوگا۔

میرے نزدیک یہ شریعت کی بہت ہی سطحی تعبیر ہے. شریعت کا ایک اصول اصول عدل بھی ہے. اس کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جو کچھ خود کھاؤ وہ اپنے متعلقین کو بھی کھلاؤ. جابر اور مجبور کے درمیان کسی معاہدہ کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی. بیروزگار، مزدور اور لاچار کاشتکار آج کے مفلوک الحالی کے دور میں ہر جبر کو اس لئے قبول کرلیتا ہے کہ اسے اپنے بچوں کا پیٹ پالنا ہے اور اس معاہدہ کے نتیجہ میں امیر امیر تر ہو رہا ہے اور غریب غریب تر۔ اسی اسلامی شریعت میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ایک غلام کو کھانے کی چوری پر اس لئے سزا نہیں دی گئی کیونکہ اس کا مالک اسے پیٹ بھر کھانے کو نہیں دیتا تھا۔ ان حالات میں اگر آج حکومت نے ملازمین کی کم سے کم اجرت اور قانون ادائیگی اجرت پاس کیا ہے تو (MINIMUN WAGES & PAYMENT OF WAGES ACT) اسے غیر شرعی نہیں کہا جاسکتا. حکومت اگر ملازمین کو پراویڈنٹ فنڈ، بونس گریجوٹی کی سہولتیں ان کے مالکان سے دلاتی ہے تو اسے غیر شرعی نہیں کہا جاسکتا اگرچہ معاہدہ ملازمت میں صرف تنخواہ کا معاہدہ ہوتا ہے۔

اب ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ایک طرف تو فقہ اسلامی کا اصول یہ ہے کہ مالک کو اس کی آراضی پر مکمل اختیارات حاصل ہیں اور حکومت وقت کو اس سے اسے اپنی من مانی قیمت پر لینے کا کوئی حق نہیں پہونچتا اور وہ اس کو خود استعمال کرے یا کسی دوسرے سے استعمال کرائے یہ اس کا حق ہے. دوسری طرف اس کے معاشرہ پر جو نتائج ہیں وہ سامنے ہیں۔

دوسری طرف حکومت وقت عوام الناس کو سماجی انصاف دلانے اور کسی کو کسی کے استحصال سے تحفظ دلانے کی پابند ہے اور وہ یہ حق رکھتی ہے کہ وہ کسی کی آراضی کو مفاد عامہ کی خاطر اپنی متعینہ قیمت پر خرید کر دوسرے ضرورتمندوں کو دے دے. آج کسی بڑے کارخانے

لگانے کے لئے سیکڑوں بیگھے زمین کی ضرورت ہوتی ہے جو حکومت کاشتکاروں کی آراضی کو ایکوائر کر کے انڈسٹری کو فراہم کرتی ہے اور یہی انڈسٹری ایک طرف ہزاروں افراد کو روزگار فراہم کرتی ہے تو دوسری طرف ملکی معیشت میں پیداواری اضافہ کرتی ہے۔ یہ آج ساری دنیا کا مسلمہ عرف ہے۔ تقاضائے عدل ہے قومی ضرورت ہے۔ ہمیں اس عرف کو شرعاً تسلیم کرنا ہی ہوگا۔ کسی کا حق صرف اس وقت جائز حق رہتا ہے جب تک وہ کسی دوسرے کے حق کی حق تلفی نہ کرے اور جب یہ حقوق فتنہ بن جائیں تو پھر شریعت کا اصول "الفتنۃ اشد من القتل نافذ العمل ہو جاتا ہے۔ خطہ حجاز سے مشرکین کو نکالنا ایک ملی ضرورت تھی اسی لئے رسول کریمؐ نے ان کے ذاتی مفاد کو ملی مفاد پر قربان کرتے ہوئے یہ فیصلہ کیا تھا۔ حالاں کہ شرعاً تو جزیہ ادا کرنے کے پابند تھے۔

اب اس عرف کو تسلیم کرنے کے بعد جو مسئلہ آئیگا وہ لڑکیوں کی وراثت کا ہے اس مسئلہ پر حکومت سے کوئی مطالبہ بے سود ہوگا کیوں کہ لڑکیوں کی وراثت زمینوں کی تقسیم در تقسیم کا باعث ہوگی۔ اس کا حل یہ ہے کہ ہم مسلمانوں سے یہ اپیل کریں کہ وہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو ان کے حصہ کے بقدر آراضی کی قیمت ان کو ادا کریں وہ لیں یہ ان کی مرضی ہے۔ یہ مسئلہ بہت سنجیدگی سے قابل غور ہے آج کل کسی بیٹی کی شادی پر ایک باپ اور اس کے بھائیوں کو جو کچھ خرچ کرنا ہوتا ہے شادی کے بعد اس کی اولاد کی ولادت پر چھوچھک۔ شادیوں پر ماموں کی طرف سے بھات جو اخراجات شادی میں ایک تعاون ہے اس کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جب بہن اپنا حصہ لے لیگی تو یہ تعلق ختم ہو جائے گا اور مجموعی طور پر لڑکی ہی نقصان میں رہے گی لہذا اس کا حل یہی ہے کہ وارثان لڑکیوں کے حصے کی قیمت ان کو پیش کریں جو لینا چاہیں وہ لے لیں اور جو خوشی چھوڑنا چاہیں وہ چھوڑ دیں تم شریعت کے فرض کی ادائیگی ہو جائیگی۔

دوسری طرف اس عرف کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ اب حق ملکیت آراضی کاشتکاری کے ساتھ منسلک ہے اور اذافات الشرط فات المشروط کے تحت جب کاشتکاری ختم ہو گئی تو حق ملکیت بھی سلب ہو گیا اور اب وہ صرف معاوضہ آراضی کا مستحق ہو گیا۔

قابل کاشت ہونے کے باوجود کاشت نہیں کی اور پیداوار نہیں ہوئی تو خراج اس صورت میں بھی لازم ہوگا لیکن اگر کوئی زمین قابل کاشت نہ ہو یعنی بنجر ہو یا پانی سے اتنی دور ہو کہ وہاں تک پانی نہ پہونچ سکے اور بارش بھی اتنی نہیں ہوئی جس سے کوئی چیز پیدا ہو سکے تو ایسی زمین سے خراج ساقط ہو جائے گا۔ کما فی البدائع الصنائع،

وسبب وجوب الخراج الارض النامية بالخارج حقيقةً وتقديرًا حتى لو أصاب الخارج آفة فهلك لا يجب منه العشر في الارض العشرية ولا الخراج في الارض الخراجية لفوت النماء حقيقةً وتقديرًا ولو كانت الارض عشرية فتمكن من زراعتها فلم يزرع لا يجب العشر لعدم الخارج حقيقة، ولو كانت الارض خراجية يجب الخراج لوجود الخارج تقديرًا۔" (۱)

اقسام خراج

اصطلاح فقہ میں خراج کی دو قسمیں ہیں۔ مقاسمہ اور موظف۔ اگر خراج میں زمین کی پیداوار کا کوئی حصہ نصف، ثلث یا ربع مقرر کر دیا جائے تو اس کو خراج مقاسمہ کہا جائے گا۔ اور اگر خراجی زمین پر نقد رقم مقرر کر دی جائے تو اس کو خراج موظف سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کما فی الشامی۔

وهو اي الخراج نوعان خراج مقاسمة إن كان الواجب بعض الخارج كالخمس ونحوه وخراج وظيفة إن كان الواجب شيئًا في الذمة يتعلق بالتمكن من الانتفاع بالارض كما وضع عمر رضي الله عنه على السواد لكل جريب (۲)

عشر وخراج میں فرق

فقہاء نے عشر و خراج کے درمیان فرق کی مختلف وجوہ کا تذکرہ کیا ہے ——— ایک وجہ تو یہ ہے کہ عشر صرف ایک ٹیکس ہی نہیں ہے بلکہ وہ ایک حیثیت سے عبادت بھی ہے جس کی وجہ سے اس کو زکوٰۃ الارض بھی کہا جاتا ہے بخلاف خراج کے کہ وہ صرف ایک ٹیکس ہے جس میں عبادت ہونے کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

---

(۱) بدائع ۲/۵۳ (۲) درمختار ۳/۲۶۷

دوسری وجہ یہ ہے کہ عشر صرف مسلمانوں کی زمینوں پر عائد کیا جا سکتا ہے غیر مسلموں کی زمینوں پر اس کو عائد نہیں کیا جا سکتا بخلاف خراج کے کہ اولاً غیر مسلموں کی زمینوں پر عائد کیا جاتا ہے۔

بدائع الصنائع میں وجوب عشر کی شرائط کو بیان کرتے ہوئے اس فرق کو بھی واضح کیا گیا ہے ملاحظہ

احدهما الاسلام وانه شرط ابتداء هذا الحق فلا يبتدأ بهذا الحق إلا على المسلم بلا خلاف لأن فيه معنى العبادة. والكافر ليس من اهل وجوبها فلا يبتدأ به عليه"(۱)

خراج کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے علامہ شامی فرماتے ہیں:

"إلا أنه أليق بالكافر لأنه يشبه الجزية لما فيه من معنى العقوبة وفيه تغليظ حيث يجب وإن لم يزرع بخلاف العشر لتعلقه بعين الخارج [illegible](۲)

تیسری وجہ فرق یہ ہے کہ عشر زمین کی پیداوار پر ہے۔ اگر کسی وجہ سے پیداوار نہ ہو تو اس پر عشر لازم نہ ہوگا بخلاف خراج کے کہ وہ قابل کاشت زمین پر عائد ہوتا ہے۔ اس لئے اگر مالک کی غفلت کی بنا پر پیداوار نہ ہوئی تو خراج پھر بھی لازم ہوگا۔

صاحب بدائع الصنائع اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

ولو كانت الأرض عشرية فتمكن من زراعتها فلم يزرع لا يجب العشر لعدم الخارج حقيقة ولو كانت الأرض خراجية يجب الخراج لوجود الخارج تقديرا (۳)

عشری زمینوں کی تفصیل

عشری اور خراجی زمینوں کی تعیین کے سلسلہ میں مذہب اسلام نے کچھ ضابطے متعین کئے ہیں جن سے عشری زمینوں کی تعیین ہو سکتی ہے۔ جن کی تفصیلات فقہاء نے بیان فرمائی ہیں۔

---

(۱) بدائع ۲/ ۵۴ (۲) رد المحتار ۲/ ۲۵۵

(۳) بدائع ۲/ ۵۴

۱۔ اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ اسلامی سلطنت نے اس طرح فتح کیا کہ اس کے باشندے بھی اسی وقت مسلمان ہو گئے تو اسلامی قانون کے تحت ان کی زمینیں بدستور ان کی مملوکہ ہوں گی اور ان کو عشری قرار دے کر ان پر عشر واجب کیا جائے گا۔ جیسے کہ مدینہ طیبہ کی زمینیں اس لئے عشری قرار دی گئیں کہ یہاں کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔

۲۔ اگر کوئی ملک اسلامی حکومت نے جنگ کے ساتھ فتح کیا اور امام المسلمین نے اس کی زمینوں کو مال غنیمت کے تحت تقسیم کر دیا یعنی چار حصے مجاہدین کو اور ایک حصہ بیت المال میں داخل کر دیا۔ جو زمینیں مجاہدین کو ملیں گی ان کی مملوکہ ہوں گی۔ اور ان کو عشری قرار دیا جائے گا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو فتح کر کے وہاں کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم فرمایا۔ اور ان کو عشری قرار دے کر ان پر عشر لازم کیا۔

۳۔ وہ زمینیں جو کسی ملک کے فتح ہونے کے وقت خالی پڑی تھیں۔ نہ ان پر کسی کی ملکیت تھی اور نہ ہی وہ قابل زراعت تھیں۔ ایسی زمینوں کو اگر مسلمان امیر المومنین کی اجازت سے قابل زراعت بنالیں۔ یا آبادی میں کسی مکان کو باغ یا مزروعہ زمین میں تبدیل کر دیا جائے۔ تو اس بارے میں قول معتمد کے اعتبار سے یہ کہا جائے گا کہ اگر ان زمینوں کے قرب وجوار میں عشری زمینیں ہیں تو ان کو بھی عشری قرار دیا جائیگا۔ اور اگر دونوں طرح کی زمینیں ہیں تب بھی ان کو عشری کہا جائے گا۔

عشری زمینوں کی تفصیل شامی میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔

وما أسلم أهله طوعا أو فتح عنوة وقسم بين جيشنا عشرية لأنه أليق بالمسلم وكذا بستان مسلم أو كرمه كان داره درر أي وفي دار جعلت بستانا خراج إن كانت لذمي مطلقا وقال الباقاني في المسلم عشر بكل حال وفي الغاية عن السرخسي وهو الأظهر (۱)

شرح عنایہ علی الہدایہ میں ہے کہ عشری زمینوں کی پانچ قسمیں ہیں۔

۱۔ وہ زمینیں جن کے باشندے فرماں برداری قبول کر کے مسلمان ہو گئے۔

۲۔ وہ زمینیں جن کو اسلامی حکومت نے بذریعہ جہاد فتح کیا اور ان کو مجاہدین کے درمیان تقسیم کر دیا گیا ہو۔

---

(۱) رد المحتار ۳/۲۵۴

علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

"إن الأرض إما عشرية أو خراجية أو تضعيفية ۔ (۱)

محور چہارم

اراضی ہند کی شرعی حیثیت

ہندوستان کی زمینوں کی شرعی حیثیت سے متعلق علماء کی جو تحقیقات سامنے آئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی زمینوں کے بارے میں تین نظریے ہیں۔

۱۔ پہلا نظریہ یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی مملوکہ زمینیں سب عشری ہیں۔ ان حضرات نے قرآن وسنت کے عموم واطلاق سے استدلال کرتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ اصل وظیفہ مسلمان کی زمین کا عشر ہے۔ خواہ وہ کسی ملک اور کسی جگہ میں ہو۔ اس لئے کہ قرآن کریم کی آیت "وآتوا حقه يوم حصاده" عام ہے اور آیت قرآنی "يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض" بھی ان تمام زمینوں کو عام ہے جو مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں۔

۲۔ دوسرا نظریہ یہ ہے کہ ہندوستان کی زمینیں نہ عشری ہیں اور نہ خراجی۔ ان حضرات کا خیال ہے کہ چونکہ غیر مسلم اکثریت کے اقتدار کی وجہ سے یہ ملک دار الحرب ہے اور دار الحرب زمینوں کے متعلق علامہ شامی فرماتے ہیں شامی باب الرکاز کی عبارت یہ ہے:

وامتزبه عن دارة وأرضه وأرض العرب الخ فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر

اسی طرح ان حضرات نے شمس الائمہ سرخسی کے اس قول کو بھی دلیل بنایا ہے جو امام محمد رشد اللہ کی کتاب سیر کبیر کے ایک مسئلہ کی توضیح کے سلسلہ میں وارد ہوا ہے اور وہ یہ ہے

لأن العشر والخراج إنما يجب في أرض المسلمين وهذه أراضي أهل الحرب ليست بعشرية ولا خراجية ۔ (۲)

---

(۱) فتح القدير ۲/۲۵۲ (۲) شرح سير كبير ۴/۳۰۳۔

باقاعدہ بسنے اور زمینیں خریدنے کا کوئی تصور ہو، اور اس پر شرح سیر کبیر کی اس عبارت کو دلیل بنایا ہے۔

"لأن العشر والخراج انما یجب في أراضي المسلمین وھذہ أراضي الحرب"

یہاں پر اراضی مسلمین سے وہ اراضی مراد ہیں جو اسلامی حکومت و اقتدار میں داخل ہوں، اور اراضی حرب سے وہ اراضی مراد ہیں جہاں ابتداء سے مسلمانوں کی کوئی ملکیت ہی نہ ہو، اگر ہندوستان کے معاملہ میں غور کیا جائے تو یہاں تو اقتدار بدلتا رہا ہے تقریباً آٹھ سو برس دار الاسلام رہا اور اسی وقت سے ابتک لاکھوں مسلمان اپنی اپنی زمینوں کے مالک چلے آرہے ہیں، تو اگرچہ اس وقت یہ دار الحرب ہے (اور یہ بھی متفقہ فیصلہ نہیں ہے) لیکن اصلی دار الحرب نہیں ہے جس کے بارے میں علامہ سرخسی کی عبارت کو دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔

اس تیسرے نظریہ کے حاملین حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن دیوبندی رہ حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی اور علماء ہند ہیں۔

حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی رہ کی تحقیق کے مطابق ہندوستان کی زمینوں کی جو مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں دس صورتیں ہیں۔ اور ان میں عشر واجب ہے۔

۱۔ــــ بادشاہوں کے وقت سے موروثی ہیں۔

۲۔ــــ بادشاہان اسلام کے وقت سے موقوفہ ہیں۔

۳۔ــــ موروثی ہیں مگر شاہی وقت سے نہیں، لیکن یہ بھی معلوم کہ کس طرح قبضہ میں آئیں۔

۴۔ــــ جو زمینیں مسلمانوں نے خریدی ہیں یا بطریق ہبہ یا وصیت ان کو ملی ہیں اور جس نے فروخت یا ہبہ کیا یا وصیت کی، اس نے بھی کسی مسلمان ہی سے حاصل کی تھی اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری ہے۔

۵۔ــــ مسلمانوں کے قبضہ میں آئی مسلمانوں سے وراثۃً یا بذریعہ خرید و فروخت اور اوپر جاکر یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ اسلام نے دی تھی

۶۔ــــ مسلمانوں کے قبضہ میں وراثۃً یا خرید و فروخت کے ذریعہ سے ہیں لیکن اوپر کا حال معلوم نہیں۔

۷۔ــــ انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو بطریق معافی زمین دی مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ زمین پہلے کس کی تھی۔

۸۔ــــ انگریزی حکومت نے بطور معافی اس زمین کو دیا جو پہلے سے مسلمانوں کی ملکیت تھی۔

۹۔ــــ مسلمانوں نے غیر مزروعہ زمین جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی آباد کی ہے اور وہ عشری زمین کے قریب ہے

یا آسمانی یا دریائی پانی یا اپنے کنویں سے سیراب ہوتی ہے۔

۱۰ــــــ مسلمانوں نے اپنے سکونتی مکانات کو مزروعہ بنایا۔

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنویؒ نے ان زمینوں کی جو مسلمانوں کی ملکیت اور قبضہ میں ہیں تو صورتیں ذکر کی ہیں، اور مندرجہ ذیل اقسام کو خراجی شمار کیا ہے

۱ــــــ سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کیں اور یہ معلوم نہیں کہ وہ اس سے پہلے کس کی ملک میں تھیں۔

۲ــــــ مسلمانوں نے مسلمانوں سے خریدیں اور بیچنے والے مسلمانوں نے غیر مسلم سے خریدی تھیں۔

۳ــــــ مسلمانوں نے غیر مسلم سے خریدیں۔

۴ــــــ سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کیں اور وہ اس سے پہلے غیر مسلم کی مملوکہ تھیں۔

نتیجۂ بحث

۱ــــــ اگر آزاد ہندوستان کو حضرات علماء ومفتیان کرام کی تحقیقات کو دیکھا جائے اور اسی کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث کے عموم اور مسلمانوں کے اصلی فریضہ پر نظر ڈالی جائے نیز ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان کے طرز حکومت کا لحاظ کیا جائے جو پارلیمانی جمہوری ہے اور اس کے نمائندے عوام ہیں جن میں مسلمان اور غیر مسلم دونوں داخل ہیں، اور اس بات کو مد نظر رکھا جائے کہ تنسیخ زمین داری کے بعد مسلمانوں کی ملکیت میں جو زمینیں داخل ہیں ان پر ان کو مکمل تصرف حاصل ہے، یہاں تک کہ اگر حکومت مسلمان کی زمین لیتی ہے تو اس کو اس کا معاوضہ ادا کرتی ہے اور مسلمانوں کی زمینوں میں وراثت وغیرہ جاری ہوتی ہے۔ اگر کوئی غیر قانونی قبضہ کرے تو عدالت اس کی شنوائی کرتی ہے تو اس کا نتیجہ نکلتا ہے کہ جو زمینیں یہاں مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں ان پر ان کو ملکیت تامہ حاصل ہے۔ اس لئے اگر عام علماء ہند کے فیصلوں کو برقرار رکھ کر ہندوستان کی ان زمینوں کے متعلق جو مسلمانوں کی مملوکہ ہیں عشری اور خراجی ہونے کا فیصلہ کیا جائے تو یہی محتاط فیصلہ ہوگا۔ تاکہ مسلمان اپنی زمینوں کے فریضہ سے سبکدوشی حاصل کریں۔

۲ــــــ جن زمینوں کا عشری و خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے تو ان کے بارے میں احتیاط اسی میں بہتر ہے کہ ان میں عشر نکالا جائے اس لئے کہ وہ مسلمانوں کی مملوکہ ہیں، اور مسلمانوں کی زمین کا اصلی فریضہ عشر ہے۔

۳ــــــ سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں نہیں ہے بلکہ وہ ایک خاص ٹیکس ہے جس کے ادا کرنے سے خراج کی شرعی ذمہ داری پوری نہیں ہوگی، بلکہ مسلمانوں کو اپنی خراجی زمینوں سے خود خراج نکال کر مدارس دینیہ کے طلبہ وغیرہ پر

خرچ کرنا چاہئے۔

۴ ــــ مسلمان اپنی خراجی زمینوں میں خراج کی ادائیگی اسی طرح پر کریں گے جو طریقہ حضرت عمرؓ سے منقول ہے یعنی ایک جریب پر جو [illegible] مربع گز کا ہوتا ہے خراج موظف ایک درہم نقد ہوگا اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر وہ چیز جو اس میں پیدا ہو، اور ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور اور دوسرے باغات کے ایک جریب پر دس درہم۔ کما فی الهداية:

والخراج الذي وضعه عمر على أهل السواد من كل جريب يبلغه الماء وتصلح له قفيز هاشمي وهو الصاع ودرهم ومن جريب الرطبة خمسة دراهم ومن جريب الكرم المتصل والنخيل المتصل عشرة (۱)

اور جب خراجی زمینوں میں بلا کراہت مسلمانوں کو خراج کی ادائیگی جائز ہے تو اس سے بظاہر یہی ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر عائد ہونے کی صورت میں یہ عبادت ہے۔ کما فی الهداية:

ويجوز أن يشتري المسلم أرض الخراج من الذمي ويؤخذ منه الخراج لما قلنا وقد صح أن الصحابة اشتروا أراضي الخراج وكانوا يؤدون خراجها فدل على جواز الشراء وأخذ الخراج وأدائه للمسلم من غير كراهية (۲)

۵ ــــ ادائیگی عشر میں مصارف زراعت کو منہا نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ اصل پیداوار پر عشر عائد کیا جائے گا۔

کما فی الشامی: بلا رفع مؤن أي كلف الزرع وبلا إخراج البذر لتصريحهم بالعشر في كل الخارج۔ (۳)

۶ ــــ بٹائی پر دی ہوئی عشری زمینوں کا عشر مالک اور کاشتکار دونوں پر بقدر حصہ واجب ہوگا بشرطیکہ دونوں مسلمان ہوں، اور اگر ایک مسلمان اور دوسرا غیر مسلم ہو تو مسلمان کے اوپر اس کے حصے کے بقدر عشر واجب ہوگا۔ شامی میں ہے:

وفي المزارعة قال في النهر ولو دفع الأرض العشرية مزارعة إن البذر من قبل العامل فعلى رب الأرض في قياس قوله لفسادها وقالا في الزرع كعشرها وقد اشتهر أن الفتوى على الصحة وإن من قبل رب الأرض كان عليه إجماعاً ومثله في الخانية والفتح وفي البحر والمجتبى والظهيرية وغيرها من أن العشر على رب الأرض عنده وعليهما عندهما من غير ذكر التفصيل وهو الظاهر في البدائع من أن المزارعة جائزة عندهما والعشر يجب في الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما۔ (۴) (شامی)

(۱) الهداية ۲/۵۶ (۲) الهداية ۲/۵۶ (۳) الدر المختار ۲/۱۰۵ (۴) رد المحتار ۲/۹۶ باب العشر والخراج

خراج موظف سے وہ خراج مراد ہے کہ خراجی زمین پر کوئی نقد رقم بطریق خراج لازم کیا گیا ہو۔ لہٰذا اگر مالک ایسی زمین کو اپنے اختیار سے آباد نہ کرے تو خراج مقررہ اس سے وصول کیا جائے گا۔ گویا خراج کا دار و مدار حقیقی پیداوار پر ہی نہیں تقدیری پیداوار پر بھی ہے۔ البتہ خراج کی ایک دوسری قسم جس کو خراج مقاسمہ کہا جاتا ہے۔ یعنی زمین سے پیداوار کی جملہ والی صورت مثلاً نصف پیداوار یا ثلث پیداوار خراج مقرر ہو اور پھر زمین میں کچھ پیدا نہ ہو خواہ اس کی وجہ جو بھی ہو تو خراج مقاسمہ وصول نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا دار و مدار حقیقی پیداوار پر ہے جیسا کہ عشر کا دار و مدار بھی حقیقی پیداوار پر ہے[۱]

وجوب خراج کے لئے یہ ضروری ہے کہ زمین قابل کاشت ہو بنجر نہ ہو کہ جس میں کوئی چیز پیدا ہونے کی صلاحیت ہی نہ ہو۔ یا زمین تو اچھی ہو مگر پانی وغیرہ کا وہاں پہونچنا ممکن نہ ہو اور بارش وغیرہ بھی اس علاقہ میں کم ہوتی ہو کہ جس سے زمین میں کچھ پیدا ہونے کی امید ہو سکے۔ لہٰذا اس طرح کی اگر کوئی زمین ہو گی تو اس میں خراج واجب نہیں ہو گا۔ جیسا کہ بدائع میں ہے

ولو كانت أرض الخراج نزة أو غلب عليها الماء بحيث لا يستطاع فيها الزراعة أو سبخة أو لا يصل إليها الماء فلا خراج فيه لانعدام الخارج فيه حقيقة أو تقديراً[۲]

عشر اور زکوٰۃ اگرچہ دونوں میں عبادت کی حیثیت پائی جاتی ہے مگر پھر دونوں میں یہ فرق ہے کہ زکوٰۃ اموال کا عبادت خالصہ ہے اور عشر من وجہ عبادت ہے اور من وجہ ٹیکس ہے۔ اسی وجہ سے عشر اسی وقت واجب ہو گا جبکہ زمین میں پیداوار ہوا ہو اور اگر زمین میں کچھ پیدا ہی نہیں ہوا تو عشر واجب نہیں ہو گا۔ اور اموال تجارت اور نقدین یعنی سونا چاندی وغیرہ اگر سال بھر رکھا رہے اور اس میں نفع کی کوئی صورت نہ پیدا ہو یا کاروبار میں نقصان ہی آگیا ہو لیکن جس قدر رقم اور مال باقی ہے اگر وہ بقدر نصاب ہے تو زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہو گا۔

اسلامی قانون کے لحاظ سے زمین پر جو واجبات مقرر کئے جاتے ہیں اس کی دو ہی قسمیں ہیں ایک عشر اور دوسرا خراج اور ان دونوں میں واضح فرق یوں بھی ہے کہ ان دونوں کا محل بھی الگ الگ ہے اور احکام بھی جداگانہ ہیں نیز مصارف بھی دونوں کے علیحدہ ہیں چنانچہ عشر صرف مسلمانوں پر واجب ہوتا ہے

---

۱ شامی ۲/۲۰-۳۲۵ ۔ ۲ بدائع ۲/۵۲۔

اور خراج غیر مسلم ذمی لوگوں یعنی ذمی کافروں پر واجب ہوا کرتا ہے۔

اب یہ سوال کہ اسلام نے کن اراضی کو عشری اور کن اراضی کو خراجی قرار دیا ہے تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ

دنیا کا کوئی بھی ملک یا زمین کا کوئی بھی خطہ یا علاقہ جب مسلمانوں کے قبضہ میں آئے گا تو اس کی صورت یا تو صلح کی ہوگی یا غلبہ کی۔ اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا ہو تو اس کی زمینوں کے بارے میں تمام معاملات صلح کی شرائط کے مطابق ہی طے کئے جائیں گے۔ اگر صلحنامہ میں یہ شرط طے پائی ہے کہ اس ملک کے لوگ اپنے سابق مذہب پر قائم رہیں گے اور ان کی تمام زمینیں حسب سابق انہیں لوگوں کی ملکیت میں رہیں گی۔ جن کی ملکیت اور قبضہ میں جنگ سے پہلے رہی ہے تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج مقرر کیا جائیگا اور ان کی زمین ہمیشہ کے لئے خراجی ہو جائے گی۔ اس لئے کہ ان زمینوں کے مالک غیر مسلم ہیں۔

اسی طرح اگر کوئی ملک غلبہ سے فتح ہوا اور خلیفۂ وقت یا بادشاہ وقت نے وہاں کی زمین و جائداد کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے خصوصی اختیار کے ذریعہ وہاں کی زمینوں کو ان کے مالکان قدیم کی ملکیت میں باقی رکھا تو یہ تمام زمینیں بھی خراجی کہلائیں گی۔ جیسے عراق و شام و مصر کی فتح کے بعد حضرت عمر فاروق نے وہاں کی زمینوں کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا جیسا کہ بدائع الصنائع کی درج ذیل عبارت اس پر دال ہے۔

وجملة [illegible] عشرية وخراجية [illegible] العشرية [illegible]

أرض العرب [illegible] قال محمد [illegible] أرض العرب من [illegible]

[illegible] وهي أرض الحجاز وتهامة

والبصرة [illegible] والطائف [illegible] أرض عشر [illegible]

لأنه [illegible] صلى الله عليه وسلم والخلفاء [illegible] من أرض

العرب [illegible] لا تخلو عن [illegible] ولأن

الخراج [illegible] أرض العرب [illegible]

[illegible]

[illegible]

عشر و خراج کے مسائل کو سمجھنے کے لئے مناسب ہے کہ ہم اسلامی فتوحات کے ابتدائی دور کو سامنے رکھیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں پورے جزیرۃ العرب کی زمین کو عشری قرار دیا، جو خلفاء اربعہ اور بعد کے خلفاء و سلاطین کے دور میں بھی اسی طرح قائم رہا۔

حضرت عمرؓ کے دور خلافت میں جب عراق فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے صحابہ کے مشورہ سے تمام عراق کی زمینوں کو خراجی قرار دیا اور حضرت حذیفہؓ ابن الیمان اور عثمان ابن حنیف کے ذریعہ عراق کی تمام زمینوں کی پیمائش کرانے کے بعد اس پر خراج موظف مقرر کیا۔ جس کی تفصیل بدائع وشامی وغیرہ کتب فقہ میں بھی مذکور ہے ــــــــ اسی طرح مصر و شام کے فتح کے بعد وہاں کی زمینوں کو بھی ان کے سابق مالکوں کے قبضہ میں چھوڑ دیا اور ان پر خراج مقرر کر دیا۔ بدائع وشامی میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ سے ایک مخصوص قسم کا خراج لے کر صلح کر لیا۔ یعنی دو ہزار دو سو جوڑے کپڑے پر صلح کی گئی اور اس کی ادائیگی اس طرح طے کی گئی کہ نصف ماہ رجب میں ادا کریں گے اور نصف ماہ محرم میں۔ چنانچہ یہی سلسلہ خلفائے راشدینؓ کے دور میں بھی جاری رہا۔

قبیلہ بنی تغلب کے لوگ خراج دینے پر راضی نہ ہوئے مگر مسلمان جو عشر ادا کرتے تھے اس سے دوگنا ادا کرنے پر راضی ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے ان لوگوں سے اسی بات پر صلح کر لیا اور اس کو خراج قرار دیا۔ اور یہ کہا کہ تم خواہ کچھ بھی اس کا نام رکھو ہم تو اس کو خراج ہی سمجھیں گے۔ چنانچہ اس کو مصرف خراج ہی میں صرف کیا کرتے تھے۔ [1]

ان واقعات و مباحث سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اسلام کے اول فتوحات کے وقت جن زمینوں کو مسلمانوں کی ملکیت قرار دے دی گئی، اور پھر اس پر کبھی کفار کا مالکانہ غلبہ نہیں ہوا وہ زمین عشری کہلاتی ہے۔ اور اگر زمین کا مالک غیر مسلم ہے خواہ اول فتح کے وقت سے وہ زمین ان کی ملکیت میں رہی ہو یا بعد میں کسی مسلمان سے کسی جائز طریقے سے مثلاً خرید کر وہ مالک ہو گیا ہو تو وہ زمین خراجی کہلائے گی۔ اور اس پر خراج واجب ہوگا اگرچہ اس کافر کے قبضہ میں آنے سے پہلے اس زمین پر مسلمانوں سے عشر لیا جا رہا ہو۔

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۸۔

البتہ اگر کافر کی خراجی زمین کو کوئی مسلمان کسی جائز طریقہ مثلاً بیع و ہبہ کے ذریعہ سے حاصل کرے تو اس زمین پر خراج ہی واجب رہے گا، اور اس زمین کا وظیفہ تبدیل نہیں ہوگا۔

اگرچہ اصولی طور پر جب کسی زمین کا وظیفہ عشر یا خراج ایک مرتبہ مقرر ہو جائے تو اس میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے مگر کسی عارض کی وجہ سے تبدیلی ممکن ہے۔ جیسے مسلمان کی عشری زمین کو جب کافر خریدے تو چونکہ کافر عشر کا اہل نہیں ہے اس لئے کہ عشر عبادت ہے اور کافر عبادات کا اہل نہیں۔ اس لئے اس زمین کا وظیفہ عشر سے تبدیل ہو کر خراج ہو جائے گا۔ بخلاف خراجی زمین کے جس کو مسلمان خریدے تو مسلمان کو بھی حسب سابق اس زمین کا خراج ہی ادا کرنا ہوگا۔ جیسا کہ آثار سے ثابت ہے کہ بہت سے صحابہ کرام خراجی زمین کے مالک تھے اور خراج ادا کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ بدائع باب العشر میں مذکور ہے۔

لو اشترى مسلم من ذمي أرضا خراجية فعليه الخراج ولا تنقلب عشرية لأن الأصل أنه مؤنة الأرض ولا تتغير بتغير المالك إلا لضرورة وفي حق الذمي لو اشترى من مسلم أرض عشر ضرورة لأن الكافر ليس من أهل وجوب العشر وأما المسلم فمن أهل وجوب الخراج في الجملة فلا ضرورة إلى التغيير بتبدل المالك۔ [1]

عشری زمین میں عشر کی فرضیت پر قرآن و حدیث کے نصوص دال ہیں۔ چنانچہ قرآن میں ہے ...
وآتوا حقه يوم حصاده (سورۃ انعام) اور دوسری جگہ ہے "یا أیها الذین آمنوا أنفقوا من طیبات ما کسبتم ومما أخرجنا لکم من الأرض" (البقرہ)

اسی طرح بخاری شریف میں ابن عمرؓ کی مرفوعاً روایت ہے۔

"فيما سقت السماء وما سقي بعلا العشر وما سقي بالدوالي نصف العشر وروى مسلم عن جابر نحوه والنسائي عن معاذ بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى اليمن وأمرني أن آخذ مما سقت السماء وما سقي بعلا العشر وما سقي بالدوالي نصف العشر"

---

[1] بدائع الصنائع [illegible]

صاحب بدائع الصنائع رقمطراز ہیں:

فالدليل على فرضيته الكتاب والسنة والإجماع والمعقول. أما الكتاب فقوله تعالى: وآتوا حقه يوم حصاده. قال عامة أهل التأويل: إن الحق المذكور هو العشر أو نصف العشر۔

مگر اس آیت سے متعلق یہاں یہ اشکال کیا گیا ہے کہ یوم الحصاد کو حق کی ادائیگی کا یہاں حکم دیا گیا ہے اور یہ بات معلوم ہے کہ گیہوں چاول وغیرہ اناج کی ادائیگی یوم الحصاد میں نہیں ہو سکتی بلکہ کاٹنے اور جمع کرنے کے بعد جب صفائی وغیرہ ہو کر وزن کیا جائے گا تب عشر نکالا جائے گا۔ ورنہ یوم الحصاد میں عشر نکالنا دشوار ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں حق سے مراد عشر نہیں بلکہ کوئی اور چیز ہے۔

اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ: وآتوا حقه الذي وجب فيه يوم حصاده بعد التنقية فكان اليوم ظرفا للحق لا للإيتاء۔

صاحب بدائع آگے فرماتے ہیں:

على أن عند أبي حنيفة يجب العشر في الخضراوات وإنما يخرج الحق منها يوم الحصاد وهو القطع ولا ينتظر بها شيء آخر فثبت أن الآية في العشر إلا أن مقدار هذا الحق غير مبين في الآية فكانت الآية مجملة في حق مقدار ثم صارت مفسرة ببيان النبي صلى الله عليه وسلم بقوله ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب أو دالية ففيه نصف العشر۔

اس کے آگے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقوله تعالى: يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض. وفي الآية دلالة على أن للفقراء حقا في الخارج من الأرض حيث أضاف الخارج إلى الكل فدل على أن للفقراء في ذلك حقا كما للأغنياء فيدل على كون العشر حق الفقراء ثم عرف مقدار الحق بالسنة. أما السنة فهو قوله عليه السلام ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب

أو دالية ففيه نصف العشر، وأما الإجماع فإن الأمة أجمعت على فرضية العشر، وأما المعقول فعلى نحو ما ذكرنا في النوع الأول لأن إخراج العشر إلى الفقير من باب شكر النعمة وإقدار العاجز وتقويته على القيام بالفرائض۔ [١]

وجوب عشر کے لئے اسلام شرط ہے۔ صاحب بدائع شرائط وجوب عشر کے بیان میں لکھتے ہیں۔

أحدهما الإسلام وأنه شرط ابتداء وهذا الحق فلا يبتدأ بهذا الحق إلا على المسلم بلا خلاف لأن فيه معنى العبادة والكافر ليس وجوبها ابتداء أو بها عليه۔ [٢]

لیکن وجوب عشر کے لئے عقل و بلوغ وغیرہ کی کوئی شرط نہیں ہے۔ اسی وجہ سے عشر نابالغ کی زمین کی پیداوار میں بھی واجب ہے۔ اسی طرح مجنون کی عشری زمین سے بھی عشر لیا جاتا ہے۔ وجوب عشر کے لئے زمین کی ملکیت بھی شرط نہیں ہے بلکہ محض پیداوار کا مالک ہونا کافی ہے۔ اسی وجہ سے ارض موقوفہ میں بھی عشر واجب ہے۔ حتی کہ جو زمین عاریت یا اجارہ پر لے کر کاشت کی گئی ہو اس کے پیداوار میں بھی عشر واجب ہے۔ کیونکہ کاشت کار پیداوار کا مالک ہے۔ البتہ اجارہ کی بعض صورتوں میں مالک زمین پر بھی عشر واجب ہوجاتا ہے۔

وكذلك ملك الأرض ليس بشرط لوجوب العشر وإنما الشرط ملك الخارج فيجب في الأراضي التي لا مالك لها وهي الأراضي الموقوفة لعموم قوله تعالى يا أيها الذين آمنوا أنفقوا إلى آخره وقوله عز وجل وآتوا حقه يوم حصاده وعموم قول النبي صلى الله عليه وسلم ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب أو دالية ففيه نصف العشر ولأن العشر يجب في الخارج لا في الأرض فكان ملك الأرض وعدمه بمنزلة واحدة ويجب في أرض المأذون والمكاتب لما قلنا۔ [٣]

حنفیہ کے یہاں ایک ہی زمین میں عشر اور خراج دونوں کو بیک وقت جمع کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

٢ے بدائع الصنائع ۲؍۵۵۔

٣ے [illegible]

بخلاف امام شافعی علیہ الرحمۃ کے کہ ان کے نزدیک دونوں کو جمع کیا جا سکتا ہے۔ واضح رہے کہ

فالعشر مع الخراج لا يجتمعان في أرض واحدة عندنا وعند الشافعي يجتمعان[1]

وجوب عشر کے لئے امام ابو حنیفہ کے یہاں نہ کوئی نصاب شرط ہے نہ پیداوار کے لئے بقا کی
شرط ہے نہ حولان حول شرط ہے بخلاف صاحبین اور دیگر ائمہ کے کہ ان حضرات کے یہاں نصاب و بقا ضروری ہے۔
اب تک کی تفصیلات سے یہ بات واضح ہو چکی کہ اسلام میں مخصوص حالات و واقعات کے
لحاظ سے زمین کی دو ہی قسمیں ہیں، عشری اور خراجی۔ ان دونوں کے درمیان بنیادی اور واضح فرق یہ
ہے کہ مسلمانوں کی ملک زمین عشری کہلاتی ہے اور غیر مسلموں کی ملک زمین خراجی کہلاتی ہے۔
یہاں تک ان قواعد و ضوابط کا ذکر تھا جس سے کسی بھی ملک یا علاقے کی زمین کے بارے میں یہ فیصلہ
کیا جا سکتا ہے کہ وہ عشری ہیں یا خراجی۔ لیکن خاص ہندوستان کی زمین کا حکم کیا ہے؟ اب اس سوال پر
غور کرنا ہے۔

ہندوستان میں اس وقت مسلمانوں کے قبضہ میں جو زمین ہیں ان کو تین قسموں پر تقسیم کر سکتے ہیں:

۱۔ اول وہ زمینیں جس کے بارے میں یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ اس زمین پر فتوحات ہند کے وقت
سے لیکر آج تک مسلمانوں ہی کا قبضہ رہا ہے اور کبھی بھی اس پر کسی غیر مسلم کا مالکانہ قبضہ نہیں ہوا ہے۔ اور
فی الحال بھی مسلمانوں کے قبضہ اور ملکیت میں ہے۔ اس صورت میں بلا شبہ یہ زمین عشری کہلائے گی۔

۲۔ دوسری قسم کی وہ زمین ہے جو نسلاً بعد نسلٍ مسلمانوں کے قبضہ میں چلی آ رہی ہے اور کسی وقت اس
زمین پر کسی کافر کا مالکانہ قبضہ ہوا یا نہیں ہوا یہ معلوم نہ ہو سکے مخفی رہے تو استصحاب الحال اس قسم کی زمین
کو بھی عشری زمین کہا جائے گا۔

۳۔ تیسری قسم کی وہ زمین ہے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اس پر کسی وقت کافروں کا مالکانہ قبضہ ہو گیا تھا
اور پھر اس زمین کے مالک سے تھے بعد میں وہ زمین کسی جائز طریقہ سے مسلمانوں کے قبضہ و ملکیت میں آئی تو ظاہر ہے
ایسی تمام زمینوں کو خراجی زمین کہا جائے گا۔

یہاں ایک دو قسم کی زمین کا ذکر بھی ضروری ہے اور وہ زمینیں وہ ہیں جن کو مسلمانوں نے تقسیم ہند کے

۱؎ بدائع الصنائع ۲/۵۵۔

وقت یا اس کے بعد ہندوستان میں چھوڑ کر چلے گئے اور پاکستان ہجرت کر گئے اور ان کی زمین و جائداد پر حکومت نے قبضہ کر لیا اور بعد میں اس قسم کی اکثر زمینوں کو ہندو یا سکھ شرنارتھیوں کو دے دیا اور پھر ان لوگوں سے مسلمانوں نے خرید لی۔

یا اسی طرح بعض مرتبہ خود حکومت نے بھی اس طرح مہاجرین کی متروکہ زمین کو اپنے قبضہ میں لینے کے بعد بعض جگہ بعض مسلمانوں کو دے دیا یا اس قسم کی زمین کا کوئی بدل دیا یا حکومت کی جانب سے کسی مسلمان کو کوئی زمین کسی کارنامہ پر بطور انعام یا عطیہ اور بخشش کے طور پر دی گئی تو یہ تمام زمینیں بھی غیر اسلامی زمینیں کہلائیں گی اور اس پر خراج واجب ہوگا۔

ہندوستان کی زمینوں کے بارے میں حضرت تھانوی نے مختصر تعرف نے اسی طرح کا فیصلہ فرمایا ہے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس بارے میں جو سوالات کئے گئے تھے اور حضرت نے جو جوابات دیئے ہیں وہ بعینہٖ نقل کئے جاتے ہیں۔

سوال ۳۸ عشری زمین کے متعلق جو کچھ حضور کی تحقیق ہو مفصل تحریر فرمائی جائے!

جواب: حاصل مقام کا یہ ہے کہ جو زمین مسلمانوں کی ملک میں رہی اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی ہیں ابتداءً اور بقاءً و جزماً وہ زمینیں عشری ہیں اور جو درمیان میں کوئی کافر مالک ہوگا تھا وہ عشری نہ رہی اور جن کا کچھ حال معلوم نہیں اور اس وقت وہ مسلمانوں کے پاس ہے تو یہی کہا جائے گا کہ مسلمانوں ہی سے حاصل ہوئی ہے بدلیل استصحاب پس وہ بھی عشری ہوگی۔ تتمہ سفر معروف امداد الفتاویٰ تتمہ ثالثہ

سوال ۱۳۸: ہندوستان کی زمین بحالت موجودہ یعنی انگریزی حکومت میں خراجی ہے یا عشری جب گورنمنٹ برطانیہ نے غدر کے بعد سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی تھی تو اس وقت اعلان عام کیا تھا کہ تمام اراضی ضبط کر لی گئیں اور کسی کا حق نہیں ہے اگر صاحب اراضی دعویٰ کر کے ثبوت پیش کرے تو اس کو حسب تجویز حاکم دی جائے گی چنانچہ جن مالکان اراضی نے دعویٰ کر کے بینہ قائم کئے ان کو وہی اراضی یا بالعوض ان کے دیگر اراضی عطا ہوئی اور بعض کو کسی امر کے صلہ میں زمین عطا ہوئی اور مالگزاری سرکاری جو سالانہ زمین داروں سے بادشاہ وقت لیتا ہے مقرر کر دی اور بعض کو معاف کر دی۔

الجواب: ضبط کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک قبضہ مالکانہ اگر یہ ہوا ہے تو وہ اراضی عشری

نہیں رہیں۔ اور دوسرا قبضہ مالکانہ وحاکمانہ و مستقلانہ اور احقر کے نزدیک قرائن قویہ سے اسی کو ترجیح ہے تو اراضی عشریہ بحالہا عشری رہیں۔ البتہ اگر پہلے سے وہ ارض عشری نہ تھی یا سرکار نے کوئی دوسری زمین اس زمین کے عوض میں دے دی یا کسی صلہ میں اس کو کوئی زمین دی۔ سو چونکہ وہ دینے سے قبل استیلاء سے سرکار کی ملک ہو گئی تھی لہٰذا وہ عشری نہ رہی۔ (از تتمہ ثالثہ امداد الفتاویٰ ص۱ منقول از امداد الفتاویٰ ص۹۲ مطبوعہ تالیفات اولیاء دیوبند۔

اسی طرح فتاویٰ دار العلوم مبوب جلد سوم و چہارم مطبوعہ امدادیہ ص۳ پر اسی مسئلہ سے متعلق سوال و جواب اس طرح مذکور ہے:

سوال ۳۰۳: ہندوستان کی زمینوں میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: ـــــ ہندوستان میں جو اراضی مملوکہ مسلمین ہیں وہ عشری ہیں، کیونکہ اصل وظیفہ مسلمانوں کی زمین کا عشر ہے۔ پس بحالت اشتباہ احوط عشر نکالنا ہے۔

سوال ۵۹۵: ہندوستان کی زمین خراجی ہے یا عشری اور جو عشری ہے تو ان میں عشر واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: ـــــ ہندوستان کی تمام زمینوں کا حکم ایک نہیں ہے۔ البتہ جو زمین مملوکہ مسلمین ہے اس میں عشر واجب ہے مسلمانوں کو عشر نکالنا چاہیے۔

یہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند کے سابق مفتی مفتی عزیز الرحمٰن کے ہیں جن کا فتویٰ مستند ہے

خلاصہ یہ ہے کہ تقسیم ہند سے پہلے اراضی ہند کے جو احکام تھے تقسیم کے بعد بھی وہی احکام باقی ہیں۔ سوائے ان زمینوں کے جن کو مسلمان تقسیم ہند کے بعد پاکستان ہجرت کرتے وقت چھوڑ گئے اور اس پر حکومت "کسٹوڈین" نے قبضہ کر لیا اور پاکستان سے آنے والے ہندوؤں اور سکھوں یا مسلمانوں کو دے دیا یا اس قسم کی زمینوں کو بعد میں غیر مسلموں سے مسلمانوں نے خرید لیا، تو یہ سب زمینیں استیلاء کفار کی وجہ سے خراجی ہو گئیں عشری نہ رہیں۔

اسی طرح وہ ارض موات جس کو موجودہ حکومت نے قابل کاشت بنا کر مسلمانوں کو بقیمت یا بلاقیمت دیا۔ یا مسلمانوں نے حکومت کی اجازت سے خود ہی قابل کاشت بنا لیا تو وہ زمین بھی خراجی کہلائے گی۔ اور اس مسئلہ میں ہندوستان کے دار الحرب ہونے یا دار الحرب نہ ہونے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ اگرچہ شامی باب الرکاز کی بعض عبارات سے اور اسی طرح شرح سیر

کی بعض عبارت سے شبہ پیدا ہوتا ہے، مثلاً شامی کی یہ عبارت:

ویحتمل أن یکون احترازا عما وجد فی دار الحرب فإن أرضها لیست أرض خراج وخراج۔

یا شرح سیر کبیر کی یہ عبارت:

لأن العشر والخراج إنما یجب فی أرض المسلمین وهذه أرض أهل الحرب لیست بعشریة ولا خراجیة"

ان عبارات سے بعض علماء کو یہ اشتباہ ہوا ہے کہ چونکہ ہندوستان دارالحرب ہے اور دارالحرب کی زمین نہ عشری ہوتی ہے نہ خراجی، لہٰذا ہندوستان کی زمین کو بھی نہ عشری کہہ سکتے ہیں نہ خراجی، مگر اصل حقیقت یہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ عبارات بالا میں دارالحرب سے مراد وہ دارالحرب ہے جن پر کبھی مسلمانوں کا قبضہ و غلبہ ہوا ہی نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا ملک جہاں مسلمان کا غلبہ ہی نہیں ہوا اور مسلمان وہاں کبھی حاکمانہ اور غالبانہ حیثیت حاصل ہی نہ کر سکے ہوں تو وہاں کی زمین کو نہ عشری کہہ سکتے ہیں نہ خراجی۔ کیونکہ عشری اور خراجی وہاں کی زمین کہلاتی ہے جہاں مسلمانوں کا غلبہ ہو یا کبھی غلبہ رہا ہو جیسا کہ ہندوستان کہ یہاں مسلمانوں نے آٹھ سو سال شاندار طریقہ سے حکومت کیا ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کی بدعمالی کی وجہ سے اس وقت ہندوستان دارالاسلام نہیں ہے مگر یہ اصل دارالحرب بھی نہیں ہے کہ جن کی زمین کو لا عشری ولا خراجی کہا جائے، لہٰذا موجودہ بھارت کی بعض زمین عشری ہیں اور بعض خراجی، جس کی تفصیل اور بنیاد ذکر کی جا چکی ہیں۔

محور چہارم

اس محور کا تیسرا سوال یہ ہے کہ کیا سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل ہے؟

اس کا جواب مختصرا یہ ہے کہ ہندوستان میں سرکار کو دی جانے والی زمین کی مالگذاری نہ عشر کے قائم مقام ہے نہ خراج کے۔ لہٰذا مالگذاری ادا کرنے کے باوجود عشری زمین پر عشر واجب ہوگا اور خراجی زمین پر خراج، اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اموال تجارت میں انکم ٹیکس ادا کرنے کے باوجود زکوۃ کی ادائیگی لازم سمجھی جاتی ہے۔ اور انکم ٹیکس خود اس کی شرح فی صد تو بھی جو زکوۃ کے قائم مقام قرار نہیں دیا جاتا ہے۔ بلکہ انکم ٹیکس

کی ادائیگی کے بعد بھی زکوٰۃ اس کا واجب قرار دیا جاتا ہے۔

اور اس کی وجہ یہ ہے کہ غیر مسلم جمہوری حکومت کو نہ تو زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہے نہ عشر اور نہ خراج لینے کا کوئی حق ہے اور نہ یہ حکومت اس کی اہمیت رکھتی ہے۔ اور نہ ہی یہ حکومت وصول کردہ اموال کو مصارف زکوٰۃ وخراج میں خرچ کرنے کی پابند ہے۔ اور نہ ہی اس کو اس کا دعویٰ ہے۔ اس لئے حکومت کا ٹیکس ادا کرنے سے یا زمین کی مالگذاری دینے سے نہ زکوٰۃ ادا ہوگی نہ عشر اور نہ خراج ——— ہاں اگر اسلامی حکومت ہو تو اس کے احکام جدا ہوں گے مگر اس وقت یہاں اس سے بحث نہیں ہے۔

حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

سوال (۲۰۰۱) زمین عشری کی مالگذاری سرکاری ادا کرنے سے جیسے کہ جناب مولوی قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتی اور حضرت مولانا شیخ محمد صاحب تھانویؒ کی تحقیق تھی کہ عشر ادا ہو جاتا ہے یا نہ، معاملہ [illegible] تو ظاہر ہے کہ مستحقین کو عائد ہوتا ہے مگر قول معتبر آپ کے نزدیک کون سا ہے؟

الجواب:— ہم کو تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ادا نہیں ہوتا ہے جیسے انکم ٹیکس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی باقی ان حضرات کے ارشاد کا مبنیٰ معلوم نہیں۔

حوادث الفتاویٰ ص۱۹ جلد ۱ و ۲، امداد الفتاویٰ جلد دوم ص۶۲ اور امداد الفتاویٰ کے ص[illegible] پر ارشاد فرماتے ہیں:— کہ عشر اور خراج شرعی حقوق ہیں، پس جس طرح انکم ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی، اسی طرح سرکاری محصول سے یہ حقوق بھی ساقط نہیں ہوتے۔[1]

اب رہا یہ سوال کہ ہندوستان میں خراجی زمین کا خراج کس شرح سے نکالا جائے گا، تو اس سوال کو حل کرنے کے لئے ہندوستان کی پرانی تاریخ پر نظر ڈالنا ہوگا۔ چنانچہ ہندوستان کا وہ علاقہ جو سندھ کے نام سے مشہور ہے اور جو محمد بن قاسم کے دور میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا تو اس کے بارے میں تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ محمد بن قاسم نے اپنے مفتوحہ علاقے پر خراج موظف کے بجائے خراج مقاسمہ یعنی پیداوار کا ایک مخصوص مقدار یعنی پانچواں حصہ مقرر کیا تھا جو اس زمانہ میں قدیم زمانہ سے ہندو راجاؤں کے زمانہ سے کاشتکاروں سے وصول کیا جاتا تھا۔ محمد بن قاسم نے بھی اس کو برقرار رکھا ——— اور یہاں پیداوار کا نصف

---

[1] امداد الفتاویٰ جلد ۲ مطبوعہ ادارہ تالیفات اولیاء دیوبند۔

چاہیے کہ اس وقت سندھ کا علاقہ بہت وسیع تھا چنانچہ اس میں پورا غیر منقسم پنجاب تو داخل تھا ہی اور موجودہ سندھ کے علاوہ راجستھان اور گجرات کا بڑا علاقہ بھی اس میں شامل تھا تو سندھ کا یعنی محمد بن قاسم کے مفتوحہ علاقہ کا عمومی حال تھا. باقی بعض علاقے ایسے بھی تھے جہاں کے لوگ برضا ورغبت مسلمان ہو گئے تھے تو ان کی زمینیں عشری تھیں اور محمد بن قاسم کے فتوحات کے بعد ہندوستان کے دیگر علاقوں کے فتوحات کا سلسلہ اولاً غزنوی دور حکومت میں اور پھر ثانیاً غوری دور حکومت میں جاری رہا. یہاں تک کہ فتوحات کا یہ سلسلہ علاء الدین خلجی کے دور میں مکمل ہوا اور فتوحات کے اس طویل دور میں تحقیقات سے اتنی بات تو یقیناً ثابت ہوتی ہے کہ جن علاقوں پر اس دور میں مسلمانوں کا قبضہ ہوا وہاں کی زمینیں ہندو باشندوں کے ملک وقبضہ ہی میں عموماً رہنے دی گئیں لیکن یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ ان زمینوں پر خراج کیا مقرر کیا گیا. آیا ان زمینوں پر خراج مقاسمہ عائد کیا گیا یا خراج موظف یعنی نقد وغیرہ ——— البتہ بعض کتابوں سے مثلاً نزہۃ الخواطر وغیرہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علاء الدین خلجی نے اپنے دور حکومت میں اصلاحات کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا. اور ان اصلاحات میں یہ بھی مذکور ہے کہ انھوں نے مالکان اراضی پر جو پہلے سے نقد خراج مقرر تھا اس کو بدل کر بٹائی کا قاعدہ جاری کر دیا تھا جس کو خلجی کے بعد محمد تغلق نے بھی قائم رکھا. اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علاء الدین سے قبل ہندوستان کے تمام علاقوں کی اراضی پر غزنوی اور غوری فتوحات کے دور میں خراج موظف یعنی نقد خراج کا سلسلہ جاری تھا جس کو علاء الدین خلجی نے تبدیل کر دیا. حالانکہ شرعاً ان کو اس کا کوئی حق نہیں تھا کیونکہ اول فتح کے وقت جو خراج زمین پر مقرر ہو جائے اس میں بعد میں تبدیلی جائز نہیں ہے کما قال فی رد المحتار وفی الکافی،

لا یجوز للامام أن یحول الخراج الموظف إلی خراج المقاسمۃ أقول کذا الشرنبلالیۃ[1]

اب اسی بنیاد پر آج بھی یہ کہنا صحیح اور مناسب ہوگا کہ ہندوستان کے اکثر اراضی زمینوں پر خراج موظف کا حکم نافذ ہوگا. اور خراج موظف کی تفصیل یہ ہے کہ قابل کاشت زمین پر جس میں پانی پہنچتا ہو فی جریب ایک درہم اور ایک صاع گیہوں یا جو واجب ہوگا اور سبزی ترکاری پیدا کرنے والی زمین میں فی جریب پانچ درہم اور باغات جو انگور یا کھجور وغیرہ کا ہو اور متصل ہو تو فی جریب دس درہم واجب ہوگا اور باقی چیزوں کا خراج اس انداز سے

---

[1] شامی ۔ ۴/۱۸۵

مقرر کیا جائے گا کہ پیداوار کے خمس سے کم نہ ہو اور نصف سے زیادہ نہ ہو۔

ایک جریب تقریباً ایک بیگھے کے ہوتا ہے۔ یعنی ایک جریب ساٹھ مربع گز کا ہوتا ہے۔

وفي البدائع: والجريب أرض طولها ستون ذراعا وعرضها ستون ذراعا بذراع كسرى يزيد على ذراع العامة بقبضة [1]

خراج موظف کی جو مقدار ابھی اوپر ذکر کیا گیا وہ وہی مقدار ہے جو حضرت عمرؓ نے عراق فتح ہو چکنے کے بعد وہاں کی زمینوں پر پیمائش کے بعد مقرر کیا تھا اور جو صحابہ کے مشورہ سے طے ہوا تھا، چنانچہ ہدایہ باب الخراج والعشر میں ہے: قال: والخراج الذي وضعه عمر على أهل السواد من كل جريب يبلغه الماء قفيز هاشمي وهو الصاع ودرهم، ومن جريب الرطبة خمسة دراهم، ومن جريب الكرم المتصل والنخيل المتصل عشرة دراهم، وهو المنقول عن عمر. وقال: وما سوى ذلك من الأصناف كالزعفران والبستان وغيره يوضع عليها بحسب الطاقة لأنه ليس فيه توظيف عمر وقد اعتبر الطاقة في ذلك فنعتبرها فيما لا توظيف فيه، وقالوا: ونهاية الطاقة أن يبلغ الواجب نصف الخارج لا يزاد عليه۔ [2]

حضرت تھانوی علیہ الرحمۃ نے بھی اس مسئلہ کے بارے میں اپنی تحقیق اپنے فتاویٰ میں اس طرح ذکر فرمایا ہے جس کو یہاں امداد الفتاویٰ سے نقل کیا جا رہا ہے:

سوال (۸۰۰) آج کل خراج کا ادا کرنا واجب ہے یا نہیں، اگر ادا کیا جائے تو اس کا مصرف اور مقدار کیا ہے؟

الجواب: في الدر المختار: ويجوز ترك الخراج للمالك لا العشر، وفي رد المحتار: ترك السلطان أو نائبه الخراج لرب الأرض أو وهبه ولم يشتغل به جاز عند أبي يوسف، وحل له لو كان مصرفا وإلا تصدق به، به يفتى، وما في الحاوي من ترجيح حله لغير المصرف خلاف المشهور۔ [3]

---

[1] البدائع ۲/۶۲۔ [2] هداية ۲/۵۹۱، ۵۹۲

[3] رد المحتار ۲/۹۱۔

وفي الدر المختار وثالثها الخراج إلى قوله ثالثها حواء ۔ وفي رد المحتار الذي في الهداية وعامة الكتب المعتبرة أنه يصرف في مصالحنا كسد الثغور وبناء القناطر والجسور وكفاية العلماء والقضاة والعمال ورزق المقاتلة وذراريهم۔ [1]

اس عبارت کے بعد حضرت فرماتے ہیں کہ اس عبارت سے یہ امور مستفاد ہوئے:

۱۔ اگر یہ شخص خراج کا مصرف ہے تو وہ اپنے مصرف میں لا سکتا ہے۔

۲۔ اگر یہ مصرف نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے۔

۳۔ مصارف خراج میں علماء بھی ہیں۔ [2]

اور وسٹ پر لکھتے ہیں کہ اگر خراجی زمین کا محصول بادشاہ وقت کی طرف سے معاف ہو تب اگر وہ خراج موظف ہے تو مالک زمین کے ذمہ رہے گا ۔۔۔ آگے اس میں یہ تفصیل ہے کہ:

کہ اگر یہ شخص خراج کا مصرف ہے مثلاً مفتی ہے، مدرس ہے، واعظ ہے تو اس کو اپنے صرف میں لانا جائز ہے اور اگر مصرف نہیں ہے تو اس پر واجب ہے کہ مصرف میں پہونچائے۔ مدارس اسلامیہ کا مدچندہ اس کے لئے بہت مناسب ہے۔ البتہ اگر انقطاع یا ارض پر قدرت نہ ہو تو خراج ساقط ہے۔

اب ان تفصیلات کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ہندوستان میں خراجی زمینوں کے اندر خراج موظف واجب ہے اور اگرچہ خراج کی ادائیگی عشر کی طرح عبادت تو نہیں ہے مگر ایک شرعی حق ضرور ہے۔ لہذا اس کی ادائیگی میں غفلت جائز نہیں ہے۔ حضرت تھانوی رح کے بیان سے معلوم ہوا کہ اس وقت خراج کا مصرف دینی مدارس اور اس کے طلبہ و اساتذہ اور واعظین و مبلغین ہیں۔

محور چہارم کا پانچواں سوال یہ ہے کہ: احکام عشر میں آبپاشی کی وجہ سے عشر، نصف عشر ہو جاتا ہے تو کیا جدید طریق زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات کی وجہ سے عشر کی مقدار میں کمی کی جا سکتی ہے۔ یا

---

[1] رد المحتار ۳/۹۲ و ۹۳۔

[2] امداد الفتاویٰ ۲/۶۶

اصل پیداوار میں سے ان اخراجات کو منہا کرنے کے بعد عشر عائد کیا جاسکتا ہے؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ شریعت میں اخراجات کی رعایت ہی کی بنا پر عشر، نصف عشر ہوجاتا ہے۔ لہٰذا اب اس میں مزید رعایت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اب عشر یا بعض صورتوں میں نصف عشر کل پیداوار پر واجب ہوگا۔ بونے، کاٹنے، حفاظت کرنے اور بیلوں، مزدوروں وغیرہ پر جو بھی اخراجات ہوں گے وہ محسوب نہیں ہوں گے۔ بلکہ کل پیداوار پر فریضہ عائد ہوگا۔

كما في البدائع ولا يحتسب لصاحب الأرض ما انفق على الغلة من سقي او عمارة او اجر الحافظ او اجر العمال أو نفقة البقر لقوله عليه السلام ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب أو دالية أو سانية ففيه نصف العشر[1]

محور چہارم کے سوال ۴ کا جواب یہ ہے کہ اگر زمین والے نے زمین دوسرے کو بٹائی پر دیا ہے یعنی مثلاً نصفا نصف یا اثلاثاً پر معاملہ طے ہوا ہے تو اس صورت میں عشر دونوں پر اپنے اپنے حصہ پیداوار کے مطابق واجب ہوگا۔ اگر ان میں ایک کافر ہے تو اس پر عشر واجب نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اس کا اہل نہیں ہے البتہ مسلمان پر عشر واجب ہوگا۔ کذا فی البدائع:

ولو دفعها مزارعة فاما على مذهبنا فالمزارعة جائزة والعشر يجب في الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما.[2]

محور پنجم کے پانچویں سوال میں کہا گیا ہے کہ کیا عشر کا وجوب پیداوار کی ہر مقدار پر ہے؟

تو جواب یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے۔ خواہ وہ مقدار قلیل ہو یا کثیر، اسی طرح پیداوار میں سے ہر اس چیز پر عشر واجب ہے جس کو زمین میں بویا جاتا ہو، اس کی حفاظت کی جاتی ہو اور اس سے مالک ارض کو آمدنی مقصود ہو۔ عشر کے وجوب کے لئے امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک نہ کوئی نصاب شرط ہے نہ بقا نہ حولان حول۔ البتہ صاحبین اور دیگر ائمہ کرام کے نزدیک پیداوار میں نصاب کا ہونا شرط ہے اور وہ پانچ وسق کی مقدار ہے۔ اسی طرح بعض ائمہ خضراوات میں عشر کے قائل نہیں ہیں۔

---

(۱) بدائع ۲/۶۲ (۲) بدائع ۲/۵۷۔

زمین سے پیدا ہونے والی بعض چیزیں ایسی بھی ہیں کہ جس میں بالاتفاق عشر واجب نہیں ہے۔ جیسے خودرو گھاس، نرکل، جھڑبیری، جنگلی درخت جو سوختہ کے کام میں آتے ہوں اور اسی طرح اشنان اور بعض ادویہ جو پانی میں پیدا ہونے والی چیزیں جیسے سنگھاڑا وغیرہ، چونکہ زمین کی پیداوار کے قبیل سے نہیں ہے، لہٰذا اس میں عشر واجب نہیں ہوگا۔ البتہ اگر کسی جگہ باقاعدہ اس کی کاشت ہوتی ہو اور قصداً اس کو لگایا جائے اور پیداوار کی طرح آمدنی مقصود ہو تو عشر واجب ہونا چاہئے۔ میری رائے تو یہی ہے۔ والعلم عند اللہ۔

اگر زمین عشری ہے یا زمین کی سینچائی عشری پانی سے ہوتی ہو تو عشر واجب ہوگا، لیکن اگر روپیہ پیسہ خرچ کرکے پانی حاصل کیا گیا ہو اور اس سے زمین کی سیرابی ہوتی ہو یا ایسے نہروں سے اس کی سیرابی ہوتی ہو۔ جو مملوک ہو تو پھر اس میں نصف عشر واجب ہوگا، جیسا کہ درمختار میں اس کی یہی تفصیل موجود ہے،

"وهكذا يجب العشر في ثمرة جبل أو مفازة إن حماه الإمام لأنه مال مقصود لا إن لم يحمه لأنه كالصيد ويجب في مسقي سماء أي مطر وسيح كنهر بلا شرط نصاب راجع للكل وبلا شرط بقاء وحولان حول إلا فيما لا يقصد به استغلال الأرض نحو حطب وقصب فارسي وحشيش وتبن وسعف وصمغ وقطران وخطمي وأشنان وشجر قطن وباذنجان وبزر بطيخ وقثاء وأدوية الحلبة وشونيز حتى لو اشتغل أرضه بها يجب العشر ويجب نصفه في مسقي غرب أي دلو كبير ودالية أي دولاب لكثرة المؤنة إلى قوله بلا دفع مؤن أي كلف الزرع وبلا إخراج البذر لتصريحهم بالعشر في كل الخارج." [۱]

وفي الهداية: قال أبو حنيفة في قليل ما أخرجته الأرض وكثيره العشر سواء سقي سيحا أو سقته السماء إلا القصب والحطب والحشيش وقالا لا يجب العشر إلا فيما له ثمرة باقية إذا بلغ خمسة أوسق. والوسق ستون صاعا بصاع النبي صلى الله عليه وسلم وليس في الخضراوات عندهما عشر. [۲]

---

(۱) درمختار باب العشر ۱/۱۳۹

(۲) ھدایہ ۱/۲۰۱۔

محترم جسم کے سوال ۳ اور ۳ کا جواب یہ ہے کہ:

مچھلی چونکہ زمین کی پیداوار میں سے نہیں ہے اور عشر کا وجوب "مما اخرجنا لکم من الارض" سے ہے، اس لئے اس کو زراعت قرار دینے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں ہے لہٰذا اس میں عشر واجب نہیں ہوگا بلکہ مچھلی کی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ اس کی قیمت نصاب کی مقدار کو پہونچ جائیں اور اس پر سال گذر جائے۔

۴ــــ ریشم بظاہر تو کیڑے سے حاصل شدہ ایک چیز ہے مگر در اصل اس کا تعلق زمین کی ہی پیداوار سے ہے، کیونکہ کیڑے درخت کے پتوں سے پلتے ہیں اور ان درختوں کو باقاعدہ زمین میں لگایا جاتا ہے۔ اس کی دیکھ بھال کی جاتی ہے اور اس سے ریشم حاصل کرنا ہی مقصود ہوتا ہے جیسے شہد کی مکھیوں کو پالا جاتا ہے اور شہد کی مکھیاں پھولوں اور پھلوں سے رس چوس کر شہد کی تیاری کرتی ہیں اور اسی وجہ سے شہد میں حنفیہ کے نزدیک عشر واجب ہے۔ تو اسی طرح ریشم کا بھی حال ہے۔ لہٰذا اس میں عشر واجب ہوگا۔ کم از کم میری تو یہی رائے ہے۔

سوال ۵ کا جواب:

زمین میں خواہ پھلدار درخت لگائے جائیں یا غیر پھلدار ایسے درخت لگائے جائیں جس سے وہ لکڑی حاصل کرنا مقصود ہو جس سے گھروں میں استعمال ہونے والے فرنیچر یا دروازے کھڑکیاں وغیرہ تیار کی جائیں دونوں ہی مقصود ہیں اور اس کی نگرانی اور حفاظت بھی کی جاتی ہے۔ لہٰذا دونوں صورتوں میں عشر واجب ہوگے

فإن الأرض يشتغل بها فيما يغرس لغلة

محترم کا سوال ۶

خضراوات ایسی سبزیاں جو زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتی ہیں اور بار بار وقفہ وقفہ سے نکلتی اور ٹوٹتی رہتی ہیں اور اس سے تجارت و نفع حاصل کرنا ہی مقصود ہوتا ہے تو اس کا حکم یہ ہے کہ جتنی مرتبہ بھی پھل حاصل ہوں گے یعنی درخت سے پھل توڑے جائیں گے اس کا دسواں حصہ فقراء اور مساکین پر تقسیم کرنا واجب ہوگا یعنی عشر نکالنا ہوگا۔ کذا فی البدائع:

لو أخرجت الأرض في السنة مرارا يجب العشر في كل مرة لأن نصوص العشر مطلقة عن شرط الحول ولأن العشر في الخارج حقيقة فيتكرر الوجوب بتكرر الخارج۔ (۱)

---

(۱) بدائع ۲/۶۲۔

اور گھر کی چھتوں پر یا گھر کے آنگن یا صحن و رہائشی زمین میں جو سبزیاں وغیرہ لگائے جاتے ہیں اس پر
عشر وغیرہ کچھ واجب نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مکان کے ساتھ جو ملحق صحن وغیرہ یا باغ ہوا کرتا ہے وہ نہ
عشری زمین ہے نہ خراجی، بلکہ وہ رہائشی مکان کے تابع ہے۔ البتہ اگر مکان کے اطراف میں مزروعہ زمین ہے
اور عشری ہے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔ اور اگر خراجی زمین ہے تو اس میں خراج واجب ہوگا۔

محور تجسم کا ساتواں سوال ——— اور اس کا جواب۔

سوال۔ —— اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہے یا نہیں، خصوصاً وقف علی الاولاد کی اراضی میں؟

جواب۔ —— اوقاف کی زمینوں میں بھی عشر واجب ہے خواہ وہ وقف علی الاولاد ہو یا وقف علی غیر الاولاد۔ چنانچہ
بدائع میں ہے

ولهذا ملك الأرض ليس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج
فيجب في الأراضي التي لا مالك لها وهي الأراضي الموقوفة لعموم قوله تعالى
يا أيها الذين آمنوا أنفقوا من طيبات ما كسبتم ومما أخرجنا لكم من الأرض.

اسلام کا نظام عشر وخراج

از:۔۔۔ مولانا ابو سفیان مفتاحی، جامعہ عربیہ مفتاح العلوم مئوناتھ بھنجن یوپی

جواب محور اول

عشر وخراج شریعت اسلامی کے دو اصطلاحی لفظ ہیں۔ ان دونوں میں ایک بات مشترک ہے کہ اسلامی حکومت کی طرف سے زمینوں پر عائد کردہ ٹیکس کی ایک حیثیت دونوں میں ہے۔ فرق یہ ہے کہ عشر فقط ٹیکس نہیں بلکہ اس میں ٹیکس سے زیادہ اصلی حیثیت عبادت مالی کی ہے۔ مثل زکوٰۃ کے اس لئے اس کو زکوٰۃ الارض بھی کہا جاتا ہے۔

اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت کی کوئی حیثیت نہیں، مسلمان چونکہ عبادت کے اہل اور پابند ہیں ان سے زمین کی پیداوار کا جو حصہ لیا جاتا ہے اس کو عشر کہتے ہیں۔ اور غیر مسلم چونکہ عبادت کے اہل نہیں، ان کی زمینوں پر جو کچھ عائد کیا جاتا ہے اس کا نام خراج ہے۔

عملی طور پر عشر وخراج میں یہ بھی فرق ہے کہ سونا، چاندی اور مال تجارت کی زکوٰۃ سال گزرنے کے بعد عائد ہوتی ہے اور عشر زمین سے پیداوار کے حاصل ہوتے ہی واجب ہو جاتا ہے۔ دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ اگر زمین سے کوئی پیداوار نہ ہو تو عشر ساقط ہو جاتا ہے۔ لیکن اموال تجارت سونے اور چاندی پر اگر کوئی نفع نہ ہو تب بھی سال پورا ہونے پر ان پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ لے

لے ۔ عمدۃ القاری ۱/۳۰۸

اراضی خراج وعشر

اراضی خراجی

اگر کوئی ملک وحکومت صلح کے ساتھ فتح ہوئی تو اس کی زمینوں کے سارے معاملات ان صلح کے شرطوں کے مطابق ہوں گے جن پر صلح کا معاہدہ ہوا ہے۔ اگر صلح نامہ میں یہ شرط طے کر وہاں کے باشندے اپنے مذہب غیر اسلام پر رہیں گے اور زمینیں حسب دستور انھیں لوگوں کی ملک رہیں گی جن کی ملک میں ابتک تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا جائے گا اور یہ اراضی ہمیشہ کے لئے خراجی ہو جائیں گی کیونکہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں اور ان کی زمینوں کے لئے خراج کا حکم متعین ہے۔

اسی طرح اگر کوئی ملک وحکومت جنگ کے ذریعہ فتح ہوئی مگر فتح کے بعد امام المسلمین نے اس کی زمینوں کو مجاھدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے سابق مالکوں کی ملکیت حسب دستور قائم رکھی تو یہ زمینیں بھی سب خراجی زمین قرار پائیں گی جیسے شام وعراق اور مصر کی زمینوں کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضؓ نے یہی معاملہ فرمایا۔ بجز خاص حصوں کے جو مسلمانوں کو دیے گئے یا بیت المال میں رکھے گئے۔

اراضی عشری

اور اگر کوئی ملک وحکومت صلح کے ساتھ بایں طور فتح ہوئی کہ وہاں کے باشندے بھی مسلمان ہوگئے تو اس صورت میں ان کی زمینیں بدستور انھیں کی ملک رہیں گی اور ان پر عشر کا ادا کرنا واجب ہوگا اور یہ زمینیں عشری قرار پائیں گی جیسے مدینہ منورہ کی زمین کہ یہاں کے باشندوں نے مسلمان ہوکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں تشریف لانے کی دعوت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت قبول فرمائی۔ بنابریں مدینہ منورہ کی عشری قرار دی گئیں۔

یا کوئی ملک وحکومت جنگ کے ذریعہ فتح ہوئی اور امام المسلمین نے اس کی زمینیں مال غنیمت کے قاعدہ واصل سے چار حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم کردیئے۔ اور پانچواں حصہ کو بیت المال میں داخل کردیا۔ اس صورت میں تقسیم کے بعد جو زمینیں مجاھدین کی ملکیت میں آئیں گی وہ سب عشری قرار پائیں گی۔ جیسے خیبر کی زمین کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین کے درمیان تقسیم کیا اور ان پر عشر ادا کرنا لازم کیا گیا

اور ایسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے وقت کسی کی ملک میں تھیں نہ قابل زراعت۔ بعد میں ان کو اسلامی امیر کی اجازت سے قابل زراعت بنایا گیا۔ یا آبادی میں کوئی مکان تھا اس کو باغ یا قابل کاشت زمین بنا لیا گیا تو اگر ایسا کرنے والے غیر مسلمین ہیں تو ان کی یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔

اور اگر مسلمانوں نے ان کو قابل زراعت بنایا ہے تو اس صورت میں ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا دارومدار امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قرب وجوار کی زمینوں پر ہوگا۔ اگر وہ عشری ہیں تو اس کو بھی عشری قرار دیا جائے گا۔ اور اگر قرب وجوار کی زمینیں خراجی ہیں تو اس کو بھی خراجی سمجھا جائے گا۔ اور اگر قرب وجوار میں دونوں طرح کی زمینیں ہوں تو یہ نئی آباد شدہ زمینیں عشری ہوں گی۔

اور امام محمدؒ کے نزدیک ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا دارومدار اس پانی پر ہوگا جس پانی سے ان زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہے اور سینچا جاتا ہے۔ اگر وہ پانی عشری ہے تو زمینیں بھی عشری قرار پائیں گی۔ اور اگر وہ پانی خراجی ہے تو وہ زمینیں بھی خراجی قرار پائیں گی۔

علامہ شامیؒ نے امام ابو یوسفؒ کے قول "کہ ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا دارومدار قرب وجوار کی زمینوں پر ہوگا" کو قابل اعتماد قرار دیا ہے۔[1]

خراجی یا عشری پانی کی تفصیل

خراجی یا عشری پانی

بارش کا پانی اور کنوؤں اور قدرتی چشموں کا پانی۔ اسی طرح بڑے دریا اور ندیاں جو قدرتی طور سے جاری ہیں، نہ ان کے جاری کرنے میں کسی کے عمل کو دخل ہے اور نہ وہ عادۃً کسی کی ملکیت میں ہوتے ہیں جیسے عراق میں دجلہ و فرات اور مصر میں نیل اور خراسان میں سیحون اور جیحون اور ہندوستان میں گنگا، جمنا اور پنجاب کے بڑے دریا یہ سب عشری پانی ہیں۔

اور وہ نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنی محنت و خرچ کے ذریعہ نکالی ہیں اور وہ عادۃً نکالنے والوں کی ملک ہوتی ہیں جیسے ان دریاؤں سے نکلنے والی نہریں، نہر گنگ، جمنا وغیرہ۔ چونکہ اسلامی فتح سے پہلے

---

[1] شامی ۳/۳۵۱۔

غیر مسلموں کی ملک تھی۔ اس لئے ان کا پانی خراجی پانی ہے۔[1]

زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا اصل ضابطہ وقاعدہ مذکورہ بالا ہی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا تعامل اسی پر شاہد ہے۔

کچھ استثنائی صورتیں

البتہ بعض مواقع میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل یا صحابہ کرام کے اجماع کی بنیاد پر اس ضابطے سے کسی قدر مختلف استثنائی صورتیں بھی پیش آئی ہیں۔ ان کا ہمیشہ اسی طرح قائم رکھنا لازم ہے۔ مثلاً مکہ مکرمہ بزور فتح ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ سابق مالکان کو ان پر برقرار رکھا۔ مذکورہ ضابطہ کا تقاضا یہ تھا کہ مکہ مکرمہ کی زمینوں پر خراج عائد ہوتا اور وہ ہمیشہ کے لئے خراجی قرار پاتیں۔ لیکن ملک العلماء امام کاسانی اور صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اس معاملہ میں قیاس کا مسئلہ چھوڑ دیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احترام حرم کی وجہ سے اس کی زمینوں پر خراج عائد نہیں فرمایا۔ اس لئے مکہ مکرمہ کی زمینیں عشری ہیں۔

اسی طرح شہر بصرہ جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بسایا گیا۔ پہلے یہ افتادہ زمین تھی مسلمانوں نے اس کو آباد کیا۔ قابل زراعت بنایا۔ مگر اس کا محل وقوع عراق کی خراجی زمینوں کے متصل ہے۔ اس لئے امام ابو یوسف کے قول پر ضابطہ مذکورہ کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی زمینیں بھی خراجی قرار دی جائیں۔ مگر باجماع صحابہ کرام اس کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا۔ اس لئے یہ ہمیشہ کے لئے عشری ہیں۔[2]

زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے میں عہد رسالت وخلفاء راشدین کے کچھ فیصلے

پورے جزیرۃ العرب کی زمینوں کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عشری قرار دیا ہے اور خلفاء راشدین اور بعد کے ملوک اسلام نے اسی طرح جاری رکھا۔

علامہ شامی نے ذکر کیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں پانچ خطے شامل ہیں۔ تہامہ۔ نجد۔ حجاز۔ عروض۔ یمن۔

---

[1] شامی ۳ / ۲۵۸۔ جواہر الفقہ ۲ / ۲۵۰۔ المغنی لابن قدامہ ۲ / ۲۹۰

[2] شامی ۳ / ۲۵۳ — ۲۵۴۔

حجاز کی جنوب جانب کا نام تہامہ ہے اور حجاز و عراق کے درمیانی حصے کا نام نجد ہے۔ اور حجاز وہ پہاڑی سلسلہ ہے جو یمن سے شروع ہو کر حدود شام تک پہونچا ہے۔ اسی میں مدینہ منورہ اور شام کا ساحل عمان شامل ہے اور عروض یمامہ سے بحرین تک ہے۔ یمن میں عمان بھی داخل ہے۔ [۱]

اسی طرح عراق عرب کی کل زمینیں خراجی ہیں حضرت فاروق اعظمؓ نے جب اس ملک کو فتح کیا تو تمام صحابہ کرام کے سامنے اس کی زمینوں پر خراج کا حکم جاری فرمایا۔ عراق عرب کی حدود طولاً عذیب علاوہ کوفہ سے عقبۂ حلوان قریب بغداد تک۔ اور عرضاً علث شرقی دجلہ سے ساحل عبادان تک ہے۔ [۲]

سرزمین عرب کے عشری ہونیکی وجہ

کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے سرزمین عرب سے خراج وصول نہیں کیا اور اس لئے کہ خراج بمنزلۂ فئی ہے۔ لہٰذا سرزمین عرب میں خراج ثابت نہ ہوگا جس طرح کے ان کی ذاتوں میں خراج ثابت نہیں۔

سرزمین عرب پر خراج نہ لگانے کی وجہ

اور سرزمین عرب پر خراج نہ لگانا اس لئے ہے کہ خراج نافذ کرنے کی شرط یہ ہے کہ وہاں کے باشندوں کو کفر پر باقی رکھا جائے جیسا کہ سواد عراق میں ہے۔ اور مشرکین عرب سے صرف اسلام اور جہاد قبول ہوگا۔ اور مسلمان سے خراج وصول نہیں ہوتا۔ بنا بریں جزیرۃ العرب کا پورا خطہ عشری ہی ہوگا۔ [۳]

اراضی شام ومصر

اور اراضی شام و مصر میں جن پر مالکان سابق کو بدستور قائم رکھا گیا، ان پر خراج عائد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ بنی نجران سے ایک خاص طرح کے خراج پر صلح فرمائی، وہ یہ کہ دو ہزار جوڑے کپڑے کے سالانہ ادا کیا کریں، نصف ماہ رجب میں اور نصف ماہ محرم میں اور یہی طریقہ بعد تک جاری رہا۔ [۴]

---

[۱] شامی ۳۵۰/۳ [۲] شامی ۳۵۱/۳ ہدایہ ۵۷/۲

[۳] ہدایہ ۵۷/۲ [۴] بدائع ۵۸/۲

یہ مراد نہیں لیتے کہ اس کے مسلمان ہونے کے بعد اس سے اس کی زمین سلب کر لی جائے گی۔ بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ وہ زمین علی حالہ خراجی زمین ہوگی کیونکہ وہ مسلمانوں کے لئے غنیمت ہے اور اس کی زمین سے مسلمانوں کی ملکیت کی زمین کی طرح عشر وصول نہ ہوگا۔ اور ان لوگوں کا مذہب ہے جو اہل صلح کی زمین کی بیع وشراء کو مکروہ کہتے ہیں ——— اور حضرت عمر بن عبد العزیز سے بھی کچھ ایسے ہی مروی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ جس قوم سے جزیہ پر صلح کی گئی ہو تو جو ان میں سے مسلمان ہو جائے تو اس کی زمین اس کے بقیہ لوگوں کی ملکیت ہوگی۔

اور امام مالکؒ اس کے علاوہ فرماتے تھے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اہل صلح میں سے جو مسلمان ہو جائے تو وہ مسلمان ہونے والا اپنی زمین کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔ امام ابو عبید فرماتے ہیں کہ امام ابن سیرین سے بھی اسی کے مشابہ مروی ہے کیونکہ ان سے مروی ہے کہ سواد میں دو زمین: ایک وہ ہے جو غلبہ سے لی گئی ہو اور دوسری وہ زمین بھی ہے جو صلحاً ہو۔ تو جو زمین صلحاً ہوگی وہ اہل صلح کا مال ہوگی، اور جو غلبہ سے ہوگی وہ مسلمانوں کی ہوگی۔

امام ابو عبید فرماتے ہیں کہ ابن سیرین اور امام مالک کے مذہب کی تاویل کی بناء پر صلح کی زمین کی بیع و شراء میں کچھ حرج نہیں۔ کیونکہ وہ انہیں کی ملک ہے ——— اسی طرح حسن بن صالح سے بھی مروی ہے کہ وہ اس کی بیع وشراء میں کچھ حرج نہیں سمجھتے اور غلبہ کی زمین کی بیع وشراء کو مکروہ کہتے تھے۔

امام ابو عبید فرماتے ہیں کہ اس مذہب میں بھی مناسب ہے کہ جب اہل صلح مسلمان ہو گئے تو ان کی زمین عشری ہوگی کیونکہ وہ زمین انہیں کی ملک ہے۔

اور امام ابو حنیفہؒ اس کے علاوہ فرماتے ہیں۔ چنانچہ امام محمد بن حسنؒ ان سے روایت کرتے ہوئے مجھ کو خبر دی کہ امام ابو حنیفہؒ فرماتے تھے کہ اہل صلح میں جو مسلمان ہو جائے یا کوئی مسلمان زمین اہل صلح سے خریدے تو صلح اپنے حال پر باقی رہے گی یعنی اس کی زمین خراجی ہوگی۔ [1]

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں کہ:

زمین کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) صلح کی زمین (۲) غلبہ کی زمین۔

صلح کی زمین ہر وہ زمین ہے جس کے باشندوں سے زمین ہی کی شرط پر صلح کی گئی ہو، وہ زمین ان کی ملک رہے گی اور لوگ خراج معلوم ادا کریں گے تو یہ زمین اس کے باشندوں کی ملک رہے گی۔ اور خراج جزیہ کے حکم

---

[1] [illegible]

گیا ہے۔ جب وہ مسلمان ہو جائیں گے تو ان سے خراج ساقط ہو جائے گا اور ان کے لئے اس زمین کی بیع و ہبہ اور رہن جائز ہے کیونکہ وہ انہیں کی ملک ہے۔ اسی طرح اگر ان سے صلح کر لی گئی ہے کسی ایسی چیز کی ادائگی پر جو زمین پر متعین نہیں ہے تو یہ صلح کی زمین بھی خراجی ہوگی۔ اور اسی طرح ہر وہ زمین جس پر اس کے باشندے مسلمان ہوئے جیسے مدینہ منورہ کی زمین اور اس کے مثل تو یہ اس کے باشندوں کی ملک ہوگی، اس پر خراج لازم نہ ہوگا اور ان کو اس زمین میں جیسے چاہیں تصرف کرنے کا حق ہوگا۔

اور دوسری وہ زمین جو غلبہ سے فتح کی گئی ہے تو وہ زمین ہے کہ اس کے باشندوں کو بذریعہ تلوار نکالا گیا ہو اور مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کی گئی تو یہ مسلمانوں کے لئے وقف زمین ہوگی، اس پر معلوم و متعین خراج عائد کیا جائے گا۔ جو مستقلاً وصول کیا جائے گا جو زمین کی اجرت ہوگی اور وہ اس کے مالکان کے قبضہ میں رہے گی۔ جب تک وہ اس کا خراج دیتے رہیں گے اور چاہے مسلمان ہو گئے ہوں، اور اس کے مالکان کے اسلام سے خراج ساقط نہ ہوگا۔ اور نہ اس زمین کے دوسرے مسلمان کی طرف منتقل ہونے سے ہی کیونکہ وہ زمین کی اجرت کے درجہ میں ہے اور ہم کو یہ معلوم نہ ہو سکا کہ جو زمین غلبہ سے فتح ہوئی ہو اسے مسلمانوں کے درمیان تقسیم کیا گیا بجز خیبر کی زمین کے۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی نصف زمین کو تقسیم کر دیا تھا تو وہ نصف پانے والوں کی ہو گئی، اس پر خراج نہیں لگا۔ اور باقی غلبہ سے فتح شدہ زمین جس کو عمر بن خطاب اور ان کے بعد کے لوگوں نے فتح کیا تھا جیسے شام و عراق اور مصر وغیرہ کی زمینیں تو اس میں سے کچھ بھی تقسیم نہیں ہوئی۔

چنانچہ امام ابو عبید نے کتاب الاموال میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمر جابیہ تشریف لے گئے تو مسلمانوں کے درمیان تقسیم زمین کا ارادہ فرمایا تھا تو حضرت معاذ بن جبل نے نکیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر آج آپ اس کو تقسیم کر دیں گے تو بڑی چیز ہوگی اور قوم کے قبضہ میں ہو جائے گی تو لوگوں کے مرنے کے بعد کسی مرد و عورت کی طرف لوٹ جائے گی، پھر دوسرے لوگ آئیں گے جو اسلام سے روکیں گے اور وہ کچھ بھی نہ پائیں گے۔ لہٰذا آپ ایسے امر کے بارے میں غور فرمائیے جو اول و آخر لوگوں کے لئے گنجائش رکھے۔ چنانچہ حضرت عمر نے حضرت معاذ کے قول کی جانب رجوع فرمایا۔

اور یہ بھی روایت ہے کہ حضرت بلال نے حضرت عمر سے ان دیہاتوں کے بارے میں فرمایا جن کو ہم لوگوں نے غلبہ سے فتح کیا تھا کہ ان کو ہمارے درمیان تقسیم کر دیجیے اور خمس لے لیجیے تو اس پر حضرت عمر نے فرمایا کہ نہیں یہ تو عین مال ہے۔ لیکن میں تو اس کو غنیمت کے طور پر روک لوں گا جو ان پر اور مسلمانوں پر جاری رہے گا۔

جب حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کیا تو زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے عمرو بن العاص اسے تقسیم کر دیں تو انہوں نے فرمایا میں تقسیم نہیں کروں گا تو ابن زبیر نے کہا آپ ضرور تقسیم کریں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کو تقسیم کیا تھا تو عمرو بن العاص نے فرمایا: میں اس کو تقسیم نہیں کروں گا یہاں تک کہ امیر المومنین کو لکھ دوں چنانچہ امیر المومنین کو لکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو جواب لکھا کہ اسے چھوڑ دو۔

قاضی کہتے ہیں کہ نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے اور نہ کسی صحابی سے کہ خیبر کی زمین کے سوا کوئی زمین جو غلبہ سے فتح ہوئی ہو تقسیم کی گئی ہو۔

جس زمین پر اس کے باشندوں نے مسلمانوں سے اس شرط پر صلح کی کہ وہ زمین باشندوں کی ملک رہے گی اور مسلمانوں کو اس کا خراج دیا جائے گا تو یہ خراجی زمین کا خراج جزیہ کے حکم میں ہوگا۔ پھر جب اہل ارض مسلمان ہو جائیں گے تو خراج ساقط ہو جائے گا۔[1]

اور اگر وہ زمین کسی مسلمان کی طرف منتقل ہو گئی تو اب ان پر خراج نہ رہے گا چنانچہ حضرت علاء بن الحضرمی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو بحرین اور ہجر بھیجا تو میں اس باغ میں جاتا جو چند بھائیوں کے درمیان مشترک ہوتا جن میں ایک مسلمان ہو جاتا تو میں مسلمان سے عشر لیتا اور مشرک سے خراج۔[2]

اسی طرح ہر وہ زمین جس پر اس کے باشندے مسلمان ہو گئے جیسے سرزمین مدینہ منورہ تو یہ انہیں کی ملکیت ہوگی۔ ان پر خراج لازم نہ ہوگا بلکہ ان کی یہ زمین عشری ہے کیونکہ اس کی پیداوار پر زکوٰۃ عشر واجب ہوگا۔

علامہ ابن قدامہ کہتے ہیں کہ اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ ہر وہ زمین جس پر اس کے باشندے مسلمان ہو گئے ہوں قبل اس کے کہ ان پر غلبہ پایا جائے تو وہ زمین انہی کی ملک ہوگی۔ اور ان کے احکام مسلمانوں کے احکام کی طرح ہوں گے اور ان کی زمین کی پیداوار میں وہی واجب ہوگا جو مسلمانوں پر واجب ہوتا ہے یعنی عشر پیداوار کی زکوٰۃ۔[3] اور جو زمین غلبہ سے فتح ہو اور مسلمانوں پر وقف ہو جائے اور ان پر خراج لگا دیا گیا ہو تو وہ خراجی زمین ہوگی جس کی پیداوار سے خراج وصول ہوگا۔ اور یہی خراجی زمین کا بھی حکم ہے۔ یہی حضرت عمر بن عبد العزیز، زہری، یحییٰ انصاری، ربیعہ، اوزاعی اور امام مالک، سفیان ثوری، مغیرہ، لیث، حسن بن صالح، ابن ابی لیلیٰ، ابن مبارک، امام شافعی، اسحاق اور ابو عبید کا قول ہے۔[4]

---

[1] المغنی لابن قدامہ ۲/۷۲۱ [2] رواہ ابن ماجہ [3] المغنی ۲/۷۲۰ [4] المغنی ۲/۷۲۰

صاحب ہدایہ نے ذکر کیا ہے کہ امام المسلمین نے جب کوئی شہر قہر سے فتح کیا ہو تو اسے اختیار ہے اگر چاہے تو اس کو مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دے، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے معاملہ میں کیا تھا، اور اگر چاہے تو اس کے باشندوں کو اس پر باقی رکھے اور ان پر جزیہ لگا دے اور ان کی زمینوں پر خراج۔ ایسے ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی موافقت سے سواد عراق کے ساتھ کیا تھا۔

اور ہر وہ زمین جس کے باشندے مسلمان ہو گئے ہوں یا وہ غلبہ سے فتح کی گئی ہو اور مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی ہو تو وہ عشری زمین ہو گی۔ اور وہ زمین جو غلبہ سے فتح ہوئی ہے پھر اس کے باشندوں کو اس پر باقی رکھا گیا ہو تو وہ خراجی زمین ہو گی۔ اسی طرح جب اس زمین کے باشندوں سے صلح کر لی گئی ہو تو وہ بھی خراجی ہو گی۔ اور اہل خراج میں جو مسلمان ہو جائے تو اس سے علی حالہٖ خراج وصول ہو گا۔ ______ مسلمان کے لئے ذمی سے اس کی خراجی زمین خریدنا جائز ہے اور اس سے خراج لیا جائے گا، چونکہ بسند صحیح ثابت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خریدا ہے اور وہ خراج بھی ادا کرتے تھے۔[1]

صاحب بحر علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ:

جو زمین غلبہ سے فتح ہو اگر کفار کو اس پر باقی رکھا گیا ہو تو وہ خراجی زمین ہو گی جس سے خراج وصول ہو گا خواہ وہ بارش کے پانی سے سیراب کی گئی ہو، اور اگر فتح کے بعد وہ زمین مسلمانوں میں تقسیم کر دی گئی ہو تو عشری ہو گی جس سے عشر وصول ہو گا اگرچہ وہ نہروں کے پانی سے سیراب کی گئی ہو۔

اور جب معاملہ ایسا ہے تو وہ آباد زمین جو تقسیم نہیں کی گئی ہے اور اس کے باشندوں کو اس پر باقی نہیں رکھا گیا یا ایسی ہو کہ اس زمین کو کسی مسلمان نے آباد کیا ہو تو اگر اس زمین تک نہروں کا پانی پہنچا ہو تو وہ خراجی ہے یا چشمہ وغیرہ کا پانی پہنچتا ہو تو وہ عشری زمین ہو گی۔[2]

علامہ شامی کہتے ہیں کہ ہر وہ زمین جو غلبہ سے فتح کی گئی ہو، اور اس کے باشندوں کو اس پر باقی رکھا گیا ہو یا ان سے صلح کر لی گئی ہو اور ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا گیا ہو تو وہ زمین انہیں باشندوں کی ملکیت ہو گی۔

اسی طرح شام و مصر کی زمین قول صحیح کی بنا پر غلبہ سے فتح ہوئی ہے اور ان کے باشندوں کو خراج کی شرط کے ساتھ باقی رکھا گیا تو امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں کہا ہے کہ یہ زمینیں جب تقسیم کر دی جائیں گی تو عشری ہو گی

---

[1] الہدایہ مع فتح القدیر ص ۱۰۰۲۔ [2] البحر ۵/۱۱۴۔

محررہ کا سوال جس نمبر شمار کے ساتھ ہے۔ اسی ترتیب نمبر شماری کے ساتھ جواب ہے۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب مدظلہ مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند نظام الفتاوی ج ۲ ص ۲۳۱ میں تحریر فرماتے ہیں

۱۔ ——— جو اراضی کاشت مسلمان کی ملکیت میں اسلامی زمانے سے اسلامی حکومت کے دینے سے یا خود مسلمان ہو کر اپنی زمین پر مالک برقرار رہنے سے اجداد برابر چلی آرہی ہے کی گو قانون زمینداری کے بعد بھی اپنی ملک میں باقی ہو اور کبھی غیر مسلم کی ملک میں نہ گئی ہو وہ عشری ہے اور اس میں عشر نکالنا واجب ہے۔

پھر اگر فقط آسمانی یا بارش کے پانی سے سیراب ہو کر پیداوار ہوتی ہے یا قدرتی دریاؤں کے سیلابی پانی سے سیراب ہو کر پیداوار ہوتی ہے تو ہر فصل کی پیداوار پر پیداوار حاصل ہوتے ہی عشر یعنی دسواں حصہ دینا واجب ہو جائے گا ورنہ نصف عشر یعنی بیسواں حصہ دینا واجب ہوگا۔

اور جو زمینیں مذکورہ بالا قیود و شرائط کے ساتھ مسلمانوں کی ملک میں نہیں ہیں وہ عشری نہیں ہونگی اور اس کی پیداوار سے عشر نکالنا واجب نہ ہوگا۔ اگر نہ نکالے تو گنہگار نہ ہو۔

البتہ جس زمین کے بارے میں عشری کا شبہ ہو عشری نہ ہونے کا یقین نہ ہو اس کی پیداوار میں ہر فصل میں عشر کے قاعدہ کے مطابق دسواں حصہ یا بیسواں حصہ جو کچھ بنا تحری کر کے احتیاطاً نکالتے ہی رہنا چاہیے کہ باعث خیر و برکت ہی ہوگا ——— مذکورہ بالا قیود کا لحاظ کئے بغیر کسی زمین کا محض مسلمانوں کی ملک میں ہونا آج کل اس کے بالیقین عشری ہونے کے لئے کافی ہوگا۔ البتہ اگر عشری ہونے کا شبہ ہو تو احتیاطاً عشر کے قاعدہ کے مطابق عشر یا نصف عشر جو کچھ ہوتے نکالتے رہنا چاہیے۔

اور نظام الفتاوی میں یہ تحریر فرمایا کہ:

جن زمینوں کا زمیندارہ نہیں ٹوٹا اور حکومت نے اپنے قبضہ تصرف میں نہیں لیا جیسے باغ اور مکان اور مکان کی زمینیں اگر یہ عشری زمینیں ہی رہیں اور خاتمہ زمینداری کے قانون سے مستثنیٰ ہیں تو یہ عشری شمار ہوں گی۔ اور ان کی پیداوار پر عشر واجب ہوگا۔

نیز جن زمینوں کی عشریت خاتمہ زمینداری قانون سے ختم ہو گئی ان سے گو عشر وجوب ساقط ہو گیا لیکن احتیاطاً

۱؎ نظام الفتاوی ۲ : ۲۳۱

اس میں ہے کہ بغرض حصول خیر و برکت جہاں تک ہو سکے عشر و نصف عشر نکالتے رہا جائے۔

فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے:

"رد المحتار باب رکاز میں یہ تصریح کی ہے کہ ہندوستان جیسے شہروں میں کوئی زمین عشری و خراجی نہیں ہے بلکہ جو حصول سرکار لیتی ہے اس کو خراج نہ کہیں گے اور جبکہ کوئی زمین ہندوستان کی عشری نہیں ہے تو عشر بھی واجب نہ ہوگا لیکن احتیاطاً مسلمان اپنی اراضی کا عشر دیویں تو اچھا ہے اور عشر یعنی دسواں حصہ پیداوار کا جس جگہ واجب ہے کل پیداوار پر واجب ہے اور جس وقت غلہ پیدا ہو اسی وقت واجب ہے سال کی قید اس میں نہیں ہے۔ ــــ اور زمین عشری اگر مزارعت پر دی گئی ہے تو اس کی پیداوار میں بقدر حصہ ہر ایک پر یعنی کاشتکار اور مالک زمین پر لازم آتا ہے اور اجارہ کی صورت میں امام صاحب موجر یعنی کرایہ پر دینے والے پر اور صاحبین مستاجر یعنی کرایہ پر لینے والے پر لازم فرماتے ہیں اور صاحبین کے قول پر فتویٰ ہے۔"[1]

اور فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے:

"احتیاط اس میں ہے کہ مسلمانوں کی مملوکہ زمینوں میں عشر واجب کیا جائے۔ عشر پیداوار پر ہوتا ہے جس وقت عشری زمین میں کچھ غلہ وغیرہ پیدا ہوا ہو اور حاصل ہو اسی وقت عشر لازم ہے سال گزرنا شرط نہیں ہے۔"[2]

اور فتاویٰ دار العلوم دیوبند میں ہے:

"مستحق احتیاط یہ ہے کہ مسلمان اپنی اراضی مملوکہ میں عشر نکالیں۔

زمین اگر اجارہ پر دی گئی ہے تو امام صاحب کے نزدیک عشر مالک پر ہے، رقم اجارہ میں سے دسواں حصہ صرف کرے۔ اگر مالک خود کاشت کرے تو تمام پیداوار کا دسواں حصہ نکالے، مصارف سرکاری وغیرہ کچھ وضع نہ ہوگا۔"

ہندوستان کی کچھ زمینیں عشری ہیں اور کچھ خراجی۔ ان کی تفصیل و بنیاد

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب جواہر الفقہ میں رقمطراز ہیں:[3]

خلاصہ یہ ہے کہ جس ملک میں مسلمانوں کی اپنی ملکیت میں زمینیں موجود ہوں ان پر احکام عشر عائد ہوں گے

---

[1] فتاویٰ دار العلوم دیوبند [illegible] [2] فتاویٰ دار العلوم دیوبند [illegible]

[3] جواہر الفقہ [illegible]

اگرچہ اپنی بدا عمالیوں کے نتیجہ میں وہ ملک اسلامی اقتدار سے نکل کر دارالحرب بن گیا ہو۔ اس لئے صحیح صورت حال ہندوستان کی زمینوں کی یہ ہے کہ جن زمینوں کے مالک مسلمان نسلاً بعد نسل چلے آ رہے ہیں اور کسی زمانہ میں ان پر کسی کافر کی ملکیت کا ثبوت نہیں وہ احتیاط اً ہی سے مسلمانوں کی ابتدائی ملکیت قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی۔

اور جن زمینوں پر کسی زمانہ میں کسی کافر کی ملکیت ثابت ہے اور پھر اس سے منتقل ہو کر مسلمان کے قبضہ میں آئی ہے وہ خراجی قرار پائے گی۔

علماء حنفیہ کے نزدیک جو زمین ایک دفعہ خراجی ہو گئی وہ ہمیشہ کے لئے خراجی رہے گی یعنی آئندہ اگر کوئی مسلمان بھی اس زمین کو خرید لے تو خراج ہی ادا کرنا ہوگا عشر واجب نہ ہوگا۔[1]

اس بناء پر عام علماء ہندوستان کا فتویٰ ہے کہ ہندوستان میں جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں اور وراثۃً مسلمانوں ہی کے قبضہ میں آ رہی ہیں ان میں عشر واجب ہوگا۔

چنانچہ مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نے بہت تحقیق کے بعد دس صورتیں ذکر کی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

۱ــــــ بادشاہوں کے وقت سے موروثی ہوں۔

۲ــــــ بادشاہان اسلام کے وقت سے موقوفہ ہیں۔

۳ــــــ موروثی زمینیں ہیں مگر شاہی وقت سے نہیں بلکن یہ بھی نہیں معلوم کہ کس طرح قبضہ میں آئی ہے۔

۴ــــــ جو زمینیں مسلمانوں نے خریدی ہیں یا بطریق ہبہ یا بذریعہ وصیت ان کو ملی ہیں اور جس نے فروخت کیا یا ہبہ کیا یا وصیت کی اس نے بھی کسی مسلمان ہی سے حاصل کی تھی۔ اسی طرح برابر سلسلہ جاری ہے۔

۵ــــــ جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں مسلمانوں سے خرید و فروخت کے ذریعہ سے آئی ہیں اور اوپر جا کر معلوم ہو کہ بادشاہان اسلام نے دی تھیں۔

۶ــــــ مسلمانوں کے قبضہ میں وراثۃً یا خرید و فروخت کے ذریعہ سے ہے لیکن اوپر جا کر حال معلوم نہیں کہ پہلے لوگوں نے کس طرح حاصل کیا تھا۔

۷ــــــ انگریزی حکومت نے بطور معافی اس زمین کو دیا جو پہلے سے مسلمانوں کی ملکیت میں تھی۔

۸ــــــ انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو بطور معافی زمین دی مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ زمین پہلے کس کی تھی۔

---

[1] شامی ۲/۵۰

۱ — مسلمانوں نے غیر مزروعہ زمین کو جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی آباد کیا ہے اور وہ عشری زمین کے قریب ہے
یا نہر سائل یا دریائی پانی یا اپنے کنوئیں سے سیراب ہوتی ہے۔

۲ — مسلمانوں نے اپنے سکونتی مکان کو مزروعہ بنایا۔

یہی فتویٰ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا عبدالشکور لکھنوی، مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی اور اکثر علماء کا ہے۔[1]

نتیجہ

ہندوستان کے مسلمانوں کی مملوکہ زمینوں کے عشری ہونے کے باب میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند کے مطابق عمل درآمد ہونا چاہئے اگر وہ بارش یا قدرتی وسائل ندی، دریا، چشمے، تالاب اور پوکھروں سے سیراب کی جاتی ہوں۔ یعنی کل پیداوار سے عشر یعنی دسویں حصے کے نکالنے کو واجب کہا جائے۔

اور اگر مالکان زمین پانی خرید نہ پڑتی ہے جیسا کہ سرکاری یا تیوب ویل کا نظم ہے۔ یا خود [illegible] کے ذریعہ یا رہٹ سینچائی کرنی پڑتی ہے تو شرعی ضابطہ سے نصف عشر یعنی پیداوار کے بیسویں حصے کے نکالنے کو واجب کہا جائے۔ اور با ضابطہ تجارہ و اشتہار کے ذریعہ مالکان زمین کو بتلا دیا جائے۔ یہ علماء کرام کی بھی ذمہ داری ہے اور ملی جماعتوں کی بھی اور مدارس و فقراء کے لئے اس کی وصولی کے لئے کچھ لوگ متعین کر دیئے جائیں جو فصل کٹ جانے پر وصول کر لیا کریں۔ جس طرح زکوٰۃ کی وصولی کے لئے سفراء متعین کئے جاتے ہیں ورنہ وصول ہونا بہت مشکل ہو جائیگا۔

خراجی زمین کے باب میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کے مطابق صورت مالکان زمین کو اپنی اپنی زمینوں کے باب میں سرکاری کاغذات کے ذریعہ کھوج لگانا چاہئے۔ جو صورت نکلے اس پر عمل ہونا چاہئے۔ اگر عشری نکلے تو عشر یا نصف عشر دیں۔ اگر خراجی نکلے تو خراج نکالنا چاہئے۔ علماء کرام اور ارباب مدارس کو چاہئے کہ رسالہ اور اشتہار کے ذریعہ اس کا بھی اعلان کر دیں۔

---

[1] جدید فقہی مسائل ص ۱۲۹ تا ۱۳۵۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب جواہر الفقہ میں لکھتے ہیں کہ:

"ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی خراجی زمینوں کا خراج بطور خود شرعی مصارف خراج مدارس اسلامیہ اور علماء و طلبہ پر صرف کرنا چاہئے اور یہ فرض ع متوقف ہوگا۔"[1]

مقدار خراج

جس کی مقدار ایک بیگھہ کے تقریب پر ایک درہم نقد اور ساڑھے تین سیر گندم یا جو یا جو اس میں بوئی جائے، اور ترکاری کے ایک بیگھہ کے قریب پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کا باغ جو متصل گھنے درختوں پر مشتمل ہو تو فی بیگھہ دس درہم ——— ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے۔ اس حساب سے دس درہم پینتیس ماشے کے ہوئے جو ایک ماشہ کم تین تولہ چاندی ہوتی ہے جس کی قیمت آج کل کے نرخ کے حساب سے تقریباً چھ روپے بنتی ہے۔[2]

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند میں ہے کہ:

عشری زمین کا مطلب یہ ہے کہ جس زمین میں عشر واجب ہے وہ عشری ہے۔ جس وقت پورا حال معلوم نہ ہو جیسا کہ اس وقت ہے تو عموماً یہ حکم کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کی مملوکہ زمین عشری سمجھی جاتی ہے اور کفار کی مملوکہ اراضی خراجی ——— پس مسلمانوں کے پاس جو زمین مثلاً مسلمانوں کی چلی آتی ہے یا اس نے کسی مسلمان سے خریدی ہے تو وہ عشری ہے اور جو زمین کافر سے خریدی ہے وہ خراجی رہے گی۔[3]

اور بعض حضرات نے ایسا بھی لکھا ہے کہ جب سرکار زمینوں کا محصول لیتی ہے تو سب خراجی ہیں۔ مگر مقتضائے احتیاط یہ ہے کہ مسلمان اپنی اراضی مملوکہ میں عشر بھی نکالیں۔

"نظام الفتاویٰ جلد دوم ص ۲۲۲ میں حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم نے بھی یہی لکھا ہے بالفرض اشتباہ کی صورت میں احتیاطاً مسلمان اپنی ملکیت کی زمینوں کا عشر نکالیں تاکہ فقراء و مساکین اور طلبہ مدارس کا مزید فائدہ ہو اور شکر نعمت کا بڑا موقع فراہم ہو۔

۱؎ جواہر الفقہ ۲/۲۸۸ ۲؎ جواہر الفقہ ۲/۲۵۹ - ۲۶۰۔

۳؎ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۶/۱۶۹

اور جلد ۲ صفحہ ۲۸۹ میں ہے کہ:

ہندوستان کے مسلمانوں پر واجب رہتا ہے کہ خراجی زمینوں کا خراج نکال کر ان کے مصارف پر خرچ کریں جو ہندوستان میں موجود ہیں۔ مثلاً مدارس دینیہ کے مدرسین وطلبہ، فتویٰ اور تبلیغ کا کام کرنے والے علماء ان پر یہ رقوم خرچ کی جائیں۔ اور یہ خراج موظف ہوگا جس کی مقدار واجب کی شرح مندرجہ ذیل ہے۔

مقدار واجب

عام قابل کاشت زمینوں میں ایک بیگھ کے قریب پر ایک درہم یعنی ۳ ماشہ چاندی اور ساڑھے تین سیر گندم یا جَو کا واجب ہوگا۔

ترکاری کی ایک بیگھ کے قریب پر پانچ درہم۔ اور باغات پر دس درہم واجب ہوں گے اور باقی اشیاء یعنی زعفران جیسی قیمتی اشیاء، اور انگور وکھجور کے باغ جو گنجان نہ ہوں، اور دوسرے ہر قسم کے باغ اگرچہ گنجان ہوں، کا خراج اس اندازے سے لگایا جائے کہ پیداوار خمس سے گھٹے نہیں اور نصف سے بڑھے نہیں۔ [1]

خلاصہ یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنی خراجی زمینوں کا خراج بطور خود نکال کر مصارف خراج مدارس اسلامیہ اور علماء وطلبہ پر صرف کرنا چاہیے۔ [2]

اگر احتیاطاً ان زمینوں کا عشر نکال دیا جائے تو باعث خیر وبرکت ہوگا۔ چنانچہ فتاویٰ دار العلوم دیوبند جلد ۲ صفحہ ۱۵۰ میں ہے: "مگر مقتضاء احتیاط یہ ہے کہ مسلمان اپنی اراضی مملوکہ میں عشر نکالیں۔"

جدید طریق زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات کھاد، دوا وغیرہ کی وجہ سے مقدار عشر میں کچھ کمی نہ ہوگی اور اصل پیداوار میں سے کل پیداوار سے عشر یا نصف عشر نکالا جائے گا۔ ان اخراجات کو اصل پیداوار سے منہا نہ کیا جائے گا ——— چنانچہ ملک العلماء امام کاسانی رحمہ اللہ بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں [3] نیز ہدایہ میں [4] ہے:

"عشر یا نصف عشر پوری پیداوار میں سے نکالا جائے گا۔ بونے کاٹنے اور حفاظت ونگرانی کرنے کے اور بیلوں اور مزدوروں وغیرہ کے جو اخراجات ہیں وہ ادائے عشر کے بعد نکالے جائیں۔"

نیز فتاویٰ دار العلوم دیوبند [5] میں ہے:۔ در مختار کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ جن اراضی میں عشر واجب ہے انہیں

۱؎ جواہر الفقہ ۲/۲۸۸ ۲؎ ایضاً ۲/۲۸۹ ۳؎ بدائع ۲/۶۲ ۴؎ ہدایہ ۱/۱۰۳ ۵؎ فتاویٰ دار العلوم ۶/۱۴۳

اسلام کا نظام عشر و خراج

محور اوّل

عشر و خراج کی حقیقت

از: ——— مفتی افضل حسین صاحب، دار العلوم الاسلامیہ بستی

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی من ادی الامانۃ والدین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین — اما بعد!

اراضی عشری

(۱) کوئی ملک اس طرح فتح ہوا کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے تو ان کی زمینیں بدستور ان کی ملکیت میں رہیں گی، یہ زمینیں عشری قرار پا کر ان پر عشر واجب ہوگا۔

۲ ——— یا کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور امام المسلمین نے قاعدے کے لحاظ سے زمینوں کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے ایک حصہ بیت المال اور چار حصہ مجاہدین میں تقسیم کر دیا تو مجاہدان زمینوں کے مالک قرار پائیں گے اور شرعاً یہ زمینیں عشری ہوں گی، جیسے کہ خیبر کی زمینوں کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمل کیا۔

۳ ——— ایسی زمینیں جو ملک فتح کرنے کے وقت نہ کسی کی ملکیت تھیں اور نہ ہی قابل کاشت و زراعت اگر اسلامی امیر کی اجازت سے ایسی زمین کو کسی غیر مسلم نے آباد کر لیا تو یہ زمین خراجی ہوگی اور اگر کسی مسلمان نے اس کا احیا کیا تو ایسی زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابو یوسف رحمہ کے قول قرب و جوار پر ہوگا یعنی یہ اراضی موات اگر خراجی زمین کے قریب ہیں تو تبعاً اس کو بھی خراجی مانا جائے گا اور اگر عشری زمین کے

فان المسلمین افتتحوا ارض العراق والشام ومصر ولم یقسموا شیئًا من ذلک بل

وضع عمر رضی اللہ عنہ علیہا الخراج ولیس فیہا خمس ۔ (۱)

• ــــ یا کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات حسب شرائط صلح قرار پائیں گے اگر صلح نامہ میں یہ شرط لگائی گئی ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر قائم رہیں گے اور اراضی بدستور انھیں کی ملکیت میں رہیں گی جن کی ملکیت میں اب تک تھیں تو اس صورت میں بھی ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا جائے گا اور ان کی زمینیں ہمیشہ ہمیش خراجی رہیں گی کیونکہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں، ان کی زمینوں کے لیے حکم خراج متعین ہے۔ دونوں صورتوں سے متعلق حوالہ درمختار کی یہ عبارت ہے:

وسواد العراق وما فتح عنوۃ ولم یقسم بین جیشنا الا مکۃ سواء اقر اھلہ علیہ

أو نقل الی الکفار آخر او فتح صلحا خراجیۃ لانہ الیق بالکافر ۔ (۲)

ہاں مکہ کی زمین اس ضابطے سے مستثنیٰ ہے، مکہ باوجود کہ قہراً فتح ہوا اور اس کی زمینوں پر ان کے اہل کی ملکیت کو برقرار رکھا گیا پھر بھی ان کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا ہے۔

صاحب بدائع نے فرمایا کہ اس معاملے میں قیاس کو اس لیے ترک کر دیا گیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احترام حرم کی وجہ سے اس کی زمین پر خراج عائد نہیں فرمایا اس لیے مکہ کی زمینیں عشری ہیں۔

علامہ شامی رح نے بھی "الا مکۃ" کے تحت اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

قال: فانہا وان فتحت عنوۃ لکنہا عشریۃ لأنہا من جزیرۃ العرب ۔ (۴)

صاحب ہدایہ نے اس کے متعلق مزید وضاحت فرمائی ہے، عبارت درج ذیل ہے:

لان النبی علیہ السلام والخلفاء الراشدین رضی اللہ عنہم لم یاخذوا الخراج من اراضی العرب

ولانہ بمنزلۃ الفیٔ فلا یثبت فی اراضیہم کما لا یثبت فی رقابہم وھذا

لان وضع الخراج من شرطہ ان یقر اھلہا علی الکفر کما فی سواد العراق ومشرکو

العرب لا یقبل منہم الا الاسلام والسیف ۔ (۳)

---

(۱) شامی جلد ۳ ص ۲۵۵ باب العشر والخراج (۲) الدر المختار علی رد المحتار، جلد ۳ ص ۲۵۵

(۴) شامی جلد ۳ ص ۲۵۵ (حاشیہ) (۳) ہدایہ جلد ۲ ص ۵۹۱ باب العشر والخراج

اسی طرح بعض استثنائی صورتیں اور بھی ہیں، مثلاً شہر بصرہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں آباد کیا گیا یہ ارض موات (یعنی غیر آباد زمین) تھی مسلمانوں نے محنت کر کے اسے قابل کاشت بنایا لیکن اس کا محل وقوع عراق کی خراجی زمینوں کے متصل ہے ایسی صورت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے قول کا تقاضہ یہ تھا کہ بصرہ کی قابل کاشت زمینوں پر جن کا احیاء مسلمانوں نے اپنی محنت سے کیا خراج عائد ہو۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کی موجودگی میں ان زمینوں پر عشر عائد کیا جس کی بنیاد پر اس ضابطہ کو ترک کر دیا گیا۔

فی الدر علی الرد۔ والبصرة ایضاً باجماع الصحابة عشریة۔

قال الشامی تحته : والقیاس ان تکون خراجیة عند ابی یوسف رحمه الله لانها بقرب ارض الخراج لکنه ترك القیاس باجماع الصحابة رضی الله عنهم۔ (۱)

وایضاً والبصرة احیاها المسلمون لانها بنیت فی ایام عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه وهی فی حیز ارض الخراج فقیاس قول ابی یوسف ان تکون خراجیة۔ (۲)

پس زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے میں عام ضابطہ تو وہی ہے جو مذکور ہوا۔ البتہ بعض مواقع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل یا صحابہ کرام کے اجماع کی بنا پر کسی قدر مختلف استثنائی صورتیں بھی پیش آئی ہیں۔

عشر و خراج کے درمیان بنیادی فرق

عشر و خراج میں یہ بات تو مشترک ہے کہ شریعت اسلام کی جانب سے زمینوں پر عائد ٹیکس کی حیثیت دونوں میں ہے البتہ خراج صرف ٹیکس ہے جبکہ عشر میں ٹیکس کا معنی ہوتے ہوئے عبادت کا معنی بھی ہے، پس عشر میں دو حیثیتیں ہیں۔ ٹیکس اور عبادت اور خراج کے اندر صرف ایک حیثیت یعنی ٹیکس ہے۔

دوسرا فرق یہ بھی ہے کہ عشر کے ابتداءً واجب ہونے کے لیے اسلام کی شرط ہے جب کہ خراج مسلم، کافر اور ذمی سب پر واجب ہو سکتا ہے۔

بدائع الصنائع میں وجوب عشر کی شرائط کے بیان میں ہے :

احدها الاسلام وانه شرط ابتداء هذا الحق فلا یبتدأ بهذا الحق الاعلی

---

(۱) شامی ۲/۳۵۴ (طبع مصر) (۲) شامی صفحہ مذکور۔

المسلم بلاخلاف لأن فيه معنى العبادة والكافر ليس من أهل وجوبها ابتداء فلا يبتدأ به عليه۔ (۱)

وفي الشامية: لأنها تكون خراجية اذا لم يسلم أهلها سواء فتحت عنوة ومن على أهلها بها او صلحا ووضع عليهم الجزية۔ (۲)

عشر و خراج میں عملی فرق بھی ہے، چنانچہ عشر تو زمین کی پیداوار پر ہے اگر پیداوار نہ ہو خواہ مالک زمین کی غفلت اور سستی سے ایسا ہوا ہو کہ قابل کاشت زمین کو خالی چھوڑ دیا اس پر عشر لازم نہیں ہوگا، کیوں کہ عشر تو پیداوار ہی ایک حصہ کا نام ہے۔

حالاں کہ خراج قابل کاشت زمین پر عائد ہے اگر مالک نے غفلت برتی اور قابل زراعت و کاشت ہونے کے باوجود اس میں کاشت نہیں کی تو اس حالت میں بھی اس پر خراج لازم ہوگا، پس خراج عائد ہونے کے لیے زمین کا قابل کاشت ہونا ضروری ہے البتہ خراج کی ایک دوسری قسم خراج مقاسمہ (یعنی بٹائی) ہے۔ اس صورت (یعنی زمین کے قابل کاشت ہونے کے باوجود اپنی کوتاہی اور غفلت سے کاشت نہیں کیا) میں خراج معاف ہو جائے گا، کیوں کہ مقاسمہ کا تعلق پیداوار سے ہے جب وہ یعنی پیداوار نہیں تو خراج بھی واجب نہیں ہوگا۔

في الشامية: ومما هو مصرح به أن خراج المقاسمة لا يلزم بالتعطيل فلا شيئ على الفلاح لو عطلها وهو غير مستاجر لها ولا جبر عليها بسببها وبه علم ان بعض المزارعين اذا ترك الزراعة وسكن مصر فلا شيئ عليه فما تفعله الظلمة من الاضرار به حرام صرح به في البحر والنهر۔ (۳)

وايضاً: وقد تقرر أن خراج المقاسمة كالعشر لتعلقه بالخارج ولذا يتكرر بتكرر الخارج في السنة۔ (۳)

اور خراج موظف کا وجوب زمین کے قابل کاشت ہونے پر ہی ہو جاتا ہے چاہے مالک زمین اپنی غفلت سے کاشت نہ کرے۔

---

(۱) بدائع ۲/[illegible]   (۲) شامی ۳/۲۵۵ (نعمانیہ)

(۳) شامی ۳/۲۵۶ (نعمانیہ)   (۳) ایضاً ۳/۲۶۰

في الدر المختار على الرد المحتار : وخراج وظيفة ان كان الواجب شيئا في الذمة يتعلق بالتمكن من الانتفاع بالارض كما وضع عمر رضي الله عنه على السواد لكل جريب ۔ (۱)

قال الشامي تحته : أنه يجب في ذمته بمجرد تمكنه من الانتفاع بالارض لا بعين الخارج حتى لو تمكن من الزراعة وعطلها وجب بخلاف ما لو لم يتمكن۔(۲)

یہاں یہ بات بھی معلوم ہو جانا ضروری ہے کہ عشر کے معنی تو دسواں حصہ کے ہیں لیکن اس کے ضمن میں نصف عشر بھی داخل ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدار واجب کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب او دالية ففيه نصف العشر(۳)

جو زمین آسمانی پانی سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جس کو چرسے ڈول یا رہٹ وغیرہ سے سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ہے۔

لہٰذا جن زمینوں کی سیرابی ایسے پانی سے ہوتی ہو کہ اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے یا محنت کرنی پڑتی ہے جیسے چاہی زمینوں میں یا نہری زمینوں میں جن کے پانی کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے تو ایسی زمینوں کے پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنا واجب قرار پاتا ہے۔

تنبیہ : امام اپنی رائے اور فیصلے سے جو خراج متعین کرے گا مالک زمین پر اس کی ادائے گی ضروری ہوگی اب امام کو تبدیلی کا حق حاصل نہیں ہوگا۔ علامہ شامی نے کافی نامی کتاب سے درج ذیل عبارت اس سلسلے میں نقل فرمائی ہے:

وفي الكافي وليس للامام ان يحول الخراج الموظف الى خراج المقاسمة اقول وكذلك عكسه فيما يظهر من تعليله لأنه قال لأن فيه نقض العهد وهو حرام ۔(۳)

زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے میں فرق اس سے بھی ہوتا ہے کہ ملک مفتوح عنوۃً کی اراضی اگر مجاہدین پر تقسیم کردی گئی ہے تب تو عشری ہے ورنہ خراجی ہے تو وہ زمین انھیں کی ملکیت میں برقرار ہے جن کی ملکیت میں پہلے

---

(۱) الدر المختار على الرد المحتار ج۳/۲۲ (۲) حوالہ مذکور (۳) شامی ج۳/۲۵۵

(۴) شامی ج۳/۲۲۲ ، المکتبۃ

وہ زمین تھی یا دوسرے کفار کی ملکیت اس پر ہوگئی ہو۔(۱)

سواء اقر اھلہ علیہ او نقل الیہ کفار اخر، قال الشامی تحتہ، واقر اھلہ علیہ لیس بشرط فی کونہا خراجیۃ بل الشرط عدم قسمتہا صرح بذلک فی شرح الطحاوی کما فی النہر ولم یقید کونہا خراجیۃ بان تسقی بماء الخراج لانہ لا فرق بینہ وبین ما اذا سقیت بماء العشر کما اذا قسمت بین المسلمین فانہا عشریۃ وان سقیت بماء الخراج وانما التفصیل فی الفرق بین ما یسقی بماء العشر او بماء الخراج فی الارض المحیاۃ لمسلم التی لم تقسم ولم یقر اھلہا علیہا۔

عبارت مذکورہ بالا سے یہ بات واضح ہوگئی کہ فرق کا مدار عشری اور خراجی پانی پر نہیں ہے بلکہ تقسیم وعدم تقسیم پر مدار ہے یعنی قہراً ملک فتح کیے جانے کے بعد اس کی زمینوں کو مجاہدین پر تقسیم کردیا گیا تو عشری ورنہ خراجی ہے۔ واللہ اعلم۔

فقد قال ابو یوسف فی کتاب الخراج: وھذہ الارضون اذا قسمت فہی ارض عشر وان ترکہا الامام فی ایدی اھلہا الذین قہر علیہا فہو حسن۔(۲)

عہد رسالت اور خلفاء راشدین کے اس بارے میں چند فیصلے

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں پورے جزیرۃ العرب کی زمینوں کو عشری قرار دیا آپ کے بعد خلفاء راشدین اور سلطنت اسلامیہ کا بھی یہی حکم جاری رہا۔

واما ارض العرب فلانہ لم ینقل عنہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا عن احد من الخلفاء واخذ خراج من اراضیہم۔(۳)

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے تقویم البلدان کے حوالے سے جزیرۃ العرب کے پانچ خطے مع طول وعرض شمار کرائے ہیں۔

فی مختصر تقویم البلدان جزیرۃ العرب خمسۃ اقسام: تہامۃ ونجد وحجاز وعروض ویمن۔

---

(۱) حاشیہ الدر المختار [illegible] (۲) شامی [illegible] (۳) ایضاً [illegible]

یہ کل پانچ خط ہیں، اسی کے آگے علامہ موصوف نے ہر ایک خط کے طول و عرض کو تحریر فرمایا ہے۔ (۱)

اسی طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب عراق کو فتح کیا تو تمام صحابہ کرام کے سامنے اس کی زمینوں پر خراج کا حکم جاری فرمایا۔

فان المسلمين افتتحوا ارض العراق والشام ومصر ولم يقسموا شيئا من ذلك بل وضع عمر عليها الخراج وليس فيها خمس۔ (۲)

اسی طرح اراضی مصر و شام میں بھی جن پر مالکان سابق کو بدستور قائم رکھا گیا خراج کا حکم جاری فرمایا۔

وضع على مصر حين افتتحها عمرو بن العاص وكذا اجتمعت الصحابة على وضع الخراج على الشام۔ (۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاری بنی نجران سے ایک خاص طرح کے خراج پر صلح فرمائی وہ یہ کہ دو ہزار جوڑے سالانہ ادا کیا کریں نصف ماہ رجب میں اور نصف ماہ محرم میں اور یہی طریقہ بعد تک جاری رہا۔

كما صالح رسول الله صلى الله عليه وسلم اهل نجران على الف ومائتي حلة۔ (۴)

لیکن ابوداؤد کی روایت میں "الفا حلة" ہے۔

نصاری بنی تغلب سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس پر مصالحت فرمائی کہ ان سے مسلمانوں کی زکوٰۃ کا دوگنا لیا جائے اور یہ معلوم ہے کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ الارض عشر ہے، لہٰذا ان سے دوگنا عشر وصول کیا جائے گا۔ مصرف اس کا وہی ہوگا جو خراج کا ہوتا ہے چاہے اس کا نام وہ عشر ہی رکھ لیں۔

ونصارى بني تغلب يؤخذ من اموالهم ضعف ما يؤخذ من المسلمين من الزكوة لان عمر رضي الله تعالى عنه صالحهم على ذلك بمحضر من الصحابة قال عمر رضي الله عنه هذه جزية فسموها ما شئتم ولهذا تصرف مصارف الجزية۔ (۵)

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارض موات کے بارے میں فیصلہ کیا کہ جس نے اس کو قابل کاشت بنا لیا وہ اس کی ہو گئی، اس زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار حضرت امام ابو یوسف رح کا قول ہے جو پہلے مذکور ہوا لیکن

---

(۱) شامی ج۳ ص۲۵۰ (۲) شامی ج۳ ص۲۵۵ (۳) ہدایہ ج۲ ص۵۸۸ (۴) ہدایہ باب الجزیۃ ج۲ ص۵۹۹

(۵) ہدایہ ج۲ ص۶۰۱

اس میں یہ بھی شرط ہے کہ امام وقت کی اجازت سے اس کو قابل کاشت بنایا ہو۔

لان الاحیاء یتوقف علی الاذن۔ (۱)

فی المشکوٰۃ: عن عائشۃ رضی اللہ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من عمّر ارضا لیست لاحد فہو احق قال عروۃ قضی بہ عمر فی خلافتہ۔ رواہ البخاری۔

جس ملک کو جنگ اور لڑائی کے ذریعہ فتح کیا گیا ہو اس ملک کی زمینوں کے بارے میں امام المسلمین کو یہ اختیار حاصل ہے کہ پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کرنے کے بعد باقی چار حصے مجاہدین میں تقسیم کردے اور یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ مالکان سابق کی ملکیت کو برقرار رکھتے ہوئے ان پر خراج عائد کردے۔

قال فی البدائع من الغنیمۃ ، اما الاراضی فللامام فیہ خیار ان شاء خمسہا ویقسم الباقی بین الغانمین لما بینا وان شاء ترکہا فی ید اہلہا بالخراج وجعلہم ذمۃ (الی قولہ) وہذا عندنا وعند الشافعی لا للامام ان یترک فی ایدیہم بالخراج بل یقسمہا لنا اجماع الصحابۃ فان سیدنا عمر لما فتح سواد العراق ترک الاراضی فی ایدیہم وضرب علی رؤسہم الجزیۃ وعلی اراضیہم الخراج بمحضر من الصحابۃ الکرام ولم ینقل انہ انکر علیہ منکر فکان ذلک اجماعاً منہم۔ (۲)

وقال الجصاص فی سورۃ الحشر ویدل علیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکۃ عنوۃ ومنّ علی اہلہا فاقرہم علی املاکہم فقد حصل بدلالۃ الآیۃ واجماع السلف والسنۃ تخییر الامام فی قسمۃ الاراضین او ترکہا ملکا لاہلہا ووضع الخراج علیہا۔ (۳)

محور دوم

اراضی سندھ کا تاریخی جائزہ

محمد بن قاسم ثقفی کے زیر قیادت سندھ کی فتح خلیفۃ المسلمین ولید بن عبدالملک کے عہد خلافت میں

---

(۱) شامی ۵/۲۵۹ (۲) البدائع ۶/۱۱۸ (۳) احکام القرآن ج۳/۵۳

حجاج بن یوسف وائسرائے عراق کے زیر اہتمام عمل میں آئی۔ اس خطے کے فتح ہو جانے کے بعد محمد بن قاسم کو اس کا عامل اور گورنر مقرر کر دیا گیا اور حجاج بن یوسف کے واسطے سے امیر المومنین کے احکام اور قانون اسلامی یہاں جاری کیے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "اسلام کا نظام اراضی" میں اس کا پورا ثبوت فراہم کیا ہے، چنانچہ مولانا موصوف نے تحریر فرمایا ہے:

"عام طور پر پورے خطہ سندھ کی فتوحات صرف دو ہی صورتوں سے ہوئی، کہیں صلح والوں سے اور کہیں جنگ و جہاد سے اور بیشتر بلاد صلح کے سبب فتح ہوئے۔ ان علاقوں کو محمد بن قاسم نے شرعی حکم کے موافق شرائط صلح کی پابندی کی اور کسی زمین یا مال پر کوئی تصرف مطلقاً نہیں کیا، ہر شخص باقی اپنی املاک منقولہ اور غیر منقولہ پر بدستور سابق مالک اور متصرف رہا۔ البتہ حسب معاہدہ کے مطابق ان کی زمینوں پر خراج اور افراد پر جزیہ کی معمولی رقم مقرر کر دی گئی۔

اور جو بلاد عنوۃ (قہراً) جنگ کر کے فتح کیے گئے ان کی اراضی مملوکہ میں بھی صرف وہ زمینیں جو مفتوحہ امیر کی ملک اور سرکاری مقبوضات تھیں، ان کو تو اراضی بیت المال میں داخل کیا گیا جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عراق میں شاہ کسریٰ اور اس کے متعلقین کی متروکہ اراضی کو بیت المال کے لیے مخصوص کر لیا تھا۔ باقی زمینوں پر مالکان سابق کی ملکیت برقرار و بدستور رکھ کر خراج شرعی مقرر کر دیا جیسا کہ حضرت فاروق اعظم نے عام اراضی عراق و شام و مصر کے ساتھ یہی معاملہ فرمایا تھا۔" (۱)

اراضی مفتوحہ پر سلطان کا حکم اسی وقت لاگو کیا جا سکتا ہے جب کہ مالکان سابق کی ملکیت اسی طرح برقرار رکھی جائے جس طرح سے پہلے تھی۔ اس لیے اگر ان کا قبضہ ان کا ختم کر دیا جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو غانمین میں تقسیم ہو کر ان کی ملک ہو جائیں، ایسی صورت میں ان کی زمینوں پر عشر واجب ہوگا اور یا اگر ان کا قبضہ ہٹا کے پھر ان زمینوں کو بیت المال میں داخل کیا جائے تو ایسی صورت میں ان زمینوں پر نہ عشر ہے اور نہ خراج۔

"فی الشامیة: وهذا نوع ثالث یعنی لا عشریة ولا خراجیة من الاراضی تسمی ارض المملکة واراضی الحوز وهو ما مات اربابه بلا وارث وآل لبیت المال او فتح عنوة

---

(۱) مفتی محمد شفیع، اسلام کا نظام اراضی، ص ۵۸-۵۹۔

وابقی للمسلمین الی یوم القیامۃ۔(۱)

لہٰذا اراضی سندھ پر محمد بن قاسم کا خراج کا حکم اس بات پر صریح دلیل ہے کہ عام زمینوں پر مالکان سابق کی ملکیت برقرار رکھی گئی۔ مفتوح راجہ کی تملا املاک اور مقبوضات کو بیت المال میں داخل کرلینا اس کے منافی نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عمل سے جو انھوں نے عراق میں شاہ کسریٰ کی زمینوں کے ساتھ کیا، ثابت ہوتا ہے کہ شاہی مقبوضات کو داخل بیت المال کیا اور بقیہ زمینوں پر مالکان سابق کی ملکیت برقرار رکھتے ہوئے ان پر خراج شرعی مقرر کیا۔

حجاج بن یوسف کی جانب سے محمد بن قاسم کے پاس جو فرامین واحکام بھیجے گئے ان کو نقل کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رح نے اسی کتاب میں جو تحریر فرمایا ہے اس کو بعینہٖ نقل کیا جاتا ہے
فتح نیرون کے بعد محمد بن قاسم کے نام حجاج کا خط پہونچا جس میں لکھا تھا۔

"اہل نیرون کے ساتھ نہایت نرمی اور دلدہی کا سلوک کرو۔ ان کی بہبودی کے لیے کوشش کرو۔ لڑنے والوں میں جو تم سے امان طلب کرے اس کو ضرور امان دو۔ جو وعدہ کسی سے کرو اس کو ضرور پورا کرو۔ تمھارے قول وفعل پر سندھ والوں کو پورا پورا اعتماد واطمینان ہونا چاہیے۔" (۲)

فتح سیوستان کے بعد حجاج کا فرمان آیا کہ

"جو تم سے جاگیر وریاست طلب کرے تم اس کو ناامید نہ کرو۔ التجاؤں کو قبول کرو۔ امان دعفو سے رعایا کو مطمئن کرو۔ تم راجاؤں سے جو عہد کرو اس پر قائم رہو۔ جب وہ مالگذاری دینے کا اقرار کرلیں تو ہر طرح ان کی اعانت کرو۔ جو شخص توحید الٰہی کا اقرار اور تمھاری اطاعت کرے اس کے مال واسباب اور ننگ وناموس کو برقرار رکھو۔ لیکن جو شخص اسلام قبول نہ کرے اس کو صرف اس قدر مجبور کرو کہ تمھارا مطیع ہوجائے۔" (۳)

تنبیہ

خراج ومالگذاری ان لوگوں پر عائد کرنا اس کی دلیل ہے کہ حجاج بن یوسف نے سندھ کے ہندو باشندوں کو ان کی اراضی پر بدستور مالک وقابض رہنا تسلیم کرلیا تھا۔ ورنہ تقسیم بین الغانمین کی صورت میں عشر ہوتا اور اراضی کے بیت المال میں داخل ہونے کی صورت میں نہ عشر نہ خراج۔ (۴)

---

(۱) شامی ج ۳ ص ۲۵۵ (۲) آئینۂ حقیقت ص ۱۰۷ (۳) ایضاً (۴) اسلام کا نظام اراضی از مفتی محمد شفیع ص ۲۳/

محمد بن قاسم نے خود حفاظت اموال و اراضی کا اعلان عام کرا دیا تھا چنانچہ جو علاقے ابھی تک فتح نہیں ہوئے تھے ان میں یہ احکام بھجوا دیئے کہ جو شخص اطاعت قبول کرے گا اور پُر امن رہنے کا یقین دلائے گا اس کی تمام خطائیں معاف کر دی جائیں گی اور کسی قسم کی باز پرس اس سے نہ ہوگی۔ (۱)

نیز برہمن آباد کی فتح کے بعد محمد قاسم نے اعلان عام کر دیا تو لوگ امرا کے طبقے سے تعلق رکھتے ہیں ان سے چودہ تولہ اور جو دوم درجہ کے خوشحال لوگ ہیں ان سے سات تولہ اور عوام سے پونے چار تولہ چاندی سالانہ بطور جزیہ وصول کی جائے گی، جو اسلام قبول کرے گا وہ اس جزیہ سے معاف کر دیا جائے گا اس سے اسلامی قانون کے موافق زکوٰۃ لی جائے گی۔ جو شخص اپنے باپ دادا کے مذہب پر چلے اس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا نہ ان کے مندروں اور عبادت خانوں میں کسی قسم کی مداخلت کی جائے گی، نہ زمینیں چھینی جائیں گی نہ مکان و اموال کو کسی قسم کا نقصان پہنچایا جائے گا، مالکان اراضی بدستور اپنی زمینوں کے مالک رہیں گے اور زمینوں کی مالگذاری وغیرہ کا انتظام خود باشندگان سندھ کے ہاتھوں میں رہے گا، وغیرہ۔ (۲)

یہاں پر اس خلاصہ کلام کو نقل کر دینا بھی مناسب معلوم ہو رہا ہے جس کو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رح نے اپنی کتاب "اسلام کا نظام اراضی" میں اپنی خداداد بصیرت اور علمی واقفیت سے تحریر فرمایا ہے۔

"مذکورالصدر شاہی فرامین اور محمد بن قاسم کے اعلانات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ پورے ملک سندھ کی اراضی مملوکہ پر ہندو مالکان اراضی کا مالکانہ قبضہ بدستور قائم رکھا گیا ہے خواہ وہ شہر صلحاً فتح ہوئے یا عنوۃً و قہراً۔ اسلامی حکومت نے قبضہ یا تو ان زمینوں پر کیا جو غیر مملوک تھیں یا ان زمینوں پر جو شاہی مقبوضات تھیں یا وہ اراضی جو بیت المال میں شامل ہوئیں جن کے مالک لاوارث ہو گئے یا مفقود ہو گئے اور ان کے کسی وارث کا بھی پتہ نہ چلا، انہی زمینوں میں سے کچھ مسلمانوں کو جاگیریں دی گئیں۔ اب ملک سندھ کی اراضی جو مسلمان کی ملکیت میں آئیں اس کی دو صورتیں ہیں، یا تو وہ اراضی جو کسی شخص کو سلطان کی طرف سے بطور جاگیر مالکانہ صورت دے دی گئی اور یا وہ جو ہندو مالکان اراضی سے خرید لی گئی۔ (۳)

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) ذخیرۃ [illegible] جلد اول [illegible] منقول از اسلام کا نظام اراضی [illegible]

(۲) [illegible] (۳) منقول از اسلام کا نظام اراضی [illegible]

الغرض سندھ کی فتح ہو جانے کے بعد اس کی زمینوں پر خراج کا حکم عائد کیا گیا۔

قد ثبت فی کتب التاریخ ان فتح السند کان فی سنۃ ثلاث وتسعین وکان عنوۃ

الا مردم جنہ (اسم موضع) اسلموا طوعا طرماصرحا بہ فی التاریخ۔ (۱)

بیاض واحدی میں شیخ ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "رفع الغرین" کے حوالے سے نقل کیا ہے،

وما سمعت من احدھا وما وجدت من کتاب ان محمد بن القاسم وضع العشر

علی ارض السند ولو وضع لنقل۔ (۲)

فتح سندھ کی تکمیل کے بعد بقیہ ممالک ہند کی فتوحات کا مسئلہ تقریباً تین سو سال بعد شروع ہوا اس سلسلہ کی سب سے پہلی کڑی سلطان محمود غزنوی ہیں ان کے اور ان کی اولاد کے ہاتھوں مختلف بلاد فتح ہوئے اور بعد کے سلاطین نے فتح کا سلسلہ اسی طرح جاری رکھا۔

فتوحات چند نوع پر ہوئیں۔

(۱) یہ صورت بھی پیش آئی کہ اول فتح کے وقت لوگ مسلمان ہو گئے اور ان لوگوں کو ان کی زمینوں کا مالک بدستور قائم رکھا گیا لیکن یہ صورت بہت کم پیش آئی ہے۔

(۲) بعض ممالک ہند صلح کے ساتھ بھی فتح ہوئے ہیں ان کے ساتھ صلح کی شرائط اور دستور کے مطابق عمل کیا گیا۔

(۳) کچھ ممالک ہند لڑائی اور جنگ سے بھی فتح ہوئے ہیں اس صورت میں امام المسلمین کو تین اختیارات حاصل ہیں

ا۔ چاہے تو ان زمینوں کو غانمین میں تقسیم کر دے، پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کرنے کے بعد۔

ب۔ اراضی مملوکہ کو تقسیم کیے بغیر کل یا بعض زمینوں کو بیت المال کے لیے مخصوص کرے پھر اس کی کاشت وغیرہ کا انتظام بیت المال کی طرف سے ہو۔

ج۔ مالکان سابق کی ملکیت بدستور قائم اور باقی رکھ کر ان کی زمینوں پر خراج عائد کر دے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اس کی تصریح ان لفظوں میں کی ہے:

---

(۱) منقول از جواہر الفقہ جلد ثانی بحوالہ شیخ ابوالحسن سندھی۔

(۲) منقول از کتاب مذکور ص ۲۵

(۳) اس عہد میں خود کاشت کار زمینداروں کے بجائے ایک دوسرے طریقے نے زیادہ رواج پایا جس کو زمیندار اور کاشت کار کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے اور زمیندار و کاشت کار کی اس تفریق نے کاشت کاروں کی طرف سے مطالبۂ حقوق کے جھگڑے اور کسان سبھا وغیرہ پیدا کیں اور کاشت کاروں کے حقوق کے لیے قانون بنے۔ انگریزی عہد سے پہلے حقیقت اراضی زمیندار اور پھر سرکار کے لیے مخصوص تھی اور چونکہ عموماً دستور خود کاشت کا تھا اس لیے زمیندار ہی کاشتکار بھی تھے اور کہیں لگان پر زمین دینے کا طریقہ رائج بھی ہو جب بھی سرکاری کاغذات میں کاشتکار کا زمیندار سے علیحدہ کوئی منصب حقیقت اراضی میں نہیں تھا۔ انگریزی عہد سنہ ۱۹۲۲ء میں نئے قانون نے حقیقت اراضی میں کاشتکار کا درجہ بھی مثل حصہ دار و شریک کے قائم کر دیا اور اب اس سلسلہ میں سرکار نے زمیندار کے ساتھ ایک تیسرا درجہ کاشت کار کا بھی قائم کر دیا۔ کاشت کار کے مستقل حقوق اور ان کا تحفظ ابتداءً اس لیے ضروری سمجھا گیا کہ جب خود کاشت کے بجائے لگان پر اراضی دینے کا رواج بڑھا تو زمین کی پیداوار پر اس کا ایک ناگوار اثر پڑا کیونکہ کاشت کار اپنے عارضی ہونے کی وجہ سے زمین کے درست کرنے اور پیداوار بڑھانے میں اتنی محنت و مشقت صرف نہیں کرتے تھے جیسی خود مالک زمین کرتا کیونکہ اسے ہر وقت یہ خوف دامن گیر تھا کہ زمیندار جس وقت چاہے گا زمین مجھ سے چھڑا لے گا۔ اور اس کی ہمواری و قابل کاشت بنانے پر جو میرا روپیہ اور محنت صرف ہوگی اس کا صلہ مجھ کو نہ مل سکے گا۔ حکومت نے پیداوار کے اس نقصان کی تلافی اور ترقی زراعت کے پیش نظر کاشتکار کے حقوق قائم کیے۔

انگریزی عہد کے اس نئے قانون نے کاشت کاروں کے حقوق کی رعایت کے نام سے زمینداروں کے حقوق چھیننا شروع کر دیے اور ظالم کو ظلم سے روکنے کے بجائے مظلوم بنا دیا۔

یعنی زمیندار اگر کاشت کاروں پر ظلم کرتے رہے ہوں تو اس کی صورت یہ نہیں تھی کہ زمینداروں کے حقوق غصب کیے جائیں بلکہ اس کی صورت یہ تھی کہ کاشت کاروں کا جو واجبی حق ہوتا اسے زمینداروں سے دلوایا جاتا۔

سنہ ۱۹۵۰ء میں موروثیت وغیرہ کے نئے قانون نے تو کاشت کاروں کو اصل مالک قرار دے دیا اور زمیندار کو معطل کر دیا گیا۔

وآتوھم من مال اللہ الذی آتاکم۔ (۱)

اور انہیں اللہ کے اس مال میں سے دو جو اس نے تم کو عطا کیا ہے۔

یہ مال، زر، زمین، پیداوار، باغ، یہ کھیت وغیرہ اللہ کی عطا کی ہوئی نعمتیں ہیں۔ شکر نعمت کی نمود کا نام زکوٰۃ ہے جو دین کا اہم رکن اور افضل عبادت ہے۔

زکوٰۃ اسلام کی اس اقتصادی پالیسی کا ایک حصہ ہے کہ دولت کا بہاؤ مالداروں سے غریبوں کی طرف رہے۔ دولت منجمد ہونے نہ پائے گردش میں رہے۔ زکوٰۃ اسلام کے تربیتی نظام کا ایک اہم جزو ہے تاکہ انسان کا دل حب مال کی نجاست سے پاک و صاف ہو جائے۔

عشر

جس طرح سونے چاندی کی زکوٰۃ ہے اسی طرح زمین کی پیداوار کی بھی زکوٰۃ ہے۔ اسی کا اصطلاحی نام عشر ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے۔

وھو الذی انشأ جنٰت معروشٰت وغیر معروشٰت والنخل والزرع مختلفاً اکلہ والزیتون والرمان متشابھاً وغیر متشابہ۔ کلوا من ثمرہ اذا اثمر وآتوا حقہ یوم حصادہ ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین۔ (۲)

وہ اللہ ہے جس نے طرح طرح کے باغ اور گلستان (ٹٹیوں پر چڑھائے ہوئے) اور نخلستان پیدا کئے کھیتیاں اگائیں جن سے قسم قسم کے ماکولات حاصل ہوتے ہیں۔ زیتون اور انار کے درخت پیدا کئے جن کے پھل صورت میں مشابہ اور مزے میں مختلف ہوتے ہیں۔ کھاؤ ان کی پیداوار جب یہ پھلیں اور ادا کرو اس کا حق جب ان کی فصل کاٹو اور حد سے نہ گزرو کہ اللہ تعالیٰ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

مذکورہ آیت میں "وآتوا حقہ یوم حصادہ" کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ پیداوار کی زکوٰۃ عشر کے لئے سال گزرنے کی شرط نہیں ہے بلکہ جس دن پیداوار حاصل کر لی جائے فوراً اس کا حق (عشر) ادا کر دیا جائے۔ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ اس مسئلہ پر اجماع ہے۔ (۳)

---

(۱) سورۂ نور، آیت ۳۳۔ (۲) الانعام ۱۴۱۔ (۳) تفسیر مظہری [illegible]۔

السماء والعیون أو کان عثریا العشر وما سُقی بالنضح نصف العشر (۱)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کھیت بارش کے پانی چشمے یا تالاب وجوہڑ سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جو کھیت سیرابی کے سامان (رہٹ اونٹ وغیرہ) سے سیراب ہو اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے۔

جابر بن عبد اللہ یذکر أنہ سمع النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم قال فیما سقت الأنہار والغیم العشور وفیما سُقی بالسانیۃ فیہ نصف العشر (۲)

حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ نے فرمایا جن کھیتوں کو نہریں اور بارش سیراب کریں اس میں دسواں حصہ ہے اور جن کو اونٹوں پر پانی لاکر سیراب کیا جائے ان میں بیسواں حصہ ہے۔

مذکورہ بالا احادیث سے عشر کی شرح دس فیصد اور پانچ فیصد معلوم ہوئی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ پیداوار کم ہو یا زیادہ کسی نصاب کی قید کے بغیر اس میں عشر لازم ہوگا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر پیداوار چاہے غلہ ہو یا سبزی پٹ سن وغیرہ زمین کی ہر وہ پیداوار جو بالقصد کی جاتی ہے اس پر اس کی زکوٰۃ الارض یعنی عشر ادا کرنا ہوگا۔

آثار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

عن عمر بن عبد العزیز قال فیما أنبتت الأرض من قلیل أو کثیر العشر

أخرجہ عبد الرزاق ونحوہ عن مجاھد وإبراھیم النخعی (۳)

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے روایت ہے کہ زمین کی ہر پیداوار چاہے کم ہو یا زیادہ عشر لازم ہوتا ہے۔

وعن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی العسل فی کل عشرۃ أزق زق۔ رواہ الترمذی وقال فی اسنادہ مقال ولا یصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا الباب کثیر شیئ (۴)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہد کی پیداوار کے بارے میں فرمایا کہ ہر دس مشکیزہ پر ایک مشک عشر ہے۔

---

(۱) بخاری، مشکوٰۃ باب ما یجب فیہ الزکوٰۃ الفصل الاول ص ۱۵۹ (۲) مسلم شریف باب فیہ العشر او نصف العشر ج ۱
(۳) حاشیہ مشکوٰۃ ص ۱۵۹ (۴) مشکوٰۃ باب ما یجب فیہ الزکوٰۃ الفصل الثانی ص ۱۵۹۔

عشر کے سلسلے میں خلاصۂ بیان یہ ہے کہ:

۱۔ سونے چاندی، زکوٰۃ الاموال کی طرح زکوٰۃ الارض فرض ہے۔ (بالاتفاق)

۲۔ عشر صرف ٹیکس ہی نہیں بلکہ عبادت ہے (بالاتفاق)

۳۔ عشر مسلمانوں پر ہے غیر مسلموں پر نہیں ہے (بالاتفاق)

۴۔ زمین کی ہر پیداوار جو بالقصد پیدا کی جائے اس پر عشر ہے

۵۔ شہد پر بھی عشر ہے۔

۶۔ عشر کے لئے دوران حول (سال گزرنا) ضروری نہیں ہے۔ پیداوار جب حاصل کر لی جائے تو عشر کی ادائیگی فرض ہو جاتی ہے۔ (بالاتفاق)

۷۔ عشر کی دو شرحیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرما دی ہیں — قدرتی پانی سے سیرابی ہو تو دس فیصد۔ اور سیرابی کے لئے اخراجات ہوں تو پانچ فیصد۔

۸۔ عشر کے لئے کوئی نصاب زکوٰۃ کی طرح مقرر نہیں ہے۔ پیداوار کم ہو یا زیادہ اس پر عشر دینا ہوگا۔

۹۔ عشر کے لئے "دین" سے فارغ ہونا شرط نہیں ہے۔

۱۰۔ عشر کے لئے عقل، بلوغ اور زمین کا مالک ہونا بھی شرط نہیں ہے۔ پیداوار پر عشر ہے۔ (بالاتفاق)

عشر کے مندرجہ بالا مسائل میں درج ذیل نکات پر سب کا اتفاق ہے۔

۱۔ زکوٰۃ الارض "عشر" فرض ہے۔

۲۔ عشر صرف مسلمانوں پر فرض ہے۔

۳۔ عشر کے لئے سال گزرنے کی شرط نہیں ہے۔

۴۔ عشر صرف ٹیکس نہیں عبادت ہے۔

۵۔ عشر کے لئے عقل اور بلوغ کی اور ملکیت کی شرط نہیں ہے۔ وقف زمین کی پیداوار پر بھی عشر ہے۔ کیونکہ اصلاً عشر کا تعلق پیداوار سے ہے نہ کہ زمین سے۔

۶۔ شرح عشر دس فیصد اور پانچ فیصد پر سب کا اتفاق ہے کہ قدرتی پانی سے ہو تو دس فیصد اور سیرابی کے لئے اخراجات ہوں تو پانچ فیصد

عشر کے جن مسائل پر ائمہ مجتہدین نے رائے کا اختلاف کیا ہے وہ یہ ہیں۔

۱— ترکاریوں اور سبزیوں پر عشر ائمہ اربعہ میں سے صرف امام ابوحنیفہؒ کے مسلک میں مشروع ہے۔ مگر تلامذہ امام صاحبین (امام ابو یوسف و محمدؒ) ان کو عشر سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔

امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی دلیل تو بخاری شریف کی وہ حدیث ہے جس میں عموم ہے۔ قرآن مجید کی آیت کا مفہوم بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر امام صاحبؒ کی رائے سے اختلاف کرنے والے دلیل میں یہ حدیثیں پیش کرتے ہیں۔

عن معاذ انه كتب الى النبي صلى الله عليه وسلم يسأله عن الخضروات وهي البقول قال ليس فيها شيء (۱)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خضروات یعنی ترکاریوں کی زکوٰۃ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا ان میں کوئی زکوٰۃ نہیں ہے۔

عن علي ان النبي صلى الله عليه وسلم قال ليس في الخضروات صدقة (۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبزیوں اور ترکاریوں میں زکوٰۃ نہیں ہے۔

۲— غلوں اور پھلوں پر عشر کے لئے "دین" سے فارغ ہونا امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک شرط نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ کی رائے اس مسئلہ میں مختلف ہے وہ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ کی طرح فرضیت عشر کے لئے دین سے فارغ ہونا شرط ہے۔

ایک روایت امام ابوحنیفہؒ سے بھی امام احمد بن حنبلؒ کے موافق ہے۔

روى ابن المبارك عن ابي حنيفة ان الدين يمنع وجوب العشر فيسقط على هذه الرواية (۳)

ابن المبارک نے ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے کہ قرض وجوب عشر سے مانع ہے اس روایت کی بنا پر عشر ساقط ہوگا۔

---

(۱) [illegible]

۳ــــ عشر کے لئے کسی نصاب کا نہ ہونا ائمہ اربعہ میں سے صرف امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے ـــــ صاحبینؒ بھی زکوٰۃ اموال کی طرح عشر میں بھی نصاب کے قائل ہیں۔ امام صاحب کے قول کی دلیل آیت قرآنی اور حدیث کا عموم ہے دیگر ائمہ کی دلیل یہ حدیثیں ہیں۔

عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس فیما دون خمسۃ اوسق من التمر صدقۃ۔ (۱)

ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ وسق سے کم کھجوروں میں زکوٰۃ نہیں

حضرت ابوسعید خدریؓ سے ہی دوسری روایت ان الفاظ میں ہے کہ:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لیس فی حب ولا تمر صدقۃ حتی یبلغ خمسۃ اوسق۔ (۲)

نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ غلے اور چھوہارے میں زکوٰۃ نہیں ہے جب تک کہ پانچ وسق تک نہ پہنچ جائے۔

ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ تین سو صاع سے کم وزن میں عشر نہیں ہوگا۔

عشر کے سلسلہ میں یہ بنیادی حقیقت سامنے رہنی چاہیے کہ زمین پر زکوٰۃ نہیں ہے ـــــ زمین کی پیداوار حاصل کرنے کے لئے اصل مال وہ "بیج" ہے جو زمین میں بویا گیا۔ اصل مال یعنی بیج کا حاصل اور منافع یہ پیداوار ہے۔ جب کھیتی کٹ کر صاف ہو کر ہر طرح کے نقصانات سے بچ کر گھر آجائے تو اس کے اوپر یہ پیداوار کے منافع کا حق عشر کی صورت میں ادا کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل ہوا ہے۔

شرح عشر میں سیرابی کو بنیادی حیثیت دی گئی ہے۔ اگر سیرابی قدرتی ذرائع سے ہوئی ہے جس میں کاشتکار کی محنت اور خرچ نہیں ہوا ہے تو شرح عشر دس فیصد ہے اور محنت و خرچ ہوا ہے تو پانچ فیصد ہے۔

عشری زمینیں

دو صورتیں ایسی ہیں جن میں زمین عشری ہوتی ہے۔

۱۔ بادشاہان اسلام کے وقت سے جو زمینیں موروثی ہیں

۲۔ جو زمینیں بادشاہان اسلام کے وقت سے موقوفہ ہیں۔

---

(۱) مشکوٰۃ بحوالہ بخاری (۲) مشکوٰۃ بحوالہ نسائی۔

۳۔۔۔۔ وہ موروثی زمینیں جو شاہی وقت سے تو موروثی نہیں ہیں۔ لیکن یہ بھی نہیں معلوم کہ کس طرح قبضہ میں آئی ہیں؟

۴۔۔۔۔ جو زمینیں مسلمانوں نے خریدی ہیں۔ یا بطریق ہبہ یا بذریعہ وصیت ان کو ملی ہیں اور جس نے فروخت کیا۔ یا ہبہ کیا یا وصیت کی۔ اس نے بھی کسی مسلمان سے حاصل کی تھی۔ اسی طرح برابر سلسلہ جاری ہے۔ وہ سب زمینیں عشری ہیں۔

۵۔۔۔۔ جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں مسلمانوں کے خرید و فروخت کے ذریعہ آئی ہیں اور اوپر جاکر یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ اسلام نے دی تھی۔

۶۔۔۔۔ مسلمانوں کے قبضہ میں وراثۃً یا بذریعہ خرید و فروخت ہیں۔ لیکن اوپر کا حال معلوم نہیں کہ پہلے لوگوں نے کس طرح حاصل کی تھی۔

۷۔۔۔۔ انگریزی حکومت نے بطور معافی اس زمین کو دیا جو پہلے سے مسلمان کی ملکیت تھی۔

۸۔۔۔۔ انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو بطور معافی زمین دی مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ زمین پہلے کس کی تھی؟

۹۔۔۔۔ مسلمانوں نے غیر مزروعہ زمین کو جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی آباد کیا ہے اور وہ عشری زمین کے قریب ہے یا آسمانی و دریائی پانی یا اپنے کنوئیں سے سیراب ہوئی ہے۔

۱۰۔۔۔۔ مسلمانوں نے اپنے رہائشی مکانات کو مزروعہ بنایا۔ (۱)

مسلمانوں کی مملوکہ و مقبوضہ زمینیں جو شرعاً عشری قرار پاتی ہیں۔ وہ جب تک ان کے قبضہ میں رہیں گی عشری رہیں گی۔ ان میں حکومت کی تبدیلی سے کوئی فرق نہ ہوگا۔ کیونکہ عشر انسانی حکومت کا نہیں بلکہ اللہ اور رسول کا مقرر کردہ حق ہے۔

خراج

سورۂ بقرہ کی آیت ۲۶۷ میں پیداوار کی زکوٰۃ کا حکم اہل ایمان کو دیا گیا ہے۔ غیر مسلموں پر عشر کے بجائے خراج ہے۔ خراج ہر قابل کاشت زمین پر عائد ہوتا ہے بخلاف عشر کے کہ وہ زمین کی پیداوار پر ہوتا ہے۔

---

(۱) کتاب العشر والزکوٰۃ مولانا عبد الصمد رحمانی ؒ ص ۳۲ (طبع اول)

خراج کی دو قسمیں ہیں۔ خراج موظف اور خراج مقاسمہ۔

خراج موظف:— وہ ٹیکس ہے جو قابل کاشت زمین پر نقد رقم کی صورت میں لگایا جائے۔

خراج مقاسمہ:— وہ ٹیکس ہے جو بٹائی کی صورت میں پیداوار پر لگایا جائے۔

اصول یہ ہے کہ جو وظیفہ خراج یا عشر کسی زمین پر لگا دیا گیا وہ مالک کے بدلنے سے نہیں بدلے گا۔ اس لئے اگر کسی غیر مسلم کی خراجی زمین کو کوئی مسلمان خریدے تو وہ خراجی ہی رہے گی عشری نہ ہوگی۔ لیکن اگر کسی مسلمان کی عشری زمین کو کوئی غیر مسلم خریدے تو وہ عشری نہ رہے گی کیونکہ عشر ایک عبادت ہے اور اس کا تعلق اسلام سے ہے۔ [1]

کسی زمین کے خراجی ہونے کی چار صورتیں ہیں۔

۱— کسی غیر مسلم ملک پر امام المسلمین کا قبضہ ہو جائے اور وہ وہاں کی زمینوں کو غیر مسلم باشندگان ملک کے پاس ہی رہنے دے۔

۲— کسی غیر مسلم ملک کے باشندے بطور خود امام المسلمین سے صلح کر کے ذمی بننا قبول کر لیں۔

۳— کسی مسلمان نے کسی غیر مسلم سے خراجی زمین خرید لی۔ تو اس صورت میں وہ زمین خراجی ہی رہے گی۔

۴— کسی غیر مسلم نے کسی مسلمان سے عشری زمین خرید لی تو اب وہ زمین خراجی بن جائے گی۔

امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک عشر اور خراج ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ یا عشر واجب ہوگا یا خراج۔ مگر امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک مسلمانوں کی مملوکہ ہر زمین کی پیداوار پر عشر فرض ہے۔ چاہے وہ زمین عشری ہو یا خراجی۔

امام ابو حنیفہ رح کے مسلک کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا یجتمع علی مسلم خراج و عشر۔ [2]

کہ مسلمان پر خراج اور عشر دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

---

(۱) ملاحظہ فرمائیے بدائع الصنائع ۲/۵۵

(۲) رواہ ابن عدی فی الکامل، از فتح القدیر جلد ۲

مراجع ومآخذ

(۱) قرآن مجید

(۲) تفسیر مظہری۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مطبوعہ ندوۃ المصنفین دہلی۔

(۳) مشکوٰۃ المصابیح۔ شیخ ولی الدین محمد بن عبد اللہ ۷۳۷ھ میں ترتیب کے کام سے فارغ ہوئے۔

(۴) الجامع الصحیح مسلم ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم قشیری نیشاپوری ۲۰۶ھ تا ۲۶۱ھ دار الفکر بیروت

(۵) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع۔ ملک العلماء علاء الدین ابی بکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ

ناشر زکریا یوسف مطبع الامام قاہرہ۔

(۶) الجامع الصحیح السنن ترمذی۔ امام ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی ۲۰۹ھ متوفی ۲۷۹ھ۔

(۷) کتاب العشر والزکوٰۃ۔ مولانا عبد الصمد رحمانی نائب امیر شریعت بہار و اڑیسہ

(۸) شرح فتح القدیر علی الہدایہ۔ کمال الدین محمد بن عبد الواحد الحنفی السیواسی

الاسکندری ابن الہمام متوفی ۸۶۱ھ مطبع مصطفیٰ ۱۳۵۶ھ۔

اسلام کا نظامِ عشر و خراج

از:- محمد ابوالخیر گنگوہی، خادم التدریس، مدرسہ شیخ الاسلام شیخوپور

(اعظم گڈھ، یوپی)

عشر و خراج اسلامی حکومت کے مالی ذرائع سے ہیں۔ عشر کا لغوی معنی دسواں حصہ ہے لیکن جن صورتوں میں بیسواں حصہ یعنی نصف عشر واجب ہوتا ہے ان کا ذکر بھی فقہاء نے عشر ہی کے عنوان سے کیا ہے۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

"باب العشر بضم العین ای احد اجزاء العشرة والمراد به هنا ما ينسب اليه ليشمل الترجمة نصف العشر"

اور امام اکمل الدین اپنی کتاب العنایہ شرح الہدایہ میں فرماتے ہیں:

"والعشر بضم العين احد اجزاء العشرة والخراج اسم لما يخرج من غلة الارض"

عشر و خراج زمین کی آمدنی سے متعلق ہیں دونوں شریعت اسلامیہ کے نزدیک [عشر میں] عبادت کا حق ہے، اور خراج میں صغار و ذلت کا حق۔ اسی لیے خراج کی [وصولی] غیر مسلم سے کی جاسکتی ہے اور کافر پر عشر کا وجوب نہیں ہوسکتا کیونکہ کافر وجوب عبادت کی اہلیت [نہیں رکھتا]۔

[illegible] عنایہ علی ہامش فتح القدیر ۲/[illegible]

ملک العلماء امام علاء الدین کاسانی فرماتے ہیں :

"الاراضی لا تخلو من مؤنة اما العشر واما الخراج والابتداء بالعشر فی ارض المسلم اولیٰ لان فی العشر معنی العبادة وفی الخراج معنی الصغار"[۱]

اور عملی اعتبار سے یہ فرق بھی ہے کہ عشر کا وجوب پیداوار ہی پر ہوتا ہے اور خراج موظف کے لیے پیداوار شرط نہیں :

"ومن شرائط المحلية وجود الخارج حتی ان الارض لو لم تخرج شيئا لم يجب العشر لان الواجب جزء من الخارج وايجاب جزء من الخارج ولا خارج محال"[۲]

عشر و خراج کی فرضیت کے سبب میں بھی تھوڑا سا فرق ہے کہ عشر کی فرضیت کا سبب زمین کا حقیقتاً نامی ہونا ہے یعنی زمین سے پیداوار حاصل ہو جائے اور خراج کی فرضیت کا سبب زمین کا حقیقتاً یا تقدیراً نامی ہونا ہے یعنی اگر اسباب کے صحیح و سالم ہونے اور آلات حرث کے پائے جانے کی وجہ سے زراعت پر قدرت ہوگئی تو تقدیراً نما حاصل ہو گیا :

"واما سبب فرضيته (العشر) فالارض النامية بالخارج حقيقة وسبب وجوب الخراج الارض النامية بالخارج حقيقة او تقديرا"[۳]

یہی وجہ ہے کہ اگر پیداوار ہلاک ہو جائے تو اس میں نہ عشر واجب ہے نہ خراج، کیوں کہ نما، حقیقتاً و تقدیراً فوت ہو گیا۔ اور عشری زمین میں اگر زراعت پر قدرت کے باوجود کھیتی نہ کی تو عشر واجب نہ ہوگا، کیوں کہ حقیقتاً پیداوار کا حصول ہی نہ ہوا، اور خراجی زمین ہوتی تو خراج واجب ہو جاتا کیوں کہ تقدیراً نما پایا گیا۔ البتہ خراجی زمین ایسی ہو کہ اس سے پانی رستا ہو یا سیلاب میں ڈوب گئی ہو، جس میں کھیتی ممکن نہ ہو یا زمین بنجر ہے یا اب کچھ درست ہونے کے بعد زمین ایسی جگہ واقع ہے کہ وہاں تک پانی پہنچنا ممکن نہیں اور آتی بارش نہیں ہوتی جو کافی ہو، تو اس میں خراج نہیں کیوں کہ اس میں نما، نہیں ہے حقیقتاً نہ تقدیراً۔

۱؎ بدائع، ۲/۵۸. ۲؎ بدائع و شامی. ۳؎ بدائع.

عشری و خراجی زمین کا بنیادی فرق :

اراضی عشر

مسلمان فاتح جب کسی ملک کو فتح کرتا ہے تو اس کی چند صورتیں ہو سکتی ہیں :

۱ـــــ ملک صلح کے ساتھ اس طرح فتح ہوا کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے اور ان کی زمینیں بدستور انہی کی ملک رہیں، تو یہ عشری ہیں، جیسے مدینہ طیبہ کہ وہاں کے باشندوں نے خود جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی، اور ان کی اطاعت قبول کی :

"الارض التی اسلم علیہا اھلہا طوعاً"[1] :

۲ـــــ ملک عنوۃً و قہراً فتح ہوا اور اس کی زمینیں غانمین مسلمین کے درمیان تقسیم کر دی گئیں، تو یہ عشری ہیں، کیوں کہ زمین مؤنت سے خالی نہیں ہوتی، عشر یا خراج لازم ہے، اور مسلم کی زمین میں عشر ہی سے ابتدا کی جا سکتی ہے۔

۳ـــــ مسلمان نے اپنے گھر کو باغیچہ بنا لیا، اور عشری پانی سے سیراب ہوتا ہے تو عشری ہے، اگر خراجی پانی سے سیراب کرتا ہے تو خراجی ہے، گویا اس صورت میں عشری و خراجی ہونے کا مدار پانی پر ہے۔ تمام صورتوں میں نکتہ یہ ہے اور ضابطہ یہ ہے اگر زمین کا عشری ہونا منصوص علیہ ہے تو وہ عشری ہے خواہ خراجی پانی سے سیراب کی جائے اور اگر خراجی ہونا منصوص علیہ ہے خواہ عشری پانی سے سیراب کی جائے اور جو منصوص علیہ نہیں ہے اس کا مدار پانی پر ہے اگر عشری ہے تو عشری، اگر خراجی ہے تو خراجی، اور اگر کبھی عشری پانی سے کبھی خراجی پانی سے تو مسلم کے لیے عشری زیادہ الیق ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں :

"قال فی الکافی لان الارضین غیر المنصوص علیہا تدور مع الماء

---

[1] بدائع [illegible]

فان كانت تسقى بماء بئر او عين فهي عشرية وان كانت تسقى بانهار الاعاجم فخراجية ولو بهذا مرة وبهذا مرة فالعشر احق بالمسلم اهو مقتضاه ان المنصوص على انه عشري كارض العرب ونحوها او على انه خراجي كارض السواد ونحوها لا يعتبر فيه الماء.[۱]

اور علامہ ابن ہمام نے صاحب ہدایہ کے اس قول "وفي الجامع الصغير كل ارض فتحت عنوة فوصل اليها ماء الانهار فهي ارض خراج الخ" کے تحت تفصیلی گفتگو کرنے کے بعد حاصل کلام جو ذکر کیا ہے وہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے:

"والحاصل ان التي فتحت عنوة ان اقر الكفار عليها لا يوظف عليهم الا الخراج ولو سقيت بماء المطر وان قسمت بين المسلمين لا يوظف الا العشر وان سقيت بماء الانهار واذا كان كذلك فالمقصود ان يراد الارض التي احياها مسلم فان الذي فتحت عنوة مما يبتداء فيها التوظيف غير المقسومة والمقر اهلها عليها ليس الا الموات التي احييت ويصير المعنى كل ارض فتحت عنوة صارت ارض خراج اذا اقر اهلها عليها وكل ارض لم تفتح عنوة بل احياها مسلم ان كان سقيها انما يصل اليها ماء الانهار فهي خراجية او ماء عين ونحوه فهي عشرية"[۲]

عشری پانی

بارش کا پانی، خود مسلم نے کنواں کھودا، یا چشمہ جاری کیا، اسی طرح دجلہ اور فرات اور وہ سارے بڑے بڑے دریا جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا۔

---

[۱] شامی ۳/۱۸۵۔

[۲] فتح القدیر ۵/۲۹۰۔

علامہ ابن ہمام نے اپنی کتاب فتح القدیر میں امام محمدؒ کا قول ذکر کیا ہے:

"ان محمدا قال فیمن احیا ارضا میتة بحفرها او عین استخرجها او ماء دجلة والفرات او باقی الانہار العظام التی لا یملکها احد او بالمطر فہی عشریة"[1]

خراجی پانی

وہ چھوٹی چھوٹی نہریں جنہیں کفار نے کھودا ہے، جن پر ان کا قبضہ ہوتا ہے، جیسے نہر ملک نہر یزدجرد وغیرہ، شامیؒ نے تعریف نقل کرنے کے بعد حاصل کلام یہ ذکر کیا ہے:

"والحاصل ان ماء الخراج ما کان للکفرة ید علیه ثم حویناه قهرا وما سواه عشری لعدم ثبوت الید علیه فلم یکن غنیمة"[2]

شامی نے جو حاصل کلام ذکر کیا ہے اس پر یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ بارش اور بحار کا پانی تو ایسا ہے کہ اس پر کفار کا پہلے قبضہ نہ تھا لیکن کنوے اور چشمے ان پر تو قبضہ تھا پھر ان سے قہرا لینا پایا گیا تو اس کو خراجی ہونا چاہیے، اس سوال کا جواب خود ابن ہمام نے دیا ہے، جس کو شامی نے نقل کیا ہے کہ:

"واجاب فی الفتح بانه لا یلزمنا ذلک فی کل عین وبئر فان اکثر ما کان من حفر الکفرة قد دثر وما نراه الآن انما معلوم الحدوث بعد الاسلام او مجهول الحال فیجب الحکم فیه بانه اسلامی اضافة للحادث الی اقرب وقته الممکن"[3]

۴۔ ارض موات جس کو مسلم نے باذن امام زندہ کیا تو ابویوسف کے قول پر اگر یہ عشری زمین کے حیز میں ہے یعنی اس کے ہر طرف عشری زمین ہے تو یہ عشری ہے اور اگر خراجی زمین کے حیز میں ہے۔ تو خراجی ہے اور امام محمدؒ کے قول پر اگر عشری پانی سے سیراب کرتا ہے تو عشری ہے ورنہ خراجی ہے![4]

[illegible]

شامی نے امام ابو یوسف کے قول کو معتمد قرار دیا ہے، فرماتے ہیں :

"ان احیاء مسلم یعتبر قربہ عند ابی یوسف وعند محمد یعتبر الماء والمعتمد الاول[1] :

یہیں اس کا جان لینا بھی نہایت ضروری ہے کہ امام ابو یوسف کے قول کے مطابق بصرہ کی زمین خراجی ہونی چاہیے کیوں کہ وہ خراجی کے قریب ہے جیسا کہ خراجی زمینوں کے بیان میں اس کی تفصیل آجائے گی۔ لیکن اجماعِ صحابہ کی وجہ سے بصرہ کو خاص کر لیا گیا ہے :

"وقیاس قول ابی یوسف ان تکون البصرة خراجیة لانہا من حیز ارض الخراج وان احیاہا المسلمون الا انہا ترک القیاس باجماع الصحابة حیث وضعوا علیہ العشر[2] :

اور شامی میں ہے :

"والبصرة احیاہا المسلمون لانہا بنیت فی ایام عمر بن الخطاب وھی فی حیز ارض الخراج[3] :

ھ ـــــ عرب کی ساری زمینیں عشری ہیں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد خلفاء راشدین نے ارض عرب سے خراج نہیں وصول کیا، اس سے معلوم ہوا کہ وہ عشری ہے :

"اما العشریة فمنہا ارض العرب کلہا وانما کانت ہذہ ارض عشر لان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والخلفاء الراشدین بعدہ لم یاخذوا من ارض العرب خراجا فدل انہا عشریة[4] :

اور ابن ہمام فرماتے ہیں :

"ولانہ کالفیٔ فلا یثبت فی اراضی العرب فکذا الاخراج علی ارضہم[5] :

۱؎ ج ۳/۱۰۶ ، ۲؎ بدائع ۲/۵۷ ، ۳؎ ج ۳/۱۰۶ ، ۴؎ بدائع ۲/۵۸

۵؎ ج ۵/۲۰۲ ۔

حدود عرب کا جاننا بھی ضروری ہے تاکہ اس کا عشری ہونا متیقن ہو سکے۔ شامی نے بحوالہ تقویم البلدان نقل کیا ہے:

"جزیرۃ العرب خمسۃ اقسام تہامۃ، نجد، حجاز، عروض یمن فاما تہامۃ فہی الناحیۃ الجنوبیۃ من الحجاز اما نجد فہی الناحیۃ التی بین الحجاز والعراق واما الحجاز فہو جبل یقبل من الیمن حتی یتصل بالشام وفیہ المدینۃ وعمان واما العروض فہو الیمامۃ الی البحرین[۱]"

خراجی زمینیں

ا۔۔۔ اگر ملک عنوۃ وقہراً فتح کیا گیا اور امام نے اس کی زمینیں ان کے مالکوں کے قبضے میں باقی رکھیں تو ان کی زمینیں ہمیشہ کے لیے خراجی ہو گئیں، وہ اسلام لائیں یا نہ لائیں:

"الاراضی التی فتحت عنوۃ وقہراً فمن الامام علیہم وترکہا فی ید اربابہا فانہ یضع علی جماجمہم الجزیۃ اذا لم یسلموا وعلی اراضیہم الخراج اسلموا او لم یسلموا[۲]"

اس ضابطے کا تقاضا یہ ہے کہ مکہ کی زمینیں خراجی ہوں، کیوں کہ وہ عنوۃ فتح ہوا ہے (جیسا کہ ابن ہمام نے دلائل قویہ سے ثابت کیا ہے، کہ وہ عنوۃ فتح ہوا ہے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جو دلائل ہم پیش کیے ہیں ان کی روشنی میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا کہ مکہ عنوۃ فتح نہیں ہوا ہے) اور ان کی ملکیت برقرار رکھی گئی اور تقسیم نہیں کیا گیا، لیکن فعل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قیاس متروک ہے، کیوں کہ آپ نے اس پر خراج نہیں مقرر کیا:

"ومکۃ مخصوصۃ من ہذا العموم فان رسول صلی اللہ علیہ وسلم فتحہا عنوۃ وترکہا لاہلہا ولم یوظف الخراج[۳]"

---

۱ شامی ۳/۱۰۰۔ ۲ بدائع ۲/۵۸۔ ۳ ہدایہ مع الفتح ۴/۳۰۹۔

اور بدائع میں ہے :

"فصارت مکۃ مخصوصۃ بذالک تعظیما للحرم[1] :

۲ـــــ ملک تو عنوۃً فتح کیا اور ان کی زمینوں پر ان کی ملکیت باقی بھی رکھی یا ان سے ان کی زمینوں میں دراہم و دنانیر کے ایک مخصوص مقدار پر صلح کر لی تو یہ بھی خراجی ہے۔

۳ـــــ یا ان کفار کو تو نکال دیا، البتہ دوسرے کفار کو وہاں بسا دیا، کیوں کہ یہ ان ہی کے قائم مقام ہو گئے :

"وما فتح عنوۃ واقروا اھلہ علیہ او نقل الیہ کفار آخر او فتح صلحا خراجیۃ[2] :

۴ـــــ ارض موات جس کو مسلم نے زندہ کیا اور خراجی پانی سے سیراب کرتا ہے :

"الارض المیتۃ التی احیاھا المسلم وھی تسقیٰ بماء الخراج[3] :

۵ـــــ یا ذمی نے مردہ زمین کو قابل کاشت بنایا۔

۶ـــــ یا اس نے اپنا گھر باغیچہ بنایا۔

"وفی دار جعلت بستانا خراج ان کانت لذمی مطلقا او لمسلم سقاھا بمائہ ای الخراج ولو ان المسلم او الذمی سقاھا مرۃ بماء العشر ومرۃ بماء الخراج فالمسلم احق بالعشر والذمی بالخراج کما فی المعراج[4] :

۷ـــــ نصاری بنی تغلب کی زمینیں خراجی ہے مالک کا حال بدلنے سے زمین کے خراجی ہونے میں کچھ تغیر نہ ہو گا۔

"ارض نصاری بنی تغلب لان عمرؓ صالحہم علی ان یاخذ من اراضیہم العشر مضاعفا وذالک خراج فی الحقیقۃ[5] :

۸ـــــ باستثناء بصرہ عراق کی ساری زمینیں خراجی ہیں، اس لیے کہ جب عمرؓ نے اسے فتح

---

[1] ۲/۵۸، [2] شامی ۳/۲۵۶ ، [3] بدائع ۲/۵۸ [4] شامی ۳/۲۵۶ ، [5] بدائع ۲/۵۸ ۔

کیا تو صحابہؓ کی موجودگی میں خراج مقرر کیا گویا اس کے خراجی ہونے میں اجماع ہوگیا :

"وارض السواد کلها ارض خراج[1]"

شامی نے عراق کے حدود تقویم البلدان کے حوالے سے جو نقل کی ہے وہ یہ ہے :

"وامتداد العراق طولا شمالا وجنوبا من الحديثة على دجلة إلى عبادان وامتداده عرضا غربا وشرقا من القادسية إلى حلوان[2]"

محور پنجم

(۱) ــــــ نصاب عشر کے سلسلے میں امام ابو حنیفہ اور صاحبین میں اختلاف ہے امام صاحب کا یہ فرمانا ہے کہ وجوب عشر کے لیے کوئی نصاب شرط نہیں، بلکہ ہر اس چیز میں عشر واجب ہے جسے زمین اگاتی ہو اور اس سے نماء کا قصد کیا جاتا ہو وہ قلیل ہو یا کثیر، رطب ہو یا یابس عام طور سے ایک سال تک رہ جاتا ہو یا نہ رہ پاتا ہو، کیل کیا جاتا ہو یا نہ کیا جاتا ہو، بہنے والے پانی سے سیراب کیا جاتا ہو، یا بارش سے۔

"قال ابو حنيفة رح في كل ما تنبت الارض ويبتغى به النماء قليلا كان او كثيرا، رطبا كان او يابسا يبقى من سنة إلى سنة اولا يوسق اولا يسقى سيحا او بماء جار او سقته السماء اى المطر، العشر[3]"

البتہ اگر پیداوار اس قدر کم ہے کہ اسے عرف میں پیداوار کہا ہی نہ جاتا ہو مثلاً کل پیداوار نصف یا ایک صاع ہے، تو اس میں وجوب عشر کا کوئی قائل نہیں ہے۔ جیساکہ علامہ شامی نے اس کی تصریح کی ہے :

---

[1] بدائع ۲/۵۸، [2] ۳/۲۶۱، [3] عنایہ علی ہامش فتح القدیر، ۲/۱۹۹۔

"فیجب ای العشر فیما دون النصاب بشرط ان یبلغ صاعًا وقیل نصفہ" [1]

امام صاحب کی دلیل آیت:

"یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض الخ":

اور اللہ تعالیٰ کا قول:

"وآتوا حقہ یوم حصادہ":

کا عموم ہے اور حدیث بھی:

"ما سقتہ السماء ففیہ العشر وما سقی بغرب او دالیۃ ففیہ نصف العشر":

اور:

"ما اخرجت الارض ففیہ العشر":

قلیل وکثیر کے درمیان کوئی فصل نہیں کرتی۔ اور عقلی دلیل یہ ہے کہ وجوب عشر کا سبب ارض نامیہ ہے، یعنی زمین سے پیداوار حاصل ہو جانا، اور نمو قلیل وکثیر دونوں سے حاصل ہوتا ہے۔

اور صاحبین کے نزدیک وجوب عشر کے لیے نصاب شرط ہے اور وہ پانچ وسق ہے، ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ اور ایک صاع آٹھ رطل کا، ایک رطل نصف من عربی کا، لہٰذا چار من کا ایک صاع ہوا، اس اعتبار سے بارہ سو من کا پانچ وسق ہوگا، اور ان کی دلیل ایک طویل حدیث کا یہ ٹکڑا ہے جسے بخاریؒ نے روایت کیا ہے:

"لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ":

صاحبین فرماتے ہیں کہ اس میں صدقے سے مراد عشر ہے اس لیے کہ زکوٰۃ التجارہ بالاتفاق پانچ وسق سے کم میں بھی واجب ہے، جب اس کی قیمت دو سو درہم ہو جائے۔ اور عقلی دلیل یہ دیتے

---

[1] شامی ۲/۳۶۶۔

یہی کہ یہ عشر صدقہ ہے اور صدقہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کا تعلق نماء ارض سے ہے اور یہ کافر پر واجب نہیں ہے، اور اسے مصارف صدقات ہی میں صرف کیا جاسکتا ہے، جب اس کا صدقہ ہونا ثابت ہوا تو اس کے لیے نصاب شرط ہونا چاہیے تاکہ غنی متحقق ہوسکے، اور امام صاحبؒ کے نزدیک "لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة" میں صدقہ سے مراد زکاۃ التجارۃ ہے، عشر نہیں، اس لیے کہ عہد نبوت میں لوگ وسق کے ذریعہ بیع کیا کرتے تھے اور ایک وسق کی قیمت چالیس درہم ہوا کرتی تھی، اس اعتبار پانچ وسق کی قیمت دو سو درہم ہوئی اور یہی زکاۃ کا نصاب ہے اسی لحاظ سے آپؐ نے "لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة" فرمایا ہے کہ پانچ وسق سے کم میں صدقہ نہیں یعنی دو درہم سے کم قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

اور صاحبین نے جو یہ فرمایا کہ یہ صدقہ ہے لہٰذا نصاب شرط ہونا چاہیے تاکہ صفت غنی متحقق ہوسکے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ باب عشر میں نفس مالک کا اعتبار نہیں[2] تا یہ صفت چہ رسد، یہی وجہ ہے کہ مکاتب، صبی، مجنون، ماذون کی زمین میں عشر ہے، اور ان اراضی میں جو متعین یا غیر متعین افراد واعیان پر وقف ہیں، اور ان اراضی میں بھی جو کسی فرد، کسی قوم پر وقف نہیں بلکہ رباطات ومساجد کے لیے وقف ہیں[3] اسی وجہ سے اگر عشری زمین میں غلہ پیدا ہوا، اور مالک زمین پر ایک خطیر رقم دین کی ہے۔ جب بھی اس کے ذمے سے عشر ساقط نہ ہوگا، کیوں کہ دین بیش از بیش مالک کی صفت غنی کو منعدم کرسکتا ہے، اور وہ ایجاب عشر میں معتبر نہیں۔

"واذا اخرجت الارض العشرية طعاما وعلى صاحبها دين كثير لم يسقط منه العشر لان الدين يعدم غنى المالك بما في يده وقد بينا ان غنى المالك غير معتبر لايجاب العشر"[3]

اسی لیے وجوب عشر میں حولان حول شرط نہیں، کیوں کہ وہ استنماء کے لیے ہے اور یہ کل کا کل نماء ہے[3]

یہ نصاب مذکور ان چیزوں کے لیے ہے جو کیل سے کیل کے اندر داخل ہوتی ہے۔

---

[1] ھدایہ [2] عنایۃ [3] بدائع۔

لیکن وہ چیزیں جو کیل کے اندر داخل نہیں ہوتیں اور موسقات میں سے نہیں ہیں، جیسے روئی، زعفران وغیرہ ان کے نصاب کے ذکر میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور وہ اس طرح کہ جتنے غلے موسقات میں سے ہیں یعنی وسق میں داخل ہوتے ہیں، ان میں سے جو ادنیٰ ہے، پیداوار اس کے پانچ وسق کی قیمت کے برابر ہو جائے تو عشر واجب ہو جائے گا، ورنہ نہیں، اس لیے کہ پانچ وسق منصوص ہے تو جب تک پانچ وسق پر صوری و معنوی طور سے عمل ممکن ہوگا اس پر عمل کیا جائے گا، اور جب صورۃً عمل ممکن نہ رہ جائے تو معنوی طریقے سے ثمن پر اکتفا کیا جائے گا اور وہ قیمت ہے، لہٰذا غیر موسقات میں قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، جیسا کہ عروض تجارت میں قیمت ہی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔[1]

اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ پیداوار کو دیکھا جائے گا کہ اس کے ناپنے کے کتنے درجات ہیں جو سب سے اعلیٰ درجہ ہوگا جب اس کا پانچ گنا ہو جائے تو عشر واجب ہوگا۔

ان کی دلیل یہ ہے کہ موسقات میں وسق سے تقدیر کی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنے باب میں اعلیٰ پیمانہ (اقصی ما یقدر بہ) ہے کیونکہ سب سے ادنیٰ پیمانہ صاع ہے، پھر مُد ہے، پھر وسق ہے۔ اور روئی کا سب سے آخری پیمانہ حمل ہے اس لیے کہ سب سے پہلا پیمانہ استار ہے پھر من ہے، پھر حمل ہے، لہٰذا جب روئی پانچ حمل ہو جائے تو عشر واجب ہو جائے گا۔ اور زعفران کا سب سے اعلیٰ پیمانہ من ہے، اس لیے کہ ادنیٰ پیمانہ سنجا ہے، پھر استار ہے، پھر من ہے، لہٰذا زعفران جب پانچ من ہو جائے تو عشر واجب ہو جائے گا۔

۲ ـــــ رہا یہ سوال کہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر عشر واجب ہے یا کچھ چیزوں پر نہیں ہے تو شمس الائمہ سرخسی نے یہ فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک وجوب عشر سے پانچ چیزیں مستثنیٰ ہیں۔ (۱) سعف یعنی کھجور وغیرہ کی شاخیں (۲) تبن یعنی گیہوں اور جو وغیرہ کا ڈنٹھل (۳) حشیش یعنی گھاس (۴) قصب یعنی بانس (۵) حطب یعنی جلانے کی لکڑی جیسے جھاؤ، چنار کا درخت وغیرہ

"والمستثنى عنده من جملة خمسة أشياء السعف والتبن ...

---

[1] هداية ـ مع عناية

اغصان الاشجار ولیس فی الشجر شیٔ والتبن فانہ ساق للحب کالشجر للثمار والحشیش فانہ ینقی من الارض ولا یقصد بہ استغلال الاراضی والطرفا، والقصب فانہ لا یقصد استغلال الاراضی بہما عادۃ۱؎ "

ان اشیاء عشر کے استثناء سے ایک اصول مستنبط ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ پیداوار جس سے زمین کا نما مقصود ہو، اور زمین سے عادۃ اسے غلہ کے طور پر حاصل کیا جاتا ہو، تو اس میں عشر ہے ورنہ نہیں۔ اسی اصول کی طرف صاحب درمختار نے اس عبارت سے اشارہ کیا ہے:

" وتجب فی مسقی سماء و سیح بلا شرط نصاب وبقاء الا فیما لا یقصد بہ استغلال الارض۲؎ "

اور صاحب بدائع نے وضاحت کے ساتھ کہہ دیا ہے:

" ومنہا ای من شرائط العشر ان یکون الخارج من الارض مما یقصد بزراعتہ نماء الارض وتستغل الارض بہ عادۃ۳؎ "

اب وجوب عشر سے مستثنیٰ صرف پانچ چیزیں نہیں بلکہ اس اصول کے اندر جتنی چیزیں داخل ہوتی چلی جائیں گی، وہ وجوب عشر سے مستثنیٰ ہوتی چلی جائیں گی، مثلاً وہ بیج جو خود مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس سے صرف زراعت مقصود ہوتی ہے، جیسے ککڑی وغیرہ کی بیج:

" ولا فی کل بزر لا یطلب بالزراعۃ۴؎ "

اسی طرح ادویہ کی قبیل سے جتنی چیزیں ہوں گی وہ وجوب عشر سے خارج ہو جائیں گی۔ جیسے، کندر، مینتھی:

" ولا یجب فی السعتر والشونیز والحلبۃ لانہا من جملۃ الادویۃ فلا یجب الانتفاع بہا۵؎ "

۱؎ المبسوط للسرخسی [illegible]۔ ۲؎ درمختار ۲/ ۳۰۰۔ ۳؎ بدائع ۲/ ۵۹۔
۴؎ فتح [illegible]۔ ۵؎ بدائع [illegible]۔

اسی اصول کے پیش نظر صاحب درمختار ان چیزوں کو شمار کراتے ہوئے جن میں عشر نہیں ہے فرماتے ہیں:

"نحو حطب وقصب فارسی وحشیش وتبن وسعف وصمغ وقطران وخطمی واشنان وشجر قطن وباذنجان وبزر بطیخ وقثاء وادویة کحبة وشونیز"[1]

ہاں اگر کسی نے ان اشیاء خمسہ سے زمین کا نماء واستغلال مقصود بنالیا تو ان میں بھی عشر واجب ہو جائے گا، کیوں کہ مانع مرتفع ہو گیا، اس لیے بدائع میں کہا ہے:

"قالوا فی الارض اذا اتخذها مقصبة وفی شجرة الخلاف التی یقطع فی کل ثلاث سنین او اربع سنین انه یجب فیها العشر لان ذلك غلة وافرة"[2]

شامی نے کہا ہے:

"فلو استنمی ارضه بقوائم الخلاف وما اشبهه او بالقصب او الحشیش وکان یقطع ذلك ویبیعه کان فیه العشر غایة البیان"[3]

اس اعتبار سے پانی میں کاشت کی جانے والی چیزیں مثلاً مکھانہ، سنگھاڑا وغیرہ اگرچہ پانی میں پیدا ہوتے ہیں، لیکن ان کا تعلق زمین سے ہوتا ہے، لہذا "مِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ" میں داخل ہیں اور یہ نمو کا مقصود ہوتے ہیں، اس لیے ان میں عشر واجب ہونا چاہیے۔

۲۔ آج کل عام طور سے زراعتی اراضی پر تالاب کھود دیئے جاتے ہیں اور اس میں مچھلی کی کاشت کی جاتی ہے، مچھلی کی کاشت کو بہت نفع بخش تصور کیا جاتا ہے، کسان یہ سمجھتا ہے کہ اگر ان اراضی پر گیہوں، دھان وغیرہ کی کاشت کرے تو اخراجات اور محنت زیادہ ہے اور منفعت کم، اس لیے اراضی کو مچھلی کی کاشت کے لیے تالاب بنا کر استعمال کرتا ہے، کبھی اس تالاب میں قدرتی پانی

---

[1] ۲/۳۲۰۔ [2] بدائع ۲/۵۸۔ [3] شامی ۲/۳۲۰۔

جمع ہوتا ہے اور کبھی بورنگ یا دوسرے ذرائع سے اس میں پانی پہونچایا جاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مچھلی کی اس کاشت کو زراعت میں داخل کر کے اس پر احکام عشر نافذ ہوں گے، یا اس پر زکوٰۃ کے اموال کا حکم جاری ہوگا ؟

ظاہر یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہوگا، کیوں کہ زمین مچھلیاں نہیں اگاتی بلکہ تالاب کا مالک چھوٹی چھوٹی مچھلیاں لاکر ڈالتا ہے، اور کچھ مچھلیاں قدرتی طور پر پیدا ہو جاتی ہیں، پھر یہ سب بڑھتی ہیں تو مالک اس سے تجارت کر کے نفع حاصل کرتا ہے لہٰذا یہ "مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ" میں داخل ہے جس سے مالِ تجارت مراد ہے نہ کہ "مِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ" میں، جس سے عشر مراد ہے، اور حدیث "ما اخرجت الارض ففيه العشر" سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین جو اگائے اسی میں عشر ہے۔

اور یہ اشکال کہ پھر شہد میں کیوں عشر ہے جب کہ وہ خارج من الارض نہیں اور اسی وجہ سے امام مالکؒ و شافعیؒ اس میں عشر کے قائل نہیں کہ وہ خارج من الارض نہیں، بلکہ متولد من الحیوان ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ شہد کا وجود انوار و ثمار سے ہوتا ہے "ثم كلى من كل الثمرات"، اور انوار و ثمار خارج من الارض ہیں، اور ان میں عشر ہے لہٰذا اس میں بھی عشر ہونا چاہیے :

"لان النحل يتناول من الانوار والثمار وفيهما العشر فكذا فيما يتولد منهما"[1]

اور عسل میں وجوب عشر کے سلسلے میں احادیث کثرت سے ہیں، جنھیں ابن ہمامؒ نے بسط و تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے، اور خلفاء راشدین وغیرہم کا اس پر عمل بھی نقل کیا ہے؛ فلیراجع ثمہ۔

۳ ــــ ریشم کے کیڑوں کی پرورش و پرداخت کیلئے شہتوت کے درخت لگائے جاتے ہیں ان درختوں سے کاشتکار کو کافی نفع ہوتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ریشم کی اس کاشت پر عشر ہے یا نہیں ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر عشر واجب نہیں اسلئے کہ یہ خارج من الارض نہیں، اور نہ جو

---

[1] هداية مع الفتح ۲ : ۱۹۰۔

عسل کی طرح ہے کیوں کہ وہ انوار وثمار سے وجود میں آتی ہے اور اس کا وجود اوراق سے ہے اور اس میں عشر نہیں، لہذا اس میں بھی عشر نہیں، صاحب ہدایہ نے عسل میں عشر ثابت کرنے کے بعد فرمایا:

"بخلاف دودة القز لانه يتناول من الاوراق ولا عشر فيها"

۵ــــ درختوں کی دو صورت ہوتی ہے، یا تو وہ باغات ہوتے ہیں جن سے پھل حاصل کیے جاتے ہیں، یا پھر وہ درخت ہوتے ہیں جن سے پھل مقصود نہیں ہوتا بلکہ جلانے کے کام میں لاتے ہیں یا عمارت فرنیچر وغیرہ میں استعمال ہوتے ہیں۔

ایسے درخت جو باغات ہیں اور ان سے مقصد پھل ہیں تو پھلوں میں عشر ہے، درختوں میں نہیں، اور ایسے درخت جو پھلدار تو نہیں ہوتے البتہ عمارت فرنیچر وغیرہ کے کام میں لائے جانے کے لیے لگائے جاتے ہیں، ان میں عشر ہے کیوں کہ اس سے استنما واستغلال مقصود ہوگیا ہے، اور وہ درخت جو صرف جلانے کے کام کے لیے ہے اور کچھ کام نہیں تو اس میں عشر نہیں، کیوں کہ اس سے استنما واستغلال مقصود نہیں، پھر وہ حطب ہے جس میں عشر نہیں۔

۶ــــ سبزیاں جو زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتی اور ان کی پیداوار میں تسلسل رہتا ہے کچھ پھر توڑے جاتے ہیں، پھر دوسرے پھل نکل آتے ہیں، اس طرح کے کاشت کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ ان سے تجارت مقصود ہوتی ہے اور دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ لوگ اپنے مکان کے گرد و پیش افتادہ اراضی میں یا اپنے کھیتوں پر کچھ سبزیاں اگا لیتے ہیں۔ پہلی صورت جب کہ تجارت مقصود رہے تو اس میں بالاتفاق زکوٰۃ التجارۃ واجب ہے، جب کہ زکوٰۃ کی شرطیں پائی جائیں۔ بس یہ کہ وہ مال تجارت ہے اور اس میں وجوب زکوٰۃ متعین ہے۔ خواہ خضروات ہی کیوں نہ ہوں۔

"لان الخضروات اذا كانت للتجارة تجب فيها الزكاة بالاتفاق"

دوسری صورت جب کہ تجارت مقصود نہیں تو صاحبینؒ کے نزدیک عشر نہیں ہے کیوں کہ ان کے یہاں ان ہی پھلوں میں عشر ہے جو عام طور سے ایک سال تک بغیر ذخیرہ کے باقی رہ جاتے ہوں، جیسے گیہوں، جو وغیرہ:

لہ ہدایۃ مع الفتح ۲/ ۹۲۔ ٭ لہ کفایۃ مع الفتح ۲/۰۰۰

"وقالا لا يجب العشر الا فيما له ثمرة باقية تبقى من سنة إلى سنة وحد البقاء ان يبقى سنة في الغالب من غير معالجة كثيرة كالحنطة والشعير والذرة وغيرها دون الخوخ والتفاح والسفرجل ونحوها"[1]

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں :

"وليس في الخضروات عندهما عشر الخضروات كالرياحين والاوراد والبقول والخيار والقثاء والبطيخ والباذنجان واشباه ذالك وعنده – اى ابى حنيفة – يجب في كل ذالك"[2]

صاحبین دلیل میں وہ حدیث پیش کرتے ہیں جسے موسیٰ ابن طلحہ نے روایت کیا ہے :

"ليس في الخضروات صدقات"

اور فرماتے ہیں کہ صدقہ سے مراد عشر ہے ، کیوں کہ زکوٰۃ کی نفی تو بالاتفاق مقصود نہیں ہے ، لہٰذا عشر متعین ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک ان چیزوں میں عشر ہے کیوں کہ حدیث :

"ما اخرجت الارض ففيه العشر" و "ما سقت السماء ففيه العشر وما سقى بغرب او دالية ففيه نصف العشر"

حبوب و خضروات میں کوئی فرق نہیں کرتی ، اور ليس في الخضروات صدقة کا مفاد امام یا عاشر کے لیے ولایت اخذ کی نفی ہے ، یعنی جب کوئی شخص خضروات لے کر عاشر کے پاس سے گذرے ، اور عاشر نے عین خضروات میں سے عشر لینے کے بجائے اس کی قیمت لے لی تو اس کے جواز اخذ میں کوئی کلام نہیں ، لیکن اگر مالک نے قیمت ادا کرنے سے انکار کر دیا اور یہ مجبوراً اس سے عین خضروات ہی فقراء کے لیے لینا چاہتا ہے ، تو عاشر کو یہ حق نہیں ہے ، ليس في الخضروات صدقة کا مطلب یعنی صدقة يأخذها العاشر ، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ عاشر کو جو ولایت اخذ حاصل ہے وہ فقراء کی منفعت ہی کے واسطے ہے اور اس صورت میں منفعت یقینی نہیں ، کیوں کہ عاشر شہر سے آبادی سے دور ہوتا ہے اور وہاں فقیر نہیں مل سکتے کہ ان پر خرچ

---

1. عنایة مع الفتح [illegible] 2. فتح القدير [illegible]

کردے تو اسے ضرورت پڑے گی کہ وہ دن بھر تو جمع کرے پھر آبادیوں میں روانہ کرے تو یہ چیزیں بسا اوقات آبادیوں میں فقراء تک پہونچنے سے پہلے خراب ہو جائیں گی، تو اس میں نفع نہیں ضرر ہے، اس لیے عاشر انہیں خضروات سے نہ وصول کرے، بلکہ مالک خود ہی ادا کردے، البتہ اگر فقراء کے واسطے نہ لے بلکہ عمال کی اجرت دینے کے لیے لے تو جائز ہے[۱]۔ یہاں پر امام صاحبؒ نے اس اصول پر عمل کیا ہے "عام متفق علیہ پر عمل کرنا خاص مختلف فیہ پر عمل کرنے سے اولیٰ ہے"۔ وہ اس طرح کہ امام صاحبؒ کی پیش کردہ حدیث پر پانچ وسق اور اس سے زیادہ کی مقدار میں سب کا عمل ہے اور وجوب عشر پر سب متفق ہیں یہ عام متفق علیہ ہے اور صاحبینؒ کی ذکر کردہ حدیث "لیس فی الخضروات صدقۃ" پر امام صاحب نے اس معنی پر عمل نہیں کیا، بلکہ اس کا دوسرا محمل بتایا، اور اس پر عمل کیا، جب بنو نضیر کو جزیرۃ العرب سے نکالنا چاہا اور وہ عام متفق علیہ نبی علیہ السلام کا فرمان "لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب" ہے اور آخر کار انہیں نکال ہی دیا، اور لوگوں کی اس بات کی جانب کچھ التفات نہ کی کہ حدیث ہے۔ "اترکواھم وما یدینون"۔ کیوں کہ یہ خاص مختلف فیہ ہے، اور امام صاحبؒ کی دلیل عقلی یہ ہے کہ وجوب عشر کا سبب زمین کا نامی ہونا ہے اور زمین میں بقول و غیرہ سے بھی نماء حاصل ہوتا ہے جو دیر تک باقی نہیں رہتا، تو اگر عشر ان چیزوں میں واجب نہ ہو جو دیر تک باقی نہیں رہتی تو کہنا پڑے گا کہ سبب پایا گیا اور حکم نہیں پایا گیا، اور سبب کو حکم سے خالی کر دینا ایسے موضع میں جہاں اثبات حکم میں احتیاط کی ضرورت ہے جائز نہیں۔

۷ــــــ اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہے، کیوں کہ وجوب عشر کے لیے زمین کا مالک ہونا شرط نہیں، اور نہ ہی عقل، بلوغ، حریت شرط ہے، بخلاف زکوۃ کے، اسی لیے عشر صغیر، مجنون، مکاتب، ماذون اور وقف کی زمین میں واجب ہے، امام شافعی اس کو زکوۃ پر قیاس کرکے فرماتے ہیں، کہ مکاتب کی زمین میں عشر نہیں، اور اراضی موقوفہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اگر وہ متعین لوگوں پر وقف ہے تو عشر ہے، کیوں کہ یہ لوگ مالکوں کے حکم میں ہو جائیں گے، لیکن اگر ایسے لوگوں پر وقف ہے جو متعین نہیں ہیں، تو ان میں عشر نہیں، اور احناف کے نزدیک متعین یا غیر متعین افراد پر ہو یا سرے سے

---

[۱] عنایۃ

النسر اور پراور کہا تیکر رباطات و مساجد پر بھی عشر ہے،

"ان كانت الارض لمكاتب او صبي او مجنون وجب العشر في الخارج منها عندنا وقال الشافعي لا شيء في الخارج من ارض المكاتب والعشر عنده قياس الزكاة لا يجب الا باعتبار المالك واما عندنا فالعشر مؤنة الارض النامية كالخراج فالمكاتب فيه والحر سواء وكذلك الخارج من الارض الموقوفة على الرباطات والمساجد يجب العشر عندنا وعند الشافعي لا يجب الا في الموقوفة على اقوام باعيانهم لانهم كالملاك اما الموقوفة على اقوام لغير اعيانهم فلا شيء فيها"

فقط۔

ــه مبسوط للسرخسی - ۳/۲

کاشت اور آبادی کا حسب موقع انتظام کرے اور یہ بھی اختیار ہے کہ بعض کے ساتھ یہ معاملہ کرے اور بعض
کے ساتھ وہ معاملہ کرے جیسے کہ فاروق اعظمؓ نے عراق کی زمینوں میں دس قسم کی زمینیں مخصوص کر لی تھیں
یعنی بیت المال کے لئے اور باقی زمینوں پر ان کے سابق مالکان کو برقرار رکھ کر ان سے خراج کا معاہدہ فرمایا تھا۔

اس تمہید کے بعد گذارش ہے کہ حضرت محمد بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے جب سندھ پر حملہ کیا تو اس
کے بعض حصے صلح سے اور بعض حصے جنگ اور قوت کے ذریعہ قبضہ میں آئے محمد بن قاسم نے جو مقامات صلح
سے قبضہ میں لائے ان پر ان کے مالکین کو برقرار رکھا اور ان سے خراج وغیرہ کے جو شرائط طے ہوئے تھے ان
کے مطابق عمل کیا اور یہی قانون شریعت ہے کہ جو شرائط ابتدائے وقت صلح طے ہوں ان پر عمل کیا جائے جس
طرح خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ معاملہ فرمایا تھا محمد بن قاسم نے بھی ان شرائط
کے مطابق ان پر خراج اور جزیہ مقرر کر دیا۔ اور جو حصے جنگ کے ذریعہ قبضہ میں آئے ان میں حاکم وقت کے
مملوکات اور شاہی مقبوضات کو بیت المال میں داخل کیا گیا اور وہ اراضی بیت المال قرار پائیں اس کی
نظیر فاروق اعظمؓ کا وہ عمل ہے جو انھوں نے عراق و ایران وغیرہ میں کیا اور بیت المال کی زمینوں میں عشر
ہوتا ہے۔ انہیں زمینوں میں سے عطایات و جاگیریں تقسیم فرمائیں اور باقی زمینیں انھیں کے پاس
رہنے دیں جو ان پر قابض و متصرف تھے لیکن ان کی زمینوں پر خراج مقرر کر دیا۔ یہ طریقہ فاروق اعظمؓ نے
بھی اپنے زمانے میں مفتوحہ زمینوں میں جاری فرمایا تھا جو لوگ غیر مسلم تھے اس لئے ان سے خراج
لیا گیا۔ لیکن عرب کی زمینیں اور جس جگہ کے لوگ اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے یا وہ ملک جو جنگ سے
فتح ہوئے اور وہاں کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دی گئیں۔ اسی طرح بصرہ کی زمینیں یا بیت المال کی وہ
زمینیں جو مسلمانوں کے پاس ہیں یا مسلمانوں کے [illegible] وغیرہ اگر عشری پانی سے سیراب ہوں تو وہ عشری
ہیں اور اگر خراجی پانی سے سیراب ہوں تو خراجی ہیں۔ اور کبھی عشری پانی سے اور کبھی خراجی پانی سے سیراب
ہوں تو مسلمان کے لئے عشری ہیں اور کافر کے لئے خراجی ہیں اور جس زمین کا احیاء کسی مسلمان نے باذن
مسلم بادشاہ کے کیا تو حضرت امام محمدؒ کے نزدیک جس قسم کے پانی سے وہ سیراب ہوگی اسی قسم کا مسئلہ

[illegible]

[illegible]

ان کے ساتھ ہوگا۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس زمین کے قریب جو زمین ہوگی اس کا اعتبار ہوگا۔ جو ملک بزورِ تیغ جنگ کے ذریعہ فتح ہوا اور بادشاہِ اسلام نے وہاں کی زمینیں وہیں کے باشندوں کے پاس رہنے دیں اور غانمین میں انھیں تقسیم نہیں کیا تو وہ سب زمینیں خراجی ہوں گی اور ہمیشہ خراجی ہی رہیں گی۔ اور جو ملک صلح سے فتح ہوئے اور وہاں کے باشندے اپنے مذہب قدیم پر قائم رہے اور مسلمان نہ ہوئے اور بادشاہِ اسلام نے ان کو ان کی زمینوں پر قابض اور قائم رکھا تو یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی اور یہ لوگ حسبِ سابق ان زمینوں کے مالک رہیں گے اور بیع و ہبہ کے حقوق ان کو حاصل رہیں گے۔ جیسا کہ خلیفہ دوم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں یہ عمل مفتوحہ علاقہ کے باشندوں کے ساتھ کیا ہے۔ اور جو ممالک صلح کے ساتھ اس طور سے حکومت اسلامی کے زیرِ نگیں آئے کہ وہاں کے باشندے بھی مسلمان ہوگئے تو ان کی زمینیں بھی بدستور ان کی ملک رہیں گی اور ان پر عشر واجب ہوگا۔ جیسے مدینہ منورہ کے لوگوں نے اسلام قبول کیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ مقدسہ آنے کی دعوت دی تو ایسی زمینیں بھی عشری ہوں گی اگر حاکم مسلم ملک فتح کرنے کے بعد وہاں کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم کر دے تو وہ بھی عشری ہوں گی مگر ہندوستان کی زمینوں کے متعلق کسی مورخ نے اس قسم کا واقعہ ہوتا بیان نہیں کیا۔

عشر میں عبادت اور ٹیکس دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں اور خراج میں صرف ٹیکس کی حیثیت پائی جاتی ہے۔ اسی لئے عشر غیر مسلم پر نہیں ہوتا اور خراج اولاً مسلم پر نہیں ہوتا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ عشری زمینوں میں نمو تحقیقی معتبر ہے اور خراجی زمینوں میں نمو تحقیقی اور تقدیری دونوں کا اعتبار ہے:

"کما ھو مذکور فی الفقہ والآثار المنقولۃ من عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والصحابۃ والتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین"

محور دوم

حضرت محمد بن قاسم علیہ الرحمۃ نے سندھ اور ہند کے جن حصوں کو فتح کیا ان میں سے وہ حصے جو صلح سے فتح ہوئے ان کے حکمرانوں اور باشندوں سے جو ان کے شرائط طے ہوئے ان پر

لے اسلام کا نظام اراضی

ان سے خوش ہوگئی اور ان کو ان کی جائدادوں پر مالکانہ قبضے کے ساتھ بحال کیا اور ان پر مالگزاری مقرر کردی اس نظام کو نظام زمینداری کے نام سے موسوم کیا گیا اس سے ان علاقوں میں دو قسمیں ہو گئیں ایک زمینوں کے مالک یعنی زمیندار دوسرے زمین میں کام کرنے والے یعنی کاشتکار ان کو کوئی تحفظ حاصل نہ تھا زمین پر جتنی بات چاہتا تھا شمالی ہند میں اس کا رواج زائد تھا برخلاف اس کے جنوبی ہند میں بیشتر آراضی کو کاشتکاروں کی ملکیت تسلیم کیا اور سرکار ان میں سے ہر ایک سے الگ الگ مالگزاری مقرر کرتی اور وصول بھی کرتی اس نظام کو رعیت واری کے نام سے موسوم کیا جاتا اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کرنے کے وقت مالکانہ اراضی کو اپنی اپنی ملکیت پر برقرار رکھا اور بہت سے مقامات پر کئی پرانے طریقہ جاگیرداری اور ٹھیکیداری کو جاری رکھا اس سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کی حکومت میں عشری زمینیں وہ ویسی ہی عشری رہیں۔

۱۸۵۹ء میں انگریزوں نے ایک قانون کے ذریعہ رعیت اراضی میں کاشتکاروں کے حقوق بھی قائم کر دیے اب کاشتکار بھی زمینداروں کے ساتھ کسی حد تک شریک ہوگئے جس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کاشتکار سمجھتا تھا کہ زمین پر میرا کوئی حق نہیں ہے اس لئے وہ زمین کے بہتر سنوارنے اور پیداوار کو بڑھانے میں کوئی خاص دلچسپی نہیں لیتا تھا جس سے پیداوار میں کمی واقع ہوتی تھی دوسرے کاشتکاروں کی بے چینی کو بھی ختم کرنا تھا تیسرے زمینداروں کی حمایت کو کھونا تھا مگر کاشتکار اب بھی بالکل مطمئن نہ تھے آخر کار آزادی ملک کے بعد زمیندار اور تعلقدار بالکل ختم کردئے گئے اور جبراً تھوڑا سا معاوضہ دے کر ان کی ملکیت ۔۔۔ ختم کردی گئی اور کاشتکاروں کو زمین پر مالکانہ حقوق دے دئے گئے اس لئے اب سرکار اور کاشتکار دو ہی باقی رہ گئے ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ جنوبی ہند میں تھوڑا پہلے ہی سے کاشتکار زمین کے مالک تھے اور یہاں نہیں تھے وہاں اس قانون کے ذریعہ مالک بن گئے۔

محور سوم

۱ ـــ انگریزی دور میں مختلف قوانین نے آہستہ آہستہ بٹائی داروں یا کاشتکاروں کو آہستہ آہستہ زمین کا مالک بنایا اور جو اصلاً ٹھیکیدار یا تعلقدار یا زمیندار تھے ان کے حقوق کم ہوتے چلے گئے بالآخر کانگریسی گورنمنٹ نے ان کو بالکل محروم کردیا جس کی تفصیل محور دوم میں آچکی۔

۴ـــــ خاتمۂ زمینداری جو ایک بھیانک ظلم تھا اس کی وجہ سے زمیندار، ٹھیکیدار اور تعلقدار یک بینی و دو گوش اپنی اپنی ملکیتوں سے محروم ہونے کی وجہ سے افلاس کے دائرہ میں داخل ہو گئے، صرف وہ لوگ جنھوں نے باغات یا کاشتکاری کی زمینیں پہلے سے حاصل کر لی تھیں وہ ایک کاشتکار کی حیثیت میں باقی رہ گئے اور جو مالگزاری ادا کرتے تھے وہ زمینوں کے مالک بن گئے۔ اس کی وجہ سے ان کی معاشرتی اور اقتصادی حالت اچھی ہو گئی اور تعلیمی میدان میں اس کی بدولت وہ ترقی کر گئے۔" وتلک الایام نداولها بین الناس"
اس قانونی عمل سے مسلمان خصوصیت کے ساتھ متاثر ہوئے اور ان کی شان و شوکت اور اقتصادی برتری ختم ہو گئی کیونکہ مسلمان کا تکیہ زمینداری، تعلقداری اور ٹھیکہ داری پر ہی تھا برخلاف ہندو زمینداروں کے کہ وہ تجارت، صنعت و حرفت، سودی کاروبار اس دور میں بھی جاری رکھے ہوئے تھے اس لئے خاتمۂ زمینداری سے وہ زائد متاثر نہیں ہوئے مزید برآں گورمنٹ کانگریس نے مسلمانوں کے لئے ملازمت اور دیگر ترقی کے راستے مسدود کر دیئے اور اپنے ہم مذہب لوگوں کے لئے ملازمت، تجارت، ٹھیکیداری، اور اعلیٰ تعلیم کے دروازے کھول دیئے جس کی وجہ سے اکثریت کے افراد ہر شعبۂ زندگی میں کافی ترقی کر گئے اور مسلمان غربت جہالت کے اندھیروں میں ڈوبتے چلے گئے اسی وجہ سے مسلمانوں میں اچھی قیادت بھی نہیں ابھری اور مسلمان افراتفری اور انتشار کا شکار ہو گئے۔

محور چہارم

۱ـــــ جو زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں پہلے سے چلی آ رہی ہیں یا کسی مسلمان نے کسی مسلمان سے خریدی ہیں یا وہ زمینیں جو مسلم حکمرانوں نے مسلمانوں کو بطور عطیات دی تھیں اور وہ ان کے پاس باقی ہیں یا وہ زمینیں جن کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا لیکن نسلاً بعد نسل مسلمانوں کے قبضے میں چلی آ رہی ہیں وہ سب عشری ہیں ان پر احکام عشر جاری ہوں گے اور وہ زمینیں جو مسلمان نے کسی کافر سے خریدی ہیں وہ خراجی ہوں گی اور وہ زمینیں جو مسلمان چھوڑ کر پاکستان چلے گئے بعد کو گورمنٹ نے ان پر قبضہ کر لیا اور پھر کسی مسلمان کو الاٹ کر دیں وہ بھی خراجی ہیں اسی طرح اگر کسی کافر کو دے دیں اور اس سے کسی مسلمان نے خریدیں تو وہ بھی خراجی ہوں گی کیونکہ استیلاء کفر کو مال مسلم پر اس کافر کو مالک بنا دیتا ہے اس لئے وہ زمینیں عشری نہیں رہیں۔
۲ـــــ ایسی زمینوں کے متعلق حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان کے قریب جو زمینیں ہیں ان کا اعتبار

ہو گا یعنی جو عشری زمینوں کے قریب ہیں ان پر عشر اور جو خراجی زمینوں کے قریب ہیں ان پر خراج اور حضرت امام محمدؒ فرماتے ہیں ان کی سیرابی جس قسم کے پانی سے ہوگی اسی کا حکم ہوگا عشری پانی سے سیراب ہونے پر عشری کا اور خراجی پانی سے سیراب ہونے پر خراجی کا۔ علامہ شامیؒ کے قول سے حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کو ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

۳ ـــــ حکومت اسلامیہ جیسے پاکستان کو جو لگان دیا جائے اور دیتے وقت ادا خراج کی نیت ہو تو خراج ادا ہو جائے گا اور غیر مسلم حکومتوں کو لگان دینے سے خراج ادا نہیں ہوگا۔

۴ ـــــ خراجی زمینوں میں جن میں پانی پہنچتا ہے فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع گیہوں یا جو یا جو چیز بھی اس زمین میں بوئی جائے اور ترکاری میں فی جریب پانچ درہم انگور اور کھجور کے باغات میں فی جریب دس درہم یاد رکھئے ایک درہم ساڑھے تین ماشہ کا ہوتا ہے۔ دس درہم پینتیس ماشہ کے ہوتے ہیں اس طرح ایک ماشہ کم تین تولہ چاندی ہوتی ہے یہ خراج فاروق اعظمؓ نے عراق کی زمینوں پر فرمایا تھا ان کے علاوہ دوسرے پھلوں کے باغات یا اور قابل کاشت چیزیں ان کے متعلق فقہاء نے فرمایا ہے کہ پیداوار کا کم از کم پانچواں حصہ جو پیداوار کے نصف حصہ سے زائد نہ ہو مسلمانوں کو ہندوستان میں پیداوار کا پانچواں حصہ ان زمینوں پر لگانا چاہئے جو خراجی زمینیں ہیں اور اس کو خراج کے مصارف ہیں وہیں پر خرچ کرنا چاہئے جیسے یتیموں بیواؤں کی مدد مدارس اسلامیہ اور طلبہ کے مصارف اور دیگر رفاہ عام کے کام خراج کی ادائیگی مسلمان کے لئے بھی عبادت نہیں کیوں کہ وہ صرف زمین کا ٹیکس ہے لیکن اس حق کی ادائیگی پر اجر کا مستحق ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔

۵ ـــــ موجودہ زمانے میں اگر ایک طرف کاشت کے مصارف زائد ہو گئے ہیں تو دوسری طرف پیداوار میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا ہے چنانچہ ہمارے اطراف میں جن کھیتوں میں ایک کوئنٹل یا ڈیڑھ کوئنٹل فی بیگہ پیدا ہوتا تھا آج ان میں چار اور پانچ کوئنٹل تک پیدا ہو رہا ہے اس لئے وہی مسئلہ رہے گا کہ بغیر مصارف نکالے ہوئے کل پیداوار کا عشر یا خراج دینا ہوگا۔

۶ ـــــ جو زمینیں بٹائی پر دی جاتی ہیں ان کی پیداوار کا عشر مالک اور کاشتکار دونوں پر ان کے حصوں کے بقدر ہوگا۔ بشرطیکہ دونوں مسلمان ہوں اور اگر ایک مسلمان ہے تو مسلمان پر عشر ہوگا اس کے حصے کے بقدر غیر مسلم پر نہیں۔

مسئلہ پنجم: ۱ ـــــ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پیداوار کے ہر حصہ پر عشر ہے

"ويجب الخراج في ارض الوقف والصبي والمجنون لو خراجية والعشر لو عشرية"

اور شامی نے اسی پر لکھا ہے:

"لان الملك غير شرط فيه بل الشرط ملك الخارج فيجب في الارض الموقوفة لعموم قوله تعالى انفقوا من طيبات ما كسبتم ومما اخرجنا لكم من الارض وقوله تعالى واتوا حقه يوم حصاده"

اور اسی میں ہے:

"ولان العشر يجب في الخارج لا في الارض فكان ملك الارض وعدمه سواء كما في البدائع"

نوٹ: بارش کا پانی، قدرتی چشموں کا پانی، بڑے بڑے دریا اور ندیاں جو خود بہتی ہیں اور ان کے جاری کرنے میں کسی کو دخل نہیں ہے اور عادۃً وہ کسی کی ملک بھی نہیں ہوتی ہیں اور مسلمانوں کے کھدوائے ہوئے نہریں یہ سب عشری ہیں۔ چھوٹی نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنے خرچ و محنت سے بڑی نہروں سے نکالی ہیں اور وہ عادۃً نہر نکالنے والوں کی ملک بھی جانی ہیں ان سب کا پانی خراجی ہے۔

وازیہ نے اس مسئلہ کی خوب تنقیح و تحقیق فرمادی اور "کتاب العشر والزکوٰۃ" میں انھوں نے تمام دلائل کا جائزہ لینے کے بعد واضح طور پر یہ فیصلہ دیا کہ ہندوستان کی زیادہ تر زمینوں پر عشر واجب ہے۔ انھوں نے یہاں تک لکھا کہ

" ایسے مجتہد اور محقق بھی ملتے ہیں جن کا فتویٰ یہ ہو کہ ہندوستان چونکہ دارالحرب ہے لہٰذا یہاں کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی۔ بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست" (1)

مانعین وجوب عشر کے فتاویٰ کی بنیاد غالباً حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری کے آٹھ ورقی رسالہ "اراضی ہند" اور حضرت مولانا شیخ محمد اعلیٰ تھانوی کے رسالے اور فقہائے احناف کی بعض عبارتوں یا حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی کتاب "مالا بد منہ" ص ۹۲ کی عبارت "ہم چنیں احکام عشر زمین عشری کہ دریں دیار رخصت پذیر" ہے۔

ان رسائل کے دلائل کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم وجوب عشر کی بنیاد ان حضرات کے نزدیک
(1) ہندوستان میں استیلاء کفار (2) اس کے دارالحرب ہونے (3) زمین ہند کے ارض حوز ہونے (4) نیز "قانون زمین داری" کے نفاذ کے سبب زمینوں پر ملک مسلم نہ ہونے پر ہے۔

اگر غور کیا جائے تو مذکورہ تینوں بنیادیں عدم ملک مسلم میں ضم ہو جاتی ہیں اور عدم وجوب عشر کی بنیاد صرف "عدم ملک مسلم" ہی رہ جاتی ہے۔

لیکن دیکھنا یہ ہے کہ تفصیلی طور پر مذکورہ چاروں بنیادیں عدم وجوب عشر کی حقیقی بنیادیں قرار دی جا سکتی ہیں یا نہیں؟

واقعہ یہ ہے کہ استیلاء کفار اور ارض حوزہ یعنی وہ زمین جو سرکاری تحویل میں ہو اور بیت المال کے تحت ہونے کے سبب کسی شخص کی ذاتی ملکیت میں داخل نہ ہو یا وہ دارالحرب کی زمین ہو تو یہ سب صورتیں محققین فقہاء کی تصریحات کے مطابق وجوب عشر میں مانع نہیں ہیں۔

استیلاء کفار جہاں تک استیلاء کفار کا سوال ہے تو اس کا حاصل صرف یہ ہے کہ ہندوستان پر برٹش گورنمنٹ کے تسلط کے بعد انگریزی سرکار کی طرف سے زمینوں کے بحق سرکار ضبط ہونے کا اعلان کیا گیا، جس کا یہی مطلب اس وقت کے بعض علماء نے یہ سمجھا کہ مسلم بادشاہوں کے وقت سے جو زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں تھیں، وہ

---

(1) کتاب العشر والزکوٰۃ ص ۱۵

سرکاری اعلان کے بعد ملک مسلم سے نکل کر ملک سرکار میں داخل ہوگئیں اس لیے اب ان زمینوں پر عشر و خراج واجب نہیں ہے۔ (۱)

لیکن حقیقت واقعہ یہ ہے کہ سرکاری اعلان کی حیثیت مالکانہ کی نہیں بلکہ صرف بادشاہانہ و منتظمانہ تھی اور اس حیثیت سے ان زمینوں پر زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کا ملک تام باقی نہیں رہا لیکن وجوب عشر کے لیے ملک تام کی شرط ہی معتبر نہیں بلکہ ملک ناقص اور قبضہ ظاہری ہی وجوب عشر کے لیے حسب تصریحات فقہاء کافی ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رح نے ایک استفتاء کے جواب میں ارشاد فرمایا:

"ضبط کرنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک قبضہ مالکانہ اگر یہ ہوا ہے تو یہ اراضی عشری نہیں رہیں۔ دوسرا قبضہ [illegible] حاکمانہ مستقل، سو امر عشر کے ترک کے [illegible] سے اس کو [illegible] ہے۔ اگر ایسا ہوا ہے تو اراضی عشریہ بحالہا عشریہ رہیں۔ (۲)

ارض حوزہ کا مسئلہ

دیار ارض حوزہ کا مسئلہ جس کو عدم ادائے عشر و خراج کے لیے حضرت شیخ محمد علی تھانوی نے بنیاد قرار دیا ہے۔

ارض حوزہ ایسی زمین کو کہتے ہیں جس کے مالک کی وفات کے بعد اس کا وارث کوئی نہ ہو اور وہ بیت المال کی تحویل میں آجائے یا کسی مقام کو بذریعہ لشکرکشی فتح کیا جائے اور وہاں کی زمین قیامت تک کے لیے مسلمانوں کے واسطے وقف کر دی جائے۔ (۱)

اور اس تعریف پر ہندوستان کی زمینوں کی موجودہ پوزیشن ایسی نہیں ہے تو اس پر ارض حوزہ کا اطلاق کیونکر ہوگا، زیادہ سے زیادہ اس کے ارض حوزہ ہونے کا احتمال ہو سکتا ہے اور احتمال کی بنیاد پر قطعیت کے ساتھ عدم عشر و خراج کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کے واسطے دلیل خاص اور نقل کی ضرورت ہے۔ فالحکم بعدم الوجوب في خصوص الارض يحتاج الى دليل خاص و نقل صريح۔ (۳)

ہمارے موقف کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ

---

(۱) رسالہ ارض [illegible] (۲) جواہر الفقہ [illegible]

(۳) [illegible] (۴) رد المحتار [illegible]

ملک ظاہر بیبرس نے جب مصر کی زمینوں کے متعلق اراضی حوزہ کے احتمال کی بنیاد پر تمام اراضی پر قبضہ کرنا چاہا تو امام نووی نے اس کی زبردست تردید کی اور اسے بتایا کہ علمائے مسلمین میں سے کسی ایک عالم کے نزدیک بھی یہ حلال نہیں ہے بلکہ جس شخص کے قبضہ میں جو زمین ہے وہ اس کی ملک ہے اور کسی شخص کے لیے اس پر اعتراض کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ہی زمیندار کو ثبوت ملکیت پیش کرنے کی زحمت دی جائے گی۔ بالآخر ملک بیبرس اپنے ارادے سے باز آ گیا۔

علامہ شامی اس مسئلہ پر اپنی رائے پیش کرتے ہیں:

فهذا الحبر الذي اتفقت علماء المذاهب على قبول نقله واعتراف بتحققه وفضله نقل اجماع العلماء على عدم المطالبة بمستند عما بأيديهم الظاهر فيها رضت بحق الله۔ (۱)

پس یہ امر شریعت (امام نووی) جن کے قبول نقل پر تمام علماء مذاہب کا اتفاق ہے اور ان کی تحقیق و فضل کے سب معترف ہیں۔ انھوں نے مسلمانوں کے صرف ظاہری قبضہ کی بنا پر ان زمینوں کے ملک ہونے کا اجماع نقل کیا ہے۔

لہٰذا ہندوستان کی زمینوں کو ارض حوزہ قرار دے کر عشر و خراج سے خارج کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ ان پر مسلمانوں کے ظاہری قبضے کی بنیاد پر انھیں ملک مسلم قرار دیا جائے گا اور حسب ضابطہ ان زمینداروں پر عشر لازم ہوگا۔

اور حضرت شیخ جلال الدین تھانیسری کے بقول یہ تسلیم کیا جائے کہ ابتدائے فتح میں زمین ہند "سواد عراق" کی طرح بیت المال کی ملک تھی اور اس کی حیثیت موقوفہ ہونے کی تھی تب بھی ان کی رائے کے خلاف مسلک احناف کے مطابق ہندوستان کی زمینیں عشری یا خراجی قرار پاتی ہیں کیوں کہ "سواد عراق" عہد فاروقی میں قہراً فتح ہوا تھا اور حضرت عمرؓ نے وہاں کی زمینیں کاشت کاروں کے ملک میں باقی چھوڑ دی تھیں اور تمام صحابۂ کرام کے سامنے وہاں کی زمینوں پر خراج کا حکم جاری فرمایا تھا۔ (۲)

اس تحقیق کے اعتبار سے ارض ہندوستان کو ارض حوزہ قرار دینا درست نہیں ہوگا کیوں کہ ابتدائے فتح ہند میں مسلم بادشاہوں نے یہاں کی بہت سی زمینوں کو مسلمانوں میں تقسیم کرکے انھیں مالک بنا دیا تھا اور ان سے شرعی طریقہ پر عشر وصول کیا جاتا تھا۔ اس کا پتہ حضرت محی الدین عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے ایک فرمان سے چلتا ہے جو سنہ [illegible] میں محمد ہاشم صوبہ دار کے نام جاری ہوا تھا۔ یہ فرمان برلن کی شاہی لائبریری میں محفوظ ہے۔ جس کی نقل پروفیسر جادوناتھ

---

(۱) شامی ج۳/۲۴ (۲) جواہر الفقہ ج۲/۲۵۱

لیکن اس کے بعد پھر انقلاب آیا اور بالآخر حضرت عمر بن عبدالعزیز کی دعوت پر راجہ داہر کا بیٹا جیسیہ اور دوسرے راجہ بھی مسلمان ہوگئے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہی راجاؤں کو ان کی ریاستوں کا حاکم مقرر کر کے ان کی تمام آراضی پر ان کی ملکیت برقرار رکھی اور یہ ظاہر ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد ان کی آراضی پر خراج نہیں لگایا جا سکتا بلکہ اب وہ سب زمینیں عشری ہوں گی ۔ (۱)

اس پوری گفتگو کے نتائج کو سامنے رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کی زمینیں یا تو عشری ہیں یا خراجی۔ لیکن ان کے نہ عشری نہ خراجی ہونے کی کوئی تحقیقی بنیاد موجود نہیں ہے، البتہ وہ زمینیں جن کے مسلمان ہندو زمانہ قدیم سے وراثۃً مالک ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ یہ آراضی ہندو مالکان سے منتقل ہو کر ان کے قبضہ میں آئی ہیں تاکہ ان پر خراجی ہونے کا حکم لگایا جائے، یا اول فتح کے وقت سے مسلمانوں کی ملک ہیں تاکہ انہیں عشری کہا جائے۔ احتمال بلاشبہ دونوں ہو سکتے ہیں، لیکن چند وجوہ سے ترجیح اس کو ہوتی ہے کہ جن آراضی کے متعلق کافی ثبوت اس کا موجود نہیں کہ اول ہندوؤں کی ملکیت تھی پھر ان سے خرید کر یا کسی دوسری صورت سے مسلمانوں کی ملکیت میں آئی ہیں، ان کو بطور استصحاب حال کے اول ہی سے مسلمانوں کی ملکیت قرار دے کر عشری کہا جائے ۔ (۲)

دارالحرب کی بنیاد

ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بنیاد پر یہاں کی زمینوں کے غیر عشری ہونے کا مسئلہ کافی اہمیت رکھتا ہے اور یہی وہ بنیاد ہے جس پر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے یہاں کی زمینوں کے غیر عشری ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔

اور علامہ ابن عابدین شامی نے لکھا ہے،

ویحتمل ان یکون احترازا عما وجد فی دارالحرب فان ارضہا لیست ارض خراج وعشر۔[۳]

یہ بھی احتمال ہے کہ ارض خراجیہ و عشریہ کی قید اس زمین سے احتراز کے لیے ہو جو دارالحرب میں ہے کیونکہ دارالحرب کی زمین نہ خراجی ہے نہ عشری۔

شمس الائمہ سرخسی نے بھی امام محمد کی کتاب "سیر کبیر" کی شرح میں ایک مسئلہ کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا،

---

(۱) جواہر الفقہ ۲/۲۵۸ (۲) ایضاً

(۳) شامی ۲/۴۹

اے ایمان والو اپنی پاکیزہ کمائی سے اور جو پیداوار ہم نے زمین سے نکالی ہے اس میں سے خرچ کرو۔

اسی طرح حدیث نبوی میں ادائے عشر کا عام حکم ہے،

فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر۔ (۱)

تاہم ایک اشکال باقی رہ جاتا ہے کہ جب دار الحرب ادائے عشر میں مانع نہیں تو بعض فقہاء نے دار الحرب میں عشر و خراج کی جو نفی کی ہے اس کا مطلب کیا ہے ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان فقہاء کو دار الحرب کے لفظ سے اشتباہ ہو گیا وہ یہ سمجھے کہ ہر قسم کے دار الحرب کا ایک ہی حکم ہے، حالاں کہ بات یہ نہیں ہے، جس دار الحرب میں عشر و خراج کچھ لازم نہیں۔ اس سے مراد وہ دار الحرب ہے جو اصل سے دار الحرب ہو اس پر کبھی نہ مسلمانوں کی حکومت قائم ہوئی ہو نہ وہاں کی زمین مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں ہوں، نہ وہاں وہ زمینیں خرید سکتے ہوں تو ظاہر ہے کہ ایسے دار الحرب کی زمینیں اہل حرب کفار کی ملکیت ہوں گی جو احکام شریعت کے مکلف نہیں ہیں ان پر عشر و خراج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا۔

لیکن وہ دار الحرب جہاں کسی دور میں اسلامی حکومت قائم ہو چکی ہو اور وہاں مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں اپنی یا سرکاری عطا کردہ زمینیں ہوں اور وہ انھیں خرید و فروخت کر سکتے ہوں تو اس کا حکم پہلی قسم کے دار الحرب سے مختلف ہوگا اور وہ یہ ہے کہ وہاں مسلمانوں کی زمینوں پر حسب قاعدۂ شرعی عشر و خراج لازم ہوگا۔

اور ہندوستان چوں کہ دوسری قسم کے دار الحرب میں شامل ہے بلکہ بعض اعتبار سے دیکھا جائے تو دار الحرب ہی نہیں کیوں کہ جس حکومت میں مسلمان شریک ہوں، ملک کے سب سے بڑے عہدۂ صدارت پر فائز ہوتے ہوں جہاں حکومت میں ان کے ٹیکس داخل ہوتے ہوں اور حکومت کی تشکیل میں ان کی رائے معتبر ہو اور مدعیہ ہے کہ مسلم پرسنل لا اور اسلام کا عائلی نظام قانوناً محفوظ ہو اور جو ایک امدادی ادارہ اور ویلفیر اسٹیٹ کی حیثیت میں ہو اسے حقیقی اور اصلی دار الحرب کہنے کے کوئی معنی نہیں۔

شرح سیر الکبیر کی عبارت سے یہ مسئلہ اور بھی واضح ہو جاتا ہے،

لان العشر والخراج انما یجب فی ارض المسلمین وھذہ ارض اھل الحرب لیست بعشریۃ ولاخراجیۃ۔ (۲)

---

(۱) بخاری

یعنی عشر و خراج مسلمانوں کی زمین میں ہوتا ہے اور ہندوستان کی زمین جو مسلمانوں کے پاس ہیں وہ مسلمانوں کی کہلاتی ہیں، پس اس میں عشر و خراج واجب ہوگا، باقی رہی آراضی اہل الحرب جس میں عشر و خراج نہیں تو ظاہر ہے کہ یہ حکم ایسے خطہ کے لیے ہو سکتا ہے کہ جہاں ابتدا سے مسلمانوں کی کوئی ملکیت نہیں ہے۔ ہندوستان کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے وہ تقریباً آٹھ سو برس تک دارالاسلام رہ چکا ہے یہاں لاکھوں مسلمان آج تک اپنی زمینوں کے مالک چلے آتے ہیں، غیر مسلم اقتدار کے وقت اگرچہ ملک کو دارالحرب کہا جائے گا، لیکن یہ دارالحرب اصلی دارالحرب سے مختلف ہوگا، جو دارالاسلام کے بعد پھر دارالحرب بن گیا ہے۔ اس میں املاک مسلمانوں کی موجود ہیں، اس لیے شرح سیر و شامی باب الرکاز کی روایات اس پر منطبق نہیں بلکہ جب یہاں مسلمانوں کی ملکیت میں زمینیں ہیں تو ان پر احکام عشر و خراج کے عائد ہوں گے شرح سیر کی عبارت خود اس کے لیے کافی دلیل ہے۔ امداد الفتاویٰ میں سیدی حکیم الامت قدس سرہٗ کی تحقیق بھی اس کے قریب قریب ہے۔ (۱)

عدم ملک و قانون خاتمہ زمینداری

میری رائے میں اب تک جن بنیادوں پر بحث کی گئی ہے ان سب کی اصل یہی عدم ملک مسلم ہے اور خاتمہ زمینداری کا عام طور پر یہ مطلب لیا گیا ہے کہ اب ہندوستان کی زمینوں پر مسلمانوں کی ملکیت باقی نہیں رہی ہے اسی لیے ان پر عشر و خراج کے واجب ہونے کا سوال ہی نہیں۔ (۲)

مگر یہ اصل بنیاد بھی عشر کے باب میں کوئی وزن نہیں رکھتی کیوں کہ فقہاء نے صراحت فرمائی ہے کہ عشر کا تعلق زمین کی پیداوار سے ہے نہ کہ زمین کی ملکیت۔

وان المقصود حاصل وهو الخارج (۳) ـــــــ وان لم يكن الارض مملوكة۔ (۳)

البتہ زمین پر قبضہ متصرفانہ ضروری ہے تاکہ وہ پیداوار حاصل کرنے پر قادر ہو سکے یہی وجہ ہے کہ اراضی وقف اور مستاجرہ و مستعیر پر بھی عشر واجب ہے جب کہ عشر ادا کرنے والا ان کا مالک بھی نہیں۔

وبان الملك غير شرط فيه بل الشرط ملك الخارج، اى لو لم فكان ملك الارض وعدمه

---

(۱) جواہر الفقہ ۲/۲۰۰ (۲) فتاویٰ محمودیہ ۳/۴۰

(۳) ہدایہ ۱/۲۰۰ (۴) حاشیہ شرح ہدایہ

ایک سائل نے پوچھا کہ موجودہ زمین داریاں زمیندار کی ملک صحیح ہے یا نہیں؟

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اس کا حسبِ ذیل جواب دیا:

"موجودہ زمین داریاں (باستثناء) ان لوگوں کی ملک صحیح ہیں جن کا نام کاغذات سرکاری کے خانہ ملکیت میں درج ہے اور وہاں میں مالکانہ تصرفات کرتے ہیں .... انگریز حکومت نے بھی شروع ان سے آج تک اس ملکیت کو برقرار رکھا ہے جس پر سلطنت (انگریزی) کے زمینداروں کے بیانات کے علاوہ حکومت موجودہ (کانگریس) کا یہ طرز عمل خود شاہد ہے کہ تمام مالکانہ تصرفات جیسے بیع و شراء، رہن و ہبہ اور وقف و صدقہ وغیرہ کے اختیارات کو ان کے حق میں تسلیم کیا اور خود قانون خود ان کا نافذ کیا ہے اور کر رہی ہے بہت سے لوگوں نے حکومت سے بڑی بڑی رقمیں دے کر زمینیں خریدی ہیں اور بہت سے مواقع میں حکومت بھی اپنی ضرورت کے وقت ان کی زمینیں اور قیمت ادا کر کے خریدتی ہے یہ سب چیزیں ان کی ملکیت کا بیّن ثبوت ہیں، مالکانہ قبضہ اور تصرفات بالکل خود سب سے بڑی واضح دلیل ملک کی ہے"[1]

اس فتویٰ پر تصدیق و دستخط کرنے والوں میں:

شارح مسلم حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی۔ شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی۔ مولانا محمود الحسن ناظم امداد الغرباء سہارنپور۔ مولانا احتشام الحق مقیم نئی دہلی۔ مولانا ظریف احمد مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، مفتی جمیل احمد دار الافتاء خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون کے نام شامل ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان تصدیقات کے بعد خاتمہ زمینداری کے بعد بھی مسلمانوں کی زمینیں جوں کی توں ان کے قبضہ و تصرف میں ہیں اور ان کی پیداوار سے عشر نکالنا ان پر لازم ہے اور قانون تنسیخ زمین داری کو عدم وجوب عشر کا سبب قرار دینا غلط ہے۔

عشری اور خراجی زمینوں کی تفصیل

حضرت امام اہلسنت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی نے اس سلسلے میں وضاحت فرمائی ہے کہ ہندوستان کی زمینیں جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں ان کی نو قسمیں ہیں۔

(۱) بادشاہانِ اسلام کے وقت سے موروثی ہیں۔

(۱) جواہر الفقہ ج۲/۲۲

(۲) موروثی ہیں مگر بادشاہی وقت سے نہیں اور معلوم نہیں کہ کیونکر قبضہ میں آئیں۔

(۳) مسلمانوں نے مسلمانوں سے مول لی ہیں اور ان کے بیچنے والے مسلمانوں نے بھی مسلمانوں سے مول لی ہیں۔

(۴) مسلمانوں نے مسلمانوں سے مول لی ہیں مگر یہ معلوم نہیں کہ اس کے بیچنے والے مسلمانوں نے کس سے مول لی ہیں۔

(۵) سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کی ہیں اور وہ اس سے پہلے مسلمانوں کے ملک میں تھی۔

(۶) سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کی ہیں اور معلوم نہیں کہ وہ اس سے پہلے کس کی ملکیت میں تھیں۔

(۷) مسلمانوں نے مسلمانوں سے مول لی ہیں اور ان بیچنے والے مسلمانوں نے غیر مسلم سے مول لی تھیں۔

(۸) مسلمانوں نے غیر مسلم سے مول لیں۔

(۹) سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کیں اور وہ اس سے پہلے کسی غیر مسلم کی مملوکہ تھیں۔

پہلی پانچوں صورتوں میں اگر وہ بارش یا دریا کے پانی سے سینچی جائیں تو عشر فرض ہے اور جو مول کے پانی یا کنویں کے پانی سے سینچی جائیں تو نصف عشر فرض ہے اور اخیر کی چار صورتوں میں خراجی ہیں۔ [1]

حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی رح نائب امیر شریعت بہار و اڑیسہ نے تیرہ صورتیں تحریر فرمائی ہیں یہاں مذکورہ نو صورتوں میں سے باقی ماندہ صرف چار صورتوں کو ہم ذکر کریں گے جن کو حضرت رحمانی رح نے بیان فرمایا ہے۔

(۱۰) بادشاہان اسلام کے وقت سے موقوفہ ہیں۔

(۱۱) مسلمانوں نے غیر مزروعہ زمین جو کسی کے قبضے میں نہ تھی آباد کیا ہے اور وہ عشری زمین کے قریب ہے یا آسمانی دریائی پانی سے یا اپنے کنویں سے سیراب ہوتی ہے۔

(۱۲) مسلمانوں نے اپنے سکونتی مکانات کو مزروعہ بنایا اور اس کی سیرابی عشری پانی سے ہوئی یا بنا بر قول بعض کسی پانی سے سیراب ہوئی ہو۔

(۱۳) جو زمین مسلمانوں کے قبضے میں مسلمانوں سے خرید و فروخت کے ذریعہ سے آئی ہے اور اوپر جاکر یہ معلوم ہوا کہ بادشاہان اسلام نے دی تھی۔ [2]

حضرت رحمانی رح کی تحقیق کے مطابق ان چاروں صورتوں میں عشر واجب ہے اس طرح مجموعی طور پر نو قسموں میں بالاتفاق وجوب عشر ثابت ہوتا ہے اور ایک صورت اختلافی رہ جاتی ہے اور وہ ہے حضرت لکھنوی کی تحریر میں۔

---

(۱) عمدۃ الفقہ ص ۳۰   (۲) کتاب العشر والخراج ص ۱۵۹

۱۰ والی صورت جس کو حضرت رحمانی رح نے آٹھویں نمبر پر بیان کیا ہے یعنی وہ زمین جو انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو بطور معافی دی، مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ زمین پہلے کس کی تھی۔

اس صورت کو حضرت لکھنوی رح نے خراجی زمین میں شامل کیا ہے اور حضرت رحمانی رح نے عشری قرار دیا ہے اور حق یہ ہے کہ حضرت رحمانی رح کی رائے صحیح ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح لکھتے،

"اور جس کا حال معلوم نہ ہو اور مسلمانوں کے پاس ہو وہ بھی انظاہر حال عشری سمجھی جائے گی۔" (۱)

دارالعلوم دیوبند کے فتوے سے جیسے حضرت مولانا رحمانی رح نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے یہی واضح ہوتا ہے حضرت تھانوی رح کے فتوے سے بھی یہی حکم معلوم ہوتا ہے۔ (۲)

خلاصہ یہ ہے کہ صرف تین صورتیں خراجی زمین کی ہیں جو حضرت لکھنوی رح کی تحریر میں نمبر ۷ سے ۹ تک مرقوم ہیں باقی ساری دس صورتیں عشری زمین کی ہیں جو دونوں حضرات کی تحریر میں مشترک ہیں۔

محور چہارم

۴ــــ جن زمینوں کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہو ان پر بھی الشاذ کالمعدوم کے اصول اور برنائے احتیاط عشر لازم ہوگا۔

مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رح کے سوال پر دارالعلوم دیوبند کے جواب کا ایک جز یہ ہے:

"تیسرے یہ بھی احتمال ہے کہ بعض آراضی جو اول سے کفار کے پاس چھوڑ دی گئی ہوں اور ان پر خراج مقرر کیا گیا ہو اور کسی طرح سے اہل اسلام کے پاس آگئی ہو تو وہ بھی خراجی ہی رہیں گی۔ مگر چونکہ یہ امر مشخص اور متمیز ہونا دشوار ہے نیز شاذ و نادر ہے بلکہ اکثر مسلمانوں کے پاس اس وقت وہی آراضی ہیں جو ان کے آبا و اجداد کو بادشاہ اسلام نے دی تھیں یا انھوں نے مسلمانوں سے خریدی ہیں یا سرکار انگلشیہ نے بعض اہل اسلام کی آراضی بعض کو دی ہیں اس لیے ان جملہ اقسام میں عشر واجب ہے اور شاذ و نادر کو معدوم سمجھ کر تمیع آراضی مملوکہ اہل اسلام کو عشری کہا جائے گا۔" (۳)

---

(۱) کتاب العشر والزکاۃ /۲۷ (۲) تحفہ ارض اسلام الفتاوی /۵۰ (۳) کتاب العشر والزکاۃ /۳۶

حضرت مولانا عبدالصمد رحمانی علیہ الرحمۃ نائب امیر شریعت بہار و اڑیسہ نے اس جواب پر اپنی یہ رائے ظاہر فرمائی ہے کہ

"ہمارے نزدیک بھی یہی صحیح ہے اور اس کے علاوہ ایک دوسری جہت سے بھی ادائے فرض میں احتیاط کا تقاضا یہی ہے اور وہ یہ ہے کہ دیگر ائمہ کرام رحمہم اللہ کے نزدیک مسلمان کی ہر زمین کی پیداوار میں عشر واجب ہے اگرچہ خراجی ہی زمین کیوں نہ ہو اور شاید یہی وجہ ہے کہ صحابہ و تابعین ارض عراق کے اندر خراجی زمین کے مالک تھے اور وہ خراج کے علاوہ عشر بھی دیتے تھے۔ اس لیے جہاں پر اپنے امام کے مسلک سے عملاً مخالفت نہ ہو اور احتیاط کی راہ اختیار کی جائے تو بہتر ہے کیونکہ ہمارے ائمہ کے نزدیک خراجی زمین کی پیداوار کا عشر ادا کرنا گناہ نہیں ہے۔" (۱)

(۲) حضرت تھانوی قدس سرہ کے ایک فتویٰ سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ استصحاب حال کی بنا پر عشر لازم ہوگا۔

۳— عشر زمین زکوٰۃ کی طرح ایک مالی عبادت ہے اور اس کا مصرف بھی وہی ہے جو زکوٰۃ کا مصرف ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کوئی حکومت خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم اگر زمینداروں یا کاشت کاروں سے کوئی سرکاری ٹیکس وصول کرتی ہے تو اس ٹیکس کی ادائیگی سے عشر ساقط نہ ہوگا، بلکہ مسلم مالکان کے ذمہ ہوگا کہ وہ بطور خود عشر نکالیں اور اس کے مصرف پر خرچ کریں اور بعینہ ایسا ہے جیسے حکومتوں کے انکم ٹیکس ادا کرنے سے اموال تجارت اور نقد کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ غیر مسلم حکومت وصول کرتی ہے تو معاملہ واضح ہے کہ نہ وہ زکوٰۃ اور عشر وصول کرنے کی مستحق یا اہل ہے، نہ وہ اس کے مصارف میں خرچ کرنے کی پابند ہے، اس لیے اس کے ٹیکس ادا کرنے سے زکوٰۃ یا عشر ادا نہ ہوگا۔ (۳)

علامہ عماد اوتی سندھی نے اپنے رسالہ "سراج الهند في خراج الهند" میں تحریر فرمایا ہے:

"و اما آنچہ حکام نصاریٰ می گیرند پس در ادائے خراج محسوب نمی گردد۔ لأن الكافرين ليس لهم ولاية أخذ الخراج من المسلمين وأيضا ليسوا المصارف الخراج في أداء المسلمين إليهم مال بقية الخراج لا يخرجون عن عهدته لأنهم ليسوا بمقاتلين لأهل الحرب ولا ذابين أعداء الإسلام عنهم وعن دارهم۔"

علامہ عماد اوتی نے تو یہ حکم لکھا ہے وہ خراج کا ہے اس سے عشر کا حکم بدرجہ اولیٰ معلوم ہوگیا کہ سرکاری مالگذاری

---

(۱) کتاب العشر والزکاۃ ص ۱۴۳ (۲) تتمہ اولیٰ امداد الفتاویٰ ص ۵۰ (۳) جواہر الفقہ ۲/۱۰۶

ادا کرنے سے عشر ساقط نہیں ہوتا۔

حضرت تھانوی قدس سرہ نے بھی ایک سوال کے جواب میں یہی لکھا ہے:

"ہم کو تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ادا نہیں ہوتا، جیسے انکم ٹیکس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔"(۱)

البتہ اس مسئلہ میں مولانا عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے برخلاف رائے ظاہر فرمائی ہے:

"ہر زمینے کہ مملوکہ خود آب باراں کاشت کردہ عشر ظاہر بر وے واجب الادا است مگر در صورتے کہ محصول زمین مذکور بحاکم وقت دادہ شود در آں وقت عشر ساقط است بحکم عبارت رد المحتار لایجتمع العشر مع الخراج۔"(۲)

"جو شخص اپنی زمین میں زراعت کرے اس پیداوار کا اور مصارف زکوٰۃ میں صرف کرے دسواں حصہ کا واجب ہے، اگر زراعت بلا دیہہ پانی برسات یا نہروں وغیرہ کے ہو اور اگر کنویں سے پانی نکلوا کر اور خرچ کر کے زراعت کی ہو تو بیسواں حصہ واجب ہے لیکن جس صورت میں کہ خراج اس زمین کا حاکم وقت کو دینا پڑتا ہے اس وقت ادائے عشر وغیرہ ساقط ہے جیسا کہ رد المحتار وغیرہ میں ہے، لا یجتمع العشر مع الخراج۔"(۳)

لیکن مولانا عبدالحی صاحبؒ کے قول کی توجیہ یہ ہو سکتی ہے کہ انھوں نے خراج شرعی مراد لیا ہو، خراج انگریزی نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے پاس ایسی زمین ہو کہ اس پر خراج شاہی وقت سے چلا آتا ہو اور اب موجودہ وقت میں وہ خراج حاکم وقت کو ادا کرتا ہو تو اس پر عشر لازم نہیں ہوگا۔

اور چونکہ موجودہ حکومت ہند کا زمین کی مالگزاری وصول کرنا خراج شرعی نہیں ہے اس لیے کہ اس پر عشر واجب کرنے سے لا یجتمع العشر مع الخراج کا اصول نہیں ٹوٹے گا۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ موجودہ وقت میں ہندوستان کی کسی زمین پر خراج شرعی نہیں ہے کیوں کہ کسی زمین کے خراجی ہونے کی دو صورتیں ہیں:

(۱) عجمیوں کے ملکوں میں سے جو ملک بھی ایسا ہو کہ امام کا اس پر غلبہ ہو گیا اور امام نے اس کو انھیں لوگوں کے ہاتھوں میں چھوڑ دیا یعنی کافروں کے ملک میں بدستور باقی رہنے دیا تو وہ زمینیں خراجی ہوں گی۔

(۲) عجمیوں کی ہر وہ زمین جس پر امام المسلمین سے صلح ہو گئی ہو اور وہ ذمی بن گئے ہوں تو وہ زمین بھی خراجی ہوگی۔(۴)

---

(۱) حوادث الفتاویٰ، ص ۹ (۲) مجموعہ فتاویٰ مولانا عبدالحی، ص ۲۲۳

(۳) فتاویٰ مولانا عبدالحی، ص ۲۲ (۴) کتاب الخراج للامام ابی یوسف، ص ۳

خراج موظف جاری تھا اور علاء الدین خلجی نے جو اس کو خراج مقاسمہ اور بٹائی کی صورت میں تبدیل کیا یہ معاملہ اگر مالکان زمین کی رضامندی سے ہوا تو کوئی مضائقہ نہیں، ورنہ ان کو اس تبدیلی کا کوئی حق نہ تھا۔

وفی الکافی لیس للامام ان یحول الخراج الموظف الی خراج المقاسمۃ اقول وکذلک عکسہ۔ (۱)

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کے اکثر علاقوں میں آج بھی خراج موظف کا حکم جاری ہے، البتہ اس کی ادائے گی حسب دستور عام قابل کاشت زمینوں میں ایک جریب یعنی ۳۰۲۵ مربع گز پر ایک درہم (۳ ۱/۲ ماشہ چاندی) اور ایک صاع گندم یا جو (تین کیلو دو سو چھیاسٹھ گرام) واجب ہوگا۔ ترکاری کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور اور کھجور کے ایسے گنجان باغ پر جن میں کاشت نہ ہو سکے دس درہم (ایک اشہ کم تین تولہ چاندی) اور زعفران جیسی قیمتی اشیاء اور انگور اور کھجور کے باغ جو گنجان نہ ہوں اور دوسرے ہر قسم کے باغ اگرچہ گنجان ہی ہوں سب پر خراج اس اندازے سے لگایا جائے کہ پیداوار خمس سے گھٹے نہیں اور نصف سے بڑھے نہیں۔ حضرت عمر فاروق رضہ نے عراق کی ان سب زمینوں پر جن میں پانی پہنچتا ہے اور قابل کاشت ہیں یہی خراج موظف مقرر فرمایا تھا۔ (۲)

لیکن سطور بالا میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ خراج مقرر کرنا اور اس کی وصولیابی کا انتظام مرتب کرنا امام المسلمین کا کام ہے اور خراج دارالاسلام کے رہنے والوں پر عائد ہوتا ہے اور ہندوستان بلا شبہ دارالاسلام نہیں ہے، پس یہاں کی جو زمینیں خراجی قرار پاتی ہیں ان میں بھی عشر کا وجوب ہی مناسب ہے اور اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عشر میں معنی عبادت پایا جاتا ہے، کیوں کہ یہ زمین کی زکوٰۃ ہے اسی لیے عشر مسلمانوں کے مناسب حال ہے۔

فلا یبتدا بہذا الحق الا مع المسلم بلا خلاف لان فیہ معنی العبادۃ۔ (۳)

اور خراج کی حیثیت شرعی ٹیکس کی سی ہے اس میں معنی عبادت نہیں پایا جاتا اسی لیے وہ دارالاسلام کے غیر مسلم زمینوں کے مناسب حال ہے مسلمانوں کے شایان شان نہیں اسی واسطے ابتداءً کسی مسلمان پر اس کی زمین میں خراج واجب نہیں کیا جاتا اور عشر کافر پر مقرر نہیں کیا جاتا کیوں کہ وہ عبادت کا مکلف نہیں ہے۔

۵ــــ شریعت اسلامیہ میں زمین کی پیداوار پر آسمانی بارش اور بڑے دریاؤں کے پانی سے سینچائی کی صورت

---

(۱) رد المحتار ۳/ (۲) کتاب الاموال ابو عبید ۶۹ - ہدایہ ۵۹۹/۱ - جواہر الفقہ ۲/۰

(۳) بدائع الصنائع ۵۳/۲

رہی ہے۔

اس کی وضاحت یہ ہے کہ مثلاً آسمانی بارش سے سیراب شدہ زمین کی پیداوار بیس قفیز (تقریباً پانچ من) فرض کرو تو اس میں عشر کی مقدار (پیداوار کے دسویں حصہ کے مطابق) دو قفیز ہوگی۔ اور اگر پیداوار چرس وغیرہ سے سینچائی کے ذریعہ چالیس قفیز ہو اور مصارف آبپاشی کی مقدار بیس قفیز کے برابر ہو تو اب اگر اس خرچ کے بقدر بیس قفیز علاحدہ کر لیا جائے تو مقدار زکوٰۃ دو قفیز ہی رہ جائے گی (جو کل پیداوار چالیس قفیز کے بیسویں حصہ کے مطابق ہے) پس آسمانی بارش کی پیداوار اور اپنے ذاتی ذرائع سے سینچائی کی پیداوار پر زکوٰۃ کی ایک ہی مقدار ہو جائے گی۔ دونوں میں کوئی فرق باقی نہیں رہے گا، حالانکہ نص حدیث میں دونوں صورتوں کے دو الگ الگ حکم ہیں۔

پس یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ ذاتی ذرائع سے سیراب کردہ زمین کی پیداوار میں جو نصف عشر متعین ہے اس میں مصارف زراعت کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور اس مسئلہ کا یہ حل بس اسی شرح کی خصوصیت ہے اس پر غور کرلو۔

حافظ ابن الہمام نے اگرچہ صاحب نہایہ کے بیان کردہ صورت مسئلہ پر اشکال ظاہر کیا ہے لیکن مذکورہ مثال اور حکم مسئلہ کو جوں کا توں تسلیم کیا ہے۔

فیلزم اتحاد الواجب فیما سقی بغرب و فیما سقته السماء و هو خلاف حکم الشرع۔[1]

۶۔ اگر زمین دوسرے شخص کو مزارعت یعنی بٹائی پر دی ہے کہ پیداوار میں ایک حصہ متعین مالک زمین کا اور دوسرا متعین حصہ کاشت کار کا، مثلاً دونوں نصف نصف ہو یا ایک تہائی اور دو تہائی ہو، اس صورت میں عشر دونوں پر اپنے اپنے حصۂ پیداوار کے مطابق لازم ہوگا۔ (۲)

اگر بٹائی دار غیر مسلم ہو تو مسلمان مالک زمین پر اپنے حصہ کا عشر واجب ہوگا۔

حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

"مزارعت کے مسئلہ میں عشر متعدد ہوتا ہے ایک مزارع پر اگر کوئی کافر ہوگا تو نہ ہوگا، مسلمان اپنے حصہ دیوے گا" (۳)

ابن ہمام نے فرمایا:

---

(۱) فتح القدیر ج ۲ (۲) جواہر الفقہ ج ۲ ص ۲۶۳ بحوالہ بدائع الصنائع

(۳) تالیفات رشیدیہ ص [illegible]

محورِ اوّل

عشر و خراج

مفتی عبیداللہ ———— مدرس مدرسہ عزیزیہ، بہار شریف، نالندہ

اس حقیقت سے انکار کی گنجائش نہیں کہ جس طرح نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ فرض ہیں اسی طرح عشر بھی فرض ہے۔ اس وجہ کر بہت سے فقہائے عشر کو زکوٰۃ ہی کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کے لئے "باب زکوٰۃ الزروع والثمار" کا باب منعقد فرمایا ہے۔ عشر کی فرضیت بھی قرآن کریم کی مختلف آیات سے ثابت ہے مثلاً:

"یا ایہا الذین امنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض"

اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وھو الذی انشاء جنت معروشات (الیٰ قولہ تعالیٰ) واتوا حقہ یوم حصادہ"

اور علامہ شامیؒ نے لکھا ہے:

"لانہم صرحوا بان فرضیۃ العشر ثابتۃ بالکتاب والسنۃ والاجماع والمعقول"[1]

اور علامہ ثناء اللہؒ نے تفسیر مظہری میں ذکر فرمایا ہے:

"اجمع العلماء علی وجوب العشر فی النخل والکرم"

البتہ چونکہ شرعاً زمین دو قسم کی ہیں، عشری اور خراجی، اور ایک ہی زمین پر عشر و خراج لازم نہیں ہو سکتا، اس لئے یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ کونسی زمین عشری ہے اور کونسی زمین خراجی، کتب فقہ کی تتبع و تلاش سے جو کچھ مفہوم ہوتا

---

[1] ردالمحتار ۲/۵۳، ۲/۲۵۵

از: ـــــــــــــ مولانا مفتی محمد اعظمی، دارالعلوم مئو

محور چہارم

۱ـــــ علامہ عینی نے بنایہ میں عشری اور خراجی زمینوں کی متعدد مندرجہ ذیل اقسام ذکر کی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ عشری زمینوں کی چھ قسمیں ہیں:

(۱) عرب کی زمین جیسے حجاز اور یمن کی تہامی۔

(۲) وہ اراضی جن کے مالک بخوشی مسلمان ہو گئے ہوں۔

(۳) وہ زمین جو بزور طاقت حاصل کی گئی ہو اور غانمین کے درمیان تقسیم کر دی گئی ہو۔

(۴) ایسی مردار زمین جسے قابل کاشت بنایا گیا اور عشری پانی سے سیراب کیا جاتا ہو۔

(۵) خراجی زمین جس سے خراجی پانی ختم ہو گیا ہو اور وہ عشری پانی سے سیراب کی جاتی ہو۔

(۶) کسی مسلمان نے اپنے گھر کو باغ بنا دیا اور عشری پانی سے سیراب کرنے لگا۔

خراجی زمین کی نو قسمیں ہیں:

(۱) ایسی زمین جس کو بزور طاقت حاصل کیا گیا ہو اور کافروں کے ہاتھ میں وظیفۂ خراج کے ساتھ باقی رکھا گیا ہو۔

(۲) ایسی زمین جس کو کافر ذمی نے امیر المومنین کی اجازت سے قابل کاشت بنایا ہو۔

(۳) کافر اپنے گھر کو باغ بنا دے اگرچہ عشری پانی سے سیراب کرے۔

(۴) کوئی کافر قوم خوشی خوشی خراج دینے پر آمادہ ہو جائے۔

(۵) ایسی زمین جو خراجی پانی سے قابل کاشت بنائی جائے۔

(۶) ایسی زمین جس کو مسلمان کافر سے خریدے

(۷) عشری زمین جس کا پانی بند ہو جائے اور خراجی پانی سے سیراب کی جانے لگے۔

[۸] کسی مسلمان نے اپنے گھر کو باغ بنا دیا اور خراجی پانی سے سیراب کرنے لگا۔ (۱)

کسی زمین کے عشری یا خراجی کا فیصلہ اسی تفصیل کی روشنی میں کیا جائے گا۔

جو زمین نسلاً بعد نسلٍ مسلمانوں کے قبضہ میں چلی آرہی ہے اور یہ پتہ نہیں کہ کب اور کیسے آئی تو اسے عشری ہی مانا جائے گا کیوں کہ فقہاء کے نزدیک استصحاب بھی ایک دلیل ہے۔

۲ــــ جن آراضی کا عشری اور خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے ان میں عشر نکالنا احوط ہے اور مسلمانوں کے حال سے زیادہ مناسب ہے۔

بدائع میں مذکور ہے:

والابتداء بالعشر فی ارض المسلم أرفق لان فی العشر معنی العبادة وفی الخراج معنی الصغار۔ (۲)

۳ــــ سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل نہیں ہے کیوں کہ موجودہ سرکار اس کا مصرف نہیں اور وہ اس کے مصارف میں استعمال بھی نہیں کرتی۔

۴ــــ حضرت تھانوی رح کی تحقیق جدید کے مطابق خراج کی ادائے گی بھی ایک حق شرعی ہے اس کی شرح قرب وجوار کی اراضی سے اندازہ کر کے متعین کی جائے گی۔ علامہ کاسانی رح صاحب بدائع فرماتے ہیں کہ عشر میں عبادت کا مفہوم پایا جاتا ہے اور خراج میں صغار یعنی ماتحتی کا۔ رد المحتار میں ہے:

ولو ترک السلطان اونائبه الخراج لرب الارض او وهب له ولو بشفاعة جاز عند الثانی وحل له لو مصرفاً والا تصدق به یفتی۔

یہ عبارت بھی بتا رہی ہے کہ اگر خود مصرف نہ ہو تو صدقہ کرنا پڑے گا، حالانکہ سلطان نے معاف کر دیا ہے۔ لہٰذا خراج کی ادائے گی میں صرف اظہار ماتحتی ہی نہیں بلکہ حق شرعی بھی ملحوظ ہے۔

۵ــــ کھاد اور دوا وغیرہ سے نہ تو عشر میں کمی کی جائے گی اور نہ ہی پیداوار سے ان اخراجات کو منہا کیا جائے گا، کل پیداوار میں عشر یا نصف عشر واجب ہوگا۔ در مختار میں ہے:

---

(۱) ماخوذ از حاشیہ شرح وقایہ، مولانا عبد الحی لکھنوی ۱/۲۹۵

(۲) بدائع ۲/۵۷ (۳)

ہوگا، احادیث میں عشر یا نصف عشر کو انھیں اشیاء پر نافذ کیا گیا ہے جو زمین کی پیداوار کہی جاتی ہیں۔
اسی طرح سے عشر ان چیزوں میں واجب نہیں جو صرف زراعت کے کام آتے ہیں، عشر دوائوں میں بھی واجب نہیں، ترکٹ وغیرہ میں واجب نہیں۔ (۱)

۳۔ مچھلی خواہ کسی قسم کے پانی میں پائی گئی ہو اس میں عشر نہیں ہوگا، اس کو بیچنے کے بعد حاصل شدہ رقم پر زکوٰۃ کا حکم جاری ہوگا۔

لاشیٔ فیما تستخرج من البحر کالعنبر واللؤلؤ والسمک۔ (۲)

۴۔ ریشم کی کاشت پر عشر واجب نہیں، صاحب ہدایہ شہد پر بحث کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وفی العسل العشر اذا اخذ من ارض العشر وقال الشافعی لا یجب لانہ متولد من الحیوان فاشبہ الابریسم ولنا قولہ علیہ السلام فی العسل العشر ولان النحل یتناول من الانوار والثمار وفیہما العشر فکذا فیما یتولد منہا بخلاف دود القز لانہ یتناول الاوراق ولا عشر فیہا۔ (۳)

لہٰذا معلوم ہوا کہ ریشم وظیفۂ عشر سے مستثنیٰ ہے۔

۵۔ وہ درخت جن سے پھل مقصود نہیں ہوتا بلکہ جلانے یا فرنیچر اور عمارت کے استعمال میں آتے ہیں اگر کسی عشری زمین کو ایسے درختوں کے لیے خاص کر دیا گیا ہو تو ان میں عشر واجب ہوگا۔ وجوب عشر کے لیے قاضی خاں ہر سال کاٹنے اور بیچنے کی شرط لگاتے ہیں۔

ولو جعل ارضہ مقصبۃ و مشجرۃ یقطعہا و یبیعہا فی کل سنۃ کان فیہ العشر۔ (۴)

لیکن عالمگیری میں یہی مسئلہ محیط السرخسی کے حوالہ سے نقل کیا ہے اس میں ہر سال کاٹنے کی شرط نہیں، بلکہ مسئلہ کا مدار استغناء اور آمدنی کو قرار دیا ہے لہٰذا ایسی عشری زمین جو صنوبر، ساکھو، شیشم، ساگوان وغیرہ کے لیے خاص کر لی جائے اور یہ درخت تیار ہونے کے بعد کاٹے جائیں چاہے دس سال کیوں نہ لگ جائیں ان میں عشر واجب ہوگا۔ (۵)

---

(۱) قاضی خان ۱/۲۹ (۲) ایضاً (۳) ہدایہ ۱/۱۸۲

(۴) قاضی خان ۱/۲۹ (۵) عالمگیری ۱/۹۵

۹ — ان سبزیوں جو عشری زمین میں بوئی جائیں ان میں عشر واجب ہوگا بہتر یہ ہے کہ جب توڑی جائیں عشر الگ کر دیا جائے اور مستحقین کو دے دیا جائے البتہ اپنے گھر یا مکان کی چھتوں پر بوئے جانے والے درختوں یا سبزیوں میں عشر نہیں ہوگا۔

وحل فی داره شجرة مثمرة لا عشر فیه وان کانت البلدة عشریة بخلاف ما اذا کانت فی الارض - (۱)

۱۰ — اوقاف کی اراضی میں عشر واجب ہے کیونکہ عشر کا سبب ارض نامی ہے اور وہ یہاں موجود ہے دوسرے یہ کہ عشر کا تعلق پیداوار کی ملک سے ہوتا ہے لہذا اراضی موقوفہ میں اولاد میں عشر واجب ہوگا اس لیے اولاد ان زمینوں کی پیداوار کی مالک ہوتی ہے گو وہ زمین کی مالک نہیں ہوتی۔

یجب العشر فی الاراضی الموقوفة [۲] ۔ ولکن ملک الارض لیس بشرط للوجوب لوجوبه فی الاراضی الموقوفة -(۳)

هذا ما عندی والله اعلم بالصواب

---

(۱) قاضی خان ۱/۲۷۰، عالمگیری ۱/۱۸۶ (۲) قاضی خان ۱/۲۶۹

(۳) عالمگیری ۱/۱۸۶

عشر کے کچھ احکام و مسائل

(محور پنجم)

از:- مولانا رفیق المنان قاسمی، جامعہ عربیہ احیاء العلوم، مبارکپور، اعظم گڑھ

(۱) نصاب

وجوب عشر کسی خاص نصاب کے ساتھ مشروط ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں دو رائیں ہیں۔ جمہور ائمہ کے نزدیک دیگر اموال زکوٰۃ کی طرح زرعی پیداوار کے لیے نصاب متعین ہے اس سے کم پیداوار میں عشر واجب نہ ہوگا۔ ائمہ احناف میں سے امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ کا مذہب بھی یہی ہے۔

ان حضرات کا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں وجوب عشر کے لیے متعین نصاب کا ذکر ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة۔ وبلفظ آخر۔ لیس فی حب ولا تمر صدقة حتی یبلغ خمسة اوسق"۔

علامہ ابن قدامہ المغنی میں فرماتے ہیں:

"ولنا قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیس فیما دون خمسة اوسق متفق علیه وهذا خاص یجب تقدیمه...... ولانه مال تجب فیه الصدقة فلم یجب فی یسیره کسائر اموال الزکاتیة...... یحققه ان الصدقة انما تجب علی الاغنیاء بما قد ذکرنا فیما تقدم ولا یحصل الغنا بدون النصاب کسائر اموال الزکاتیة۔"[۱]

---

(۱) المغنی ۲/۲۹۶

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے غیر کیلی اشیاء کے نصاب کے سلسلہ میں دو اقوال مروی ہیں، ایک قول یہ ہے کہ موزونات میں پانچ وسق کے بقدر وزن ہی کو نصاب مانا جائے گا، واضح رہے کہ پانچ وسق کا وزن جمہور فقہاء کے نزدیک سولہ سو (۱۶۰۰) رطل ہے اور احناف کے نزدیک چوبیس سو (۲۴۰۰) رطل ہے۔

نصاب الزيتون خمسة اوسق نص عليه احمد في رواية صالح ونصاب الزعفران والقطن وما الحق بهما من الموزونات الف وست مأة رطل بالعراقي لانه ليس بمكيل فيقوم وزنه مقام كيله ذكره القاضي في المجرد۔ (۱)

امام احمد رح کی دوسری روایت اس سلسلہ میں یہ ہے کہ موزونات میں سب سے کم قیمت کیلی کے پانچ وسق کی قیمت کو نصاب قرار دیا جائے گا، جیسے عروض تجارت میں سونے اور چاندی کے نصابوں میں سے جو کم قیمت کا ہو اسے معیار نصاب بنایا جاتا ہے۔ ائمہ احناف میں امام ابو یوسف رح کا مسلک بھی یہی ہے۔

وحكي عنه اذا بلغت قيمته نصابا من ادنى ما تخرجه الارض مما فيه الزكاة ففيه الزكاة وهذا قول ابي يوسف في الزعفران لانه لم يمكن اعتباره بنفسه فاعتبر بغيره كالعروض تقوم بادنى النصابين من الاثمان۔ (۲)

اما لا يدخل تحت الكيل كالقطن والزعفران فقد اختلفا فيما بينهما قال ابو يوسف يعتبر فيه القيمة وهو ان يبلغ قيمة الخارج قيمة خمسة اوسق من ادنى ما يدخل تحت الوسق من الحبوب .... لابي يوسف ان الاصل هو اعتبار الوسق لان النص ورد به غير انه ان امكن اعتباره صورة ومعنى يعتبر وان لم يمكن يجب اعتباره معنى وهو قيمة الموسوق۔ (۳)

امام محمد رح کے نزدیک غیر کیلی اشیاء میں سے جس چیز کا عشر نکالنا ہو اس کی قدر و پیمائش کے سب سے بڑے پیمانے کو ایک وسق کے حکم میں رکھا جائے گا۔

قال محمد يعتبر خمسة امثال اعلى ما يقدر به ذلك الشيء فالقطن يعتبر بالاحمال فاذا بلغ خمسة احمال يجب والاحمال يعتبر كل حمل ثلث مأة من فكون جملته

(۱تا۲) المغنی ۲ر۶۹۹ (۳) بدائع ۲ر۶۱

وفیما سقی بالسانیۃ نصف العشر۔ (۱)

قرآن و حدیث کے ان عموم سے استدلال کرتے ہوئے علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی فرماتے ہیں:۔

ولابی حنیفۃ عموم قولہ تعالیٰ: یا ایھا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض" وقولہ عز وجل: "وآتوا حقہ یوم حصادہ" وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ما سقتہ السماء ففیہ العشر وما سقی بغرب او دالیۃ ففیہ نصف العشر من غیر فصل بین القلیل والکثیر۔ (۲)

فقہائے احناف کا مختار و مفتی بہ مذہب یہی ہے اور اس کی معقول و معتبر بنیادیں موجود ہیں احتیاط و حق فقرا کی رعایت کا تقاضا بھی یہی ہے۔

مشہور مالکی فقیہ و محدث علامہ ابن العربی رح فرماتے ہیں کہ

"اقوی المذاہب ابی حنیفۃ دلیلا واحوطہا للمساکین واولاہا قیاما بشکر النعمۃ وعلیہ یدل عموم الآیۃ والحدیث" (۳)

اسی طرح علامہ فخر الدین رازی شافعی رح فرماتے ہیں:

قال ابو حنیفۃ العشر واجب فی القلیل والکثیر واحتج بھذہ الآیۃ فقال قولہ تعالیٰ "وآتوا حقہ یوم حصادہ" یقتضی ثبوت حق فی القلیل والکثیر فاذا کان ذلک الحق ھو الزکاۃ وجب القول بوجوب الزکاۃ فی القلیل والکثیر (۴)

رہ گئی وہ حدیث جس میں پانچ وسق سے کم میں صدقہ کی نفی کی گئی ہے تو احناف کے نقطہ نظر سے اسے کسی ایسے معنی پر محمول کیا جائے گا جو نصوص کتاب و سنت کے عموم کے متعارض نہ ہو۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں عشر کا نصاب نہیں بلکہ تجارتی غلہ جات کی زکوٰۃ کا نصاب بیان کیا گیا ہے، عہد نبوی میں پانچ وسق غلہ کی قیمت کم و بیش دو سو درہم کے مساوی تھی جو عروض تجارت کا نصاب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسانی کے لیے غلہ کا نصاب الگ سے پانچ وسق متعین کیا۔

ابو حنیفۃ یقول تاویل الحدیث زکاۃ التجارۃ لانھم کانوا یتبایعون بالاوساق

---

(۱) مسلم ج۱ ص۳۱۶ (۲) بدائع الصنائع ج۲ ص۵۹ (۳) بحوالہ احکام القرآن ج۲ ص۲۹۴

(۴) تفسیر کبیر۔

كما ورد به الحديث في نفي صدقة خمسة أوسق ما تأدر عنهم[1] ـــــ قال الجصاص في

أحكام القرآن "قوله ليس فيما دون خمسة أوسق زكاة" يحتمل أن يريد به زكاة التجارة

بأن يكون سائل سأل عن أقل من خمسة أوسق من طعام أو تمر للتجارة فأخبر أن لا زكاة

فيه فنقل الراوي كلام النبي صلى الله عليه وسلم وترك ذكر السبب كما

يوجد ذلك في كثير من الأخبار۔[2]

صاحب بدائع الصنائع اس حدیث کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

أما الحديث فالجواب عن التمسك به من وجهين أحدهما أنه من الآحاد فلا

يقبل في معارضة الكتاب والخبر المشهور ـــــ والثاني أن المراد من الصدقة

الزكاة لأن مطلق اسم الصدقة لا ينصرف إلا إلى الزكاة المعهودة ونحن به نقول

إن ما دون خمسة أوسق من طعام أو تمر للتجارة لا يجب فيه الزكاة ما لم يبلغ

قيمتها مائتي درهم أو يحتمل الزكاة فيحمل عليها عملا بالدلائل بقدر الإمكان۔[3]

عشر میں عدم نصاب وعدم وجوب کی ایک وجہ ترجیح یہ ہے کہ جب خاص اور عام نصوص میں تعارض ہو اور ان میں سے کون زمانہ مقدم ہے اس کا پتہ نہ چلے تو احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ خبر عام کو ترجیح دے کر اسی پر عمل کیا جائے، نیز عام و خاص کے متعارض ہونے کی صورت میں مختلف فیہ کو چھوڑ کر متفق علیہ کو ترجیح دینا اور اسی پر عمل کرنا بہتر ہے کہ حکم حدیث ہے دع ما یریبک الی ما لا یریبک۔

علامہ جصاص رازی احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

(1) روي عن النبي صلى الله عليه وسلم خبران أحدهما عام والآخر خاص واتفق الفقهاء

على استعمال أحدهما واختلفوا في استعمال الآخر كان المتفق على استعماله قاضيا على

المختلف فيه فلما كان خبر العشر متفقا على استعماله واختلفوا في خبر الأوساق كان

استعمال خبر العشر على عمومه أولى وكان قاضيا على المختلف فيه إذ جاز أن يكون الآخر

منسوخا ويكون تأويله محمولا على معنى لا ينافي شيئا من خبر العشر۔[4]

---

(1) المبسوط للسرخسی ۲/۳ (2) احکام القرآن للجصاص ۳/۳ (3) بدائع ۲/۵۹ (4) احکام القرآن للجصاص ۳/۳

علامہ عینی فرماتے ہیں:

ومن الأصحاب من جعله مفسرًا ولهم فی تقريره قاعدة فقالوا اذا ورد حديثان احدهما عام والآخر خاص فان علم تقديم العام على الخاص خص العام به وان علم تقديم الخاص ينسخ بالعام قال محمد بن شجاع البلخي هذا اذا علم التاريخ اما اذا لم يعلم فان العام يجعل آخرا لما فيه من الاحتياط وههنا لم يعلم تاريخه فجعل العام آخرًا احتياطًا (۱)

قائلین نصاب کہتے ہیں کہ دونوں قسم کے نصوص میں کوئی تعارض نہیں ہے احناف کے پیش کردہ کتاب وسنت کے نصوص میں صرف وجوب عشر کا بیان ہے اور مقدار نصاب کا اس میں کوئی ذکر نہیں گویا مقدار کے حق میں یہ نصوص مجمل ہیں جن کے اجمال کی تفصیل وتوضیح "خمسۃ اوسق" والی حدیث سے ہوتی ہے اس لیے اس پر عمل کرنا کسی بھی نص شرعی کے خلاف نہیں۔

پھر عشر بھی زکوٰۃ ہی کی طرح الله کی طرف سے عائد کردہ ایک مالی فریضہ ہے اس لیے بحکم حدیث "تؤخذ من اغنیاءھم وترد الی فقراءھم" وجوب عشر کے لیے بھی دیگر اموال زکاتیہ کی طرح ایک معیار نصاب کا تعین ضروری ہے تاکہ غنا کا تحقق ہو سکے۔

واحتاج ابی حنيفة فی النصاب بهذا العموم فيه ضعف فان الحديث انما خرج مخرج تبيين القدر الواجب منه۔ (۲)

ولانه مال تجب فيه الصدقة فلم تجب فی يسيره كسائر الاموال الزكاتية ...... والنصاب اعتبر ليبلغ حدا يحتمل المواساة منه فلهذا اعتبر فيه يحققه ان الصدقة انما تجب على الاغنياء بما قدذكرنا فيما تقدم ولا يحصل الغنى بدون النصاب كسائر الاموال الزكاتية۔ (۳)

لیکن فقہائے احناف کے نقطۂ نظر سے یہ دونوں باتیں محل نظر ہیں۔ آیت عشر ظاہر المعنی ہے جو اپنے منطوق کے اعتبار سے پیداوار کی ہر مقدار کو شامل ہے اس میں پیداوار (جو بھی ہو اور جتنی بھی ہو) کا ایک حصہ راہ خدا میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مقدار واجب کے حق میں تو یہاں ابہام واجمال ہے جس کی توضیح وتفسیر اور معنی کی تعیین حدیث "استقوا" ...

---

(۱) عمدۃ القاری، ج۹، ص۳۹ (۲) بدایۃ المجتہد، ج۱، ص۲۹۳ (۳) المغنی، ج۳، ص۶۹۹

ہو جاتی ہے لیکن پیداوار کی کس مقدار میں عشر واجب ہے اس اعتبار سے کوئی ابہام نہیں، مذکورہ آیت مجمل نہیں بلکہ مفسر وظاہر المعنی ہے، وہ ہر قلیل وکثیر پیداوار کو عام ہے اور آیت کے اس عموم کی تخصیص اور اس کے اطلاق کی تقیید نسخ کے مترادف ہے اور نص کتاب اللہ کے نسخ وتبدیل کے لیے خبر واحد کافی نہیں، اس کے لیے اتنی ہی مضبوط ومحکم دلیل کی ضرورت ہے مثلاً اجماع، خبر متواتر یا کم از کم خبر مشہور و مستفیض، نص قرآنی وخبر واحد میں تعارض کی صورت میں خبر واحد قابل رد ہے یا واجب التاویل۔

حدیث "لیس فیما دون خمسۃ اوسق" نہ خبر متواتر ہے نہ خبر مشہور، نہ ہی اسے اجماع کی سند حاصل ہے اس لیے اس کے ذریعہ آیت عشر کے عموم کو بدلا نہیں جا سکتا۔

اس پہلو سے اگر قطع نظر کر لیا جائے تو بھی یہ حدیث آیت عشر کے لیے بیان وتفسیر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی کیونکہ بیان وتفسیر کے لیے ضروری ہے کہ وہ مبین پر پورے طور پر منطبق ہو اور اس کے کل افراد کو شامل ہو، آیت سے تمام پیداواری اشیاء میں عشر کا وجوب ثابت ہوتا ہے چاہے وہ موسوق ہوں، موزون ہوں یا معدود، اگر وجوب عشر کے لیے نصاب کو ضروری قرار دیا جائے اور نصاب کے حق میں آیت کو مجمل مانا جائے تو اس کا بیان ایسا ہونا چاہیے جس سے تمام اقسام کی پیداواری اشیاء کا نصاب معلوم ہو جائے اور کوئی بھی قابل عشر چیز اس کے دائرہ سے باہر نہ رہ جائے لیکن حدیث مذکور صرف موسوقات کے نصاب سے بحث کرتی ہے، پیداوار کی بقیہ تمام اقسام کے نصاب کے بیان سے وہ بالکل خاموش ہے، پھر اس بیان کا فائدہ کیا ہوا؟ جب کہ موزونات ومعدودات وغیرہ کا نصاب پھر بھی مجہول رہا۔

اگر اس حدیث کو آیت کا مخصص مانا جائے تو صرف موسوقات ہی اس کے دائرۂ عمل میں آئیں گی، پیداوار کی بقیہ اقسام میں آیت کا عموم علیٰ حالہ باقی رہے گا جس کا مقتضا یہ ہے کہ موسوقات کے علاوہ بقیہ تمام پیداواری اشیاء میں یا تو ہر قلیل وکثیر مقدار پر عشر واجب ہو جیسا کہ ظاہر یہ اور بعض شوافع کہتے ہیں، لیکن قائلین نصاب کی اکثریت اسے قبول نہیں کرتی ہے، بعض نے تو غیر موسوقات میں وجوب عشر کا سرے سے انکار کر دیا ہے اور بعض نے قیاس وتعلیل کے ذریعہ نصاب متعین کرنے کی کوشش کی۔

فالجواب أنه لا يمكن حمله على البيان لما تمسكنا به عام يتناول ما يدخل تحت الوسق وما لا يدخل وما رويتم من خبر الخمسة أوساق فجاء فيما يدخل تحت الوسق فلا يصلح بيانا للقدر الذي يجب فيه العشر لأن من شأن البيان أن يكون شاملا لجميع ما يقتضي البيان وهذا ليس كذلك فعلى ما بينا نعلم أنه ليس بمورد البيان۔ (بدائع الصنائع)

ان "فیما سقت السماء العشر" عام فی ایجابہ فی الموسق وغیرہ وخبر "الخمسۃ اوسق" خاص فی الموسوق دون غیرہ فغیر جائز ان یکون بیاناً لمقدار ما یجب فیہ العشر لان حکم البیان ان یکون شاملاً لجمیع ما یقتضی البیان فلما کان خبر الاوساق مقصوراً علی ذکر مقدار الوسق دون غیرہ وکان خبر العشر عموماً فی الموسوق وغیرہ علمنا انہ لم یرد مورد البیان لمقدار ما یجب فیہ العشر وایضاً فان ذلک یقتضی ان یکون ما یوسق یعتبر فی ایجاب الحق بلوغ مقدارہ خمسۃ اوسق وما لیس بموسوق یجب فی قلیلہ وکثیرہ لقولہ علیہ السلام "فیما سقت السماء العشر" وفقد ما یوجب تخصیص مقدار ما لا یدخل فی الاوساق وھذا قول مطروح والقائل بہ ساقط لاتفاق السلف والخلف۔ (۱)

جہاں تک عقلی استدلال اور عشر و زکوٰۃ پر قیاس کرنے کی بات ہے تو احناف کے نزدیک وہ بھی نادرست اور قیاس مع الفارق ہے، زکوٰۃ ایک خالص مالی عبادت ہے جب کہ عشر کی حیثیت زرعی ٹیکس کی سی ہے گو کہ اس میں عبادت کا پہلو بھی ہے، احکامِ عشر میں ان دونوں پہلوؤں کی رعایت ملحوظ رکھی گئی ہے، جہت عبادت کے پیش نظر وجوب عشر کے لیے مسلمان ہونا شرط قرار دیا گیا، غیر مسلم پر عشر نہیں ہے چاہے وہ عشری زمین کا مالک ہو جائے اور اسی پہلو کے لحاظ سے عشر کے مصارف بھی وہی قرار دیئے گئے جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں، لیکن زرعی ٹیکس ہونے کی حیثیت سے عشر کے احکام بہت سے امور میں زکوٰۃ سے مختلف ہیں، زکوٰۃ کے وجوب کے لیے عاقل و بالغ ہونا، مال زکوٰۃ پر کامل ملکیت کا حاصل ہونا، حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا، بقدر نصاب مال زکوٰۃ پر سال گذر جانا، بنیادی شرائط ہیں، جب کہ عشر کے وجوب کے لیے ان میں سے کوئی چیز بھی ضروری نہیں، عشری زمین میں پیداوار کا حاصل ہونا ہی وجوب عشر کے لیے کافی ہے۔

نیز وجوب زکوٰۃ کے لیے تمکن علی النماء کافی ہے، بقدر نصاب مال زکوٰۃ پر اگر سال گذر جائے تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی چاہے فی الواقع مال میں زیادتی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، جب کہ وجوب عشر کے لیے حقیقت نماء ضروری ہے عشری زمین سے اگر پیداوار حاصل نہ ہو تو سال ہا سال گذر جانے کے بعد بھی عشر واجب نہ ہوگا، اسی طرح مال زکوٰۃ میں چاہے جتنا بھی اضافہ ہو جائے سال گذرنے سے پہلے اس میں زکوٰۃ واجب نہ ہوگی جب کہ عشری زمین سے اگر سال بھر

---

(۱) احکام القرآن للجصاص بحوالہ اوجز، ج ۳

بعض اکابر سلف کے نزدیک ان چار کے علاوہ اور کسی بھی قسم کی پیداوار میں عشر واجب نہیں، علامہ ابن قدامہ مقدسی کے بقول عبداللہ بن عمرؓ، موسیٰ بن طلحہ، حسن بصری، ابن سیرین، شعبی، حسن بن صالح، ابن ابی لیلیٰ، ابن مبارک اور ابو عبید رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت یہی منقول ہے۔

ان حضرات کا استدلال درج ذیل روایات ہیں:

"قد روی عمرو بن شعیب عن ابیه عن عبد الله بن عمرو انه قال انما سن رسول الله صلى الله عليه وسلم الزكاة فى الحنطة والشعير والتمر والزبيب وفى رواية العشر فى التمر والزبيب والحنطة والشعير وعن موسى بن طلحة عن عمر انه قال انما سن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعثهما الى اليمن يعلمان الناس امر دينهم فامرهم ان لا ياخذوا الصدقة الا من هذه الاربعة الحنطة والشعير والتمر والزبيب رواهن كلهن الدارقطنى" (۱)

یہ حضرات چار مذکورہ منصوص اقسام کے علاوہ اور کسی بھی پیداوار میں عشر کو واجب قرار نہیں دیتے کیونکہ ان کے نزدیک:

غير هذه الاربعة لا نص فيها ولا اجماع ولا هو فى معناها فى غلبة الاقتيات بها و كثرة نفعها و وجودها فلم يصح قياسه عليها ولا الحاقه بها فيبقى على الاصل۔ (۲)

جمہور علماء امت کے نزدیک عشر انہیں چار اقسام میں محصور نہیں ہے بلکہ اور بہت سی چیزوں میں بھی وہ واجب ہوتا ہے، لیکن تفصیلات میں یہاں بھی اختلاف ہے، ائمہ کرام نے اپنے اپنے ذوق اجتہاد کے مطابق الگ الگ اصول و ضوابط مقرر کیے ہیں۔

امام مالک و امام شافعی رحمہما اللہ کے نزدیک پھلوں میں صرف کھجور اور کشمش اور دانوں میں صرف وہ چیزیں موجب عشر ہیں جو غذائی ضروریات میں استعمال ہوتی ہیں۔

قال مالك والشافعى لا زكوة فى ثمر الا التمر والزبيب ولا فى حب الا ما كان قوتا فى حالة الاختيار لذلك۔ (۳)

---

(۱) المغنی ۲/۶۹۲ (۲) حوالۂ مذکور (۳) المغنی ۲/۶۹۱

اوحب البقول کالرشاد و حب الفجل والقرطم والترمس والسمسم وسائر الحبوب و تجب ایضا فیما جمع هذه الاوصاف من الثمار کالتمر والزبیب والمشمش واللوز والفستق والبندق ولا تکون فی سائر الفواکه کالخوخ والاجاص والکمثری والتفاح والمشمش والتین والجوز ولا فی الخضر کالقثاء والخیار والباذنجان واللفت والجزر[۱]

احناف میں سے امام ابو یوسف وامام محمد رحمہما اللہ کا مذہب بھی کچھ ایسا ہی ہے لیکن دو امور میں صاحبین کا مذہب حنابلہ سے مختلف ہے۔ صاحبینؒ کے نزدیک عشر کے لیے کیل ہونا شرط نہیں، اس اعتبار سے ان کا مذہب حنابلہ کی بہ نسبت زیادہ عام ہے، لیکن صاحبین کے نزدیک موجب عشر وہی چیزیں ہوں گی جو مقصود بالذات ہوں اور بنفس نفیس ان سے انتفاع کیا جاتا ہو، اس اعتبار سے حنابلہ کا مذہب صاحبین کی بہ نسبت عام ہوگا گویا دونوں مذہبوں میں عموم و خصوص من وجہ کی نسبت ہوگی، روئی، زعفران وغیرہ غیر مکیل اشیاء میں حنابلہ کے نزدیک عشر واجب نہیں جب کہ صاحبین کے نزدیک واجب ہے اور کھیرے، ککڑی، بیگن، مولی وغیرہ کے بیج میں جو صرف زراعت کے کام آتے ہیں اور وہ خود مقصود نہیں ہوتے صاحبین کے نزدیک عشر واجب نہ ہوگا جب کہ حنابلہ کے نزدیک واجب ہوگا۔

ونحوه قول ابی یوسف ومحمد فانهما قالا لا شئ فیما تخرجه الارض الا ما کانت له ثمرة باقیة یبلغ مکیلها خمسة اوسق۔[۲]

وعند ابی یوسف ومحمد لا یجب الا فی الحبوب وماله ثمرة باقیة[۳] ـــــ والاصل عند ابی یوسف ومحمد رحمهما الله تعالیٰ ان ما لیست له ثمرة باقیة مقصودة فلا شئ فیه کالبقول والخضر والریاحین انما العشر فیما له ثمرة باقیة مقصودة۔[۴]

خود امام محمد رحمہ اللہ کی تصنیف "کتاب الاصل" میں ہے:

وقال ابو یوسف ومحمد لیس فی شئ من هذا زکاة الا فیما کان له ثمرة باقیة وحتی یکون الثمر الباقی خمسة اوسق فصاعدا والوسق ستون صاعا فاما الزعفران ونحوه مما یوزن فانه اذا خرج منه ما یساوی خمسة اوسق ادنی ما یکون من قیمة الارض

---

(۱) المغنی ۲/۶۹۰ (۲) المغنی ۲/۶۹۱ (۳) بدائع الصنائع ۲/۵۹

(۴) المبسوط للسرخسی ۳/۲

امام اعظم کے سوا تمام مذکورہ ائمہ کرام کا استدلال وہی مذکورہ روایات ہیں جن میں صرف چار چیزوں کی صراحت ہے، کچھ نے وجوب عشر کو انھیں منصوصات تک محدود رکھا اور اکثریت نے قیاس و تعلیل کے ذریعہ اس حکم کی تعمیم کی پھر کسی نے علت و مدار حکم "قوت مع الادخار" کو قرار دیا (جیسے امام مالکؒ و شافعیؒ) کسی نے "کیل مع الادخار" کو (جیسے ابن حنبلؒ) اور کسی نے صرف ادخار کو (جیسے صاحبینؒ) اثبات کی شرط سب کے ہاں قدر مشترک ہے اور شئی منبت کا مقصود بذاتہ ہونا صاحبینؒ کے نزدیک شرط مستزاد، تنقیح مناط کے اس اختلاف کے باعث استناد حکم اور اس کے دائرہ کی وسعت میں بھی اختلاف پیدا ہوا۔

ان حضرات کا استدلال وہ روایات بھی ہیں جن میں خضروات سے صدقہ کی نفی کی گئی ہے،

عن علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: "لیس فی الخضراوات صدقۃ" وفی روایۃ عن عائشۃ وطلحۃ وانس مرفوعاً "لیس فیما انبتت الارض من الخضر صدقۃ" رواھن الدارقطنی۔ (۱)

امام اعظمؒ کا استدلال عموم نص سے ہے اور اس کے خلاف جو روایات ہیں بر تقدیر صحت مؤول اور دوسرے معانی پر محمول ہیں۔

ولابی حنیفۃ قولہ تعالیٰ "یا ایھا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض" واحق ما یتناولہ ھذہ الآیۃ الخضراوات لانھا ھی المخرجۃ من الارض حقیقۃ .... وقولہ تعالیٰ "وآتوا حقہ یوم حصادہ" والحصاد القطع واحق ما یحمل الحق علیہ الخضراوات لانھا ھی التی یجب ایتاء الحق منھا یوم القطع واما الحبوب فیتأخر الایتاء فیھا الی وقت التنقیۃ وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "ما سقتہ السماء ففیہ العشر وما سقی بغرب او دالیۃ ففیہ نصف العشر" من غیر فصل بین الحبوب والخضراوات ولان سبب الوجوب ھو الارض النامیۃ بالخارج والنماء بالخضر ابلغ لان ریعھا اوفر واما الحدیث فغریب فلا یجوز تخصیص

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) واؤد و اصحاب [illegible] وحکاہ عن یحیی بن آدم وغیرہ من السلف (بحر الرائق جلد ۲ [illegible])

(۱) المغنی ۲/۶۹۰ ملخصاً

الكتاب والخبر المشهور بمثله او يحمل على الزكاة او يحمل قوله "ليس في الخضروات صدقة" على انه ليس فيها صدقة تؤخذ من اربابها هم الذين يؤدونها بانفسهم فكان هذا نفي ولاية الاخذ للامام وبه نقول والله اعلم ۔ (۱)

امام اعظمؒ کے موقف کی واضح تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ سورۂ انعام میں زرع و نخل اور زیتون و رمان کے ذکر کے بعد ہی اس کے حق واجب (عشر) کا حکم دیا گیا ہے جس سے واضح طور پر یہاں بھی عشر کا وجوب ثابت ہوتا ہے جس میں بعض احناف کی شرائط نہیں پائی جاتیں۔

وهو الذي انشأ جنت معروشت وغير معروشت والنخل والزرع مختلفا اكله والزيتون والرمان متشابها وغير متشابه كلوا من ثمره اذا اثمر واتوا حقه يوم حصاده ولا تسرفوا انه لا يحب المسرفين (انعام ۱۴۱)

امام رازی شافعیؒ تفسیر کبیر میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وقوله تعالى "واتوا حقه يوم حصاده" بعد ذكر الانواع الخمسة وهو العنب والنخل والزرع والزيتون والرمان يدل على وجوب الزكوة في الكل وهذا يقتضي وجوب الزكاة في الثمار كما كان ابو حنيفة رح يقوله ۔ (۲)

فروعات احکام

فقہائے احناف کے ہاں امام اعظمؒ ہی کا قول مختار و معمول بہا ہے۔ احناف کے اصول کے مطابق زمین سے پیدا ہونے والی اشیاء میں چند اقسام عشر سے مستثنیٰ ہیں۔

(۱) خود رو و غیر منفعت اشیاء جن کی بالعموم کاشت نہیں کی جاتی۔

(۲) پھل دار درختوں اور غذائی اجناس کے حامل پودوں کی لکڑیاں، شاخیں، پتیاں اور خشک جب کہ بذات خود مقصود نہ ہوں بلکہ انھیں پھل اور اجناس ہی حاصل کرنے کے لیے لگایا اور بویا گیا ہو۔

(۳) پھلوں اور سبزیوں کے وہ بیج جو سوائے زراعت کے اور کسی کام نہیں آتے۔

---

(۱) بدائع ، ۲/۵۹ (۲) تفسیر رازی ، جلد ۴ ، ص ۲

(۴) وہ غیر مزروع جڑی بوٹیاں جو سوائے دوا کے اور کسی قابل لحاظ استعمال میں نہیں آتیں۔

ومنها (شرائط العشر) ان يكون الخارج من الارض مما يقصد بزراعته نماء الارض وتستغل الارض به عادة فلا عشر في الحطب والحشيش والقصب الفارسي لان هذه الاشياء لا تستنمى بها الارض ولا تستغل بها عادة لان الارض لا تنمو بها بل تفسد فلم تكن نماء الارض۔ (۱)

والمستثنى عند ابي حنيفة رحمه الله اشياء السعف فانه من اغصان الاشجار وليس في الشجر شيئ والتبن فانه ساق للحب كالشجر للثمار والحشيش فانه ينفى من الارض ولا يقصد به استغلال الاراضي والطرفاء والقصب فانه لا يقصد استغلال الارض بهما عادة والمراد القصب الفارسي فاما قصب السكر ففيه العشر۔ (۲)

سئل فيما اذا كان لرجلين اشجار مثمرة نابتة في ارض عشرية تقطعاها وانتفعا بحطبها .... فهل لا عشر فيها؟ الجواب: نعم لا عشر في الاشجار لانها بمنزلة جزء الارض ولهذا تتبعها في البيع كما في الزيلعي والبحر وغيرهما من باب العشر.....

اقول، قوله لا عشر في الاشجار يعني المثمرة التي لم تعد للقطع۔ (۳)

وفي محيط السرخسي كل شيئ يتبع الارض في البيع بغير شرط فلا عشر فيه بمنزلة اجزاء الارض وكل شيئ لا يتبع الارض الا بشرط ففيه العشر كالحبوب والثمر ثم البذور التي لا تصلح الا للزراعة كبزر البطيخ والقثاء ونحوهما فلا عشر فيها لانها غير مقصودة في نفسها وانما المقصود ثمارها۔ (۴)

لا يجب العشر فيما كان من الادوية كالموز والهليلجة ولا في الكندر والصمغ۔ (۵)

مذکورہ قسم کی چیزوں میں عشر واجب نہیں بشرطے کہ زراعت بذات خود انھیں اشیاء کے لیے نہ کی گئی ہو ورنہ ان میں سے بھی وہ چیزیں جو مقصود بالذات ہوں اور جن کے ذریعہ زمین کو بارآور و نفع بخش بنانے کا ارادہ کیا جائے

---

(۱) بدائع ۲/۵۸ (۲) المبسوط ۳/۴ (۳) تنقیح الفتاوی حامدیہ ۱/۹ (۴) ایضاً

(۵) فتاویٰ قاضی خان ۱/۱۹۹

عن ابن عمر ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال "فی العسل فی کل عشرۃ ازق زق" وفی الباب عن ابی ھریرۃ و ابی سیارۃ المتعی وعبداللّٰہ بن عمرو ۔ (۱)

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال جاء ھلال احد بنی متعان الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بعشور نحل لہ وکان سألہ ان یحمی وادیا یقال لہ سلبۃ فحمی لہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ذلک الوادی فلما ولی عمر بن الخطاب کتب سفیان بن وھب الی عمر بن الخطاب یسألہ عن ذلک فکتب عمر ان ادی الیک ما کان یؤدی الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم من عشر نحلۃ فاحم لہ سلبۃ والا فانما ھو ذباب غیث یاکلہ من یشاء ۔ (۲)

عن سعید بن ابی ذباب قال قدمت علی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فاسلمت ثم قلت یا رسول اللّٰہ اجعل لقومی ما اسلموا علیہ من اموالھم ففعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واستعملنی علیھم ثم استعملنی ابوبکر ثم عمر قال وکان سعد من اھل السراۃ قال فکلمت قومی فی العسل فقلت لھم زکوۃ فانہ لا خیر فی ثمرۃ لا تزکی فقالوا کم؟ قال، فقلت العشر فاخذت منھم العشر فأتیت عمر بن الخطاب فاخبرتہ بما کان فقبضہ عمر فباعہ ثم جعل ثمنہ فی صدقات المسلمین ۔ (۳)

روی عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یؤخذ فی زمانہ من قرب العسل من کل عشر قرب قربۃ من اوسطھا رواہ ابو عبید والاثرم وابن ماجۃ وعن سلیمان بن موسی ان ابا سیارۃ المتعی قال قلت یا رسول اللّٰہ ان لی نحلا قال ادّ عشرھا ..... رواہ ابو عبید وابن ماجۃ وروی الاثرم ..... ان عمر امرہ فی العسل بالعشر ۔ (۴)

منکرین کے نزدیک عشر فی العسل کے سلسلہ کی روایات کچھ زیادہ مضبوط نہیں ہیں اور ان میں رد و قدح کی گنجائش ہے اس لیے

---

(۱) ترمذی ۱/۸۰ ، السنن الکبری للبیہقی ۴/۱۲۶ (۲) ابو داؤد ۱/۲۳۲ ، نسائی ۱/۳۴۳ ، بیہقی [illegible]

(۳) مسند شافعی [illegible] ، الاثرم [illegible] ، بیہقی [illegible] ، مصنف ابن ابی شیبہ [illegible] (۴) المغنی [illegible]

شہد جیسی حیوانی پیداوار کو "مخرج من الارض" کے حکم میں نہیں رکھا جا سکتا۔

امام ترمذی رح فرماتے ہیں:

"لا یصح عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ھذا الباب کبیر شئ۔" (۱)

امام بیہقی رح نے زعفرانی رح کے حوالے سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے:

الحدیث فی ان "فی العسل العشر" ضعیف وفی "ان لا یوخذ منہ العشر" ضعیف الا عن عمر بن عبد العزیز واختیاری ان لا یوخذ منہ لان السنن والآثار ثابتۃ فیما یوخذ منہ ولیست فیہ ثابتۃ فکانہ عفو۔ (۲)

علامہ ابن قدامہ رح نے المغنی میں ابن المنذر کا یہ قول نقل کیا ہے:

لیس فی وجوب الصدقۃ فی العسل خبر یثبت ولا اجماع فلا زکاۃ فیہ۔ (۳)

امام شافعی رح اپنی نقل کردہ حدیث سعد بن ذباب کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں مگر اس کی توجیہ کرتے ہیں:

قال الشافعی وسعد بن ذباب یحکی ما یدل علی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یامرہ باخذ الصدقۃ من العسل وانہ شئ رآہ فتطوع لہ بہ اھلہ۔ (۴)

نیز اسی حدیث کی بنا پر وہ یہ رائے قائم کرتے ہیں کہ

فان تطوع اھلھا بشئ قبل منھم وجعل فی صدقات المسلمین وقد قبل عمر بن الخطاب من اھل الشام ان تطوعوا بالصدقۃ عن الخیل وکذلک الصدقۃ عن کل شئ تقبل ممن تطوع بھا۔ (۵)

لیکن جمہور علماء امت کی نظر میں یہ روایات مجموعی حیثیت سے ثابت شدہ اور قابل احتجاج ہیں اگر اسناد وروایت کے لحاظ سے ان میں کہیں کوئی سقم بھی ہو تو تعدد طرق وکثرت روایت سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے اس لیے ان سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔

قال الاثرم سئل ابو عبد اللہ (احمد بن حنبل) انت تذھب الی ان فی العسل زکاۃ؟

---

(۱) سنن ترمذی ۱/ ۹۰ (۲) سنن کبریٰ للبیہقی ۴/ ۱۲۷ (۳) المغنی ۲/ ۷۱۳

(۴) الام للشافعی ۲/ ۳۳ (۵) ایضاً

قال نعم اذهب الی ان فی العسل زکاۃ العشر فقد اخذ عمر منهم الزکاۃ قلت ذالک علی انهم تطوعوا به ؟ قال لا بل اخذه منهم ویروی ذالک عن عمر بن عبد العزیز ومکحول والزهری وسلیمان بن موسی والاوزاعی واسحاق ـ (۱)

قال العینی واحتجت اصحابنا بما رواه ابن ماجة .... ومن روایة ابی داؤد ایضا .... والحدیث سکت علیه ابوداؤد ولم یتکلم علیه فاقل حاله ان یکون حسنا وهو حجة وقول البخاری لیس فی زکوٰۃ العسل حدیث یصح لا یقدح مالم یبین۔ (۲)

علامہ ابن قیمؒ جمہور کے موقف کی تائید اور اس سلسلہ کی روایات پر محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ان هذه الآثار یقوی بعضها بعضا وقد تعددت مخارجها واختلفت طرقها ومرسلها یعضد بمسندها وقد سئل ابوحاتم عن عبد اللّٰہ والد منیر عن سعد بن ابی ذباب یصح حدیثه ؟ قال نعم ، قال هولاء ولانه یتولد من نور الشجر والزهر ویکال ویدخر فوجبت فیه الزکاة کالحبوب والثمار ـ (۳)

ریشم میں عشر واجب ہوگا یا نہیں ؟

گزشتہ بحث سے یہ بات واضح طور پر سامنے آگئی کہ شہد میں عشر واجب ہے اور یہ حکم منصوص ہے، اب سوال یہ پیدا ہوگا ہے کہ یہ حکم مورد نص ہی تک محدود ہے یا وہ معلل ہے کہ علت جامعہ کی بنا پر یہ حکم اسی طرح کی دوسری چیزوں پر بھی لگایا جا سکتا ہے، پہلی بات قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی بالخصوص یہ فقہ حنفی کے ذوق ومزاج کے خلاف ہے۔

ان غیر المنصوص علیه یقاس علی المنصوص علیه لمعنی مؤثر یجمع بینهما (۴)

اگر شہد کو بھی ہم منصوصات عشر میں سے تسلیم کر لیں تو ان کی تعداد پانچ ہو جائے گی گیہوں، جو، کھجور، کشمش اور شہد، ان میں سے چار اول الذکر تو راست طور پر مخرج من الارض ہیں جب کہ شہد براہ راست زمین سے نہیں نکلتا بلکہ وہ

---

(۱) المغنی ۲/۲۱۳ (۲) علة الحدیث والقادح فیه ولا یلزمنا قول البخاری لان الصحیح لیس موقوفا فیه وکم من ... صحیح لم یصححه البخاری ولانه لا یلزم من کونه غیر صحیح ان لا یحتج به فان الحسن وان لم یبلغ درجة الصحیح فهو یحتج به (اوجز ۲/۲۵) (۳) ایضا (۴) هدایه ۴/۱۴۳

" مخرج من الحیوان المتعلق بالارض " ہے۔ مجوب وثمار اور شہد کے درمیان یہ مابہ الامتیاز ہے۔ اس فرق کے باوجود شریعت نے ان دونوں قسم کی مختلف المخرج چیزوں کو ایک ہی حکم میں رکھا اور دونوں میں یکساں طور پر عشر کو واجب قرار دیا اس کی کیا وجہ ہے ؟

اگر راست طور پر مخرج من الارض ہونے کو عشر کی علت قرار دی جائے تو شہد میں بھی عشر واجب نہیں ہونا چاہیے۔ (جیسا کہ امام شافعی رح کہتے ہیں) اور اگر زمین سے براہ راست نکلنے نہ ہونے اور ایک حیوان کے واسطے سے حاصل ہونے کے باوجود شہد میں عشر واجب ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسی قسم کی دوسری چیزوں کو عشر سے مستثنیٰ کر دیا جائے اور وجوب عشر کو انھیں اشیاء کے ساتھ خاص کر دیا جائے جو بلا واسطہ زمین سے نکل ہوئی ہوں۔

شہد میں عشر کا وجوب اس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ براہ راست زمین سے نکلا ہوا ہونا وجوب عشر کی لازمی شرط نہیں ہے بلکہ اس کے بغیر بھی عشری زمین سے متعلق حاصلات میں عشر واجب ہو سکتا ہے۔

یہاں قابل غور چیز یہ ہے کہ مجوب وثمار اور شہد میں قدر مشترک وعلت جامعہ کیا ہے جس کی وجہ سے واضح فرق کے باوجود ان دونوں قسموں کو وجوب عشر کے حق میں یکساں قرار دیا گیا ؟ اگر اس قدر مشترک کا تعین ہو جائے تو شہد جیسی دوسری چیزوں کا حکم بآسانی معلوم کیا جا سکتا ہے۔

شہد اور دوسری چیزوں میں علت جامعہ جسے بھی قرار دیا جائے وہ عشری آراضی میں بغرض استقلال ارض توت کے درخت لگا کر ریشم کے کیڑوں کے واسطے سے پیدا کیے گئے ریشم میں پائی جاتی ہے۔

بعض عبارات فقہیہ میں یہ تصریح ملتی ہے کہ ریشم میں عشر واجب نہیں اور شہد و ریشم میں یہ فرق بتایا گیا ہے کہ شہد کی اصل کلیاں، پھول اور پھل ہیں شہد کی مکھی انھیں سے عرق کشید کر کے شہد تیار کرتی ہے اس لیے شہد بھی پھل کے مشابہ اور اس کے حکم میں ہوگا، لیکن ریشم کا کیڑا توت کی پتیاں کھا کر ریشم تیار کرتا ہے اور پتیوں میں چونکہ عشر نہیں اس لیے ان سے بننے والے ریشم میں بھی عشر واجب نہ ہوگا۔

قال الشافعی رح لایجب (العشر فی العسل) لانہ متولد من الحیوان فاشبہ الابریسم ولنا قولہ علیہ السلام " فی العسل العشر " ولان النحل یتناول من الانوار والثمار وفیھما العشر فکذا فیما یتولد منھما بخلاف دود القز لانہ یتناول الاوراق ولا عشر فیھا۔[1]

---

[1] ھدایہ ۱؍۳۲۸

قال الشافعی لا عشر فیہ .... وجہ قولہ ان سبب الوجوب ھو الارض النامیۃ بالخارج ولم یوجد لانہ لیس من نماء الارض بل ھو متولد من الحیوان فلم تکن الارض نامیۃ بہا .... اما قولہ لیس من نماء الارض فنقول ھو ملحق بنمائہا لاعتبار الناس اعداد الارض لہا ولانہ یتولد من انوار الاشجار فکان کالثمر۔ (۱)

ان فقہی نصوص میں شہد کو متولد من الحیوان ہونے کے باوصف دوسری عشری چیزوں کے مشابہ اور ملحقاً داخل ہونے کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ اوّل یہ کہ شہد کی اصل انوار و ثمار ہیں جو موجب عشر ہیں اس لیے شہد بھی انھیں کے حکم میں ہوگا۔ دوم یہ کہ شہد بھی عرف عام میں نماء الارض سمجھا جاتا ہے یعنی "ما یستغل بہ الارض" کے عموم میں وہ بھی داخل ہے۔

پہلی وجہ میری ناقص رائے میں کوئی زیادہ وزن نہیں رکھتی، اولاً تو شہد کی مکھی پھلوں اور دانوں سے رس نہیں چوستی جو اصلاً قابل عشر ہے بلکہ وہ کلیوں اور پھولوں سے عرق کشید کرتی ہے جو اصولاً محل عشر نہیں ہیں کیونکہ مقصود زراعت پھل ہوتے ہیں پھول نہیں، پھر جو رس وہ چوستی ہے وہ اس قدر معمولی اور حقیر ہے کہ بذات خود اس کی کوئی حیثیت نہیں اگر کوئی شخص مختلف درختوں اور پودوں کے پھلوں اور پھولوں سے شہد کی مکھی کے انداز سے اور اسی کے بقدر تھوڑا تھوڑا عرق کشید کرکے شہد سے بھی گراں قدر مشروب تیار کرے تو بھی اس میں عشر واجب نہ ہوگا کیونکہ جو چیز اس نے درخت سے حاصل کی وہ مقصود زراعت نہ ہونے کی وجہ سے قابل عشر نہ تھی۔

لیکن اگر اس وجہ کو تسلیم کرلیا جائے تو بھی اس کے اعتبار سے شہد اور ریشم کے درمیان فرق کرنا بے حد مشکل ہے، یہ کہنا کہ ریشم کا کیڑا پتیاں کھاکر ریشم تیار کرتا ہے اور پتیوں میں عشر نہیں اس لیے ریشم میں بھی عشر نہ ہوگا، اور شہد کی مکھی انوار و اشجار سے رس چوس کر شہد بناتی ہے اور انوار و اثمار میں عشر ہے اس لیے شہد میں بھی عشر ہے اصول احناف کی رو سے علی الاطلاق صحیح نہیں ہے۔

درخت کی پتیاں بہرحال عشر سے مستثنیٰ ہیں۔ انوار و اثمار مطلقاً موجب عشر ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جو چیز بھی مقصود زراعت کی حیثیت حاصل کرلے وہ قابل عشر ہے چاہے وہ حبوب و ثمار ہوں یا تنے، شاخیں پتیاں اور ان میں پایا جانے والا رس۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۶۲

جبل وبیاباں میں پائے جانے والے درختوں کے پھلوں اور پتیوں میں یقیناً فرق ہے۔ جنگلی درختوں سے توڑے گئے پھلوں میں عشر واجب ہے اور ان کی پتیوں میں واجب نہیں ہے، اس اعتبار سے شہد اور بیابانوں میں پائے جانے والے توت کے درختوں سے حاصل کیے گئے ریشم میں فرق کیا جا سکتا ہے کیوں کہ اس ریشم کی اصل درخت کی وہ پتیاں ہیں جو مقصود زراعت نہ ہونے کی وجہ سے ناقابل عشر ہیں اور شہد و ریشم سے فرق کے سلسلے میں وارد نصوص فقہیہ کا محل بھی غالباً یہی ہے، پہلے شاید شہد کی مکھیاں اور ریشم کے کیڑے پالنے کا کوئی باقاعدہ طریقہ دستیاب ورائج نہ تھا، شہد کے حصول کا دارومدار ان مکھیوں کی مہربانی پر تھا جہاں قدرت کو منظور ہوا انھوں نے اپنا کیمپ لگادیا اور شہد تیار کرنا شروع کر دیا۔

كتب عمر إلى سفيان بن عبد الله الثقفي إنما النحل ذباب غيث يسوقه الله تعالى رزقا إلى من يشاء فإن أدوا إليك ما كانوا يؤدون منه إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فاحم لهم واديهم وإلا فخل بين الناس وبينها۔ (۱)

ریشم کا معاملہ بھی اس سے کچھ مختلف نہیں رہا ہوگا، اس پس منظر میں فقہاء قدامی نے شہد و ریشم کے درمیان فرق کا جو فتویٰ دیا اور ان کے عشری ہونے یا نہ ہونے میں ان کی اصل پھول پھل اور پتی کا لحاظ کیا وہ بجائے خود درست تھا لیکن آج بدلے ہوئے حالات میں جب کہ توت کے درخت لگانے کا مقصود و مطلوب ہی پتیاں اور ان کے ذریعہ ریشم کی پیداوار ہوتی ہے، یہ تفریق میرے خیال میں صحیح نہ ہوگی۔

جن اشجار و نباتات کا مقصود زراعت لکڑیاں، شاخیں اور پتیاں ہی ہوں، ان میں بذات خود بھی یہ چیزیں موجب عشر ہیں، حالاں کہ پھل اور دانے مطلوب ہونے کی صورت میں یہ چیزیں بالاتفاق عشر سے مستثنیٰ ہیں۔

مثلاً چنا، سرسوں، میتھی، دھنیا اور اس قسم کی چیزوں کو اگر دانے حاصل کرنے کی غرض سے بویا جائے تو ان کی ڈنٹھل اور پتیوں میں عشر نہیں ہوتا لیکن اگر ان کی کاشت ساگ سبزی کے حصول اور اسے فروخت کرنے کی غرض سے ہو، جیسا کہ آج کل عام طور پر ہوتا ہے تو احناف کے نزدیک ان میں بھی عشر ہوگا۔

خود توت کی پتیوں کے بارے میں کتب فقہ میں تصریح موجود ہے کہ اگر انھیں کو مقصود زراعت اور استغلال ارض کا ذریعہ بنا لیا جائے تو ان میں عشر واجب ہوگا۔

سئل عن أوراق التوت هل يجب فيها العشر أم لا؟ الجواب: قال في صور المسائل نقلا عن الزاهدي ما صورته قلت يمكن أن يلحق به أغصان التوت وأوراقها لأنه يقصد

بها الاستغلال بخوارزم وخراسان وقد نص عليه في درر الفقه فقال، يجب العشر في أوراق التوت وأغصان الخلاف التي تقطع في أوان تقليم الكروم وغيره ذلك (۱)

جہاں تک دوسری وجہ کا تعلق ہے تو بہ حالات موجودہ یہ وجہ ریشم میں بھی بدرجۂ اولیٰ پائی جاتی ہے بلکہ ریشم سے کہیں زیادہ نفع بخش اور زمین کی زرخیزی کا باعث ہے، اس لیے اگر عشری زمین میں توت کی کاشت کیڑے پال کر ریشم پیدا کرنے کے لیے کی جائے تو بلاشبہ یہ بھی استنماء ارض کی ایک صورت ہے اور اس طرح حاصل ہونے والا ریشم "ما یستغل به الارض" کے عموم میں داخل اور اس میں عشر واجب ہوگا۔

مچھلی کی کاشت

آج کل عام طور پر زراعتی آراضی پر تالاب کھودے جاتے ہیں اور اس میں مچھلی کی کاشت کی جاتی ہے، مچھلی کی کاشت کو بہت نفع بخش تصور کیا جاتا ہے، کسان یہ سوچتا ہے کہ اگر ان آراضی پر گیہوں، دھان وغیرہ کی کاشت کرے تو اخراجات اور محنت زیادہ ہے اور منفعت کم، اس لیے اراضی کو مچھلی کی کاشت کے لیے تالاب بنا کر استعمال کرتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مچھلی کی اس کاشت کو زراعت میں داخل کر کے اس پر عشر کے احکام نافذ ہوں گے یا اس پر زکوۃ اموال کا حکم جاری ہوگا؟ (۲)

اس صورت میں مچھلی کی کاشت کو میرے خیال میں زراعت ہی کے ساتھ ملحق کر کے اس پر عشر کے احکام نافذ کرنا زیادہ قرین صواب ہے، جب عشر کا سبب وجوب ارض نامیہ ہے اور احناف کے اصول کے مطابق محل عشر زمین سے براہ راست یا بالواسطہ نکلنے والی وہ تمام چیزیں ہیں جن کی کاشت کی جاتی ہو اور جن کے ذریعہ زمین کو زرخیز، نفع بخش اور بار آور بنانا مقصود ہو تو عشری زمین میں مچھلی کی کاشت اور اس کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہونا چاہیے کیوں کہ وہ بھی یقینی طور پر "ما یستغل به الارض" میں داخل ہے۔

تجارت کی غرض سے خریدی گئی زندہ مچھلیاں اگر گڈھے اور تالاب میں حفاظت کی غرض سے رکھی جائیں تو یقیناً وہ مال تجارت قرار پائیں گی اور شرائط زکوۃ کے پائے جانے کی صورت میں ان پر زکوۃ ہی واجب ہوگی، لیکن اگر مچھلیوں کے چھوٹے بچے پرورش و افزائش کی غرض سے تالاب وغیرہ میں چھوڑے جائیں جیسا کہ رواج ہے تو انھیں

---

(۱) تنقیح الفتاوی الحامدیہ ۱/۲ (۲) القیاس سوالنامہ ۳/۲

خلاصۂ جوابات

گذشتہ مباحث میں محورِ بحث کے تحت آنے والے تمام سوالوں کے جوابات ضمناً آگئے ہیں مگر آسانی کے لیے ان کے جوابات صراحۃً بھی اختصار کے ساتھ لکھے جاتے ہیں۔

۱۔ احناف کے قولِ مفتیٰ بہ کے مطابق وجوبِ عشر کے لیے کسی متعین نصاب کی ضرورت نہیں، پیداوار کی ہر قلیل وکثیر مقدار پر عشر واجب ہے، البتہ امام ابویوسف وامام محمد اور جمہور ائمہ رحمہم اللہ کے نزدیک پانچ وسق سے کم پیداوار میں عشر نہیں ہے۔ ایک وسق بالاتفاق ۶۰ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع وزن میں احناف کے نزدیک ۸ رطل کا اور جمہور ائمہ بشمول امام ابویوسف رحمہ اللہ کے نزدیک ۵ ⅓ رطل کے بقدر ہوتا ہے۔ ایک رطل نئے میٹرک پیمانے سے ۴۰۶ گرام مانا گیا ہے۔ اس حساب سے پانچ وسق عمدہ گیہوں وزن میں عند الاحناف ۹۷۴ کلو گرام اور امام ابویوسف وجمہور کے نزدیک ۶۵۳ کلو گرام ۱۸۰ گرام کے بقدر ہوگا۔ اگر عشر میں نصاب کا اعتبار کیا جائے تو احتیاطاً آخر الذکر مقدار معتبر ہوگی۔

۲۔ زمین سے اگائی جانے والی ہر وہ چیز جو مقصود ومطلوب ہو اور جو زمین کی آمدنی وزرخیزی کا باعث ہو وہ محلِ عشر ہے چاہے وہ سطحِ زمین پر اگنے والی ہو جیسے گیہوں، دھان وغیرہ یا پانی میں پیدا ہونے والی جیسے سنگھاڑا، تال مکھانہ وغیرہ ——— خودرو گھاس یا بیکار قسم کے خودرو درخت اگر کسی زمین میں ہوجائیں تو ان میں عشر نہیں گھاس اور بانس کو اگر آمدنی کی غرض سے اگایا گیا ہو تو ان میں بھی عشر ہے اور ویسے ہی کوئی درخت اگ گیا ہے تو نہیں۔ (جواہر الفقہ ۲/۱۰۱)

۳، ۴۔ مذکورہ صورتوں میں ریشم اور مچھلی کی پیداوار میرے خیال میں تو مستقل بالارض میں داخل ہے اس میں عشر واجب ہونا چاہیے۔

۵۔ درختوں میں اگر مقصودِ زراعت پھل ہیں تو پتے، شاخیں اور لکڑیاں عشر سے مستثنیٰ ہیں لیکن اگر زراعت سے مقصود بذاتِ خود یہی چیزیں ہوں تو ان پر بھی عشر واجب ہوگا۔

۶۔ زراعتی عشری اراضی میں جو سبزیاں بوئی جاتی ہیں انھیں میں عشر واجب ہوگا، مکان کے گرد وپیش کی افتادہ زمین اور چھت پر اگائی گئی سبزیوں میں عشر نہیں ہے۔

۷۔ اوقاف کی عشری اراضی کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہوتا ہے۔ (اعلاء السنن ۹/۴۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محور اوّل

عشر و خراج کی حقیقت

از ——————— محمد ارشد قاسمی

عشر و خراج میں سے خراج تاریخی حیثیت سے چوں کہ کافی قدیم اصطلاح ہے اس لئے پہلے خراج کی حقیقت بیان کی جاتی ہے۔

خراج کی حقیقت

اہل لغت کے یہاں خراج چند معانی حاصل، مال، مزدوری، محصول اور مال گذاری کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، اور کبھی اجر و ثواب اور اللہ کا دیا ہوا رزق مراد ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں اسی معنی کے لئے استعمال ہوا ہے:

* ام تسئلهم خرجا فخراج ربك خير وهو خير الرازقين [1]

اور "قالوا يذا القرنين ان يأجوج ومأجوج مفسدون في الأرض فهل نجعل لك خرجا على ان تجعل بيننا وبينهم سدا" [2]

اکثر اہل لغت خرج اور خراج کو مترادف قرار دیتے ہیں [3]

---

[1] المومنون ۷۲ [2] الکہف ۹۴

[3] لغات القرآن، مجمع بحار الأنوار، مفردات القرآن، القاموس۔

خراج کی عام اصطلاحی تعریف

عام اصطلاح میں زمینوں پر مقرر محصول کو خراج کہا جاتا ہے [1]

خراج کی تاریخی حیثیت

تاریخ جن محصولوں اور ٹیکسوں کی نشاندہی کرتی ہے ان میں خراج قدیم ترین ہے، چنانچہ اس کا وجود (مقدار و کیفیت کے تغیرات کے ساتھ) فراعنہ، بطالسہ، رومیوں، بزنطیوں اور فارسیوں کے ادوار حکومت میں ملتا ہے۔

فراعنہ

اس ٹیکس کا موجد رمیسیس ثانی ہے [2] جس نے ملکی باشندوں کو تین طبقوں (دینی پیشواؤں، فوجیوں اور کاشتکاروں) میں تقسیم کیا، اور ہر ایک کے لئے اراضی کا ایک ایک حصہ مختص کر دیا اور محصول صرف کاشتکاروں پر عائد کیا، اس دور میں پیداوار کا دسواں حصہ بطور خراج وصول کیا جاتا تھا [3]

بطالسہ

ان کے دور میں خراج کے نظام میں قدرے تبدیلی ہوئی، اور مقدار میں کمی ہوئی، اور تین فیصد سے دس فیصد تک وصول کیا جاتا [4]

رومہ: جب مصر پر رومیوں کی حکومت ہوئی تو خراج کی مقدار میں غیر معمولی اضافہ ہو کر

---

[1] کتاب التعریفات و النظام المالی الاسلامی المقارن ص۲۰

[2] اس نے ۱۲۳۰ قبل عیسوی حکومت کی، اور ۱۲۷۰ – ۱۲۶۰ کی درمیانی مدت میں فوت ہوا۔

[3] استرابون ج ۱۷ الفقرہ ۲ – ماسبیرو ج ۱ ص۲۲

[4] دیودور الکتاب الاول الفقرہ ۷۳ – ۲ ، وهالیه مصر ص۱۶

بیس فیصد ہوگیا [1]

فرس

فارسیوں کے یہاں خراج کی مقدار تین فیصد سے چھ فیصد تک رہی، جب تک ان کے یہاں خراج مقاسمہ رائج رہا۔

لیکن قباذ نے اس نظام کی تبدیلی کا فرمان جاری کیا اور عملی جامہ کسریٰ نے پہنایا، جس کے نتیجہ میں بہت سی مفید ترمیمات ہوئیں [2]

خراج اور زمانہ رسالت و خلافت ابوبکر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کے دور میں اسلامی حکومت کی آمدنی زکوٰۃ، غنیمت اور جزیہ پر منحصر تھی۔ اس وقت خراج رائج نہیں ہوا تھا۔

خراج اور عہد عمر رضی اللہ عنہ

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور خلافت آیا اور اسلام کو غلبہ ہوا اسلامی حکومت کو وسعت ملی، ذرائع آمدنی دوچند ہوتے، اور مصارف میں غیر معمولی اضافہ ہوا، تو حضرت عمرؓ نے ملکی مالیات کے سلسلہ میں ایسی ٹھوس دوررس پالیسی وضع کرنے کے سلسلہ میں غور و فکر شروع کیا جو عوام و خواص کی مصلحتوں کی محافظ اور حکومت کی سلامتی کی ضامن ہو سکے، جس کے لئے مستقل سرمایہ کی فراہمی لازمی ہوتی، اس پس منظر میں حضرت عمرؓ نے خراج تجویز کیا جو اسلامی حکومت کے لئے ایک مستقل ذریعۂ آمدنی بن سکے، جو ایک طویل غور و فکر، بحث و مباحثہ، اور استشارہ و استخارہ کے بعد طے ہو سکا۔

جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب عراق و مصر کو اسلامی فوجوں نے فتح کیا تو امرائے حضرت عمرؓ کو خطوط لکھا اور مطالبہ کیا کہ ان زمینوں کو فاتحین پر تقسیم کئے جانے کے احکام صادر فرمائے جائیں،

---

[1] بارکاردت ج ۱ ص ۲۹۳   [2] الطبری ج ۲ ص ۱۴۳-۱۴۴

کہ یہ زمینیں غنیمت کے طور پر حاصل ہوئی ہیں، اس لئے تقسیم ضروری ہے، ان امراء میں حضرت سعد بن وقاص اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سرفہرست تھے۔

حضرت عمرؓ نے جواب میں صاف صاف یہ تحریر فرمایا کہ ان اراضی کو تقسیم نہ کیا جائے، البتہ دوسرے اموال منقولہ کو حسب ضابطہ شرعیہ تقسیم کر دیا جائے۔

حضرت عمرؓ کے اس فیصلے سے اتفاق کرنا اول وہلہ میں بعض اکابر صحابہ (جیسے عبدالرحمٰن بن عوفؓ زبیر بن عوام، بلال بن رباح) کے لئے بھی مشکل ہو گیا پھر اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر تمام اکابر صحابہ انصار و مہاجرین کی ایک مجلس شوریٰ منعقد ہوئی، جس میں حضرت عمرؓ نے اس تجویز کی اہمیت وافادیت اور حکمت کو بھرپور مضبوط دلائل کی روشنی میں واضح کیا تو تمام صحابہ نے اس تجویز سے اتفاق کر لیا، اور بغیر کسی اختلاف کے اجماع منعقد ہو گیا، جو جمہور امت کے نزدیک دلائل شرعیہ میں ایک دلیل ہے [1]

خراج کا اولین نفاذ

جب تمام صحابہ کے اتفاق سے مسئلہ خراج طے ہو گیا تو سب سے پہلے اس کا نفاذ عراق میں تفصیلی ارضی جائزہ کے بعد عثمان ابن حنیف اور حذیفہ بن یمان کے بدست کیا گیا۔

اور عراق کی اراضی کی پیمائش مروجہ پیمانہ "جریب" سے کی گئی۔ جس کا میزان تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب آیا، اور فی جریب ایک قفیز ایک درہم خراج عائد کیا گیا [2]

عراق کے بعد خراج کا نفاذ "شام" میں کیا گیا، اس کے بعد مصر میں عمرو بن عاص کے ہاتھوں نافذ ہوا لیکن مصر میں "جریب" کی جگہ "فدان" پیمانہ استعمال کیا گیا [3]

خراج کی شرعی تعریف

جرجانی نے بایں الفاظ خراج کی تعریف کی ہے:

---

[1] کتاب الخراج ابویوسف ص۳۵-۳۹ [2] کتاب الاموال

[3] ایک فدان برابر ۵۹۲۹ میٹر۔

"ھو الوظیفۃ المعینۃ التی توضع علی أرض کما وضع عمرؓ علی سواد العراق" ۔[۳]

اور مولانا حفظ الرحمٰن مزید وضاحتی تشریحات کے ساتھ خراج کا تعارف کراتے ہیں :

" اور جن ممالک پر اسلام کا غلبہ ہو گیا اور خلیفہ نے وہاں کی زمین مفتوحین ہی کے قبضہ میں رہنے دیں، اور جن غیر مسلموں سے صلح ہو گئی، اور وہ حکومت اسلامی کے ذمہ و عہد میں داخل ہو کر ذمی بن گئے، ان کی زمین خراجی کہلاتی ہیں اور خلیفہ ان زمینوں پر جو محصول مقرر کرتا ہے اس کو خراج کہا جاتا ہے ۔"[۳]

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ "خراج" دراصل "فیٔ" کی ہی ایک قسم ہے، کیونکہ اگر معمولی جنگ کے بعد کفار مغلوب ہو کر صلح کر لیں تو وہ مال بھی "فیٔ" میں ہی شمار ہوتا ہے، تو گویا جب غلبۂ اسلام کے بعد خلیفہ نے صلح کے ساتھ کفار کی زمینوں کو غانمین میں تقسیم کرنے کے بجائے ان پر لگان مقرر کر کے ان ہی کے قبضہ میں رہنے دیا تو یہ ٹیکس بھی "فیٔ" ہی شمار ہوگا، تو اس صورت میں خراج کا وجود بھی قرآن عزیز کی اس نص کے تحت آجاتا ہے :

"ما أفاء اللّٰہ علی رسولہ من أھل القری فللّٰہ وللرسول ولذی القربی والیتمٰی والمسٰکین وابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الأغنیاء منکم"[۴]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی آیت کریمہ سے خراج کا استخراج کیا ہے۔ اس آیت کی تلاوت کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا :

"قد أشرك اللّٰہ الذین یأتون من بعدکم فی ھذا الفیٔ، فلو قسمتہ لم یبق لمن بعدکم شیٔ، ولئن بقیت لیبلغن الراعی بصنعاء نصیبہ من ھذا الفیٔ ودمہ فی وجہہ"[۵]

---

[۱] اسلام کا اقتصادی نظام ص۱۱۱ کتاب الخراج ص۲۹ کتاب الاموال ص۵۳ شامی ج ۳ ص۲۵۵

[۲] کتاب التعریفات ص۳۳ [۳] الحشر

[۴] کتاب الخراج ص۲۳

[۵] نفس المصدر ص۲۳، ۲۴

حضرت عمرؓ نے مزید آیتیں بھی تلاوت فرمائیں :

" للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم - الاية - والذين تبوؤ الدار والايمان من قبلهم يحبون من هاجر اليهم - الاية - والذين جاؤ ا من بعدهم يقولون : ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان .... الاية "۔ [۱]

سورہ حشر کی ان آیات کا ترجمہ جن سے خراج ثابت کیا جاتا ہے :

" جو مال لوٹایا اللہ نے اپنے رسول پر بستیوں والوں سے سو اللہ کے واسطے اور رسول کے، اور قرابت والے کے، اور یتیموں کے اور محتاجوں اور مسافر کے تاکہ نہ آئے لینے دینے میں دولتمندوں کے تم میں سے، اور جو دے تم کو رسول سو لے لو، اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو، اور ڈرتے رہو اللہ سے بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے، واسطے ان مفلسوں وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے ہوئے آئے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے، ڈھونڈتے آئے ہیں اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی، اور مدد کرنے والوں کو اللہ کی اور اس کے رسول کی، وہ لوگ وہی ہیں سچے، اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں ان سے پہلے سے وہ محبت کرتے ہیں ان سے جو وطن چھوڑ کر آئے ان کے پاس اور نہیں پاتے اپنے دل میں تنگی اس چیز سے جو ان (مہاجرین) کو دی جائے اور مقدم رکھتے ہیں ان کو اپنی جان سے اور اگرچہ ہو ان پر فاقہ، اور جو بچایا گیا اپنے جی کے لالچ سے تو وہی لوگ ہیں مراد پانے والے، اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے داخل ہوئے ایمان میں اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیر ایمان والوں کا اے رب تو ہی ہے نرمی والا مہربان "۔ [۲]

حضرت عمرؓ کے قول قد أشرك الله الذين الخ کا ترجمہ :

---

[۱] الحشر الآیات ۸تا۱۰

[۲] الحشر الآیات ۷۔۱۰ از بیان القرآن

"یقیناً اللہ نے اس فئ میں تمہارے بعد آنے والی نسلوں کو بھی شامل و شریک کیا ہے، اگر میں نے اس کو تقسیم کر دیا تو تمہارے بعد والوں کے لئے کچھ نہیں رہ جائیگا اور اگر تقسیم نہیں کیا (بلکہ خراج مقرر کر دیا) تو صنعاء میں رہنے والے چرواہے کو بھی اس 'فئ' میں سے اس کا حصہ باعزت طریقہ پر مل جائے گا۔"

خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں ہیں (۱) خراج مقاسمہ (۲) خراج موظف۔

خراج مقاسمہ

یہ زمین کی پیداوار میں سے بطور بٹائی کے ایک مقررہ حصہ ہے جو امام وحاکم کے متعین کر دینے کے بعد زمین والوں سے لیا جاتا ہے جو پانچویں حصے سے کم اور نصف سے زیادہ نہیں ہوتا۔

خراج موظف

زمین کے رقبہ اور قوت افزائش کے اندازہ کے بعد جو نقد رقم متعین کر دی جائے[1]

خراج کی وہ مقدار جو حضرت عمرؓ نے مقرر فرمائی

عراق کی زمینوں کی پیمائش کے بعد حضرت عمرؓ نے اس تفصیل سے خراج موظف مقرر فرمایا کہ عام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع گندم یا جو، یا جو چیز بوئی جائے، اور خضروات کی ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کا باغ جو گنجان درختوں پر مشتمل ہو تو فی جریب دس درہم[2]

---

[1] رد المحتار ج ۳ ص ... [2] الهداية ج ۱ ص ... وجواهر الفقه، وفي الدر المختار وضع عمر رضي الله عنه على السواد لكل جريب يبلغه الماء صاعا من بر او شعير و درهما وللجريب الرطبة خمسة دراهم وللجريب الكرم او النخل متصله ضعفها (اي عشرة) ج ۳ ص ۲۹۱

جریب : ۳۲۲۵ مربع گز کی تھی،
درھم : ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے،
صاع : ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے،

خراج کے تعین میں تین چیزوں کا لحاظ

۱۔ زمین کی قوت نمو
۲۔ پیداوار کی قسم و جنس
۳۔ آب پاشی کی نوعیت

جو حضرت عمرؓ کے فرامین وارشادات سے واضح ہے۔

عشر کی حقیقت

عشر کی لغوی تعریف

ھو واحد الأجزاء العشرۃ [1] عشر دسویں حصہ کو کہتے ہیں۔

عشر کی اصطلاحی تعریف

عشر اس حصہ مقررہ کا نام ہے جو زکوٰۃ کی طرح زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے اور پیداوار ہی میں لیا جاتا ہے، پس اگر عشری زمین ندی، تالاب یا دریا سے سیراب شدہ ہے یا بارانی ہے یعنی صرف بارش کے ذریعہ پیداوار ہوتی ہے تو اس زمین کی پیداوار سے دسواں حصہ لیا جاتا ہے، اور اگر چاہی ہے تو اس کی پیداوار سے بیسواں حصہ لیا جاتا ہے [2]

---

[1] رد المحتار ج ۲ ص [illegible]

[2] کتاب الخراج ص [illegible] ، رد المحتار [illegible] ج ۲ ص [illegible]

اسلام کا اقتصادی نظام ص۱۱۲

عشر کے وجوب کے دلائل

قرآن اور عشر

(۱) ـــ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"یا ایھا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الأرض، ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم بآخذیہ إلا ان تغمضوا فیہ واعلموا ان اللہ غنی حمید" [۱]

ترجمہ: اے ایمان والو خرچ کرو ستھری چیزیں اپنی کمائی سے اور اس چیز میں سے کہ جو ہم نے پیدا کیا تمہارے واسطے زمین سے، اور قصد نہ کرو گندی چیز کا اس میں سے کہ اس کو خرچ کرو حالانکہ تم کبھی اس کو نہ لوگے مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ اور جان رکھو کہ اللہ بے پروا ہے خوبیوں والا۔[۲]

قرآن کریم میں "زکوٰۃ" کے لئے "انفاق" کا استعمال بکثرت ہے، ابوبکر جصاص لکھتے ہیں:

"قولہ "انفقوا" المراد بہ الصدقۃ والدلیل علیہ قولہ تعالیٰ "ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون" یعنی تتصدقون ولم یختلف السلف والخلف فی أن المراد بہ الصدقۃ"۔[۳]

اللہ تعالیٰ کے ارشاد "انفقوا" سے مراد صدقہ ہے، چونکہ ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون سے مراد باتفاق سلف وخلف صدقہ ہی ہے۔

(ب) ـــ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وھو الذی أنشأ جنات معروشات وغیر معروشات والنخل والزرع مختلفا أکلہ، والزیتون والرمان متشابھا وغیر متشابہ، کلوا من ثمرہ اذا أثمر وآتوا حقہ یوم حصادہ، ولا تسرفوا انہ

---

[۱] البقرۃ ۲۶۷ [۲] ترجمہ شیخ الہند [۳] احکام القرآن للجصاص ج ۱ ص ۵۴۳

لا یحب المسرفین ۔ له

ترجمہ :" اور اسی نے پیدا کیا باغ جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے، اور کھجور کے درخت اور کھیتی کہ مختلف ہیں ان کے پھل، اور پیدا کیا زیتون کو اور انار کو ایک دوسرے کے مشابہ اور جدا جدا بھی، کھاؤ ان کے پھل میں سے جس وقت پھل لاویں، اور ادا کرو ان کا حق جس دن ان کو کاٹو، اور بے جا خرچ نہ کرو اس کو خوش نہیں آتے بے جا خرچ کرنے والے ۔"

اکثر مفسرین اس آیت کریمہ میں "حقہ" سے مراد زکوۃ یعنی عشر یا نصف عشر قرار دیا ہے۔ ابو جعفر طبری نے اس آیت کی تفسیر میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ "حق" سے مراد فریضۂ زکوۃ ہے۔

اور ابن عباس رض سے متعدد طرق سے روایت ہے کہ "حق" سے مراد عشر و نصف عشر ہے، اور ابن عباس کی ایک روایت بایں الفاظ ہے :

یعنی بحقہ : زکاتہ المفروضۃ یوم یکال ویعلم کیلہ ۔

اسی طرح جابر بن زید، حسن، سعید بن مسیب، محمد بن حنفیہ، طاؤس، قتادہ اور ضحاک سے "حق" کی تفسیر زکاۃ، صدقہ، مفروضہ، عشر و نصف عشر منقول ہے، الفاظ کے تفاوت کے باوجود مراد و معنی ایک ہی ہے ۔ له

اور یہی تفسیر قرطبی کی روایت کے مطابق ابن وہب اور ابن قاسم نے مالک سے نقل کی ہے، اور اسی کے قائل بعض شوافع ہیں ۔ له

اور یہی تفسیر امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب سے منقول ہے ۔ له

ایک شبہ کا ازالہ: بعض مفسرین نے اس آیت کو منسوخ قرار دیا ہے، مثلاً ابن جریر نے ابن عباس

له [illegible] تفسیر ابن [illegible]

له القرطبی ج [illegible] له بدائع الصنائع ج ۲ [illegible]

سے یہ روایت نقل کی ہے کہ نسخہا العشر ونصف العشر اسی طرح سعید ابن جبیر، حسن، سدی اور عطیہ العوفی سے بھی نسخ منقول ہے،

لیکن جمہور مفسرین نے غیر منسوخ قرار دیا ہے، جیسا کہ اس کے خلاف خود ابن عباس وغیرہ کی تفاسیر و اقوال نقل کئے گئے۔ اس لئے اس شبہ کا حل یہ ہے کہ "نسخ" جس اصطلاحی معنی "رفع حکم شرعی بدلیل شرعی متأخر" میں مشہور ہے اس معنی میں صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے دور میں معروف نہیں تھا، بلکہ "عام" کی تخصیص "مطلق" کی تقیید "مبہم" کی تشریح، "مجمل" کی تفصیل، استثناء، شرط اور صفت کے ذکر کو بھی "نسخ" ہی قرار دیا جاتا تھا۔ اس لئے جن مفسرین نے اس آیت پر "نسخ" کا اطلاق کیا ہے اسی عمومی معنی میں کیا ہے، کہ یقیناً "حقہ" مجمل ہے اس کی تفصیل احادیث میں عشر و نصف عشر سے کی گئی ہے۔

جیسا کہ ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے :

"وفي تسمية هذا نسخاً نظر، لانه قد كان شيئاً واجباً في الاصل، ثم انه فصل بيانه، وبين مقدار المخرج وكميته، قالوا وكان في السنة الثانية من الهجرة والله اعلم" [۱]

کہ "حقہ" کو منسوخ قرار دینا مشکل ہے کیوں کہ یہ تو نفس واجب رہا ہی البتہ اس کی تفصیل و تشریح مع مقدار واجب کے کردی گئی اور سنہ ۲ھ میں یہ تفصیلات بیان کی گئیں۔

حدیث اور عشر :

(۱) ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"فيما سقت السماء والعيون أو كان عثريا العشر وفيما سقي بالنضح نصف العشر" [۲]

---

[۱] الموافقات ۔۔۔ الامام الشاطبی ۳/۸۱، ۹۱ [۲] تفسیر ابن کثیر ۲/۱۸۲

[۳] ۔۔۔ رواه الجماعة الا مسلما لكن لفظ النسائي وابي داود وابن ماجة "وكان بعلا" بدل "عثريا" نيل الأوطار ۴/۱۳۹-۱۴۰

(ب) حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"وفیما سقت الأنهار والغيم العشور وفيما سقي بالسانية نصف العشر"[1]

اجماع اور عشر

پوری امت مسلمہ عشر و نصف عشر کے وجوب پر فی الجملہ متفق ہے گو تفصیلات میں اختلاف ہے[2]

عشر کے وجوب کی حکمت

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وفيما سقت السماء والعيون او كان عثريا العشر، وما سقي بالنضح نصف العشر، فان الذى هو أقل تعانيا وأكثر ريعا، أحق بزيادة الضريبة، والذى هو أكثر تعانيا واقل ريعا احق بتخفيفها"

"اور جو کھیت بارش یا چشموں سے سیراب ہوں یا وہ زمین عثری ہو تو اس میں دسواں حصہ ہے، اور جن کھیتوں میں ہاتھ سے پانی دیا جائے تو ان میں بیسواں حصہ ہے، کیوں کہ جس میں محنت کم ہے اور پیداوار زیادہ ہے اس میں لگان زیادہ ہونا چاہئے، اور جس میں محنت زیادہ ہے اور پیداوار کم ہے تو اس کے لگان میں تخفیف مناسب ہے۔"[3]

عشر کے وجوب کے شرائط

عشر کے واجب ہونے کی دو طرح کی شرطیں ہیں پہلی کا تعلق اہلیت سے ہے تو دوسری کا محلیت سے۔

تو عشر کا اہل مسلم ہے چوں کہ یہ عبادت ہے اس لئے اولیں شرط "اسلام" ہے، اسی طرح

---

[1] رواہ احمد ومسلم والنسائی وابوداؤد وقال: الانہار والعیون (نقض المحصر)

[2] بدائع الصنائع ۲/۵۳ [3] حجۃ اللہ البالغہ

عشر کے وجوب کا علم" بھی ضروری ہے۔

وضاحت

عقل و بلوغ عشر کے وجوب کے شرائط میں داخل نہیں ہیں، حتیٰ کہ "صبی" اور "مجنون" کی اراضی میں عشر واجب ہوگا، اور زمین کا مالک ہونا بھی شرط نہیں ہے حتیٰ کہ اراضی موقوفہ میں عشر واجب ہوگا۔

دوسری طرح کی شرطوں کا تعلق محلیت سے ہے، اس میں زمین کا عشری ہونا پیداوار کا حقیقتاً پایا جانا اور پیداوار کا مقصود بالذات ہونا داخل ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"وشرط وجوبه نوعان الأول: شرط الأهلية وهو الاسلام فانه شرط ابتداء فلا يبتدأ الا على مسلم بلا خلاف، والعلم بالفرضية واما العقل والبلوغ فليسا من شرائط الوجوب حتى يجب العشر فى أرض الصبي والمجنون كذلك ملك الأرض ليس بشرط للوجوب لوجوبه فى الأراضى الموقوفة." [1]

"والنوع الثانى شرط المحلية وهو أن تكون عشرية ووجود الخارج، وأن يكون الخارج منها مما يقصد بزراعة نماء الأرض؛ هكذا فى البحر الرائق" [2]

عشری زمینیں

ابو عبید نے عشری زمینوں کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:

ا۔۔۔ وہ ملک جس کے باشندے محض دعوت اسلام پر مسلمان ہو گئے ہوں تو ان کی زمینیں بدستور ان کی ملکیت میں رہیں گی، اور عشری قرار دی جائے گی، جیسے مدینہ، طائف، یمن، بحرین اور مکہ۔ باوجودیکہ کہ قتال کے ذریعہ فتح ہوا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان فرما کر اموال مکہ کو بطور غنیمت تقسیم نہیں فرمایا، حتیٰ کہ یہاں کے لوگ اسلام لائے اور ان کی

---

[1] فتاویٰ عالمگیری ۱/۹۵ [2] ایضاً

ملکیت ہی قائم رہی۔ تو مکہ کی اراضی عشری تسلیم کی گئیں۔ عبارت یہ ہے:

"کل أرض أسلم علیها أهلها فهم مالکون بها کالمدینة، والطائف، والیمن، والبحرین، وکذلک مکة الا أنها کانت فتحت بعد القتال، ولکن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم منّ علیهم، فلم یعرض لهم فی أنفسهم، ولم یغنم أموالهم، فلما خلصت اموالهم ثم أسلموا بعد ذلک کان اسلامهم علی ما فی أیدیهم، فلحقت أرضوهم بالعشر"[1]

۲ —— ہر وہ ملک جو قتال کے بعد فتح ہوا، اور امام نے بطور غنیمت آراضی کو فاتحین میں تقسیم کر دیا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والوں کے ساتھ معاملہ فرمایا، تو یہ زمین جن میں تقسیم کردی گئی وہ لوگ اس کے مالک قرار دیئے جاتے ہیں اور یہ اراضی عشری کہلاتی ہیں۔ ایسے ہی سرحدیں اگر تقسیم کردی جائیں تو عشری ہو جاتی ہیں۔ عبارت یہ ہے:

"کل أرض أخذت عنوة (ای فتحت بعد حرب وقتال بین أصحابها وبین المسلمین) ثم أن الامام لم یر أن یجعلها فیئاً موقوفاً، ولکنه رأی ان یجعلها غنیمة نخمسها، وقسم أربعة أخماسها بین الذین افتتحوها خاصة، کفعل رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بأرض خیبر (وکانت ملکاً للیهود قبل قتالهم) هذا أیضاً ملك ایمانهم لیس فیها غیر العشر، وکذلك الثغور کلها اذا قسمت بین الذین افتتحوها خاصة، وعزل عنها الخمس لمن سمی اللّٰه تبارک وتعالی"[2]

۳ —— وہ غیر آباد زمینیں جن کا کوئی مالک اور آباد کرنے والا نہیں تھا امام نے کسی مسلمان کو بخش دیں، خواہ یہ جزیرۃ العرب میں ہو یا اور کسی جگہ، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے یمن، یمامہ اور بصرہ اور ان جیسی آراضی میں عمل کیا۔ عبارت یہ ہے:

"کل أرض عادیة (قدیمة) لا رب لها ولا عامر، أقطعها الامام

---

[1] الأموال ص۵۱۴ [2] الأموال ص۵۱۲-۵۱۳، فقه الزکاة ۲ : ۳۰۲

وذلك وما اشبهها مما افاء الله على رسول الله صلى الله عليه وسلم صلحا، اوفعلته الائمة بعده كبلاد الجزيرة وبعض بلاد أرمينية وكثير من كور خراسان فهذا ان النوعان من الأرضين: الصلح والعنوة التي تصير فيئا، تكونان عاما للناس في الأعطية و أرزاق الذرية وماينوب الإمام من أمور العامة۔ ؎

یعنی عشری زمینوں کے علاوہ یا تو کوئی ملک بذریعہ قتال فتح کیا گیا اور عام فاتحین پر امام نے تقسیم نہیں کیا بلکہ "فیئ" کا حکم دے کر باقی رکھا، جیسے عراق، اہواز، فارس، کرمان، اصفہان، ری، شام سوی کچھ شہروں کے مصر مراکش وغیرہ۔

یا امام نے کسی ملک کے کافروں سے بغیر قتال کے صلح کرلیا کہ وہ اپنے دین پر رہیں گے، اور حکومت وسلطنت اسلامی رہے گی جیسے نجران، ایلہ، اذرح، دومۃ الجندل اور فدک وغیرہ کہ رسول اللہؐ نے یا آپ کے بعد خلفاء نے صلح کرلی، جیسے آرمینیا اور علاقہائے خراسان تو یہ دونوں طرح کی اراضی "فیئ" قرار دے کر عام لوگوں کی منفعت کے لئے خاص کردی جاتی ہیں۔

یعنی یہ زمینیں خراجی ہیں، اور جو خراج وصول ہوگا وہ اسلامی مملکت کے خزانہ میں جمع ہوکر مسلمانوں کی عام ضروریات میں حسب ضوابط وقوانین صرف کیا جائے گا جس کی تفصیلات "خراج کی حقیقت" کے عنوان سے بیان ہوچکی۔

اور در مختار میں خراجی زمینوں کی تفصیل یہ ہے:

"وسواد العراق۔ وما فتح عنوة، وأقر عليه اهله، او فتح صلحا خراجية"۔ ؏

کہ کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور حسب دستور ان کو باقی رکھا گیا یا صلح کے ساتھ فتح ہو تو خراجی ہے۔ در مختار کی ایک اور عبارت ہے جس میں خراجی زمین کی قسم بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے:

"وان احياه ذمي باذن الامام خراجي، ولو أحيا مسلم اعتبر

؎ الأموال ص [illegible] وکتاب الخراج ص [illegible] ؏ الدر المختار مع الرد ج۳ ص۲۵۳-۲۵۵

قریبة، وکل منها ان سقی بماء العشر أخذ منه العشر الأرض کافر
تسقی بماء الخراج أخذ منه الخراج۔ ؎۱

غیر آباد زمین کو اگر ذمی امام کی اجازت سے آباد و قابل کاشت بناتا ہے تو یہ زمین خراجی ہے اور اگر مسلمان قابل کاشت بناتا ہے تو قرب وجوار کی زمین کا حکم عائد ہوگا۔ اور ان دونوں میں جو زمین بھی عشری پانی سے سیراب کی جائے گی عشر واجب ہوگا مگر ہاں اگر کافر کی زمین عشری پانی سے سیراب کی جاتی ہے تو عشر واجب نہ ہوگا خراج واجب ہوگا۔ اور اگر خراجی پانی سے یہ زمینیں سیراب کی جاتی ہیں تو خراج ہی وصول کیا جائیگا

ابو عبید اور در مختار کی ان عبارتوں سے خراجی زمینوں کی تفصیل اس طرح واضح ہوتی ہے:

۱۔ اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات ان شرائط صلح کے مطابق ہوں گے جن پر معاہدہ صلح ہوا ہے اگر اس صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور اراضی بدستور ان ہی لوگوں کی ملکیت میں رہیں گی جن کی ملکیت میں اب تک تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا جائے گا، اور یہ زمینیں ہمیشہ کے لئے خراجی ہو جائیں گی
۲۔ اگر کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا مگر فتح کے بعد امام نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہ کر کے اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت بدستور قائم رکھی تو یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی ؎۲
۳۔ غیر آباد زمین کو ذمی نے امام کی اجازت سے قابل کاشت بنا لیا تو یہ زمین بھی خراجی ہوگی۔
۴۔ وہ زمین جو خراجی پانی سے سیراب کی جائے خراجی ہوگی۔

خراجی پانی کی تفصیل

مفتی شفیع صاحب نے خراجی پانی کی تفصیل بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

"وہ نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنی محنت اور خرچ کے ذریعہ نکالی ہیں، اور وہ علاقہ نکالنے والوں کی ملک ہوتی ہیں جیسے ان دریاؤں سے نکلنے والی نہریں، نہر گنگ وجمن وغیرہ" چونکہ فتح اسلامی سے پہلے غیر مسلموں کی ملک تھی اس لئے ان کا پانی خراجی پانی ہے ؎۳

؎۱ الدر المختار مع ترد م ۵۵۔۲۰ ؎۲ جواھر الفقہ ۲۳؍۲ ؎۳ نفس المصدر
؎۴ جواھر الفقہ ۲۳؍۲

اور علامہ ابن عابدین خراجی پانی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ماء الخراج وھو ماء انھار حفرتھا العجم، والحاصل ان ماء الخراج ماکان للکفرۃ ید علیہ ثم حویناہ قھرا" ؎

ظاہر ہے کہ جس پانی پر کافروں کا تسلط رہا ہو اور پھر مسلمانوں نے اس پر قبضہ کرلیا ہو تو یہ پانی خراجی کہلائے گا۔

خراج وعشر میں فرق

۱ــــ عشر کے اندر عبادت کی حیثیت بھی ہے، اور خراج صرف ایک ٹیکس ہے۔

۲ــــ عشر زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے اور خراج (موظف) قابل کاشت زمین پر واجب ہوتا ہے۔ ثمرہ یہ مرتب ہوگا کہ اگر قابل کاشت زمین میں پیداوار کا نظم نہیں کیا گیا تو عشر واجب نہیں ہوگا اور خراج واجب ہوجائے گا۔

۳ــــ عشر مسلمان پر واجب ہوتا ہے اور خراج ابتداءً کافر پر واجب ہوتا ہے۔

۴ــــ عشر زکوٰۃ کے مصارف میں خرچ کیا جائے گا، اور خراج مصالح عامہ میں۔

۵ــــ اگر ایک سال میں عشری زمین میں متعدد بار پیداوار ہوئی تو ہر پیداوار پر عشر واجب ہوگا اور خراجی زمین میں باوجود کئی پیداوار ہونے کے خراج سال میں ایک ہی مرتبہ واجب ہوگا۔

۶ــــ جس زمین پر خراج ایک مرتبہ واجب ہوجاتا ہے پھر اس پر ہمیشہ خراج ہی رہتا ہے برخلاف عشر کے کہ اگر کافر نے عشری زمین خریدلی تو عشر اس پر عبادت کے اہل نہ ہونے کی وجہ سے ساقط ہوکر خراج واجب ہوجائے گا۔

۷ــــ عشر قطعی دلائل سے ثابت ہے، اور خراج مجتہد فیہ ہے..... اگرچہ اجماع صحابہ سے ثابت ہونے کی وجہ سے اس میں تقویت پیدا ہوجاتی ہے۔

عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان بنیادی فرق

عشری اور خراجی زمینوں کی جو تعریفات

؎ رد المحتار علی الدر المختار ۲/۵۲ و ۳/۲۹۰

درج کی گئیں اور پھر عشر و خراج کے مابین جو فرق بیان کیا گیا ان تفصیلات کی روشنی میں خراجی اور عشری آراضی کے مابین فرق خود واضح ہو گیا۔

اور حد فاصل یہ ہے کہ جو اراضی ابتدائی طور پر مسلمانوں کی ملک میں ہوں دتمام مذکورہ صورتوں کے ساتھ) وہ عشری ہیں۔

اور جو اراضی کافروں کی ملک ہوں اور مسلم حکمراں کے تسلط میں آجائیں اور کافروں کی ملک باقی رکھی جائے (مذکورہ شرائط کے تحت) وہ خراجی ہیں۔

ہاں جو زمین ایک مرتبہ خراجی ہو گئی وہ ہمیشہ خراجی ہی رہے گی البتہ اگر کسی عشری زمین کا مالک کافر (حربی) ہو جائے تو اس کافر کے حق میں اب یہ زمین عشری نہیں رہے گی۔

اس کے برخلاف اگر کسی خراجی زمین کا مالک مسلمان ہو جائے تو یہ زمین خراجی ہی رہے گی اور اس مسلمان پر خراج واجب ہوگا اس صورت میں عشر واجب نہیں ہوگا۔

بحمد اللہ ان ہی سطور پر محور اول مکمل ہوتا ہے۔

وصلی اللہ علی النبی الکریم

محور چہارم

(۱) موجودہ ہندوستان میں مسلمانوں کی مملوکہ اراضی میرے نزدیک عشری ہیں، الا یہ کہ کسی زمین کے بارے میں یقینی طور پر خراجی ہونے کا سبب معلوم ہو جائے۔

مولانا عبد الصمد رحمانی نے عشری اراضی ہند دس صورتیں بہت ہی تلاش و جستجو بحث و تحقیق کے بعد ذکر فرمائے ہیں، جو یہ ہیں:

۱ـــــ بادشاہوں کے وقت سے موروثی ہیں۔

۲ـــــ بادشاہان اسلام کے وقت سے موقوفہ ہیں۔

۳ـــــ موروثی ہیں مگر شاہی وقت سے نہیں، لیکن یہ بھی نہیں معلوم کہ کس طرح قبضہ میں آگئی ہیں۔

۴ـــــ مومنین مسلمانوں نے خریدی ہیں، یا بطریق ہبہ یا بطریق وصیت ان کو ملی ہیں، اور جس نے فروخت کیا یا ہبہ کیا یا وصیت کی، اس نے بھی کسی مسلمان ہی سے حاصل کی تھی اسی طرح برابر سلسلہ جاری ہے۔

۵۔۔۔۔۔ جو زمینیں مسلمانوں کے قبضہ میں مسلمانوں سے خرید و فروخت کے ذریعہ سے آتی ہیں، اور اوپر جا کر یہ معلوم ہوا کہ بادشاہ اسلام نے دی تھی۔

۶۔۔۔۔۔ مسلمانوں کے قبضہ میں وراثتاً یا خرید و فروخت کے ذریعہ سے ہے لیکن اوپر کا حال معلوم نہیں کہ پہلے لوگوں نے کس طرح حاصل کی تھی۔

۷۔۔۔۔۔ انگریزی حکومت نے بطور معافی اس زمین کو دیا جو پہلے سے مسلمانوں کی ملکیت تھی۔

۸۔۔۔۔۔ انگریزی حکومت نے مسلمانوں کو بطور معافی زمین دی مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ زمین پہلے کس کی تھی۔

۹۔۔۔۔۔ مسلمانوں نے غیر مزروعہ زمین جو کسی کے قبضہ میں نہ تھی آباد کی ہے اور وہ عشری زمین کے قریب ہے یا آسمانی یا دریائی پانی سے یا اپنے کنویں سے سیراب ہوتی ہے۔

۱۰۔۔۔۔۔ مسلمانوں نے اپنے سکونتی مکانات کو مزروعہ بنایا [1]۔

وضاحت

میرے نزدیک تقسیم ملک کے بعد سابقہ دس صورتوں کی حامل وہ آراضی جس کو مسلمان چھوڑ کر پاکستان چلے گئے اور حکومت ہند نے ان کی آراضی کسی مسلمان کو دے دی تو بوجہ استیلاء خراجی ہو جائیں گی۔

مفتی شفیع صاحب نے جواہر الفقہ میں لکھا ہے کہ:

"اگر کسی جگہ مسلمانوں کی متروکہ زمین حکومت ہند نے کسی مسلمان ہی کو ابتداء میں دے دی ہو تو وہ بھی بوجہ استیلاء عشری نہ رہے گی، بلکہ خراجی ہو جائے گی" [2]۔

حاصل یہ کہ ہندوستان کی اراضی کچھ عشری اور کچھ خراجی ہیں، لیکن خراجی ہونے کا سبب جب تک یقینی طور پر معلوم نہ ہو جائے عشر کا حکم ہی دیا جائے گا۔ محتاط فیصلہ یہی ہے۔

یہی رائے کہ کچھ زمینیں عشری اور کچھ خراجی ہیں، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی عزیز الرحمٰن صاحب، مفتی شفیع صاحب، مولانا یوسف ۔۔۔۔ مولانا عبدالشکور صاحب اور مولانا عبدالصمد رحمانی کی ہے۔

حضرت تھانوی کا ایک فتویٰ نقل کیا جاتا ہے:

---

[1] کتاب العشر والزکاۃ: عبدالصمد رحمانی

[2] جواہر الفقہ عشر و خراج کے احکام ص۲۶۲

"جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں، اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی جیسیں ارشاد و شراء و علم ہوا، وہ زمینیں عشری ہیں، اور درمیان میں اگر کوئی کافر مالک ہو گیا تھا وہ عشری نہ رہی، اور جس کا حال کچھ معلوم نہ ہو، اور اس وقت مسلمانوں کے پاس ہے، یہی سمجھا جائے گا کہ مسلمان ہی سے حاصل ہوتی ہے بدلیل استصحاب حال، بس وہ بھی عشری ہو گی۔" [1]

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کا فتویٰ ہے:

"ہندوستان میں جو اراضی مملوکہ مسلمین ہیں وہ عشری ہیں، کیوں کہ اصل وظیفہ مسلمانوں کی زمین کا عشر ہے بس بحالت اشتباہ احوط عشر نکالنا ہے۔"

موصوف کا دوسرا فتویٰ ہے:

"ہندوستان کی تمام زمینوں کا ایک حکم نہیں ہے، البتہ جو زمین مملوکہ مسلمین ہے اس میں عشر واجب ہے مسلمانوں کو عشر نکالنا چاہیے۔" [2]

مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں:

"تقسیم ملک کے بعد جو خطہ ہندوستان کے نام سے مخصوص ہو کر ہندو اکثریت کے اقتدار میں آیا اس کی وہ زمینیں جو قدیم سے مسلمانوں کے مالکانہ قبضہ میں چلی آئی ہیں، اور کسی دور میں اس پر کسی کافر کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ہے، وہ جس طرح عہد برطانیہ میں عشری تھیں آج بھی عشری رہیں گی۔" [3]

مولانا عبدالشکور صاحب نے ہندوستان کی زمینوں کی نو حالتیں ذکر کی ہیں اور پانچ کو عشری تو چار کو خراجی قرار دیا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

۱ــــــ بادشاہان اسلام کے وقت سے موروثی ہیں۔

۲ــــــ موروثی ہیں مگر بادشاہی وقت سے نہیں اور معلوم نہیں کیوں کر قبضہ میں آئیں۔

۳ــــــ مسلمانوں نے مسلمانوں سے مول لی ہیں، اور ان بیچنے والے مسلمانوں نے بھی مسلمانوں سے مول لی ہیں۔

---

[1] امداد الفتاوی [illegible] [2] فتاوی دار العلوم دیوبند [illegible] [3] عشر و خراج کے احکام

۴ــــ مسلمانوں نے مسلمانوں سے مول لی ہیں، مگر یہ نہیں معلوم کہ ان کے بیچنے والوں نے کس سے مول لے لیں۔

۵ــــ سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کی ہیں، اور وہ اس سے پہلے مسلمانوں کی ملکیت میں تھیں۔

۶ــــ سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کی ہیں اور معلوم نہیں کہ وہ پہلے کس کی ملک میں تھیں۔

۷ــــ مسلمانوں نے مسلمانوں سے مول لیں اور ان بیچنے والے مسلمانوں نے غیر مسلم سے مول لی تھیں۔

۸ــــ مسلمانوں نے غیر مسلم سے مول لیں۔

۹ــــ سرکار انگلشیہ نے بطور معافی کے عنایت کی اور وہ اس سے پہلے غیر مسلم کی مملوکہ تھیں۔

پہلی پانچ حالتیں عشری ہیں اور اخیر کی چاروں خراجی [1]

مولانا یوسف بنوری اراضی ہند کے متعلق لکھتے ہیں:

"فالأحوط أن تعشر هذه الأراضي ويودي عشرها الى الفقراء" [2]

دوسری رائے کچھ علماء کی یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کی مملوکہ اراضی ہند عشری ہیں، اور عشر واجب ہے، ان کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کی زمین کا اصل وظیفہ عشر ہے۔

لیکن یہ قول ازحد ضعیف ہے قابل توجہ نہیں ہے چوں کہ پھر تو فقہاء امت کے اجتہادات، کتب فقہ کی تفصیلات جو اراضی کے عشری و خراجی ہونے کے سلسلہ میں ہیں لغو ہو جاتی ہیں۔

تیسری رائے بعض علماء کی یہ ہے کہ اراضی ہند نہ عشری ہیں اور نہ خراجی، چوں کہ یہ دار الحرب ہے اور دار الحرب کے متعلق علامہ شامی نے یہ لکھا ہے کہ:

"فان أرضها (دار الحرب) ليست أرض خراج وعشر" [3]

اور سرخسی نے شرح سیر کبیر میں فرمایا:

---

[1] علم الفقہ ۴/۳۲ [2] معارف السنن ۵/۲۲۱ [3] رد المحتار ۲/۵۹

"أراضي اهل الحرب ليست بعشرية ولاخراجية" [1]

ان عبارتوں سے بعض اہل علم کو ہندوستان کی اراضی کے سلسلہ میں اشتباہ ہوا ہے، یہ رائے مولانا رشید احمد گنگوہی، علامہ انور شاہ کشمیری، شاہ عبدالعزیز، محمد علی تھانوی اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی نقل کی جاتی ہے، دارالعلوم دیوبند کے مفتی ظفیر صاحب ابھی تک اسی پر فتوی دیتے ہیں۔

علامہ انور شاہ کا قول مولانا بنوری نقل کرتے ہیں:

"قال الشيخ اعلم ان اراضي بلاد الهند ليست بعشرية لأنها اصبحت من دار الحرب، وهكذا التحقق عندي من كتب الفقه" [2]

محمد علی تھانوی کا قول شاہ صاحب نے نقل کیا ہے:

"بان أراضي الهند ليست بعشرية ولا خراجية" [3]

لیکن ان عبارتوں کا تعلق دار الحرب سے اور فقہاء کے نزدیک دار الحرب کی جو تعریف ہے کیا وہ موجودہ ہندوستان پر بالکلیہ صادق آتی ہے؟ یہ خود ایک اختلافی مسئلہ ہے، انگریزوں کے تسلط کے بعد بے شک شاہ عبدالعزیز وغیرہ کا فتوی صادر ہوا کہ ہندوستان اب دار الحرب ہے۔

لیکن کیا دار الحرب سے مراد وہ دار الحرب ہے جو علامہ شامی وغیرہ کی عبارت میں موجود ہے۔

اس سلسلہ میں مفتی شفیع صاحب لکھتے ہیں:

"غور کرنے پر شرح سیر کی عبارت سے حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ دار الحرب سے اس جگہ وہ دار الحرب مراد ہے جو اصل سے دار الحرب ہے، اس پر کبھی کسی وقت مسلمانوں کی حکومت رہی، نہ وہاں مسلمانوں کے باقاعدہ لینے اور زمینیں خریدنے کا کوئی تصور ہے، ایسے دار الحرب کی زمینیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ملک نہیں ہوں گی، بلکہ اہل حرب کفار کی ملکیت ہوں گی، جو احکام شرعیہ فرعیہ کے مخاطب نہیں، اس لئے ایسے دار الحرب کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی ——— ہندوستان کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے، تقریباً ہزار سو برس یہ دار الاسلام رہا ہے، یہاں لاکھوں مسلمان اپنی زمینوں کے آج تک مالک

---

[1] شرح السیر الکبیر [illegible] [2] [illegible] [3] معارف السنن [illegible] [4] نفس المصدر

چلے آتے ہیں، غیر مسلم اقتدار کے وقت اگرچہ ملک کو دار الحرب کہا جائے گا، لیکن یہ دار الحرب اصلی دار الحرب سے مختلف ہوگا، جو دار الاسلام کے بعد دار الحرب بن گیا ہے، کہ اس میں املاک مسلمانوں کی موجود ہیں،

اس لئے شامی اور شرح سیر کی روایات اس پر منطبق نہیں ہوتیں، بلکہ جب یہاں مسلمانوں کی ملکیت ہی زمینیں ہیں تو ان پر احکام عشر وخراج کے عائد ہوں گے، حضرت تھانوی کی تحقیق بھی اسی کے قریب قریب ہے۔ [1]

دار العلوم دیوبند سے اس مسئلہ میں جو طویل عرصے سے فتوی دیا جارہا ہے اس کی بنیاد بھی شامی وشرح سیر کی یہی عبارت ہے "فان ارضها لیست ارض خراج وعشر" خاص طور پر مطبوعہ فتاوی میں مفتی ظفیر صاحب نے یہی فتوی دیا ہے، سوال یہ ہے اس عظیم درسگاہ سے جو یہ فتوی مسلمانان ہند کو دیا جارہا ہے اس کی مکمل تحقیق اکابر علماء سے رابطہ قائم کرکے کیوں نہیں کی گئی۔

خلاصہ یہ کہ آراضی ہند کے بارے میں کل تین رائے ہے:

۱۔ مسلمانوں کی مملوکہ آراضی نہ عشری ہیں نہ خراجی،

۲۔ مسلمانوں کی مملوکہ آراضی عشری ہیں،

۳۔ مسلمانوں کی مملوکہ آراضی کچھ عشری تو کچھ خراجی،

اور تیسری رائے محقق اور راجح ہے۔

اور عشر واجب کرنے کے سلسلہ میں میری رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کی مملوکہ تمام آراضی پر عشر واجب ہے الا یہ کہ کسی زمین کے متعلق خراجی ہونے کا سبب یقینی طور پر معلوم ہو جائے۔ ہندوستان کی آراضی کا یہ حکم ہے، مالکان ان تفصیلات کو سامنے رکھ کر کافی حد تک تطبیق کر سکتے ہیں۔

لیکن مکمل جغرافیائی تطبیق تاریخی اور قانونی حیثیت سے گہرے ومفصل مطالعہ کی داعی ہے جو مورخین اور محققین کا کام ہے، امید کہ اکیڈمی کے تحت یہ کام انجام پائے گا۔

(۲) جن آراضی کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے احتیاطاً وہ عشری کے حکم میں ہوں گی

---

[1] عشر وخراج کے احکام ص ۳۶

اور مسلمانوں کو عشر دینا چاہئے آیت واٰتوا حقه یوم حصاده کا عموم اسی کا مقتضی ہے جیسا کہ مولانا عبدالصمد رحمانی کی ذکر کردہ صورتوں میں یہ صورت بھی شامل ہے۔

(۲) سرکار کو دی جانے والی مال گذاری خراج کے حکم میں نہیں ہے، مفتی شفیع صاحب کی تحریر ہے:

"وہ (مال گذاری) ایک خالص ٹیکس ہے جس کے ادا کرنے سے خراج کی شرعی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی"[۱]

(۳) ہندوستان کی جن اراضی کے متعلق خراجی ہونے کا یقینی سبب معلوم ہو ان کا خراج اس شرح سے ادا کیا جائے:

عام قابل کاشت زمینوں میں ایک جریب (۳۰۲۵ مربع گز) پر ایک درہم (۳ ماشہ چاندی) اور ایک صاع گندم یا جو۔

خضراوات کی ایک جریب پر ۵ درہم

اور باغات پر ۱۰ درہم

اور باقی اشیاء کا خراج اسی اندازہ سے لگایا جاتے گا کہ پیداوار کے خمس سے گھٹے نہیں اور نصف سے بڑھے نہیں۔

وضاحت

ہند کی خراجی زمینوں کا خراج خود مالکان زمین نکال کر مدارس اسلامیہ اور علماء پر خرچ کریں[۲]

(ب) خراج عشر کی طرح عبادت نہیں ہے، جیسا کہ اوپر (۱) میں وضاحت کی گئی۔ ہاں مسلمان واجب شرعی سمجھ کر جب ادا کرے گا تو ماجور ہوگا اور اطاعت کے ثواب کا مستحق ہوگا۔

(۵) جدید طریقۂ زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات کی وجہ سے عشر میں کمی نہیں کی جا سکتی، کیونکہ عشر و نصف عشر منصوص ہے۔

[illegible] ۔ [illegible] ۔ احکام [illegible]

اور نہ ان اخراجات کو اصل پیداوار سے منہا کیا جائے گا کہ فقہاء نے صراحت کر دی ہے:

" ولا تحسب أجرة العمال ونفقة البقر، وكرى الأنهار، وأجرة الحافظ وغير ذلك فيجب اخراج الواجب من جميع ما اخرجته الأرض عشرا او نصفا، كذا في البحر الرائق "[۱]

(۶) جن اراضی کی کاشت بٹائی پر ہوتی ہے، اگر یہ صورت اختیار کی گئی ہے کہ تخم زمیندار کا ہے تو احناف کے یہاں باتفاق عشر زمیندار پر واجب ہوگا۔

اور اگر تخم بٹائی دار کا ہے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک زمیندار پر عشر واجب ہوگا۔ جب کہ صاحبین کے نزدیک دونوں پر اپنے اپنے حصہ میں عشر واجب ہوگا۔ رد المحتار میں ہے:

" والحاصل ان العشر عند الامام على رب الأرض مطلقا، وعندهما كذالك لو البذر منه ولو من العامل فعليهما "[۲]

لیکن بدائع کی عبارت یہ ہے جس کو شامی نے نقل کیا ہے:

" ان المزارعة جائزة عندهما، والعشر يجب في الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما "

اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صاحبین کے یہاں بہر صورت عشر زمیندار و بٹائی دار دونوں پر اپنے حصص کے بقدر واجب ہوگا۔

اور یہی رائے قابل عمل ہے، مفتی شفیع صاحب نے اسی کو بطور مسئلہ بیان کیا ہے[۳]
یہ حکم اس وقت ہے جب دونوں مسلمان ہوں، اور اگر مزارعت کا ایک شریک غیر مسلم ہو تو مسلم اپنے حصہ کی پیداوار کا عشر نکالے گا ——— واللہ اعلم علمہ اتم۔

وصلی اللہ علی النبی الکریم

---

[۱] فتاوی عالمگیری ۱/۹۲ [۲] رد المحتار ۲/۳۱
[۳] عشر و خراج کے احکام۔

محور پنجم

(۱) پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے یا اس کے لئے کسی نصاب کا اعتبار ہے!

کتب فقہ میں اس مسئلہ میں ائمہ وفقہاء کے چار مسلک نقل کئے جاتے ہیں جن میں دو کافی مشہور ہیں:

۱۔ پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے یہ مسلک امام ابوحنیفہؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، مجاہدؒ، ابراہیم نخعیؒ، حماد بن ابی سلیمان اور امام زفر رحمہم اللہ کا ہے۔

معارف السنن میں ہے:

"وذكر ان ذلك مذهب عمر بن عبد العزيز ومجاهد وابراهيم النخعي اخرج ذلك عنهم عبد الرزاق وابن ابي شيبة والطحاوي بطرق

وغيره"[1]

اور یہ عبارت بھی ہے:

"وقال ابو حنيفة: في كل ما اخرجته الارض قل او كثر"[2]

المغنی اور فقہ الزکاۃ میں بھی یہ مسلک نقل کیا گیا ہے، البتہ ابن قدامہ نے مغنی میں عمر بن عبدالعزیز کا یہ مسلک نقل کر کے دوسرا نقل کر دیا ہے جو عمر بن عبدالعزیز سے ثابت ہے لیکن یہ ابن قدامہ کی چوک ہے[3]

۲۔ پیداوار پر عشر واجب ہونے کے لئے نصاب شرط ہے اور نصاب کی مقدار پانچ وسق ہے۔ پانچ وسق سے کم پر عشر واجب نہیں۔

یہ مسلک ابن عمرؓ، جابرؓ، ابو امامہ بن سہلؓ، عمر بن عبدالعزیز، جابر بن زید، حسن، مکحول، مالک، ثوری، اوزاعی، ابن ابی لیلیٰ، شافعی، ابو یوسف، محمد، احمد بن حنبل اور دیگر مشاہیر علماء کا ہے[4]

۳۔ جو پیداوار وسق کے ذریعہ ناپی جا سکتی ہے اس پر عشر واجب ہونے کے لئے پانچ وسق نصاب ہے،

---

[1] [illegible]

[2] [illegible]

[3] [illegible]

اور جو پیداوار دو وسق سے زمین ہی میں نہیں جا سکتی اس کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے یہ مسلک داؤد ظاہری کا ہے؎

۴۔ نصاب کا اعتبار کھجور، زبیب، گندم، اور جو میں ہوگا جو پانچ وسق ہے، اس کے علاوہ ہر پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے یہ مسلک ابن حزم کا ہے؎

ان چاروں مسالک میں سے پہلے دو ہی معروف و مشہور ہیں۔

دلائل

قول اول کے دلائل

(ا) فرمان باری تعالیٰ ہے: "یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض"

اور ارشاد ہے: "وآتوا حقہ یوم حصادہ"

اسی طرح: "خذ من اموالہم صدقۃ"

یہ تمام آیات مطلق اور عام ہیں، ان میں کسی قسم کی تحدید و تخصیص نہیں ہے۔ پیداوار کی ہر قلیل و کثیر مقدار کو شامل ہیں۔

(ب) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل فرامین:

(۱) فیما سقت السماء العشر؎

(۲) فیما سقت الانہار والغیم العشور وفیما سقی بالسانیۃ نصف العشر؎

(۳) فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر؎

؎ نفس المصدر ؎ فقہ الزکاۃ ۱/۳۴۳، والبحر الزخار ۲/۱۹۱

؎ رواہ البخاری ؎ رواہ مسلم من حدیث جابر فی باب ما فیہ الزکاۃ من الاموال واخرجہ الطحاوی ؎ رواہ البخاری ومسلم عن ابن عمر۔

(۴) "عن معاذ قال "بعثني رسول الله صلى الله عليه وسلم الى اليمن فأمرني أن آخذ مما سقت السماء وما سقي بعلا العشر، وما سقي بالدوالي نصف العشر"۔ [۱]

(۵) " فيما سقت السماء العشر، وفيما سقي بنضح أو غرب نصف العشر في قليله وكثيره"۔ [۲]

یہ ساری روایات مرفوع ہیں، جن کے راوی ابن عمر، جابر، انس اور معاذ رضی اللہ عنہم ہیں۔

(ج) ان کے علاوہ موقوف روایات و آثار بھی مروی ہیں، عمر بن عبدالعزیز، مجاہد اور نخعی کے آثار بالخصوص قابل توجہ و استدلال ہیں۔

(۱) "عن ابراهيم انه قال" في كل ما أخرجته الارض من قليل وكثير زكاة"۔ [۳]

(۲) " عن بشر بن سعيد قال "فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم الزكاة فيما سقت السماء وفي البعل وفيما سقت العيون العشر، وفيما سقت السواقي نصف العشر"۔ [۴]

(۳) ابوعبید صحیح سند سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو فرمان جاری کیا اس کی عبارت یہ ہے:

"ما كان عثريا تسقيه السماء والانهار وما كان يسقى من سيحل ففيه العشر، وما كان يسقى بالنواضح ففيه نصف العشر"۔ [۵]

(۴) " عن علي عن طريق عاصم بن ضمرة" فيما سقت السماء العشر، وفيما سقي بالدوالي والنواضح نصف العشر"۔ [۶]

---

[۱] رواه ابن ماجه من طريق أبي وائل عن مسروق عن معاذ۔

[۲] حديث أبي مطيع البلخي عن أبي حنيفة عن أبان بن أبي عياش عن رجل عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، وجهالة الصحابي لا يضر، وأخرجه ابن خسرو بهذا الاسناد عن أنس مرفوعا فزالت الجهالة۔ [۳] معارف السنن ۲۰۲/۵

[۴] الأموال ص[illegible] [۵] نفس المصدر۔ [۶] ايضا۔

مذکورہ آیات، احادیث اور آثار میں عموم واطلاق ہے اور یہ عموم واطلاق "تواتر" کی حد تک ہے۔[1]

(د) مزید برآں پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب کرنے میں فقراء کی مصالح کا لحاظ بھی ہے۔[2]

(۲) پیداوار پر حولان حول کسی کے نزدیک شرط نہیں ہے اسی طرح نصاب کی شرط بھی نہیں ہونی چاہئے جیسا کہ "رکاز" کا حکم ہے۔

قول ثانی کے دلائل

(ا) فرمان رسالت ہے: "لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة"۔[3]

یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں صریح حکم ہے کہ پانچ وسق سے کم پیداوار میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ قول ثانی کے قائلین کی یہی دلیل قوی ترین ہے۔

(ب) دوسری دلیل یہ ہے کہ شریعت نے تمام ان باتوں میں جن پر زکوٰۃ واجب ہے نصاب کا اعتبار کیا ہے تاکہ "غنی" پر ہی زکوٰۃ واجب ہو اور غنا کا معیار نصاب ہے اس لئے پیداوار میں بھی نصاب کا اعتبار شریعت کی روح کے ہم آہنگ ہے۔[4]

قول ثالث کے دلائل

نصاب کا اعتبار کرنے میں اس قول کا مستدل "لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة" والی حدیث ہے اور جن چیزوں میں نصاب کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے اس میں "فیما سقت السماء العشر" والی حدیث مستدل ہے۔ گویا اس مسلک کے قائل داؤد ظاہری نے دونوں حدیثوں میں تطبیق کی ایک شکل تجویز کر کے مسلک بنایا ہے۔[5]

---

[1] معارف السنن ۲۰۲/۵ [2] نفس المصدر [3] رواہ البخاری ومسلم وقال فی المنتقیٰ رواہ الجماعة من حدیث ابی سعید۔

[4] المغنی وفقه الزکاة [5] فقه الزکاة ۳۶۲/۱

قولِ رابع کے دلائل

"لیس فیما خمسة اوسق صدقة" والی حدیث ہی مستدل ہے جن چار چیزوں میں نصاب کا اعتبار کیا گیا ہے اور وجہ دلیل یہ ہے کہ چونکہ یہ چار ہی اجناس گندم، جو، ثمر اور زبیب کا لین دین وسق سے عام عرف میں ہوتا تھا اس لئے یہ حدیث ان کے ساتھ مختص ہے اور دیگر پیداوار میں "فیما سقت السماء العشر" والی حدیث پر عمل ہے۔ گویا یہ بھی تطبیق کی ایک شکل ہے۔

تعقیب و ترجیح

مذکورہ چاروں اقوال میں سے دو پر امت کی اکثریت کا عمل ہے، حنفیہ کے نزدیک کسی نصاب کے اعتبار کے بغیر پیداوار کی ہر کم و بیش مقدار پر عشر واجب ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ، صاحبین کے نزدیک نصاب کا اعتبار کیا گیا ہے جو پانچ وسق ہے، اس سے کم پیداوار پر عشر واجب نہیں ہے۔

دونوں مسالک کے دلائل ذکر کئے گئے، اس کے بعد جمہور نے حنفیہ کے پیش کردہ دلائل کے جو جوابات دیئے ہیں، اور اس باب میں وارد احادیث میں تطبیق کی جو صورتیں بیان کی ہیں، ہم ان کو ذکر کرتے ہیں، اور حنفیہ نے جو ان اشکالات کے جوابات دیئے ہیں ان کو بھی ذکر کریں گے اور آخر میں حنفیہ کے مسلک کی حقانیت اور دلائل کی قوت و صحت کو آشکارا کریں گے نیز وجوہ ترجیح بیان کریں گے۔

جمہور نے ان آیات و احادیث کو جن سے عموم ثابت کیا جاتا ہے "مجمل" قرار دیا ہے اور اس "مجمل" کے لئے "مفسر" "لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة" کو تسلیم کیا ہے جو بلاشبہ حدیث صحیح ہے۔[1]

جواب: ان آیات کا عموم "قطعی" ہے اور احادیث کا عموم "متواتر" ہے۔[2]

تو اگر ان کو "مجمل" قرار دیا جائے اور خمسة اوسق والی حدیث کو "مفسر" مانا جائے تو ضروری ہے کہ بس

---

[1] معارف السنن ۵/۲۰۳-۲۰۴ [2] نفس المصدر

شان کا مجمل ہے اسی شان کا مفسر ہو حالاں کہ مجمل "قطعی و متواتر ہے اور مفسر" کا شمار اخبار احاد میں ہے اس لئے یہ تقریر درست نہیں ہے۔

جمہور کہتے ہیں کہ نصاب کا اعتبار نہ کرنے میں خمسۃ اوسق والی حدیث صحیح کا ترک لازم آتا ہے۔

اس لئے ہم اس حدیث کو اصل قرار دیتے ہیں چوں کہ یہ مصرح "ہے اور فیما سقت السماء العشر والی حدیث کے متعلق حنفیہ کا یہ کہنا کہ یہ عام ہے اور خمسۃ اوسق والی حدیث خاص ہے، اور عام وخاص دونوں قطعی "ہیں، اس لئے تعارض کے وقت احتیاط کے تقاضے کے پیش نظر وجوب (پیداوار کی کم مقدار پر) اختیار کیا جائے۔ یہ درست نہیں ہے۔

کیوں کہ دونوں حدیثوں میں تعارض کے بجائے تطبیق ممکن ہے تطبیق کی ایک صورت علامہ ابن قیم کے بایں الفاظ نقل کرتے ہیں:

"یجب العمل بکلا الحدیثین، ولا یجوز معارضۃ احدھما بالآخر، ولا الغاء احدھما بالکلیۃ، وان طاعۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فرض فی ھذا وفی ھذا، ولا تعارض بینھما- بحمد اللہ تعالیٰ- بوجہ من الوجوہ، فان قولہ "فیما سقت السماء العشر" إنما أرید بہ التمییز بین مایجب فیہ العشر، ومایجب فیہ نصفہ، فذکر النوعین مفرقا بینھما فی مقدار الواجب، واما مقدار النصاب فسکت عنہ فی ھذا الحدیث وبینہ نصا فی الحدیث الآخر"[1]

کہ دونوں حدیثوں (فیما سقت الخ ولیس فیما دون خمسۃ الخ) پر عمل کرنا ضروری ہے، اور ایک کو دوسرے کے معارض قرار دینا درست نہیں ہے اور نہ کسی ایک کو بالکلیہ ترک کر دینا صحیح ہے چوں کہ رسول اللہ کے دونوں فرمانوں کی پیروی ضروری ہے، اور اللہ کے فضل سے دونوں حدیثوں میں کسی اسباب کی بنا پر تعارض نہیں ہے چوں کہ "فیما سقت السماء العشر" سے صرف یہ فرق بیان کرنا ہے کہ کس قسم کی پیداوار میں عشر واجب اور کس قسم کی پیداوار پر نصف عشر واجب ہے، اور یہ حدیث نصاب کی مقدار کے بیان

---

[1] اعلام الموقعین ۲/۲۲۹-۲۳۰

کے سلسلہ میں کوئی روشنی نہیں ڈالتی، اس سلسلہ میں اس حدیث میں سکوت اختیار کیا گیا ہے، اور نصاب کے مسئلہ کو باقاعدہ دوسری حدیث میں بطور "نص" بیان کر دیا گیا ہے اور وہ ہے "لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة"۔

جواب: اس اعتراض کے جواب کے لئے بھی حنفیہ کا یہ جواب کافی ہے کہ اس تقریر سے صرف دونوں حدیثوں کے تعارض کو رفع کیا جا رہا ہے جب کہ "لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة" کا تعارض اس عموم سے ہو رہا ہے جو کتاب اللہ سے ثابت ہے، اور ظاہر ہے کہ کتاب اللہ کے عموم قطعی کو خبر واحد کے ذریعہ خاص نہیں کیا جا سکتا۔

پھر جو تطبیق بیان کی گئی اس کے قطعی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ جب کہ حنفیہ بھی تطبیق کی اس تقریر کے بجائے دوسری تقریر کرتے ہیں[1]

نیز جمہور میں سے ابن قدامہ کہتے ہیں کہ: "فیما سقت السماء العشر" "عام" اور "لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة" "خاص" ہے، اس خاص کے ذریعہ "عام" کی تخصیص کی جائے گی، جیسا کہ "فی کل سائمة من الإبل الزكاة" کے عموم کا تقاضہ یہ تھا کہ اونٹوں کے اندر بھی کوئی نصاب نہ ہو، لیکن اس عام کی تخصیص "لیس فیما دون خمس ذود صدقة" سے کی گئی، اور پانچ اونٹ نصاب قرار دیا گیا۔

اسی طرح "فی الرقة ربع العشر" کے عموم کا تقاضا کے تحت چاندی کی ہر مقدار پر زکوٰۃ کا وجوب ثابت ہوتا ہے لیکن "لیس فیما دون خمسة أواق صدقة" کے ذریعہ تخصیص کی گئی، اور چاندی کا نصاب دو سو درہم مقرر کیا گیا[2]

جواب: ان دونوں مثالوں میں خبر واحد کے عموم کی تخصیص خبر واحد ہی کے ذریعہ کی گئی ہے جو ہمارے یہاں بھی درست ہے البتہ پیداوار کے مسئلہ میں کتاب اللہ کے عموم کی تخصیص خبر واحد کے ذریعہ کی جا رہی ہے، جو ہمارے یہاں درست نہیں۔

---

[1] جس کو علامہ انور شاہ کے حوالے سے آئندہ ذکر کیا جائے گا۔

[2] المغنی ۱/۱۹۹

قرینے میری نظر میں ہیں۔[1]

ایک تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ وسق سے کم کے عریہ کی بیع کی اجازت دی ہے:

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رخص فی بیع العرایا فیما دون خمسة اوسق۔"

تو جس کھجور کے باغ کے مالک نے بطور عریہ کسی فقیر کو کھجور کا کوئی درخت دیا اور پھر اس کے بدلہ فقیر کو خشک کھجوریں دے دیں تو کھجوروں کا یہ حصہ جو (جس کے بدلہ کھجوریں فقیر کو دے دی گئی ہیں) پانچ وسق سے کم ہے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں رہتی۔

اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس کی تخریج امام طحاوی نے کیا ہے:

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رخص فی العریة فی الوسق والوسقین والثلاثة والأربعة، وقال: فی کل عشرة اقناء قنو، یوضع فی المسجد للمساکین۔"[2]

اس حدیث کی تخریج شافعی، احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان، حاکم، ابن منذر، خطابی اور بیہقی نے کی ہے[3] اور حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں دو جگہ نقل کیا ہے۔[4]

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ابو حنیفہ کی بہت قوی دلیل ہے۔[5]

"لیس فیما دون خمسة أوسق صدقة" میں "صدقة" سے مراد وہ صدقہ ہے جس کو عامل و عاشر وصول کرتا ہے تو حدیث کا مفہوم ہوگا کہ عامل پانچ وسق سے کم پیداوار کی زکوٰۃ وصول نہیں کرے گا بلکہ مالکان دیانۃً اس مقدار کی زکوٰۃ از خود ادا کریں گے۔

خلاصہ یہ کہ پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہوگا اور اس کے لئے کسی نصاب کا اعتبار نہیں ہوگا۔

---

[1] فیض الباری [2] شرح معانی الآثار [3] الکبری للبیہقی، والجوہر النقی
[4] فتح الباری ۳/۳۰۲ [5] معارف السنن ۵/۲۰۹

(۳) کیا زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر عشر واجب ہے یا کچھ چیزیں مستثنیٰ ہیں؟

(الف) زمین کی پیداوار پر زکوۃ کا فی الجملہ وجوب قرآن وسنت، اجماع وقیاس سے ثابت ہے، البتہ تفصیلات میں علماء کا اختلاف ہے۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل مسالک ہیں:

۱۔ ابن عمر اور سلف کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ زکاۃ صرف چار پیداوار حنطہ شعیر تمر اور زبیب میں فرض ہے اور یہ حدیث:

" انما سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الزکاۃ فی الحنطۃ والشعیر والتمر والزبیب۔ [1]

اس مسلک کی دلیل ہے۔

۲۔ مالک وشافعی کا مسلک یہ ہے کہ زکوۃ ہر اس پیداوار پر واجب ہے جو بطور غذا عام احوال میں استعمال کی جائے اور ذخیرہ اندوزی کے لائق ہو"

" اور معاذ بن جبل کی حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے:

" اما القثاء والبطیخ، والرمان، والقصب، والخضر، فعفو عفا عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ [2]

یہ استدلال صاحب مہذب اور شارح مہذب نے پیش کیا ہے اور یہ حضرات دوسری دلیل بایں الفاظ بیان کرتے ہیں:

" أن الاقوات تعظم منفعتها فهي كالانعام في الماشية۔" [3]

یعنی جو پیداوار بطور غذا استعمال کی جاتی ہے اور غذا کو محفوظ کی جاتی ہے اس کی منفعت زیادہ ہے اس لئے اسی پر زکوۃ کا فریضہ عائد ہوگا جیسے چوپایوں میں انعام" (اونٹ بقر غنم) کے منافع زیادہ ہیں تو فریضہ زکوۃ عائد ہوا۔

(۳) امام احمد کا مسلک یہ ہے کہ ہر اس پیداوار پر زکوۃ واجب ہے جو تین اوصاف سے متصف

---

[1] ابن ماجہ والدارقطنی رویاہ نیل الأوطار ۱۳۲/۴ [2] رواہ البیہقی فی سنن الکبریٰ

[3] المہذب مع المجموع ۲۹۳/۵

ہو خشک ہونا، باقی رہنا، کیلی ہونا۔

"أن الزكاة تجب فيما جمع هذه الاوصاف : الكيل والبقاء واليبس"[1]

حنابلہ کی دلیل "فيما سقت السماء العشر" کا عموم اور فرمان رسول "خذ الحب من الحب" نیز "ليس في حب ولا تمر صدقة حتى يبلغ خمسة اوسق" ہے[2]

ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جن اشیاء پر حب "دانہ غلہ" کا لفظ صادق آئے اور کیل ہو سکے ان پر ہی زکوۃ واجب ہوگی۔ مغنی میں ہے:

"فدل هذا الحديث على انتفاء الزكاة مما لا توسيق فيه اى لا كيل"[3]

(۴) امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ زمین کی ہر پیداوار میں عشر واجب ہے بشرطیکہ یہ پیداوار ایسی ہو جس کی کاشت کا مقصد نماء الأرض ہو "فی کل ما اخرجۃ اللہ من الارض مما یقصد بزراعتہ نماء الأرض"[4]

امام ابو حنیفہ کا استدلال "ومما اخرجنا لكم من الأرض" کے عموم سے ہے جس میں کسی پیداوار کی تخصیص نہیں ہے۔

فخر رازی اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

"ظاهر الاية يدل على وجوب الزكاة فى كل ما تنبته الأرض على ما هو قول أبي حنيفة واستدلاله بهذه الآية ظاهر جدا"[5]

دوسرا استدلال "وآتوا حقه يوم حصاده" ہے جس کا ذکر "معروشات وغير معروشات والنخل والزرع والزيتون والرمان" کے بعد ہے، اور بالخصوص کٹائی کے روز خضراوات ہی کی زکوۃ نکالنا ممکن ہے ورنہ اجناس کی زکوۃ کٹائی کے دن نکالنا ناممکن ہے:

---

[1] المغنی ۲/۶۹۲ [2] رواہ مسلم والنسائی، نصب الرایۃ ۲/۶۹۲ [3] نفس المصدر
[4] الہدایۃ مع الفتح ۲/۲۰۵ [5] تفسیر الرازی ۷/۶۵

"وأحق ما يحمل الحق عليه الخضراوات، لأنها التي يتيسر ايتاء الحق منها يوم القطع اما الحبوب فيتأخر الايتاء فيها الى يوم التنقية." [1]

تیسرا مستدل "فیما سقت السماء العشر" کا عموم ہے، جو ہر قسم کی قیود (بقاء، کیل، ادخار، غذا) سے آزاد ہے۔

ترجیح

ان ذکر کردہ مسالک اربعہ میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک راجح ترین ہے، یہی مسلک عمر بن عبدالعزیز، مجاہد، حماد، داؤد اور نخعی کا ہے۔ قرآن وحدیث کا عموم اسی مسلک کی تائید کرتا ہے اور زکوٰۃ کی مشروعیت کی حکمت اسی کی متقاضی ہے، چونکہ یہ بات حکمت سے بالاتر ہے کہ شریعت گندم وجو کے کاشتکاروں پر تو زکوٰۃ واجب کرے اور آم، سیب، نارنجی، موسمی کے گراں قدر باغات کے مالکوں پر زکوٰۃ واجب نہ کرے۔

اور مسالک ثلٰثہ کے مستدلین نے جن احادیث سے استدلال کیا ہے وہ تمام کی تمام قرآن اور مشہور احادیث کے مقابلہ میں استناد کے قابل نہیں ہیں چونکہ ان میں سے کوئی منقطع ہے تو کوئی ضعیف صحت کے باوجود عموم قرآن کے لئے مخصص نہیں ہو سکتیں [2]

حتیٰ کہ مالکیہ میں ابن العربیؒ نے امام ابوحنیفہ کے مسلک کی تائید فرمائی [3] اور ابن عربی شرح ترمذی میں لکھتے ہیں:

"وأقوى المذاهب في المسألة مذهب ابي حنيفة دليلا، واحوطها للمساكين، وأولاها قياما بشكر النعمة، وعليه يدل عموم الآية والحديث." [4]

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۹ [2] تلخیص الحبیر للحافظ، فتح القدیر، مجمع الزوائد

[3] احکام القرآن لابن العربی، القسم الثانی ص ۴۹

[4] شرح الترمذی لابن العربی ۳/۱۳۵

خلاصہ یہ کہ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہی پر اعتبار سے قابل ترجیح ہے۔

(ب) گھاس، بانس، چارہ وغیرہ میں زکوۃ ہے یا نہیں؟

جیسا کہ امام ابو حنیفہ کے مسلک کو ذکر کرتے ہوئے یہ بات بتائی گئی کہ ہر اس پیداوار میں زکوۃ واجب ہے جس کی کاشت کا مقصد نماء الارض ہو یعنی پیداوار مقصود ہو، اس لئے اگر گھاس، بانس، چارہ وغیرہ کی باقاعدہ کاشت کی جائے تو عشر واجب ہوگا، ہاں اگر خود رو ہوں تو عشر واجب نہیں ہوگا، ہدایہ میں ہے:

"قال ابو حنيفة: فى قليل ما اخرجته الارض وكثيره العشر سواء سقى سيحا او سقته السماء الا الحطب، والقصب، والحشيش"[1]

چند صفحے کے بعد دوسری عبارت ہے:

"حتى لو اتخذها مقصبة أو شجرة او منبتا للحشيش يجب فيه العشر"[2]

(ج) پانی میں کاشت کی جانے والی چیزوں مثلاً مکھانہ، سنگھاڑا وغیرہ کا حکم صراحۃً میرے پاس موجود مراجع و مصادر میں باوجود تلاش کے نہیں مل سکا۔

البتہ قرآن و حدیث کے عموم کا تقاضہ ہے کہ (بالخصوص احنفیہ کے نزدیک) عشر واجب قرار دیا جائے

(واللہ اعلم)

۳ جن اراضی مزروعہ کو مچھلی پالن بنالیا جاتا ہے ان کی مچھلیوں پر عشر یا زکوۃ اموال کا حکم جاری ہوگا؟ جیسا کہ ابو عبید نقل کرتے ہیں:

"عن يونس بن عبيد قال: كتب عمر بن عبد العزيز الى عامله على عمان: ان لا يأخذ من السمك شيئا حتى يبلغ مائتى درهم، فاذا بلغ مائتى درهم فخذ منه الزكاة"[3]

اور یہی روایت امام احمد سے بھی منقول ہے[4]

۴ ریشم کی کاشت پر عشر؟

---

[1] الهداية مع الفتح ۲/۲۰ [2] نفس المصدر ص ۲۵ [3] الأموال لأبى عبيد
[4] المغنى لابن قدامہ ۳/۰

۶۔ خضراوات کا حکم سوال ۵ کے جواب میں ضمناً لکھا جا چکا ہے۔

(الف) امام ابوحنیفہ کے نزدیک خضراوات پر عشر واجب ہے، جن سبزیوں میں پھل توڑے جاتے ہیں اور کچھ نئے پھل نکل آتے ہیں ان میں عشر نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ جتنے پھل بیک وقت توڑے جائیں ان کا عشر اسی وقت نکال دیا جائے۔

اور اگر اس میں دشواری ہو تو پھر سارے پھل ختم ہونے کے بعد مجموعی پھلوں کی قیمت کا اندازہ لگا کر قیمت کا دسواں حصہ نکال دیا جائے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے:

"في كل عشرة اثناء قنو، يوضع في المسجد للمساكين"۔[1]

(ب) جس افتادہ زمین پر سبزیاں اگائی جائیں اگر ان کی شکل باقاعدہ زراعت کی سی ہو جاتی ہے تو عشر واجب ہوگا، اور جو سبزیاں مکانوں کی چھتوں یا مکان کے اندرونی حصہ میں اگائی جائیں تو ان سبزیوں پر عشر واجب نہیں ہوگا، جیسا کہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ولو كان في دار رجل شجرة مثمرة لا عشر فيها"۔[2]

۷۔ اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہوگا، رد المحتار میں ہے:

"تجب في الأراضي الموقوفة لعموم قوله تعالى انفقوا من طيبات ما كسبتم ومما اخرجنا لكم من الارض وقوله وآتوا حقه يوم حصاده"۔[3]

وقف علی الاولاد کی اراضی یقینی طور پر عشر واجب ہوگا، ہاں جو اراضی مدارس پر وقف ہیں ان کی پیداوار پر عشر واجب نہیں ہوگا جب کہ ان مدارس کی نگرانی میں کاشت کی جائے اور پیداوار مدارس کے مصارف میں صرف کی جائے لیکن اگر مدارس پر وقف اراضی کو کرایہ پر اٹھا دیا گیا اور کرایہ دار پیداوار حاصل کریں تو اس پیداوار پر عشر واجب ہوگا، رد المحتار میں ہے:

"[illegible] الخارج"۔[4]

[illegible]

---

[1] [illegible]

[2] [illegible]

[3] [illegible]

[4] [illegible]

عشر وخراج کے درمیانی امتیازات

۱ ——— عشر صرف مسلمانوں پر واجب ہو سکتا ہے۔ غیر مسلموں پر نہیں اگر کسی غیر مسلم نے مسلمان سے عشری زمین خرید بھی لی تو اس زمین سے عشر ساقط ہو جائے گا اور اس پر خراج لازم ہو جائے گا جب کہ خراج ابتدائی مرحلے میں صرف ——— غیر مسلموں پر واجب ہو سکتا ہے، مسلمانوں پر نہیں، البتہ اگر مسلمان کسی غیر مسلم سے خراجی زمین خرید لے تو ثانوی مرحلے میں اس پر خراج واجب رہے گا اور اس زمین سے خراج ساقط نہ ہوگا۔ (۱)

۲ ——— اس فرق کی وجہ وہ بنیادی امتیاز ہے جو عشر وخراج کے درمیان پایا جاتا ہے کہ عشر ٹیکس ہونے کے ساتھ ساتھ عبادت کا بھی پہلو رکھتا ہے۔ ایک مسلمان اس ٹیکس کو ادا کر کے ایک طرف حکومت کے ساتھ وفاداری کا دم بھرتا ہے تو دوسری طرف خدا کے یہاں ثواب کا استحقاق بھی حاصل کرتا ہے، اس کے برخلاف خراج ٹیکس ہونے کے ساتھ عقوبت وسزا کا پہلو بھی رکھتا ہے اسی لیے وہ ابتداً کسی مسلمان پر عائد نہیں کیا جا سکتا ہے، البتہ کوئی مسلمان جان بوجھ کر خراجی زمین خریدے اور اپنے کو خراج کی عقوبت میں گرفتار کرے تو الگ بات ہے اسلام اس پر پابندی بھی عائد نہیں کرتا۔ (۲)

۳ ——— عشر زمین کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے اگر کوئی زمین قابل کاشت ہونے کے باوجود مالک زمین کی سستی یا کسی غلطی کی بنا پر آباد نہ ہو سکی اور مالک کو اس سے کوئی پیداوار نہ حاصل ہو سکی تو اس پر عشر واجب نہ ہوگا، یا پیداوار ہوئی مگر اس کو سمیٹنے سے قبل ہی کسی آفت سماوی یا ارضی کی بنا پر وہ تباہ ہو گئی تو اس سے عشر ساقط ہو جائے گا، جب کہ خراج کے بارے میں تفصیل ہے کہ خراج کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) خراج موظف (۲) خراج مقاسمہ

خراج موظف وہ خراج ہے جو سالانہ ٹیکس کے طور پر کوئی نقد مقرر ہو خواہ پیداوار ہو یا نہ ہو ——— اور خراج مقاسمہ یہ ہے کہ پیداوار کی مخصوص شرح حکومت کو مطلوب ہو جو عام حالات میں خمس (پانچویں حصہ) سے کم نہیں اور نصف سے زیادہ نہیں ہوتی۔

ان دونوں قسموں میں سے خراج موظف کا تعلق واقعی پیداوار سے نہیں ہوتا بلکہ زمین کی صلاحیت وقابلیت سے ہوتا ہے خواہ زمین آباد ہو سکے یا نہ ہو سکے یہ خراج بہر صورت ادا کرنا ہوگا اگر مالک زمین کسی غفلت وکوتاہی کی بنا پر زمین

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۵۷ وتحفۃ الفقہاء ۱/۳۲۲ (۲) احکام القرآن للجصاص ۳/۱۰

قابلِ کاشت ہونے کے باوجود آباد نہ کر سکا تو بھی اس پر خراج لازم رہے گا الا یہ کہ کسی آفتِ سماوی یا ارضی یا عذرِ شدید کی بنا پر ایسا ہو تو اس کا خراج معاف ہو جائے گا۔ (۱)

البتہ خراجِ مقاسمہ جو ایک طرح سے حکومت کے ساتھ بٹائی کا معاملہ ہے اس کا تعلق نفسِ پیداوار سے ہے۔ اگر کسی بنا پر زمین سے پیداوار نہ ہو سکی تو خراج معاف ہو جائے گا۔ (۲)

اس خراج میں ایک بات یہ بھی ہے کہ ہر فصل کے وقت یہ خراج ادا کرنا پڑے گا خواہ سال میں تین بار ہو، جب کہ خراجِ موظف سال میں صرف ایک بار ادا کرنا پڑتا ہے خواہ سال میں کتنی ہی بار فصل ہوتی ہو۔ (۳)

۴ ـــ عشر و خراج کے مابین ایک فرق اس لحاظ سے بھی ہے کہ عشر میں مالکِ زمین یا کاشت کار کی محنتوں کے لحاظ سے تفاوت ہوتا ہے اگر مالکِ زمین کو پانی خرید کر یا اخراجات ادا کر کے لانا پڑا اور اس کاشت میں کافی محنت و مشقت اور مصارف برداشت کرنے پڑے تو بیسواں حصہ واجب ہوگا۔[۴] جب کہ خراجی زمینوں میں اس قسم کی کوئی تفصیل نہیں ہے۔

۵ ـــ عشر و خراج میں پانی کی نوعیت سے بھی فرق پڑتا ہے اگر زمین بارش کے پانی، کنوؤں، قدرتی چشموں یا دریاؤں اور نہروں (جو قدرتی طور پر جاری ہیں نہ کہ ان کے جاری کرنے میں کسی کا دخل رہا ہو اور نہ وہ کسی کی ملک ہوں مثلاً عراق میں دجلہ و فرات، مصر میں نیل، خراسان میں جیحون و سیحون اور ہندوستان میں گنگا و جمنا وغیرہ) سے سیراب کی گئی ہو اور کل یا غالب حصہ اسی قسم کے پانی کا لگا ہو تو اس زمین کی پیداوار پر عشر واجب ہوگا، لیکن اگر زمین کو ان نہروں، نہروں اور دریاؤں سے سیراب کیا گیا جن کو کسی نے کھود کر جاری کیا ہو یا کسی کی ملکیت میں ہو وہ زمین اگرچہ مسلمان کی ملکیت میں ہو مگر خراجی سمجھی جائے گی اور اس پر خراج ہی لازم ہوگا۔ (۳)

۶ ـــ عشر و خراج کے درمیان زمین کے لحاظ سے بھی فرق پڑے گا دونوں کے لیے کچھ مخصوص نوعیت کی زمینیں ہیں جس زمین میں عشر واجب ہوگا اس میں خراج واجب نہیں ہو سکتا اور جس میں خراج واجب ہوگا اس میں عشر نہیں۔

عشری زمین

(۱) جزیرۃ العرب کی ساری زمین عشری ہے۔[۵]

---

(۱) رد المحتار [illegible]، تحفۃ الفقہاء [illegible]، بدائع الصنائع [illegible] (۲) شامی [illegible] (۳) تحفۃ الفقہاء [illegible]، رد المحتار [illegible]

(۴) تحفۃ الفقہاء [illegible]، بدائع الصنائع [illegible]، شامی [illegible] (۵) تحفۃ الفقہاء [illegible]

تقویم البلدان میں لکھا ہے کہ جزیرۃ العرب میں پانچ علاقے شامل ہیں

تہامہ ۔ نجد ۔ حجاز ۔ عروض ۔ یمن

حجاز کی جنوبی جانب کا نام تہامہ ہے اور حجاز و عراق کے درمیانی حصہ کا نام نجد ہے اور حجاز وہ پہاڑی سلسلہ ہے جو یمن سے شروع ہو کر حدود شام تک پہنچتا ہے اسی میں مدینہ طیبہ اور شام کا ساحل عمان شامل ہے۔ اور عروض یمامہ سے بحرین تک ہے۔ یمن میں عدن بھی داخل ہے (۱)

۲ — اسی طرح وہ زمین بھی عشری ہے جس کے باشندوں نے بخوشی اسلام قبول کر لیا ہو اور اسلامی حکومت نے ان کی زمینات کو انہی کی ملکیت میں بدستور رہنے دیا جیسے مدینہ۔ علاوہ ازیں بحرین یا کوئی بھی ایسا ملک جس کے باشندوں نے بخوشی اسلام قبول کر لیا ہو مکہ بھی اسی ذیل میں آتا ہے اگرچہ وہ معمولی جنگ کے بعد فتح ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے از راہ احسان مکہ والوں کی زمین کو بھی عشری قرار دیا۔ (۲)

۳ — وہ زمینیں بھی عشری ہیں جن کو بزور شمشیر فتح کر کے خمس نکالنے کے بعد مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا ہو چونکہ یہ زمینیں ابتداءً مسلمانوں کی ملکیت میں آئیں اس لیے ان پر عشر کا وظیفہ عائد کرنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ (۳)

۴ — اسی طرح وہ ناوارث اور غیر آباد زمینیں جو حکومت نے کسی مسلمان کو بطور جاگیر مالکانہ حقوق کے ساتھ دے دی ہو تو یہ زمینیں بھی عشری ہوں گی (۴)

۵ — وہ زمینیں جو ناقابل زراعت تھیں اور ان کا کوئی مالک نہ تھا ان کو کسی مسلمان نے حکومت کی اجازت سے آباد کیا تو امام محمد رح کے اصول کے مطابق اگر عشری پانی سے سیراب کی گئی ہوں تو عشری ہوں گی اور خراجی پانی سے کی گئی ہوں تو خراجی ہوں گی۔ اور امام ابو یوسف رح کے اصول کے مطابق اگر زمین کے آس پاس عشری زمینیں ہوں تو وہ زمین بھی عشری ہوں گی اور اگر خراجی ہوں تو خراجی ہوگی اور اگر آس پاس دونوں زمینیں ہوں تو وہ زمین عشری تصور ہوگی۔ (۵)

خراجی زمینیں

۱ — یہ وہ زمین خراجی ہے جس کو بزور فتح کیا گیا ہو اور اس کے مالک کا قبضہ برقرار رکھا گیا ہو

---

(۱) تقویم البلدان ص ۹۶ (۲) جواہر المصنفہ ج ۱ ص ۲۹۶ مؤطا امام محمد باب العشر والخراج (۳) تحفۃ الفقہاء ج ۱ ص ۴۹۶ کتاب الاموال لابی عبید (۴) تحفۃ الفقہاء ج ۱ ص ۴۹۴، کتاب الخراج لابی یوسف (۵) رد المحتار ج ۲ ص ۲۴۳

بشرطیکہ اس قسم کی زمینوں کے مالکین ملک کے فتح ہوتے ہی مسلمان نہ ہو گئے ہوں۔ خراج کے مقرر ہو جانے کے بعد اگر وہ مسلمان بھی ہو جائیں تو بھی خراج ساقط نہ ہوگا، مثلاً عراق، اہواز، فارس، اصبہان، رے اور شام کے علاقے۔

(۲) اسی طرح وہ زمینیں بھی جن کے باشندوں کو جلاوطن کر دیا گیا ہو اور وہ دوسرے مالکین کے حوالے کر دی گئی ہوں۔

(۳) اسی طرح اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا تو صلح نامے میں جو شرائط ہوں گی ان کا پاس و لحاظ کرنا لازمی ہوگا اگر صلح میں یہ طے ہوا کہ ملک کی زمینیں ان کے مالکین کے قبضے میں بدستور رہیں گی اور اسلامی حکومت ان کو ضبط نہیں کرے گی تو ان زمینوں پر خراج متعین کر دیا جائے گا اور وہ زمینیں خراجی قرار پائیں گی مثلاً عہد نبوی کی مفتوحات میں نجران، ایلہ، دومۃ الجندل، فدک وغیرہ اور بعد کی فتوحات میں آرمینیا کے بعض علاقے اور خراسان کا اکثر حصہ وغیرہ۔ (۱)

(۴) وہ زمین بھی خراجی ہوگی جو غیر آباد تھی اور کسی مسلمان نے اس کو خراجی پانی کے ذریعے آباد کیا۔

(۵) اسی طرح وہ غیر آباد زمینیں بھی خراجی ہیں، جن کو کسی غیر مسلم شہری نے حکومت کی اجازت سے آباد کیا ہو یا کسی غیر مسلم کو مسلمانوں کی طرف سے جنگ میں اچھی کارکردگی کے صلے میں حکومت نے دی ہوں تو یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔ (۲)

(۶) وہ زمین جس پر کسی غیر مسلم کا رہائشی مکان تھا مگر اس نے اس کو توڑ کر باغ میں تبدیل کر دیا تو یہ زمین بھی خراجی ہوگی۔

(۷) اور اگر کسی عشری زمین کو کسی غیر مسلم نے مسلمان سے خریدی تو یہ زمین عشری نہیں رہے گی بلکہ خراجی ہو جائے گی۔ (۳)

خراج کی مقدار اور نوعیت

خراج کی دو قسمیں ہیں: خراجِ موظف اور خراجِ مقاسمہ

(۱) خراجِ مقاسمہ کے بارے میں گذر چکا ہے کہ یہ بٹائی کی ایک قسم ہے کہ حکومت اسلامیہ غیر مسلموں کی زمینیں انہی کی ملکیت میں چھوڑ دے اور ان پر کل پیداوار کا ایک مخصوص حصہ مثلاً چوتھائی، تہائی یا نصف وغیرہ مقرر کر دے خراج کی یہی وہ شکل ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ اختیار فرمائی تھی۔ اس خراج کا حکم

---

(۱) کتاب الاموال ۵۱۳ و کتاب الخراج لابی یوسف/ ۶۹ (۲) تحفۃ الفقہاء ۳۹۲، ۳۹۳

(۳) تحفۃ الفقہاء ۳۹۵

کل فی جریب (سواد دیگر غلہ) پون بیگھہ نیز ۸ درہم

ترکاری ۳

اور عمدہ پیداوار اور عمدہ زمینوں کے اعتبار سے کسی کسی جگہ گیہوں پر فی جریب چار درہم اور جو پر دو درہم خراج مقرر ہوا اس شرح سے حضرت فاروق اعظم کے زمانے میں عراق کا خراج آٹھ کروڑ ساٹھ لاکھ درہم تھا۔

مصر کی حالت پیداوار نیل کے سبب سے چوں کہ بہت عمدہ رہتی تھی اس لیے وہاں کے لگان کی شرح اس سے زیادہ مقرر کی گئی تھی مگر اس اصول کے ساتھ کہ لگان کم سے کم ہو نہ زیادہ سے زیادہ نہ ہو اور چوں کہ نیل کی طغیانی اور غیر طغیانی سے سالانہ پیداوار میں فرق پڑتا تھا اس لیے ہر سال جب ادائے گی قسط کا وقت آتا تھا تو مقامی زمیندار، مکھیا، کاشت کار اور ماہرین تخمینہ کو جمع کر کے سب کے مشورے سے تخمینہ کرایا جاتا تھا۔ (۱)

ترکاری کے بارے میں صاحب ہدایہ کی تصریح یہ ہے کہ فی جریب پانچ درہم خراج حضرت عمرؓ نے مقرر فرمایا تھا۔[۲] اسی کو ہمارے اکابر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور مفتی رشید احمد صاحب پاکستان نے بھی اختیار کیا ہے۔[۳]

علامہ سمرقندی کی بھی یہی تحقیق ہے۔ (۴)

ان کے سوا دوسرے پھلوں کے باغات اور دوسری قابل کاشت چیزیں جن کا خراج حضرت عمرؓ نے مقرر نہیں فرمایا ان کے متعلق فقہائے کرام کا فیصلہ یہ ہے کہ زمین کی برداشت کے مطابق خراج لگایا جائے گا جو خمس سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو اور اندازہ لگانے کے بعد تجربے سے ثابت ہو کہ پیداوار اتنی نہیں ہے تو اس کے مناسب کمی کر دی جائے۔ (۵)

اور اگر اندازہ لگانے کے بعد تجربے سے ثابت ہو کہ پیداوار کی شرح اندازے سے کہیں زیادہ ہے تو مقررہ خراج میں اضافہ کیا جائے گا یا نہیں؟ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے مناسب اضافہ کر دیا جائے گا اور امام ابو یوسفؒ کا مسلک یہ ہے کہ اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ (۶)

بحر الرائق کے حوالے سے پیچھے حضرت عمرؓ کا معمول اور امام ابو حنیفہؒ کا مسلک یہ نقل کیا جا چکا ہے کہ اندازہ سے بڑھ جانے کی صورت میں خراج موظف کی مقدار میں اضافہ نہیں کیا جائے گا، حضرت عمرؓ کے زمانے میں خراجی زمینوں کی شرح پیداوار اندازے سے کافی بڑھ گئی تھی مگر پھر بھی حضرت عمرؓ نے اس میں اضافہ نہ فرمایا۔ (۷)

(۱) اسلام کا اقتصادی نظام مولانا حفظ الرحمن صاحب بحوالہ کتاب الخراج ص ۳۰-۲۳ (۲) هدایہ ج ۲ ص ۵۹۳ (۳) جواہر الفقہ ج ۲ ص ...

(۳) احسن الفتاوی ج ۶ ص ۳۴۲ (۴) تحفۃ الفقہاء ج ۱ ص ۴۹۹ (۵) هدایہ باب العشر والخراج کتاب السیر

(۶) تحفۃ الفقہاء ج ۱ ص ۵۰۱ (۷) بحر الرائق ج ۵ / ۱۱۶

کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان میں سے بہت کم سوالات ہیں جن کے جوابات ہم معلوم کر سکے ہیں۔ علمائے کرام نے بہت کم اس موضوع پر رسالے لکھے ہیں اور جن حضرات نے لکھے بھی ہیں تو پورے ہندوستان کے حالات پر نہیں بلکہ کسی خاص خطے کے حالات پر لکھے ہیں۔ جو کتابیں یا مقالات دیکھنے یا سننے میں آئیں وہ سب زیادہ سے زیادہ اراضی ہند کے حالات سے بحث کرتے ہیں جن کی حدود میں سندھ کے علاوہ ملتان، بہاولپور اور پنجاب شامل تھے بلکہ صوبہ گجرات اور راجپوتانہ کو بھی محمد بن قاسم کی فتوحات میں داخل سندھ اور اس کا جز قرار دیا گیا تھا۔ ان کے علاوہ باقی ہندوستان جو بعد کے ادوار میں فتح ہوا ان کے حالات کے بارے میں کوئی روشنی نہیں ملتی۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی کتاب "اسلام کا نظام اراضی" کے چھٹے باب میں ہند و پاک کی زمینوں پر بحث کرتے ہوئے مولانا ہمایونی رحمہ اللہ کے ایک قلمی رسالہ "سراج البصیر فی تحقیق خراج السندھ" کا حوالہ دیا ہے اور جا بجا اس کے اقتباسات بھی نوٹ کیے ہیں۔

محقق ہمایونی کے بارے میں تاریخی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے کہ وہ کون تھے؟ کیا تھے؟ زیادہ سے زیادہ ان کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا زمانہ حضرت مخدوم ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کا ہے۔

محقق ہمایونی نے اپنی کتاب میں جن کتابوں سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) مخدوم عبدالواحد سیوستانی رحمہ اللہ کی کتاب "بیاض واحدی"
(۲) شیخ ابوالحسن سندھی کی کتاب "رفع الغریۃ"
(۳) مخدوم محمد عارف کی ایک بیاض
(۴) مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کی کتاب "اتحاف الاکابر"

ان علماء میں شیخ ابوالحسن سندھی کو ابوالحسن ڈہری بھی کہا جاتا ہے اس لیے کہ راجہ داہر کی نسل سے ہیں۔ راجہ داہر قدیم ہندوستان کا حکمران تھا، محمد بن قاسم کے مقابلے میں اس کو شکست ہوئی، بعد میں راجہ داہر کا بیٹا جیسیہ مسلمان ہو گیا تھا سنا گیا ہے کہ ابھی تک سندھ میں ایک قوم "ڈہری" کے نام سے موسوم ہے، جس کو لوگ عموماً ڈیری کہنے لگے ہیں، ممکن ہے کہ شیخ ابوالحسن سندھی اور یہ ڈیری قوم جیسیہ کی اولاد ہوں۔ [۱]

محقق ہمایونی کے اس رسالہ کی بنا پر سندھ کے بارے میں صورت حال کافی واضح ہو گئی ہے اور علماء نے

---

(۱) جواہر الفقہ ۲/۴۵۰

اس کی روشنی میں بہت حد تک یقین کے ساتھ اراضی سندھ کے متعلق کلام کیا جا سکتا ہے اگر ہندوستان متحد ہوتا اور تقسیم نہ ہوا ہوتی تو صرف ایک انداز سے بحث کی جا سکتی تھی مگر تقسیم کے بعد مسلم اور غیر مسلم ملکوں (پاکستان اور ہندوستان) میں بٹ جانے کی بنا پر بہت سی نئی شکلیں پیدا ہو گئی ہیں۔

اراضی پاکستان

۱۔ تقسیم کے بعد غیر مسلموں کی متروکہ زمینیں جو حکومت پاکستان کے درمیان تبادلہ اراضی کا معاہدہ ہوا تھا مگر جلد ہی ٹوٹ گیا اور یہ تمام زمینیں حکومت کے بیت المال کی ملک میں آ گئیں پھر جب پاکستان نے وہ زمینیں مسلمانوں کے حوالے کیں تو ابتداءً مسلمانوں پر عشر ہی واجب ہوتا ہے اس لیے وہ زمینیں عشری قرار پائیں گی۔

۲۔ غیر مسلموں کی متروکہ غیر آباد اراضی جو حکومت پاکستان نے کسی مسلمان کو عاریت یا اجارہ یا مزارعت کے طور پر دی ہوں نہ عشری ہیں نہ خراجی۔ اس لیے کہ یہ اراضی سلطانیہ میں داخل ہیں جیسا کہ شامی کی اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے۔

وھذا نوع ثالث بمعنی لا عشریة ولا خراجیة من الاراضی تسمی ارض المملکة واراضی الحوز وھو ما مات اربابه بلا وارث وآل لبیت المال او فتح عنوة وابقی للمسلمین الی یوم القیامة ...

اور حکومت جو کچھ لگان ان زمینوں پر وصول کرتی ہے وہ اجرت الارض ہے عشر و خراج نہیں۔ (۱)

۳۔ اسی طرح وہ اراضی جو پاکستان بننے سے پہلے غیر آباد تھیں کسی شخص کی ملکیت میں داخل نہیں تھیں پھر اگر مرکزی حکومت نے آب رسانی کے وسائل مہیا کر کے وہ زمینیں قیمتاً یا بلا قیمت مسلمانوں کے درمیان مالکانہ طور پر تقسیم کر دیں تو وہ عشری ہیں اور جو غیر مسلموں کو دی گئیں وہ خراجی ہیں۔

۴۔ اسی طرح جو غیر آباد زمینیں حکومت پاکستان نے اپنے قیام کے بعد مسلمانوں کو بہ قیمت یا بلا قیمت مالکانہ طور پر دیں وہ بھی عشری ہیں بشرطیکہ امام ابو یوسف رح کے اصول کے مطابق آس پاس کی زمینیں بھی عشری ہوں یا عشری و خراجی دونوں طرح کی زمینیں ہوں اور اگر قرب و جوار میں سب خراجی زمینیں ہوں تو یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔

۱۔ [illegible]

اور امام محمد رح کے اصول کے مطابق ان غیر آباد زمینوں کو اگر عشری پانی سے سیراب کیا گیا ہو تو یہ عشری ہوں گی اور اگر خراجی پانی سے سینچا گیا ہو تو خراجی ہوں گی۔

علامہ شامی رح نے امام ابو یوسف رح کے قول کے بارے میں کہا کہ

وبالاول یفتی درمنتقی (۱) ——— اور فتویٰ پہلے قول پر ہے۔

۵ ——— ان اراضی کے علاوہ پاکستان کی وہ زمینیں جو غیر مسلموں کی ملکیت میں ہیں وہ بلاشبہ خراجی ہیں۔

اراضی ھند

۱ ——— تقسیم کے بعد مسلمانوں کی متروکہ زمینیں حکومت ہند نے عموماً ان غیر مسلموں میں تقسیم کر دی تھیں جو پاکستان چھوڑ کر ہندوستان آئے تھے یہ زمینیں کافر کی ملکیت میں جانے کی بنا پر خراجی ہیں۔

۲ ——— اسی طرح وہ زمینیں جو حکومت ھند نے مسلمانوں میں تقسیم کیں وہ بھی خراجی ہیں اس لیے کہ حکومت کا زور کا استیلاء ان پر بہرحال ثابت ہوا اور اس کی وجہ سے اگر کوئی زمین عشری بھی ہوتی تو خراجی بن جاتی۔

ہندوستان اور پاکستان کی یہ زمینیں جن کا ذکر ابھی کیا گیا ان کے احکام کے بارے میں کوئی کلام نہیں ہے محل کلام ان کے علاوہ وہ زمینیں ہیں جو تقسیم کے قبل سے ہی مسلمانوں کی ملک میں ہیں اور نسلاً بعد نسل وہ مسلمانوں ہی کی ملک میں چلی آ رہی ہیں ان کے عشری و خراجی ہونے کا مدار اس تحقیق پر ہے کہ ہندوستان کی اولین فتوحات کے وقت وہ کس کی ملک میں تھیں، اگر وہ کسی مسلمان کو مالکانہ طور پر دی گئیں یا مالک زمین فتح کے وقت ہی بخوشی مسلمان ہو گیا تو وہ عشری ہوں گی اور اگر وہ ہندو مالک کے قبضہ و ملک ہی میں رہیں اور ان پر خراج عائد کیا گیا پھر اس سے مسلمانوں نے خریدا یا کسی جائز صورت سے حاصل کیا تو وہ خراجی ہوں گی، یا یہ صورت ہوئی کہ اول فتح کے وقت یہ غیر آباد اور کسی کی ملک میں نہ تھیں کسی مسلمان نے حکومت کی اجازت سے ان کو آباد کیا اور عشری پانی سے سیراب کیا تو یہ زمینیں عشری ہوں گی اور خراجی پانی سے سیراب کیا تو خراجی ہوں گی یا ایسا ہوا ہوگا کہ یہ زمینیں غیر آباد رہی ہوں گی اول فتح کے بعد کسی غیر مسلم نے ان کو حکومت کی اجازت سے آباد کیا ہو اور پھر مسلمان نے ان کو خرید کر یا کسی جائز صورت سے ان کو حاصل کر لیا ہو تو یہ خراجی ہوں گی۔

---

(۱) رد المحتار جلد ۲

مخدوم محمد عارف کی بیاض کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ

الظاهر ان ارض السند والهند خراجية وخراجها الخمس كما حققه الشيخ المحقق الدهري في رسالته المسماة برفع الغرية ونقل فيها من جامع الفتاوى الناصري ان ارضنا عشرية ولكن ضعف هذا النقل۔ (۱)

ظاہر ہے کہ ہند و سندھ کی زمینیں خراجی ہیں اور ان کا خراج پیداوار کا پانچواں حصہ ہے جیسا کہ محقق دہری (الشیخ ابوالحسن سندھی) نے اپنے رسالہ "رفع الغریۃ" میں ذکر کیا ہے اور اسی رسالہ میں جامع الفتاوی الناصری کے حوالے سے یہ نقل کیا ہے کہ ہماری زمینیں (یعنی سندھ کی) عشری ہیں، لیکن مصنف رسالہ نے اس نقل کو ضعیف قرار دیا ہے۔

خواجہ مخدوم عارف کی اس عبارت میں بھی مدار تحقیق شیخ ابوالحسن سندھی ہی ہیں، اس عبارت میں خواجہ ابوالحسن کی تحقیق صراحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ ہندوستان کی زمینیں خراجی ہیں، مگر ہند سے مراد یہاں ہندوستان کے صرف وہ علاقے ہیں جو محمد بن قاسم کی فتوحات کے وقت سندھ میں شامل تھے، البتہ شیخ ابوالحسن نے جامع الفتاوی الناصری کے بیان پر جو تنقید کی ہے وہ محل کلام ہے، صاحب فتاوی ناصری نے اپنے علاقے کے بارے میں خبر دی ہے کہ ہمارے علاقے کی زمینیں عشری ہیں اس کو ضعیف قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے کیوں کہ شیخ ابوالحسن کو جب خود تسلیم ہے کہ سندھ کا پورا علاقہ خراجی نہیں ہے بلکہ بعض علاقوں کے لوگ اول فتح کے وقت ہی مسلمان ہو گئے تھے، مثلاً خود انھوں نے مروم چہ کا حوالہ دیا ہے کہ وہاں کے لوگوں نے اول فتح کے دن ہی اسلام قبول کر لیا تھا ——— اسی طرح مورخ بلاذری نے راجہ داہر کے پایہ تخت "برہمن آباد" کے متعلق بھی کچھ اس قسم کے حالات لکھے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے اکثر لوگ بھی فتح کے وقت مسلمان ہو گئے تھے، اسی طرح بلاذری نے تاریخی حوالوں کی روشنی میں یہ بھی لکھا ہے کہ سندھ کے بعض علاقے مجاہدین کو جاگیر کے طور پر دیے گئے تھے اور ان کا ظاہر ہے ان کا قبضہ ان اراضی پر کرا دیا گیا تھا۔(۲)

اس کے ساتھ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ولید بن عبدالملک کے آخری عہد میں جب اسلامی حکومت کی گرفت سندھ پر ڈھیلی پڑی تو راجہ داہر کے بیٹے جیسیہ نے بغاوت کر کے برہمن آباد پر قبضہ کر لیا اور خود مختار بادشاہ بن گیا اس کو دیکھ کر سندھ کی دوسری متعدد ریاستوں کے راجا بھی باغی ہو کر خود مختار بن گئے، یعنی سندھ کے یہ علاقے ایک بار پھر دارالحرب بن گئے، جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا دور آیا تو انھوں نے ان راجاؤں کے نام

(۱) جواہر الفقہ ۲/۲۴۳۔ ۲۵۵ (۲) فتوح البلدان للبلاذری ص ۴۳۷ بحوالہ احسن الفتاوی ج ۶ ص ۳۱۴

خطوط لکھے جس میں اول ان کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی پھر اطاعت کی۔ راجہ داہر کا بیٹا اس غائبانہ دعوت سے اتنا متاثر ہوا کہ مسلمان ہو گیا۔ دوسرے راجاؤں نے بھی اسلام قبول کر لیا اس طرح سندھ کے یہ علاقے دوبارہ اسلامی حکومت کے زیر نگیں اس شان سے آئے کہ ان کے باشندے مسلمان تھے اور ان کی تمام زمینیں ان کی ملکیت میں تھیں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انہی نومسلم راجاؤں کو ان ریاستوں کا گورنر مقرر کیا اور ان کی زمینیں ان کی ملکیت میں برقرار رکھیں اس صورت میں ظاہر ہے کہ ان مسلمانوں کی زمینوں پر خراج عائد نہیں کیا جا سکتا تھا، قاعدہ کے مطابق یہ زمینیں عشری ہی ہوں گی۔ (۱)

اس کے علاوہ اسلامی فتوحات کے بعد بہت سے نئے شہر اور نئی بستیاں بسائی گئیں ان کی زمینوں کے مالک ابتداءً مسلمان ہی ہوئے جنھوں نے حکومت کی اجازت سے ان کو آباد کیا اور بہت سی زمینیں عشری پانی سے سیراب کی گئیں تو یہ زمینیں بھی قاعدے کی رو سے عشری قرار پائیں گی۔

اس تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ خود سندھ کا بھی ایک بڑا علاقہ عشری ہے ——— اس لیے سندھ کی صرف انھیں زمینوں پر خراج عاید کیا جا سکتا ہے جن کے بارے میں یقین یا گمان غالب کے ساتھ معلوم ہو کہ یہ فتح اول کے وقت غیر مسلموں کے ملک میں رہیں اور بعد میں ہونے والی بغاوت میں وہاں کے لوگ شریک نہیں ہوئے تھے اور اس طرح اسلامی حکومت کی تشکیل کے وقت وہ مسلمان نہیں تھے ——— لیکن جن علاقوں کے بارے میں معلوم ہو کہ یہاں کے لوگ فتح اول کے وقت ہی مسلمان ہو گئے یا بعد میں ہونے والی بغاوت میں شرکت کے بعد اسلام لے آئے تھے ان کو عشری ہی کہنا ہوگا، جب تک کہ اس کا ثبوت نہ مل جائے کہ درمیان میں ان زمینوں کے کسی حصے کو کسی غیر مسلم نے خرید لیا تھا اس کے بعد مسلمان کے پاس آیا۔

اسی طرح سندھ یا ہند و پاک کی بقیہ وہ تمام آراضی جو بعد کے ادوار میں مفتوح ہوئیں اور جن کی تفصیلات معلوم نہیں ہیں اور وہ نسلاً بعد نسلٍ مسلمانوں ہی کے قبضے میں چلی آ رہی ہیں اور درمیان میں کسی غیر مسلم کی ملکیت کا ثبوت نہیں ہے تو ان کو استصحاب حال کی بنا پر عشری ہی قرار دیا جائے گا اور یہی سمجھا جائے گا کہ یہ زمینیں اول فتح کے وقت ہی سے مسلمانوں کے قبضے میں چلی آ رہی ہیں۔

حضرت شاہ جلال تھانیسری رح نے اپنی کتاب "احکام الاراضی" میں یہی ثابت کیا ہے کہ آج جو زمینیں مسلمانوں

---

(۱) تاریخ الکامل لابن اثیر ج۵ ۲۲۳

کے پاس ہیں وہ عشری ہیں اور ان کے عشری ہونے کو محض اس بنا پر مشتبہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہندوستان کی زمینوں کے ابتدائی مالکان غیر مسلم تھے پھر مسلمان ان کے ابتدائی مالک کیسے بن گئے؟ ——— اس لیے کہ اس مقام پر بہت سے احتمالات ہیں وہیں یہ احتمال بھی ہے کہ یہ زمینیں غیر آباد یا لاوارث ہو کر اسلامی حکومت کے بیت المال کی ملکیت میں چلی گئی ہوں پھر حکومت اسلامیہ نے کسی مسلمان کو از خود یا فرمائش کی بنا پر یہ زمینیں جاگیر کے طور پر یا قیمت کے ساتھ دے دی ہوں اور اس طرح ان کا پہلا مالک مسلمان بنا ہو۔ [1]

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا صرف پاکستان کی اس قسم کی اراضی کے بارے میں یہی خیال ہے۔ حضرت تھانوی رح نے بھی امداد الفتاویٰ میں ہندوپاک کی ان تمام زمینوں کو عشری قرار دیا ہے جو نسلاً بعد نسل مسلمانوں کے پاس چلی آرہی ہیں اور دلیل وہی استصحاب حال ہے [2] ——— یوں امداد الفتاویٰ میں حضرت کے مختلف الجواب فتاویٰ منقول ہیں مگر حضرت کا رجحان عشری ہونے کی طرف ہے۔

مفتی رشید احمد پاکستانی نے بھی احسن الفتاویٰ میں اسی قسم کی بات لکھی ہے اور حضرت تھانوی رح کے موقف کی تائید کی ہے۔ [3]

حقیقت واقعی

لیکن اگر ہم کتب تاریخ کی صراحت پر نظر رکھیں کہ محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد ہندوستان کے دوسرے علاقے جن کی فتوحات غزنوی عہد اور غوری حکومت سے شروع ہو کر علاء الدین خلجی تک تمام ہوئیں ان تمام علاقوں کی زمینیں عموماً ان کے ہندو مالکان ہی کی ملک اور قبضہ میں باقی رکھی گئیں اور ان پر خراج عائد کیا گیا تھا جیسا کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی کتاب "اسلام کا نظام اراضی" کے باب دوم میں تاریخی حوالوں سے ثابت کیا ہے۔

اگر یہ تحقیق درست ہے تو ہندوستان کی بقیہ اراضی کے بارے میں کم از کم اتنی بات ماننی پڑتی ہے کہ ان کے اولین مالکین غیر مسلم ہی تھے اور بعد کے ادوار میں اسلامی تبلیغ کے زیر اثر وہ خود ہی مسلمان ہوئے جیسا کہ حضرت خواجہ اجمیری رح کے بارے میں مشہور ہے یا یہ کہ ان غیر مسلموں سے مسلمانوں نے خرید لیا یا کسی جائز صورت سے حاصل کیا، اس لحاظ سے ہندوستان کی اراضی عموماً خراجی ہیں۔

---

(۱) جواہر الفقہ ۲/ ۲۵۹ (۲) امداد الفتاویٰ ۲/ ۶۴ (۳) احسن الفتاویٰ ۴/ ۳۰۸

یہ امکان ضرور ہے کہ بعض علاقوں کی اراضی مسلمان مجاہدین کو اولین فاتحین نے بطور عطاء و جاگیر یا بہ قیمت دیے ہوں اور یہ بھی امکان ہے کہ ان اراضی کے اولین مالکین گرچہ غیر مسلم تھے مگر ہو سکتا ہے کہ بعد کے ادوار میں یہ لاوارث اور غیر آباد ہو گئی ہوں اور حکومت کی تحویل و ملک میں جانے کے بعد مسلمانوں کو عطا کے طور پر یا قیمت کے ساتھ دے دی گئی ہوں ـــــــ مگر جب تک ان امکانات کے لیے کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا یا ان امکانات کو واقعہ کا درجہ دے کر ان اراضی کو عشری قرار دینا مشکل ہے۔ یہ امکانات محض احتمالات ہیں ان احتمالات کی بنا پر تاریخ کے معلوم حقائق کو رد کر دینا مناسب نہیں ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی اراضی کو بالعموم خراجی قرار دیا جائے گجرات، راجپوتانہ اور پنجاب کے علاقے محمد بن قاسم ہی کے عہد میں فتح ہوئے تھے اور شیخ ابوالحسن سندھی کی تحقیق کے مطابق محمد بن قاسم نے اپنی مفتوحہ اراضی پر حسب راج (خمس) مقرر کیا تھا اس کے بعد اگرچہ جیسیہ کی بغاوت کے نتیجے میں سندھ کی کئی ریاستوں کے حکمرانوں نے بغاوت کی مگر تاریخ سے یقین کے ساتھ معلوم نہیں ہوتا کہ گجرات اور پنجاب بھی اس میں شامل تھے یا نہیں؟ بہرحال اس کا ذکر فتوح البلدان میں موجود نہیں ہے کہ کس حد تک علاقے کو عشری قرار دیا جا سکتا ہے مگر ابن جریر نے جن دیگر ریاستوں کا ذکر کیا ہے ان میں گجرات اور پنجاب کا نام کوئی یقینی نہیں ہے اس لیے یہ علاقے بھی ہندوستان کی دیگر ریاستوں کی طرح خراجی ہوں گی ـــ بہار میں اور بھنگو مدھوبنی، بستی پور، بھنگڑیا اور بیگو سرائے کے علاقوں کے بارے میں یقین کے ساتھ معلوم ہے کہ وہ دربھنگہ مہاراجہ کی جاگیر تھے اور ان علاقوں کے تمام کاشت کار اس کی رعایا سمجھے جاتے تھے مہاراجہ کے انتقال یا زمینداری کی تنسیخ کے بعد لوگوں نے اپنے طور پر ان زمینوں پر قبضہ کر لیا اور ان کو آباد کرتے رہے اس لیے اس پورے علاقے کی زمینیں بلاشبہ خراجی ہیں۔

ہندوستان کی اراضی کے بارے میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کا آخری فیصلہ یہی ہے۔[1]

ہندوستانی اراضی میں خراج کی شرح

حضرت مجدد [illegible] کے بعد کہ ہندوستان کی اراضی عموماً خراجی ہیں یہ سوال اٹھتا ہے کہ خراج کی کون سی قسم ان اراضی پر نافذ ہوگی؟ خراج مقاسمہ یا خراج موظف؟

---

[1] [illegible]

اس کے جواب کے لیے بھی ہمیں تاریخ کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ بھایونی کی کتاب "مراج الہند" سے نقل کیا جا چکا ہے کہ سندھ کی آراضی پر محمد بن قاسم نے خراج مقاسمہ یعنی پیداوار کا ۲/۵ مقرر کیا تھا اس لیے جب تک اراضی خراجی ہیں ان پر خمس ہی واجب رہے گا۔ بعد کے حکمرانوں کو اس وظیفے کے بدلنے کا اختیار نہیں ہوگا جیسا کہ فقہاء کی صراحت شروع میں ہم نقل کر چکے ہیں ـــــ البتہ سندھ کے کسی علاقے کے بارے میں خراج کی کسی صورت کا ثبوت مل جائے تو پھر اسی صورت کا حکم لگے گا۔

سندھ کے علاوہ ہندوستان کی بقیہ تمام آراضی کے بارے میں اتنا تو معلوم ہے کہ اولین فاتحین نے ان کو سابق مالکین ہندو کی ملکیت میں برقرار رکھ کر ان پر خراج عائد کیا تھا مگر اس کی وضاحت نہیں ملتی کہ ان پر کس قسم کا خراج مقرر کیا تھا۔

البتہ نزہۃ الخواطر اور آئینہ حقیقت نما وغیرہ میں علاء الدین خلجی کے عہد کی اصلاحات و تبدیلیوں کے ذیل میں دو اہم تبدیلیوں کا ذکر ملتا ہے۔

(۱) ایک یہ کہ پہلے سے جو فوج کو تنخواہ بصورت جاگیر دینے کا دستور چل رہا تھا علاء الدین خلجی نے اس کو بدل کر فوج کو نقد تنخواہیں دینے کا قانون جاری کیا۔

(۲) اسی طرح ایک یہ بھی تغیر ہوا کہ مالکان آراضی پر جو خراج نقد مقرر تھا اس کے بجائے خراج مقاسمہ کا قانون جاری کیا۔

خلجی کے بعد محمد تغلق نے بھی یہی معمول جاری رکھا، فیروز تغلق کے عہد میں تنخواہوں کا طریقہ تو پھر نقد کے بجائے جاگیروں سے جاری کر دیا گیا مگر اس کی تصریح نہیں ملتی کہ اس نے خراج میں بھی کوئی تبدیلی کی یا نہیں؟[1]

اس سے کم از کم اتنا ضرور معلوم ہوتا ہے کہ علاء الدین خلجی سے قبل کی فتوحات میں جو خراج مقرر کیا گیا تھا وہ خراج نقد تھا جس کو اصطلاح میں خراج موظف کہا جاتا ہے خراج مقاسمہ نہ تھا، اس لیے اصول کے مطابق خراج موظف ہی ہندوستانی آراضی کا اصل وظیفہ ہونا چاہیے۔ علاء الدین خلجی نے جو اپنے عہد میں خراج کو بدل دیا تھا اس کا اس کو ہرگز اختیار نہیں تھا اور نہ شرعی طور پر اس کا یہ تصرف نافذ ہو سکتا تھا اس لیے شرعاً اس کا تصرف باطل ہوگا اور ہندوستانی اراضی کا خراج خراج موظف قرار پائے گا ـــــ خراج موظف سے مراد وہ تفصیلات ہیں جو حضرت عمرؓ نے

(۱) جواہر الفقہ ۲/۲۰۰

اگر ہندوستان کو دارالاسلام مانا جائے تو ظاہر ہے قسم ثالث میں داخل ہونے سے اس کی زمین مسلمانوں کے پاس ہے جب کہ کسی غیر مسلم سے حاصل ہوئی ہو عشری ہے اگر غیر دارالاسلام ہے تو اس کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی ہے۔(۱)

ظاہر ہے کہ ہندوستان ۱۳۲۳ھ میں دارالاسلام نہ تھا بلکہ غیر دارالاسلام تھا اس لیے اس کی زمین نہ عشری ہے نہ خراجی ہے۔ حضرت نے غیر دارالاسلام کی وسیع المعنی تعبیر اختیار کی ہے جس میں دارالحرب کی جملہ انواع داخل ہو جاتی ہیں ——— یہ حضرت کی ابتدائی تحقیق تھی مگر حضرت کا آخری راجح فیصلہ جو امداد الفتاویٰ میں جا بجا ملتا ہے وہ وہی ہے جو گذشتہ صفحات میں حضرت کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب ابتدا میں حضرت گنگوہی اور حضرت تھانوی کی تحقیق کے مطابق ہی فتویٰ دیتے تھے کہ ہندوستان کی زمینوں پر عشر واجب ہے۔(۲) لیکن بعد میں انھوں نے اپنے فتویٰ سے رجوع کر لیا اور پھر فتویٰ دینے لگے کہ ہندوستان کی زمینوں پر عشر و خراج کچھ نہیں ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایک مفصل فتویٰ نقل کر دیا جائے تاکہ ان کا پہلا مسلک رجوع کی داستان اور آخری موقف سب واضح ہو جائیں۔

الجواب: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ واقعی یہ ہوتا رہا، پہلے ایک زمانہ تک یہی علم رہا کہ ہندوستان کی عشری زمینوں میں عشر واجب ہے اور حضرت رحمہ اللہ کی بعض تحریرات کے موافق یہ فیصلہ کیا اور بہت جگہ فتویٰ دیا کہ مسلمانوں کی مملوکہ زمینوں کو عشری سمجھنا چاہیے اور عشر دینا چاہیے کیوں کہ اراضی عشریہ میں عشر واجب ہے اور اس کا حکم آیت وآتوا حقه یوم حصاده(۳) مثل زکوۃ کے فرض ہے پھر کچھ زمانہ کے بعد "مالابدمنہ" حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب کی یہ تحقیق اور تصریح پڑھ کر کہ ہم نے اپنی کتاب میں زکوۃ کے مسائل کے ساتھ عشر کے احکام اس وجہ سے نہیں لکھے کہ ان دیار میں زمینیں عشری نہیں ہیں، اس کے ساتھ یہ ماننا بھی ضروری ہے کہ قاضی صاحب کا یہ حکم فرمانا کہ یہاں عشری زمینیں نہیں ہیں اس زمانہ کا متفقہ مسئلہ ہوگا کیوں کہ قاضی صاحب شاہ ولی اللہ صاحب (م ۱۱۷۶ھ) کے خاص تلمیذ اور حضرت شاہ عبدالعزیز وغیرہ حضرات کے معاصر ہیں اور سب حضرات اس پر متفق ہیں اور اس میں کوئی خلاف نہیں ہے، ضرور یہ مسئلہ اس زمانہ کا متفق علیہ مسئلہ ہوگا کہ ہندوستان میں عشری زمینیں نہیں ہیں پھر اس کے ساتھ عمومًا یہ معمول دیکھ کر کہ کوئی اپنے بزرگوں میں عشر کا اہتمام مثل زکوۃ کے نہیں کرتا، تعجب ہوتا تھا اور تردد بھی ہوتا تھا اور گویا حضرت قاضی صاحب کی تحقیق کی تائید ہوتی تھی کہ ایسا بھی کیا ہے کہ سب بزرگوں نے عشر کا

---

(۱) رمضان ۱۳۲۳ھ امداد الفتاویٰ ج ۲ (۲) فتاویٰ دارالعلوم جدید ج ۵، ص ۱۸۶ (۳) سورۂ انعام، رکوع ۳۴

اہتمام چھوڑ دیا، ضرور کوئی بات ہے جس کی وجہ سے عملاً یہ متروک ہو گیا ہے، چند سال ہوتے ہیں کہ مولانا محمد انور شاہ صاحب کشمیری صاحب نے یہ فرمایا کہ شامی "باب الرکاز" میں یہ روایت ہے کہ دارالحرب کی زمینوں میں عشر واجب نہیں ہے وہاں اراضی نہ عشری ہیں نہ خراجی، اس روایت کو دیکھا اور اس کو دیکھ کر حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی تحریر کی وجہ معلوم ہوئی کہ یہی وجہ ہے کہ وہ حضرت ہندوستان کی زمینوں کو عشری نہیں سمجھتے کیونکہ ہندوستان کو وہ حضرات دارالحرب سمجھتے تھے۔

اور عبارت مالابد منہ کی یہ ہے:

"ہمچنیں احکام عشر زمین عشریہ کہ در دیار ہست و مسائل عاشر کہ بطریق وضوابط باشد کہ مذکور نہ کردہ شد۔"[1]

اس کے بعد ایک اشکال یہ باقی رہتا ہے کہ حضرت اقدس گنگوہی رحمہ اللہ وجوب عشر کا حکم فرماتے تھے اور تحریراً و تقریراً اس کو ظاہر فرمایا ہے، غالباً جناب کو بھی یاد ہوگا یا معمول حضرت کا معلوم ہوگا اور اس میں شک نہیں کہ نصوص آیات و احادیث کا مقتضی بھی یہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ امام صاحب "جمیع ما اخرجت الارض" میں وجوب عشر کا حکم فرماتے ہیں اور جیسا کہ زکوٰۃ دارالحرب میں ساقط نہیں ہوتی بلکہ صاحب مال بطور خود ادا کرتا ہے اسی طرح عشر بھی ہر جگہ واجب ہونا چاہیے، ہاں چونکہ عشر کے وجوب کے لیے زمین کا عشری ہونا ضروری ہے اور جب کہ یہ کہا جاوے کہ دارالحرب کی اراضی عشریہ نہیں ہیں تو پھر وجوب عشر کی کوئی وجہ نہیں ہوگی اور حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کا قول و فعل احتیاط پر بھی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ ہمارے مرشد مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قدس سرہ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) بھی اپنے خاص لوگوں کو عشر نکالنے کا حکم فرمایا کرتے تھے اور اسی بنا پر حضرت والد ماجد صاحب جو کچھ حاصل ملازمت سے بطور مدد بندہ کو دیا کرتے تھے کہ وہ دس بیس روپے تقریباً ہوتا تھا تو بندہ گھر کہہ دیتا تھا کہ دس روپے میں سے ایک روپیہ اللہ واسطے دے دو۔[1]

فتاویٰ دارالعلوم کے دلائل کا جائزہ

حضرت نے اس مفصل فتویٰ میں اپنا موقف پوری طرح واضح کر دیا ہے کہ شرعی طور پر ہندوستان کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی اور جن اکابر کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ عشر نکالنے کو کہتے تھے اور خود بھی نکالتے تھے تو ان کے قول و فعل

---

(۱) فتاویٰ دارالعلوم [illegible]

کو احتیاط و تقویٰ پر محمول کیا ہے اور اپنے موقف پر قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی کتاب "مالا بد منہ" اور فتاویٰ شامی کی عبارت اور عشر کے بارے میں اکابر کی بے التفاتیوں سے استدلال فرمایا ہے، حضرت کا استدلال کافی مضبوط ہے، مگر اس پر کئی اعتبار سے غور کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ جہاں تک قاضی ثناء اللہ صاحب کی عبارت کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں یہ تاویل کی جا سکتی ہے کہ حضرت نے صرف عشر کے بارے میں فرمایا ہے کہ ہندوستان کی اراضی عشری نہیں ہیں، کیا یہاں کی اراضی خراجی بھی نہیں ہیں؟ تو اس کی نفی بھی آپ نے نہیں فرمائی ہے ——— البتہ اس تاویل پر کلام کیا جا سکتا ہے کہ قاضی صاحب نے عشر ایک خاص اصطلاحی معنیٰ میں استعمال نہیں کیا ہے بلکہ اس سے ایک وسیع مفہوم یعنی مطلق وظیفہ ارض مراد لیا ہے، اس لیے کہ اگر قاضی صاحب کا مقصود صرف عشر کی نفی کرنا ہوتا اور ہندوستانی اراضی کو خراجی تسلیم کرتے تو خراج کے احکام اپنی کتاب میں ضرور ذکر فرماتے۔

مگر اس شبہ کا یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ قاضی صاحب کی کتاب "مالا بد منہ" صرف عبادات کے موضوع پر لکھی گئی ہے اس میں زندگی کے مسائل تحریر نہیں کیے گئے ہیں، بس نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، قربانی، عقیقہ اور کچھ کفر و ایمان کے بارے میں اس میں بحثیں موجود ہیں، عشر بھی چوں کہ زکوٰۃ ہی کی طرح کی ایک عبادت ہے اس لیے بھی زکوٰۃ کے ذیل میں آنا چاہیے تھا مگر چوں کہ ہندوستان کی زمینیں عموماً عشری نہیں ہیں اس لیے اس کے احکام ذکر کرنے کی بھی ضرورت نہ تھی، اس کے برخلاف خراج خاص ٹیکس ہے جو موضوعی طور پر ایک قسم کی عقوبت ہے اس بناء پر عبادات کے ذیل میں خراج کے احکام داخل کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

یہ الگ مسئلہ ہے کہ خراج مسلمانوں پر عائد ہو جانے کی بناء پر عبادت بن جائے گا، یا اس وقت بھی محض وظیفہ ارض ہی رہے گا، فقہی عبارات کی روشنی میں (جیسا کہ اس بارے میں کچھ ہم آگے بھی عرض کریں گے ان شاء اللہ) ایسا لگتا ہے کہ خراج مسلمان پر عائد ہو جانے کے باوجود بھی حقیقی طور پر عبادت نہیں تھا، البتہ چوں کہ اس کے مصارف امور خیر ہیں اس بناء پر فقہاء لکھتے ہیں کہ اگرچہ اسلامی حکومت نہ ہو مگر خراج مسلمانوں کو اپنے طور پر نکالنا چاہیے اور اس رقم سے ان امور خیر میں صرف لینا چاہیے جن سے مسلمانوں کا علمی، دینی، ملی یا اقتصادی فائدہ ہو، لیکن یہ نکالنے کی تاکید محض مآل اور انجام پر نگاہ کرتے ہوئے ہے اصالۃً یہ حکم نہیں ہے اسی لیے فقہاء نے یہ رخصت دی ہے کہ اگر صاحب خراج خود مصرف ہو یعنی دینی یا ملی یا قومی مفادات میں مشغول ہو

تو خود بھی اس رقم سے استفادہ کر سکتا ہے۔ یعنی خراج نکالنے کی اسے کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوتا
ہے کہ خراج اپنی اصل کے لحاظ سے بھی ضروری نہیں تھا اس لیے قاضی صاحب نے اگر اپنی کتاب میں مسائل
کے احکام ہندوستان کے خراجی ہونے کے باوجود نہیں لکھے تو ان کی کتاب کے موضوع کے لحاظ سے ان پر کوئی اعتراض
وارد نہیں ہوتا۔

۲ ——— یہیں سے عشر کے بارے میں ان بزرگوں کے استغنا کا راز بھی واشگاف ہو جاتا ہے جن کو حضرت مفتی عزیز الرحمٰن
نے بطور تائید پیش کیا ہے کہ ان حضرات کی بے توجہی اس کی دلیل تھی کہ ان کے نزدیک ہندوستان کی اراضی
عشری نہیں تھیں۔ اس لیے عشر نکالنے کی کوئی حاجت نہ تھی۔ رہا خراج نکالنے کا معاملہ تو اس بارے میں حضرت
مفتی صاحب نے سکوت کیا ہے مگر جیسا معلوم پڑتا ہے کہ وہ حضرات خراج بھی نہیں نکالا کرتے تھے ورنہ حضرت
مفتی صاحب ضرور اس کا تذکرہ کرتے ——— خراج نہ نکالنے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ وہ
حضرات امت اور دین کے کاموں میں مصروف تھے اس لیے وہ بیکا خود بیت المال کے مصارف تھے۔ یہ بھی
ممکن ہے کہ ان حضرات نے بطور مصرف خراج سمجھ کر اس رقم کو خود ہی استعمال کر لیتے ہوں۔
اور اس کا بھی امکان ہے جو حضرت مفتی صاحب کا خیال ہے کہ ہندوستان کو دارالحرب سمجھتے
ہوں اس لیے یہاں کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی اس بنا پر عشر و خراج کسی کے لیے کوئی اہتمام
نہیں کرتے ہوں۔

۳ شامی کی عبارت سے حضرت کا استدلال درست ہے۔ بلاشبہ علامہ شامی نے دارالحرب کی زمینوں
کو غیر عشری و غیر خراجی قرار دیا ہے اور اس میں کوئی قید نہیں ہے کہ وہ دارالحرب ایسا ہو جو اصل ہی سے شروع
سے اب تک دارالحرب ہو، کبھی اسلامی حکومت دیکھی نہ ہو۔ علامہ شامی نے مطلق دارالحرب کہا ہے
تو وہ دارالحرب اصل سے ہو یا پہلے زمانے میں دارالاسلام تھا اور بعد میں دارالحرب بن گیا ہو۔ اس
لیے شامی کی عبارت کا صاف مطلب یہی ہے کہ ہر قسم کے دارالحرب کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی۔
ہمارے اکابر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور مفتی رشید صاحب پاکستانی دونوں بزرگوں نے حضرت
مفتی عزیز الرحمٰن صاحب کے استدلال پر تنقید کی ہے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ شامی کی بابت ان کی عبارت
میں دارالحرب سے مراد مطلق دارالحرب نہیں ہے بلکہ صرف وہ ہے جو ابتدا سے آج تک دارالحرب ہو۔ دارالحرب میں
چونکہ کسی مسلمان کے زمین خریدنے یا کسی زمین کا مالک ہونے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس لیے عشر کا سوال ہی

نہیں پیدا ہوتا ہے کا فر تو وہ احکام عشر کے مخاطب نہیں بن سکتے ہیں۔

اس کی تائید کے لیے انھوں نے شمس الائمہ سرخسی کی کتاب شرح سیر کبیر کی عبارت پیش کی ہے اور اس پر غور کرنے کی دعوت دی ہے۔ عبارت یہ ہے:

"لان العشر والخراج انما یجب فی ارض المسلمین وھذہ ارض اھل الحرب لیست بعشریۃ ولا خراجیۃ"[1]

اس لیے کہ عشر و خراج صرف مسلمانوں کی زمین میں واجب ہوتے ہیں اور یہ اہل حرب کی زمینیں ہیں جو نہ عشری ہیں اور نہ خراجی۔

میں نے اس عبارت پر بہت غور کیا مگر میرے ذہن نے اس نقطۂ نظر کو قبول نہیں کیا جو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قبول کرانا چاہتے ہیں، اس عبارت میں مسلمین کے مقابلے میں اہل الحرب لایا گیا ہے جس سے وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اہل حرب سے مراد ایسا مقام ہے جہاں مسلمان نہ ہوں، ورنہ مسلمین سے مقابلہ بے معنی ہو جائے گا، جب کہ ہندوستان کا معاملہ ایسا نہیں ہے، یہاں صدیوں تک مسلمانوں کی حکومت رہی ہے اور آج بھی کروڑوں مسلمان یہاں رہ رہے ہیں اس لیے یہ اصلی دار الحرب نہیں ہے اور پر شامی کی عبارت منطبق نہیں ہے۔ مگر یہی مفہوم کوئی یقینی نہیں ہے۔[2]

بلکہ زیادہ واضح طور پر تو یہ مفہوم ذہن میں آتا ہے کہ یہاں اہل حرب اور مسلمین کا تقابل، دراصل دار الحرب اور دار الاسلام کے معنی میں ہے اور عبارت کا حاصل یہ ہے کہ عشر و خراج دار الاسلام میں واجب ہوتے ہیں، دار الحرب میں نہیں، اتنا واضح مطلب چھوڑ کر کوئی پیچیدہ مفہوم مراد لینے کی کیا ضرورت ہے؟ اولین اکابرین میں سے کسی نے شامی کی عبارت کا وہ مفہوم نہیں سمجھا جو حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے سمجھانا چاہا ہے ——— خود حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اول دار العلوم دیوبند اس درجہ کے فقیہ تھے کہ ان کے فہم پر ہم کو اعتماد کرنا چاہیے انھوں نے نہ معلوم کتنی بار اس عبارت کو اس کے سیاق و سباق کے ساتھ دیکھا اور پڑھا ہوگا مگر ان کے ذہن میں دار الحرب کا وہ خاص مفہوم نہ آسکا جو حضرت مفتی شفیع صاحب کے ذہن میں آیا ——— ان کے علاوہ علامہ کشمیری کے ذہن میں بھی دار الحرب کا کوئی مقید مفہوم نہ آیا بلکہ انھوں نے بھی وہ عام مفہوم سمجھا جو حضرت مفتی صاحب سمجھ رہے تھے

---

(۱) شرح سیر کبیر ۴/۲۰۳

(۲) جواہر الفقہ ۲/۱۶۲ و ۱۶۳

خود حضرت تھانوی رح جو اپنے وقت کے مجتہد العصر تھے انھوں نے بھی اس عبارت کا یہی مطلب سمجھا حضرت تھانوی رح کا ایک فتویٰ سابق میں نقل کیا جا چکا ہے۔ (۱)

ایک دوسرے فتویٰ میں لکھتے ہیں:

"البتہ درمختار کی باب العشر والی عبارت مشعر ہے عدم وجوب عشر وخراج کو مگر یہ موقوف ہے دار الحرب ہونے پر اور اس میں گنجائش کلام ہے۔"

اس طرح کی ایک عبارت امداد الفتاویٰ ۲/۱۰۱ پر بھی ہے۔

ان عبارات سے صاف جھلکتا ہے کہ عبارت کا مفہوم حضرت کے ذہن میں وہی ہے جو اس کے ظاہر سے سمجھ میں آتا ہے اور جو دوسرے اکابر نے سمجھا ہے البتہ ہندوستان کو دار الحرب مانا جائے یا نہیں اس میں حضرت کو خود تردد ہے۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی جنھوں نے ہندوستان سے عشر کی نفی کی ہے ممکن ہے کہ شامی کی اسی عبارت کی بنا پر کی ہو جیسا کہ حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب کا خیال ہے تو گویا ان کے ذہن میں بھی شامی کی اس عبارت کا مفہوم وہی ہے جو مفتی صاحب نے سمجھا ہے۔

ان اسباب کے پیش نظر شامی کی اس عبارت سے حضرت مفتی اول دار العلوم دیوبند کے استدلال کو ہم درست سمجھتے ہیں کہ ہندوستان اگر دار الحرب ہے تو اس کی اراضی نہ عشری ہیں نہ خراجی جیسا کہ اس دور کے بہت سے اکابر کا فتویٰ تھا۔

پس چہ باید کرد مگر حضرت مفتی صاحب کا فتویٰ زمانہ کے بدلنے سے بدل چکا ہے حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی رح کے عہد سے ۱۸۵۷ء تک کے بارے میں یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس دوران ہندوستان دار الحرب رہا اور اس دوران جن اکابر نے بھی اس کے دار الحرب ہونے یا اس کے اراضی کے عشری یا خراجی ہونے کا فتویٰ دیا بالکل بجا دیا، شرعی طور پر اس وقت یہی حکم تھا اس لیے کہ اس دوران ہندوستان پر قانونی و عملی دونوں طور پر انگریز کا تسلط اور غلبہ ہو گیا اور یہاں کی نوآبادیات میں شامل ہو گیا تو یہ بلاشبہ دار الحرب بن گیا لیکن ۱۹۴۷ء کے بعد

---

(۱) امداد الفتاویٰ [illegible] (۲) امداد الفتاویٰ [illegible]

جب ہندوستان انگریزوں کے قبضے سے آزاد ہوا اور یہاں ایک جمہوری انداز کی حکومت قائم ہوئی جس میں تمام قوموں
برابر طور پر حقوق حکومت وشہریت دیے گئے اور قانونی طور پر مسلمانوں کو ہندوستان کا سب سے بڑا عہدہ
صدارت جمہوریہ پیش کیا گیا اور مسلمان صدر جمہوریہ بنائے جاتے رہے اور آج بھی مرکزی وزارتوں میں مسلمانوں کو حصہ دیا جاتا ہے
مختلف ریاستوں کے مسلمان گورنر اور وزراء کے عاملی ہوتے ہیں اس لیے قانونی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہاں
خالص ہندوؤں کی حکومت ہے اور مسلمان یہاں کی حکومت میں شامل نہیں ہیں۔ قانونی طور پر تو مسلمان ہندوستان
کا وزیر اعظم بھی بن سکتا ہے، فسادات کا مسئلہ کوئی قانونی مسئلہ نہیں ہے وہ اکثریت کی پیدا کردہ ہے اس لیے
اکثریت سے پیدا ہونے والے حالات کی بنا پر ہندوستان کی قانونی پوزیشن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے
جب قانون کی زبان میں گفتگو ہوگی تو ہندوستان کو دار الحرب کہنا مشکل ہو جائے گا۔

اس لیے آج کے دور میں ہندوستان کا دار الحرب ہونا قطعی نہیں اس بنا پر عشر و خراج کے احکام محض
شبہ کی وجہ سے ساقط نہیں کیے جاسکتے ہیں۔ ہماری تحقیق کے مطابق یہ ہے کہ ہندوستان کا بیشتر حصہ خراجی ہے
اس لیے احتیاطاً مسلمانوں پر عشر یا خراج عائد رہے گا اور مسلمانوں کو اپنے طور پر خراج نکالنا چاہیے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) مجہول الحال آراضی کا حکم

جو آراضی کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہو اور مسلمانوں کے قبضے میں نسلاً بعد نسلٍ چلی آرہی ہیں اور درمیان میں
کسی غیر مسلم کی ملکیت کا ثبوت یا علم نہ ہو تو ان کو استصحاب حال کی دلیل کی بنا پر عشری ہی قرار دیا جائے گا جیسا کہ گزشتہ
صفحات میں اکابر کے حوالے سے ذکر کیا جا چکا ہے۔

اور یوں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ فقہاء کا مزاج یہ ہے کہ جس زمین کے بارے میں شبہ پیدا ہو جاتا ہے اور عشری
وخراجی دونوں طرح کے امکانات سامنے آجاتے ہیں تو اگر وہ زمین مسلمان کی ملکیت میں ہوتی ہے تو اس کو
عشری ہی قرار دیتے ہیں ـــــــ مثلاً امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا وہ مسلک جیسے ہم نقل کر چکے ہیں کہ اگر کسی مسلمان
نے حکومت کی اجازت سے کوئی غیر آباد زمین آباد کی تو امام ابو یوسف رحمہ کے نزدیک قرب وجوار کی زمینوں کے لحاظ سے
حکم لگایا جائے گا۔ اگر آس پاس کی زمینیں عشری ہیں تو اس زمین کو بھی عشری قرار دیا جائے گا اور اگر خراجی ہیں تو اس
کو بھی خراجی قرار دیا جائے گا اور اگر عشری و خراجی دونوں قسم کی زمینیں ہوں تو عشری کا حکم لگایا جائے گا۔ علامہ شامی
کے نزدیک امام ابو یوسف رحمہ کے قول پر فتوی ہے۔ (رد المحتار ۲۶۴)

یہاں کی صورت حال یہی ہے کہ جب نو آباد زمین کے آس پاس عشری وخراجی دونوں قسم کی زمینیں ہیں تو عشری وخراجی دونوں ہونے کا شبہ پیدا ہوگیا، ایسے موقع پر مسلمان کے شایان شان اس کو عشری قرار دینا زیادہ بہتر ہے۔ اس جزئیے سے فقہاء کے مزاج کا اندازہ ہوتا ہے، اس کو دیکھتے ہوئے ایسی زمین جس کے بارے میں عشری وخراجی ہونا متعین نہ ہو اس کو عشری کہنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ سرکاری محصول سے عشر وخراج ساقط نہیں ہوتے

سرکار کو دی جانے والی مالگذاری عشر تو بہرحال نہیں، اس پر تمام علماء کا تقریباً اتفاق ہے، اس لیے کہ حکومت عشر کہہ کر لیتی ہے اور نہ کوئی اس نیت سے دیتا ہے، اس کے علاوہ عشر عبادت ہے جس طرح انکم ٹیکس دینے سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی اسی طرح عشر بھی ساقط نہ ہوگا، البتہ اگر حکومت اسلامیہ ہو اور عشر کہہ کر لیتی ہو اور مصارف عشر پر اس کو خرچ کرتی ہو تو عشر ادا ہو جائے گا۔ (۱)

لیکن اگر خراجی زمین سے سرکار مالگذاری لیتی ہے تو اس کو خراج قرار دیا جائے گا یا نہیں اس میں علماء کے درمیان اختلاف ہے، مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی اول دار العلوم دیوبند کا فتویٰ یہ ہے کہ خراج ساقط ہو جائے گا اور حکومت کے لیے ہوئے محصول ہی کو خراج قرار دیا جائے گا جیسا کہ ان کی اس عبارت سے سمجھ میں آتا ہے۔

> الجواب: عشری زمین سے محصول لینا مسقط عشر ہے۔ هذا هو الاحتیاط، ان اگر زمین عشری ہی نہ ہو بلکہ خراجی ہو تو محصول دے دینا کافی ہے۔ یعنی عشر اس میں واجب نہیں ہے۔ (۲)

ان کے علاوہ اکثر علماء کرام کا خیال ہے کہ خراج اگر حکومت اسلامیہ وصول کرتی ہو تو چونکہ وہ عموماً امور خیر میں خرچ کرتی ہے اس لیے خراج ادا ہو جائے گا لیکن حکومت غیر مسلم (مثلاً ہندوستان کی حکومت) اگر زمین کی مالگذاری یا محصول لیتی ہے تو اس کو خراج نہیں کہا جائے گا بلکہ مسلمانوں پر ضروری ہے کہ وہ ذاتی طور پر خراج ادا کریں، اور امور خیر میں خرچ کریں، محقق ہمایونی نے اپنی کتاب سراج الہند فی خراج السند میں اس مسئلہ کو بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے اور اس سلسلہ میں پیش آنے والے شبہات کے تشفی بخش جوابات دیئے ہیں۔ اس کے بعد فیصلہ کن انداز میں لکھا ہے:

---

(۱) شامی ۲/ ۳۲۶، امداد الفتاوی ۲/ ۹۱، فتاوی دارالعلوم ۶/ ۱۰۳، جواہر الفقہ ۲/ ۲۱۷، احسن الفتاوی ۴/ ۳۳۳ (۲) فتاوی دارالعلوم ۶/ ۱۰۰

" پس جاناں کہ بر ہر کسے کہ قدرت ناظم آید لہٰذا لازم است کہ در مصارف خراج کہ در کتب فقہ معین است صرف نماید
لہٰذا اگر از عہدہ آں بیروں آید و در قیامت ماخوذ گردد، اما آنچہ ظالم مصادرہ گیرد بعض در ادائے خراج
محسوب نمی گردد"

لان الکافرین لیس لھم ولایۃ اخذ الخراج من المسلمین ولیسوا بمصارف
الخراج کما فی جامع المضمرات ۔ (١)

پانی پتی کی عبارت سے سمجھ میں آتا ہے کہ اگر حکومت غیر اسلامیہ خراج کہہ کر بھی وصول کرے تو بھی خراج ادا نہیں ہوتا جبکہ ہندوستان میں خراج کے نام سے وصول بھی نہیں کرتے ہیں اس لیے اس کو خراج کہنا بدرجہ اولیٰ مشکل ہے۔ امداد الفتاویٰ میں حضرت تھانوی کے ایک فتویٰ کے الفاظ یہ ہیں:

" لہٰذا خراج از حقوق شرعیہ است لیں چنانکہ از کسی سقوط زکوٰۃ نیست ہمچنین بمحصول سرکار مستقطانی
خود بخود نشود" (٢)

۴۔ خراج کی شرعی حیثیت

گذشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ آچکا ہے کہ ہندوستان کا اکثر علاقہ خراجی ہے اور چند مقامات کو چھوڑ کر اکثر زمینوں پر خراج موظف حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مقرر کردہ شرح سے ادا کیا جائے گا۔

عشر کی ادائے گی بلاشبہ عبادت ہے مگر خراج اپنی اصل کے لحاظ سے عبادت نہیں ہے لیکن چونکہ اس کے مصارف امور خیر ہیں اس لیے فقہاء لکھتے ہیں کہ مسلمانوں پر خراج اپنے تئیں نکالنا واجب ہے گویا مسلمان پر عائد ہونے کے بعد خراج ثانوی درجہ میں عبادت بن جائے گا اور اس کی نیت کے مطابق اس کو ثواب ملے گا۔ البتہ اگر صاحب خراج خود مصارف میں سے کوئی مصرف ہے مثلاً عالم دین ہے تو وہ خراج اپنے مصرف میں لا سکتا ہے۔ اس کو خراج الگ سے نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔

امداد الفتاویٰ کے ایک سوال جواب سے اس پر کچھ روشنی پڑتی ہے

سوال:۔ آج کل خراج ادا کرنا واجب ہے یا نہیں اگر ادا کیا جائے تو اس کا مصرف و مقدار کیا ہے؟

(١) احسن الفتاویٰ ج ۶ ص ۳۳۰ (٢) امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۰

فتصیر حصهم بالعشر في كل الخارج -(١)

مزارعت کی صورت میں عشر و خراج کس پر ہے

جن آراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر و خراج کس پر واجب ہے، اس کی تعیین کے لیے ہمیں مزارعت کی مختلف صورتوں کو سامنے رکھنا ہوگا۔ فقہاء نے مجموعی طور پر مزارعت کی سات صورتیں لکھی ہیں:

(١) ارض و بذر ایک کے ہوں اور بقر و عمل دوسرے کے۔

(٢) ارض ایک کی باقی سب دوسرے کا۔

(٣) عمل ایک کا باقی سب دوسرے کا۔

(٤) ارض و بقر ایک کے بذر و عمل دوسرے کے۔

(٥) بقر و بذر ایک کے ارض و عمل دوسرے کے۔

(٦) بقر ایک کے باقی سب دوسرے کا۔

(٧) بذر ایک کا باقی سب دوسرے کا۔

ان سات صورتوں میں سے پہلی تین صورتیں مزارعت صحیحہ کی ہیں اور آخری مزارعہ فاسدہ کی۔

اس وضاحت کے بعد عشر و خراج کے احکام اس طرح ہوں گے کہ خراج موظف تو ہر صورت میں زمیندار پر ہوگا، خواہ مزارعہ فاسدہ ہو یا مزارعہ صحیحہ جیسا کہ شامی کی اس عبارت سے مفہوم ہوتا ہے۔

ثم اعلم ان هذا كله في العشر اما الخراج فعلى رب الارض اتفاقا -(٢)

یہاں خراج سے مراد علماء کے بیان کے مطابق خراج موظف ہے اس لیے کہ بعض تصریحات سے ثابت ہے کہ خراج مقاسمہ اور عشر دونوں کے احکام اخذ میں ایک ہی جیسے ہیں۔(٣)

اور عشر و خراج مقاسمہ میں یہ تفصیل ہے کہ مزارعت صحیحہ میں تو شرط کے مطابق زمیندار اور بٹائی دار دونوں اپنے اپنے حصے کا عشر و خراج نکالیں گے۔(٤)

---

(١) رد المحتار ٢/١٩٥ (٢) رد المحتار ٢/... (٣) رد المحتار ٢/٣٥٩

(٤) رد المحتار ٢/...

اور مزارعت فاسدہ میں اگر بیج زمیندار کی طرف سے ہے تو عشر و خراج مقاسمہ دونوں زمیندار پر واجب ہیں اور اگر بیج بٹائی دار کی طرف سے ہے تو یہ اجارۃ الارض کے حکم میں ہے یعنی اگر زمیندار اجرت بہت زیادہ لیتا ہے اور مستاجر کے پاس بہت کم بچتا ہے تو عشر اور خراج مقاسمہ زمیندار پر ہے اور اگر اجرت کم لیتا ہے مستاجر کو بچت زیادہ ہوتی ہے تو عشر اور خراج مقاسمہ مستاجر پر ہے، ہمارے زمانے میں محض اجرت کم لی جاتی ہے مستاجر کی آمدنی زیادہ ہوتی ہے اس لیے عشر و خراج مقاسمہ مستاجر پر ہوگا۔ (۱)

انہی تفصیلات کے ساتھ ہمارے اکابر نے بھی فتویٰ دیا ہے، ہمارے اکابر کی کتب فتاویٰ میں اس قسم کے متعدد فتاویٰ موجود ہیں۔

اگر زمیندار اور بٹائی دار میں ایک غیر مسلم ہو تو غیر مسلم پر عشر واجب نہ ہوگا اور موجودہ ہندوستان میں خراج بھی واجب نہ ہوگا، اس لیے کہ خراج غیر مسلموں سے حکومت اسلامیہ وصول کرتی ہے اور وہ ہندوستان میں مفقود ہے اور جو مسلمان ہے اس پر عشر واجب ہے تو وہ اپنے حصے کا عشر ادا کرے، غیر مسلم پر کچھ واجب نہیں ہے۔

(محور پنجم)

۱۔ عشر کے لیے کوئی نصاب نہیں

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب ہے بشرطیکہ وہ ایک صاع (۲۰۵۲۸ کلوگرام) سے زیادہ ہو، اس کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں ہے اس لیے کہ قرآن کے الفاظ عام ہیں۔

مما اخرجنا لکم من الارض۔

وآتوا حقہ یوم حصادہ۔

صاحبین رحمہ اللہ کے نزدیک اشیاء کے لحاظ سے مختلف نصاب ہیں، مگر فقہاء نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول پر فتویٰ دیا ہے اور یہی ہمارے علمائے دیوبند کا پسندیدہ مسلک بھی، شامی کی عبارت ہے:

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۶۴

قال في شرح التنوير ويجب العشر في عسل وان قل (الى ان قال) بلا شرط نصاب وبقاء وحولان حول وفي رد المحتار (قوله بلا شرط نصاب وبقاء) فيجب فيما دون النصاب بشرط ان يبلغ صاعا وقيل نصفه۔ (۱)

۲ــــ عشر کس قسم کی پیداوار پر واجب ہے

عشر ایسی پیداوار میں واجب ہے جس کو اگانے اور پیدا کرنے کا رواج ہو اور عادۃً اس کی کاشت کرکے نفع اٹھایا جاتا ہو، خودرو گھاس یا بیکار قسم کے درخت اگر باغ یا ملکیت میں ہو جائیں تو ان پر عشر نہیں۔ گھاس اور بانس اور جانوروں کے لیے اگایا جانے والا چارہ اگر آمدنی کی غرض سے لگائے گئے ہوں تو ان میں عشر واجب ہے ورنہ نہیں مثلاً صرف اپنے جانوروں کو کھلانے کے لیے گھاس یا چارہ اگایا گیا ہو اس سے کوئی آمدنی مقصود نہ ہو تو عشر واجب نہیں ہے، یہی حکم پانی میں کاشت کی جانے والی چیزوں مثلاً مکھانہ، سنگھاڑا وغیرہ کا بھی ہوگا۔

يجب العشر في مسقي سماء اي مطر وسيح كنهر بلا شرط نصاب الى قوله الا فيما لا يقصد به استغلال الارض نحو حطب وقصب فارسي وحشيش وتبن وسعف وصمغ وقطران وخطمي واشنان وشجر قطن وباذنجان وبزر بطيخ وقثاء وادوية كحلبة حتى لو اشغل ارضه بها يجب العشر۔ (۲)

اذا اتخذ ارضه مقصبة او مشجرة او منبتا للحشيش وساق اليه الماء ومنع منه الناس يجب فيه العشر۔ (۳)

۳ــــ مچھلی کی کاشت پر عشر نہیں

قواعد فقہیہ اور عشر کی تفصیلات پر نگاہ ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مچھلی کی کاشت پر عشر واجب نہیں ہے، اس طرح دیگر اموال وعروض کی طرح زکوۃ واجب ہوگی، اس لیے کہ عشر وخراج کا تعلق بالواسطہ یا بلا واسطہ زمین کی پیداوار سے ہے جیسا کہ قرآن کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔

---

(۱) رد المحتار ۲/۴۹ (۲) شامی ۲/۴۹ (۳) ہدایہ ۱/۲۰۰، الجوہرہ ۱/۱۹۵ بحوالہ فتاوی دار العلوم ۶/۱۹۹

(١) انفقوا من طیبات ما کسبتم و مما اخرجنا لکم من الارض ۔ الآیۃ

(٢) وآتوا حقہ یوم حصادہ ۔ الآیۃ ۔

جب کہ مچھلی کی کاشت کا زمین سے کوئی تعلق نہیں ـــــ اسی بنا پر فقہاء نے پانی، پٹرول یا تیل کے چشموں میں عشر کو واجب نہیں کہا ہے، ان چشموں کے آس پاس جو قابل زراعت یا آباد زمینیں ہیں ان میں عشر و خراج واجب ہوں گے مگر خود ان چشموں کی پیداوار پر عشر نہیں ہے اس لیے کہ یہ زمینی پیداوار نہیں ہیں ۔

ولا في عين قير و نفط ... في أرض عشر أو خراج

ولكن في حريمها الصالح للزراعة من أرض الخراج خراج لأنها تتعلق الخراج

بالتمكن من الزراعة وأما العشر فيجب في حريمها العشري لو زرعه وإلا لا

لتعلقه بالخارج ۔ (درمختار)

(قوله ولا في عين قير) لأنه ليس من أنزال الأرض إنما هو عين فوارة كعين الماء

فلا عشر فيها ولا خراج ۔ (١)

اس مسئلے میں ہمیں حضرت عمر بن عبد العزیز کے اس مکتوب سے بھی رہنمائی ملتی ہے جو انہوں نے اپنے ایک گورنر کے پاس لکھا تھا۔

لا تأخذ من السمك شيئاً حتى يبلغ مائتي درهم فاذا بلغ مائتي درهم

فخذ منه الزكاة ۔ (٢)

مچھلی کی پیداوار سے کچھ اس وقت تک نہ لیا جائے جب تک کہ وہ نصاب زکوٰۃ تک نہ پہنچ جائے یعنی جب نصاب

مکمل ہو جائے تو اس میں سے زکوٰۃ وصول کرو۔

معلوم ہوا کہ مچھلی کی کاشت میں زکوٰۃ واجب ہے نہ کہ عشر۔

٣ ـــ شہتوت کے باغات کا حکم

فقہاء کی عبارتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ شہتوت میں عشر واجب نہیں ہے جیسا کہ شامی کی اس عبارت سے بھی

(١) رد المحتار ٢/ ... (٢) کتاب الاموال لابی عبید ص ٣٣٧

میں آتا ہے:

یجب العشر فی عسل وان قل (درمختار) وصرح بالعسل اشارۃ الی خلاف مالک والشافعی حیث قالا لیس فیہ شئ لانہ متولد من حیوان فاشبہ الابریسم ولنا ما بسط فی الفتح۔ (۱)

اور ہدایہ میں ہے:

وفی العسل العشر اذا اخذ من ارض العشر وقال الشافعی لا یجب لانہ متولد من الحیوان فاشبہ الابریسم ولنا قولہ علیہ الصلاۃ والسلام فی العسل العشر ولان النحل یتناول الانوار والثمار وفیہا العشر فکذا فیما یتولد منہا بخلاف دود القز لانہ یتناول الاوراق ولا عشر فیہا۔ (۲)

لیکن یہ شکل کہ ریشم کے کیڑوں کی پرورش و پرداخت کے لیے شہتوت کے درخت لگائے جاتے ہیں، ان درختوں سے تو کوئی معتد بہ منفعت حاصل نہیں ہوتی مگر ریشم کی اس کاشت سے کاشت کاروں کو کافی نفع ہوتا ہے ایسی صورت میں چوں کہ ان آمدنیوں کا تعلق براہ راست زمین سے ہو گیا اور زمین کا ایک حصہ باقاعدہ طور پر اس کے لیے مشغول کر دیا گیا تو اس صورت میں ریشم کی اس کاشت پر عشر واجب ہونا چاہیے اس کی دو دلیلیں سمجھ میں آتی ہیں۔

۱۔ اس لیے کہ اس صورت میں معاملہ صرف ریشم یا اس کے کیڑے کا نہیں رہا بلکہ زمین کے اس حصے کا بھی ہے جس میں توت کے درخت لگائے گئے ہیں اور اسی مقصد کے لیے لگائے گئے ہیں اس لیے مما اخرجنا لکم من الارض کا یہ مصداق بن سکتا ہے اور عشر ان کی پیداوار پر واجب ہوگی۔

۲۔ دوسرے جب اس طور پر ہم غور کرتے ہیں کہ ایک طرف فقہاء نے شہد میں عشر کو واجب قرار دیا ہے، دوسری طرف سائمہ جانوروں کے دودھ میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے جب کہ دودھ اور شہد دونوں جانوروں سے پیدا ہوتے ہیں اس فرق کی یہ وجہ بتائی جاتی ہے کہ دودھ میں زکوٰۃ اس لیے واجب نہیں کہ اس کی اصل یعنی حیوانات سائمہ میں زکوٰۃ واجب ہے اور شہد میں عشر اس لیے واجب ہے کہ اس کی اصل یعنی مکھیوں میں عشر یا زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ گویا فرق کی بنیاد یہ ہے کہ جس کی اصل میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اس کی پیداوار میں زکوٰۃ واجب

---

(۱) رد المحتار ۲/۳۲۵ (۲) ہدایہ علی فتح القدیر ۲/۱۹۳

ہوگی اور جس کی اصل میں زکوٰۃ واجب ہوگی اس کی پیداوار میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی مثلاً زمین میں زکوٰۃ نہیں ہے تو اس کی پیداوار میں عشر واجب ہے۔

اس کی روشنی میں ریشم کے کیڑوں کو بھی مانا جاسکتا ہے اگرچہ ان میں عشر یا زکوٰۃ واجب نہیں ہے تو اس کی پیداوار میں شہد کی طرح عشر واجب ہونا چاہیے۔ زکوٰۃ اس لئے نہیں کہ جس طرح شہد کی مکھی مختلف درختوں سے مواد چوس کر شہد بناتی ہے اسی طرح ریشم کے کیڑے توت کے درختوں سے مواد لے کر ریشم تیار کرتے ہیں اس طرح دونوں کا تعلق درختوں ہی سے ہے اس لئے شہد کی طرح ریشم کی کاشت پر بھی عشر واجب ہونا چاہیے۔

(د) ثمر دار اور بے ثمر نباتات کا مسئلہ

ایسے باغات جن کے درختوں سے پھل مقصود ہوتے ہیں ان میں تو بالاتفاق عشر واجب ہے اسی طرح وہ باغات جن سے پھل تو مقصود نہ ہوں مگر ان کے درخت عمارت فرنیچر وغیرہ میں کام آتے ہوں، قاعدے کے مطابق ان میں بھی عشر واجب ہونا چاہیے اس لئے کہ ما سقته السماء ففیه العشر اور فیما اخرجت الارض کے عموم میں یہ بھی داخل ہیں۔ البتہ وہ باغات جن کے درخت محض جلانے کے کام آتے ہیں ان میں عشر واجب نہیں ہے۔

ہدایہ میں ہے:

قال ابو حنیفة فی قلیل ما اخرجته الارض وکثیره العشر سواء سقی سیحا او سقته السماء الا الحطب والقصب والحشیش (۱)

فتاویٰ دارالعلوم میں اس قسم کا ایک فتویٰ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"درختوں کی لکڑی میں عشر واجب نہیں ہے۔" (۲)

البتہ اگر باغ اسی مقصد کے لئے لگایا گیا ہے کہ اس سے جلانے کے کام آنے والی لکڑیوں کو فروخت کرنا ہے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔

ومعنی الحطب والقصب الفارسی .... حتی لو اشتغل ارضه بها یجب العشر (۳)

---

(۱) ہدایہ [illegible] (۲) فتاویٰ دارالعلوم [illegible]

(۳) [illegible]

۶ــــ سبزیوں میں عشر واجب ہے

سبزیاں جو زیادہ دیر تک نہیں ٹھہرتیں، اگر ان کا مقصود تجارت ہے تو ان کو مال تجارت قرار دے کر زکوٰۃ واجب ہوگی، عشر واجب نہ ہوگا، اور اگر مقصود تجارت نہیں ہے بلکہ محض اپنے استعمال کے لیے ان کو اگایا گیا ہو تو اس صورت میں بھی مفتی بہ قول کے مطابق عشر واجب ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔

یجب العشر فی عسل وان قل ...... بلا شرط نصاب وبقاء (درمختار) وفی الخضروات التی لا تبقی وھذا قول الامام وھو الصحیح کما فی التحفۃ۔ (۱)

۷ــــ اراضی وقف کی پیداوار پر عشر واجب ہے

اراضی اوقاف کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے، اس لیے کہ فقہاء نے صراحت کی ہے کہ وجوب عشر کے لیے ملکیت ارض شرط نہیں ہے۔

ویجب مع الدین وفی ارض صغیر ومجنون ...... ووقف (درمختار) افاد ان ملک الارض لیس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملک الخارج لانہ یجب فی الخارج لا فی الارض فکان ملکھا وعدمہ سواء۔ (۲)

واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) رد المحتار ۲/۶۲ وکذلک فی الہدایۃ ۱/۲۰۱

(۲) بدائع۔ رد المحتار ۲/۵۲

خلاصۂ جوابات

محورِ اول

عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان کئی لحاظ سے فرق ہے تفصیل اپنے مقام پر دیکھی جائے۔

محورِ چہارم

(۱) سندھ کا کچھ علاقہ عشری ہے اور ایک بڑا علاقہ خراجی، جس کا خراج خراجِ مقاسمہ (یعنی قسمی) ہے پاکستان کی وہ زمینیں جو حکومت نے مسلمانوں کو دیں یا مسلمانوں کے پاس نسلاً بعد نسل چلی آرہی ہیں عشری ہیں ـــــ ہندوستان کا اکثر علاقہ خراجی ہے جس کا خراج خراجِ موظف ہے، سوائے گجرات پنجاب اور راجپوتانہ کے کہ ان علاقوں کا خراج قسمی معلوم ہوتا ہے۔ اگر یہ ہندوستان کی کسی زمین کے بارے میں یہ ثبوت مل جائے کہ یہ فتح اول سے آج تک مسلمانوں کے پاس چلی آرہی ہے تو وہ عشری ہوگی، ورنہ نہیں۔

(۲) جن اراضی کا عشری یا خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے وہ عشری ہے۔

(۳) سرکار کو دی جانے والی مال گزاری خراج کے حکم میں نہیں ہے۔

(۴) ہندوستانی زمینوں کا خراج خراجِ موظف ہے جو توظیفِ عمری کے مطابق نکالا جائے گا۔ خراج مسلمانوں پر مقرر ہونے کی بنا پر موضوعی طور پر عبادت نہیں تھا البتہ ثانوی مرحلے میں نتیجے کے طور پر بن سکتا ہے

(۵) زراعت میں پانی کے علاوہ دوسرے ہونے والے اخراجات کی بنا پر عشر نصفِ عشر میں تبدیل نہ ہوگا اور نہ ان اخراجات کو پیداوار سے منہا کیا جائے گا بلکہ کل پیداوار میں عشر واجب ہوگا۔

(۶) جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر زمیندار اور بٹائی دار دونوں پر، اگر دونوں مسلمان ہوں، اپنے اپنے حصے کے بقدر واجب ہے اور اگر کوئی غیر مسلم ہو تو غیر مسلم پر کچھ واجب نہیں صرف مسلمان اپنے حصے کا عشر نکالے گا۔

مکتوب پنجم

(۱) عشر پیداوار کی ہر مقدار پر واجب ہے اس کے لیے کوئی نصاب نہیں ہے۔

(۲) زمین سے ہونے والی صرف اس پیداوار پر عشر واجب ہے جس سے آمدنی مقصود ہو خواہ وہ کوئی بھی چیز ہو ورنہ عشر واجب نہیں۔

(۳) جنگل کی کاشت پر عشر نہیں ہے بلکہ زکوٰۃ واجب ہے اگر شرائط زکوٰۃ پائی جائیں۔

(۴) ایسی زمینیں جو صرف ریشم کی پیداوار کے لیے خاص کر لی جائیں قاعدہ کے مطابق ان میں عشر واجب ہونا چاہیے۔

(۵) جنگل زار اور غیر پھلدار تمام نباتات میں عشر واجب ہے جن سے آمدنی مقصود ہو اور شرائط عشر پائی جاتی ہوں، البتہ سوختہ لکڑیوں پر عشر نہیں ہے۔

(۶) ہر قسم کی سبزیوں پر عشر واجب ہے اس کے لیے کوئی نصاب نہیں ہے۔

(۷) وقف کی زمینوں کی پیداوار پر بھی عشر واجب ہے۔

واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عشر و خراج کی حقیقت

مفتی عزیز الرحمٰن چمپارنی ــــــــ دار الافتاء موتیہاری

محور اول

سوال ا — شریعت کی اصطلاح میں عشر و خراج دو شرعی اصطلاحات ہیں۔

عشر: عشر کے لغوی معنی دسواں حصہ کے ہے۔ مگر اس کی تفصیل واجبات شرعیہ کے اعتبار سے دو صورتوں پر مشتمل ہے، دسواں، بیسواں، لیکن فقہاء کی اصطلاح میں ان دونوں قسموں کی زمینوں پر عائد ہونے والی زکوٰۃ کو عشر ہی کہتے ہیں۔

خراج: خراج زمین کے اس ٹیکس کو کہتے ہیں جو امام کی طرف سے ایسی زمین پر لگائی جائے جس کو مسلمانوں نے فتح کیا ہو، اور وہاں کے باشندوں سے صلح ہو گئی ہو۔

یحییٰ ابن آدم نے اس کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"کل أرض الخراج ما كان صلحا على خراج يؤدونه الى المسلمين" ؎

علامہ ابن رجب حنبلی نے خراج کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

؎ الخراج یحییٰ ابن آدم ص۲۳

"هو المال الذی یجبی ویؤتی به لاوقات محدودة" ذکرہ ابن عطیة وقال

الاصمعی الخراج الجعل مرة واحدة والخراج مادہ لاوقات معلومة

ابوعبید کہتے ہیں کہ الخراج کلام عرب میں غلہ کو کہتے ہیں۔

"إنما هو الغلة الاترى هم یسمون غلة الأرض والدار والمملوک خراجا"

اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خراج کا فیصلہ کیا ضمان کی جگہ پر مسند امام احمد

میں ہے "انه قضى بالخراج بالضمان" اور ذوالقرنین کے قصہ میں "فهل نجعل لك خرجا" ہے

جس کو "خراجا" بھی پڑھا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: "خراجا" کا معنی اجر ہے۔ ازہری کہتے ہیں کہ:

"الخراج إسم لما یخرج من الفرائض فی الأموال ویقع علی الضریبة

وعلی مال الفئ ویقع علی الجزیة (الخراج لابی یوسف)

اسی طرح قرآن میں ہے: "ام تسئلهم خرجا فخراج ربك خیر" اس کو حمزہ اور کسائی کی

قرأت میں "ام تسئلهم خراجا فخراج ربك خیر" پڑھا گیا ہے۔

فرضیت عشر

عشر کی فرضیت نص قرآنی اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ قرآن میں ہے:

"کلوا من ثمره اذا اثمر وآتوا حقه یوم حصاده"

اور دوسری جگہ ہے:

"یا أیها الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا

لکم من الارض"

عشر و خراج کی اجمالی تعریف کے بعد یہ معلوم ہونا چاہیے کہ عشر و خراج میں قدر مشترک حکومت

اسلامیہ کی طرف سے زمین پر عائد کردہ ٹیکس ہے۔ مگر ان دونوں میں نمایاں فرق ہے۔

الاستخراج فی احکام الخراج

المومنون بقرہ

عشر و خراج میں فرق

پہلا فرق یہ ہے کہ عشر کی فرضیت کا سبب اسلام ہے اور خراج کفر کی وجہ سے ہے جیسا کہ احکام القرآن میں ابوبکر جصاصؒ نے تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے[1]

دوسرا فرق حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے جواہر الفقہ میں تحریر فرمایا ہے کہ عشر میں حیثیت عبادت ہے، اور مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہے اور صاحب بدائع نے وجوب عشر کی شرائط میں اسلام کو شرط قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

ثم منها الاسلام فانه شرط ابتداء هذا الحق فلا يبتدأ ايجاب العشر الا على المسلم بلا خلاف لأن فيه معنى العبادة والكافر ليس من اهل وجوبها ابتداء فلا يبتدأ به عليه

غرضیکہ عشر کے وجوب کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک قسم تو اہلیت ہے دوسری محلیت کے اعتبار سے تو جس طرح اہلیت میں عشر کے لئے اسلام شرط ہے۔ غیر مسلم اہلیت اسلام کے فقدان کے سبب اس حکم کا مکلف نہیں۔ اسی طرح محلیت کے اندر بھی فرق ہے، جیسا کہ بدائع الصنائع میں ہے:

ان سبب فرضيته أي العشر الأرض النامية بالخارج حقيقة وسبب وجوب الخراج الأرض النامية بالخارج حقيقة أو تقديرا ولهذا لو أصاب الخارج آفة فهلك لا يجب فيه العشر في الأرض العشرية ولا الخراج في الأرض الخراجية لفوات النماء حقيقة وتقديرا ولو كانت الأرض عشرية فتمكن من زراعتها فلم يزرع لا يجب العشر لعدم الخارج ولو كانت خراجية يجب الخراج لوجود الخارج تقديرا۔

یعنی عشر کی فرضیت کا سبب زمین کا پیداوار کے ساتھ حقیقت میں قابل کاشت ہونا ہے۔ مگر خراج کا سبب زمین کا حقیقۃً یا تقدیراً قابل کاشت ہونا ہے۔ اسی لئے اگر پیداوار نہ ہو تو زمین کے مالک کی غفلت

---

[1] احکام القرآن الجصاص [illegible]

ہی کی وجہ سے جو وہ قابل کاشت زمین رہ گئی ہو تو مسلمان پر عشر لازم نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ عشر پیداوار کا ایک جزء ہے مگر ایسی قابل کاشت زمین غفلت سے رہ گئی ہو تو بھی خراج لازم آئے گا بشرطیکہ یہ خراج موظف (نقدی) ہو۔

البتہ خراج و عشر دونوں میں زمین کا قابل کاشت ہونا شرط ہے۔ اگر زمین بنجر ہو یا ایسی زمین کہ اس میں پانی بھر جانے کی وجہ سے کھیتی نہ ہو سکی تو اس صورت میں خراج نہیں لگے گا۔

عشر اور زکوٰۃ

عشر اور خراج میں جو بنیادی فرق ہے اس کے ساتھ ہی عشر زکوٰۃ ہی کی طرح عبادت ہونے کے سبب زکوٰۃ اور عشر میں بھی اس طرح فرق ہے کہ زکوٰۃ اموال خالص عبادت ہے مگر عشر میں عبادت کے ساتھ ٹیکس کی بھی حیثیت ہے۔

تیسرا فرق

عشر و خراج میں تیسرا فرق یہ ہے کہ عشر کے لئے وہی مصارف مخصوص ہیں جو زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔ مگر خراج مصالح مملکت اور مسلمان فوج کے اخراجات میں صرف ہوتا ہے۔ عشر مسلم معاشرہ کے اہل حاجت کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ اور خراج مشاہرہ فوج اور امت کے مصالح عامہ پر۔

چوتھا فرق

عشر کی مقدار عشر یا نصف عشر متعین ہے مگر خراج میں حاکم اسلام اور ان سے صلح ہوئی ہے ان کے درمیان جو مقرر ہو وہی خراج ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران سے پیداوار پر دو ہزار کپڑوں پر معاہدہ فرمایا۔ غرضیکہ امام اور خراج ادا کرنے والوں کے درمیان جو چیز معاہدے کی رو سے طے ہو جائے

منشا خراج

ابو عبید نے الاموال اور یوسف قرضاوی نے فقہ الزکوٰۃ میں خراج کی مصلحتوں کو تفصیلاً

بیان کیا ہے۔ ان کی تحریروں کا مختصراً حاصل یہ ہے کہ خراج کے اندر منشا شریعت کو آیت فئی میں اشارةً بیان کیا ہے کہ زمینوں کی ملکیت یا اس کا فائدہ افراد سے منتقل کر کے پوری ملت کو منتقل کر دی جائے۔ تاکہ اس کا فائدہ نسلاً بعد نسلٍ ملت کو حاصل ہوتی رہے۔ اس کی مصلحتوں میں یہ بھی مصلحت ہے کہ چوں کہ زمانۂ جاہلیت میں تقسیم اراضی بطریق ظالمانہ ہوتی تھی حکمرانوں اور ان کے زیر سایہ لوگوں میں جاگیروں کی شکل میں تقسیم ہوتی رہی۔ اور چند ہاتھوں میں اس کی منفعت سمٹ سمٹا کر رہ گئی تھی اس سے عامة الناس محروم ہو گئے تھے اسی بنا پر بعض ائمہ مسلک کے یہاں خراجی زمین وقف مسلمین کے حکم میں اس طرح ہے کہ جس زمین پر ایک مرتبہ خراج عائد ہو گیا یہ زمین اسی وقت تک ارباب زمین کے قبضہ میں رہے گی جب تک وہ خراج ادا کرتے رہیں گے۔ اسلام قبول کر لینے کے بعد بھی یا اس کو مسلمانوں کی طرف منتقل کر دینے کے بعد بھی وہ خراجی ہی رہے گی۔[1]

اسی لئے شام و عراق کے فتح ہونے کے بعد حضرت فاروق اعظم نے زمین فاتحین میں تقسیم نہیں کیا حالانکہ حضرت بلال اور ان کے ساتھی اس کا مطالبہ کرتے رہے۔ تو حضرت خلیفۂ دوم نے استدلالاً سورۂ حشر کی یہ آیت پیش کی:

"ما افاء الله على رسوله من اهل القرى فلله وللرسول ولذى القربى واليتمى والمساكين وابن السبيل كى لا يكون دولة بين الاغنياء منكم"[2]

"للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم و اموالهم"

"والذين جاؤا من بعدهم يقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان"[3]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان آیات سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ اس فئی میں اللہ تعالیٰ نے بعد والوں کو شریک کیا۔ اگر میں اسے تقسیم کر دوں تو بعد والے کے لئے کچھ نہیں رہ جائے گا اگر میں اسے باقی رکھتا ہوں تو اس میں سے صنعاء کے ایک چرواہے کو بھی اس کا کچھ حصہ مل جائے گا۔[4]

خراج کی حکمت میں "دولة بين الاغنياء منكم" بھی ہے کہ دولت اور سرمایہ صرف چند میں محدود ہو کر نہ رہ جائے

---

[1] المغنی ۲/۷۱۷ [2] سورۃ الحشر [3] المستخدم [4] الخراج ابو یوسف

بعض حضرات کو اشکال ہے کہ خراج منصوص بالسنۃ نہیں حالانکہ الخراج میں ابن آدم نے حدیث ذکر کی ہے جس کی اسناد حسن ہے "انہ قضی بالخراج بالضمان[1]" اور اسی طرح دوسری حدیث ہے :

"ان النبیؐ لما صالح اہل ایلۃ کلم اھلہ فوضعوا من خراجہ"

اور مسند امام احمد میں ہے :

"کتب النبیؐ الی قیصر کتابا مع دحیۃ یخیرہ بین احدی ثلث منہا ان یقرلہ بخراج یجری علیہ[2]"

عشری و خراجی زمین کی تحقیق

عشری زمینیں

۱ ـــــ عشری ہر وہ زمین ہے جس کے مالکوں نے اسلام قبول کیا ہو اور وہ اس زمین کے قطعات کے مالک ہوں، جیسے مدینہ، طائف، یمن اور بحرین کی زمینیں۔ اسی طرح اراضی مکہ گو کہ عنوۃً اور قہراً فتح ہوا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احساناً یا حرم محترم کے احترام میں مکہ والوں کی جان و مال سے تعرض نہیں فرمایا۔

۲ ـــــ دوسری قسم وہ زمینیں ہیں جو عنوۃً حاصل ہوئیں اور بعد میں امام نے ان کو مال غنیمت قرار دے کر خمس ۱/۵ نکال کر مجاہدین و فاتحین میں تقسیم کر دیا۔

۳ ـــــ مفتوحہ علاقوں کی سرحدی زمینوں میں سے خمس نکال کر فاتحین میں تقسیم کر دی گئیں تو اس کے بقیہ حصوں میں بھی عشر ادا ہوگا۔

۴ ـــــ اراضی عادیہ یعنی وہ قدیم زمینیں جو آباد ہو اور اس کا کوئی وارث یا مالک نہ ہو۔ اگر امام مسلمین نے کسی مسلمان کو عطاءً دے دی تو وہ بھی عشری ہوگی جیسا کہ عہد رسالت کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں یمن، یمامہ، بصرہ وغیرہ کی زمینیں بطور جاگیر اشخاص کو دی گئیں۔

۵ ـــــ اراضی موات (ناقابل زراعت) وہ بنجر زمینیں جس کو کسی مسلمان نے عشری پانی سے محنت کر کے

---

[1] الخراج یحییٰ ابن آدم ص۔ [2] الخراج ص

قابل کاشت بنائی ہو۔

حدیث میں ہے: من احیا ارضا میتة فهی له

ایسی زمین تو ارثاً اس کے ورثاء میں منتقل ہوتی رہے گی۔ اس سلسلہ میں کہ مملوکہ اراضی ہوگی اس کو بیچنا چاہے تو بیچ سکتا ہے۔

۶۔ ملک کے فتح ہونے کے بعد اس کی آبادی کے کسی مکان یا افتادہ زمین باجازت امیر کسی مسلمان نے اس کو مزروعہ بنا لیا تو امام ابو یوسف کے قول کی بنیاد پر ایسی زمین کے قرب و جوار میں عشری زمینیں ہیں تو وہ عشری ہوگی اور اگر ارد گرد میں خراجی زمین ہے تو خراجی۔ امام محمدؒ کے نزدیک اس کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار پانی ہے۔ اگر اس کو عشری پانی سے قابل زراعت بنائی گئی تو عشری اور اگر خراجی پانی سے سیراب کیا گیا تو خراجی ہوگی۔

۷۔ لیکن اگر ایسی بنجر زمین میں کوئی پتھر وغیرہ علامات کا دے تو اس کی ملکیت ہوگی۔ مگر جس نے اس کو تین سال تک محض گھیر رکھا، ایسی قابل زراعت نہیں بنایا تو اس کے بعد اس کو قابل زراعت بنانے والے کی ہو جائے گی۔ اور اس کے عشری یا خراجی ہونے میں وہی اختلاف امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے قول مختلف کی بنیاد پر ہو سکتا ہے۔ ہوگا۔

[illegible] قال ابن مبارك [illegible]

[illegible]

[illegible]

خراجی زمینیں

اگر کوئی ملک صلحاً فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات معاہدۂ صلح کے مطابق طے ہوں گے۔ اگر اس معاہدے میں یہ شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور اراضی بدستور انہیں کی ملک میں رہیں گی، انہی کی ملکیت میں رہیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا جائے گا۔ یہ خراجی ہوں گی۔

۱؎ الاموال [illegible] كتاب الخراج [illegible]

حنبلی مسلک

حضرت یحییٰ ابن آدم نے خراج کن پر عائد ہوتا ہے اور کن پر عائد نہیں ہوتا، اس کو تفصیلاً بیان کیا ہے:

"فیما یوضع علیه الخراج من الارضین ومالا یوضع الارض إمام أن تکون للمسلمین او للکفار، فاما أرض المسلمین فهی قسمان: احدهما أرض لها مالك معین من المسلمین وهی ما احیاها المسلمون من غیر أرض العنوة أوما أسلم علیها، لم یکن علیهم خراج قبل الاسلام فهذه لاخراج علیها وکذالك مالکها بعض المسلمین من الکفار ابتداء کأرض قاتلوا علیها الکفار وقسمها الامام بین الغانمین فکل هذه من أراضی المسلمین مملوکة لمن فی یده ولاخراج علی المسلم فی خالص ملکه الذی لاحق لاحد وهذا لایعلم فیه خلاف ونص علیه الامام احمد فی احیاء الموات وفیمن أسلم علی أرض بیده"[له]

(یہ بحث اس سلسلہ میں ہے کہ کس زمین پر خراج عائد ہوگا اور کس زمین پر عائد نہیں ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ زمین یا تو وہ مسلمان کی ہوگی یا کافر کی۔ اگر مسلمان کی ہے تو پھر اس کی دو قسمیں ہوں گی، ان میں سے ایک ایسی زمین ہوگی کہ جس کا مالک متعین ہوگا، اور وہ وہ زمین ہے کہ جس کو مسلمانوں نے لائق زراعت بنایا، اور اس ملک کی نہیں ہے جس کو عنوۃً فتح کیا گیا ہو یا وہ ایسی نہیں ہے کہ اس پر اسلام قبول کیا اور ان پر اسلام سے پہلے خراج نہیں تھا تو اس پر خراج نہیں ہوگا اور اسی طرح وہ زمین کہ ابتداءً ہی بعض مسلمان بعض زمینوں کے مالک ہو گئے تو وہ زمین کس طرح کی ہوگی جس پر مسلمانوں نے کافروں سے قتال کیا اور

له الاستخراج فی احکام الخراج ص

اس کو مسلمانوں میں امام نے تقسیم کر دیا، تو یہ سب زمین مسلمانوں میں جن کے ہاتھ میں ہوں گی وہ ان مسلمانوں کی مملوکہ اراضی بھی جائیں گی، اور مسلمانوں کی اپنی خاص ملک میں خراج عائد نہیں ہوتا جس زمین پر کسی دوسرے کا حق نہ ہو۔ یہ وہ رائے ہے جس میں کسی امام کا ائمہ مسلک میں اختلاف نہیں پایا۔ اور امام احمدؒ نے احیاء اموات اور مسلمانوں کے قبضہ میں جو زمین ہو اور اس پر اسلام سے پہلے اس میں متعینہ رائے بیان کی ہے کہ وہ شخص جس نے کسی زمین پر اسلام قبول کیا تو یہ اس کی ملک ہوگی اور اس سے خراج لیا جائے گا۔

قاضی عیاض نے اس کی توجیہ یوں کی ہے کہ یہ اس زمین کے سلسلہ میں ہے جو اس کے اسلام لانے سے پہلے سے خراجی ہو تو اس کی اسلام قبول کرنے سے خراج ساقط نہیں ہوگا۔[1]

امام احمد نے ارض صلح کو ارض خراجی قرار دیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ کیسے تو انھوں نے کہا:

"الرجل یکون فی یدہ الارض فیسلم ویصالح علی أرضہ فہذا ھو خراج"[2]

حرب کہتے ہیں کہ میرے نزدیک ہے اور رہ گئے دوسرے لوگ تو میں نہیں جانتا کہ یہ کیسے ہے اس لئے کہ آدمی جب مسلمان نہیں ہوتا ہے اور اپنی زمین پر مصالحت کرتا ہے تو اس سے وہ لی جاتی ہے جس پر مصالحت ہوئی ہو۔ پھر جب وہ اسلام قبول کر لیتا ہے صلح کے بعد تو اس کی زمین عشری ہونی چاہئے اس لئے کہ خراج تو قہراً ہوتا ہے ــــــ حرب کہتے ہیں کہ اسی طرح ایک مرتبہ امام احمد نے کہا کہ صلحی زمین عشری ہے اس میں خراج کیسے عائد ہو سکتا ہے ــــــ اسی طرح امام احمدؒ نے ایک قول میں فرمایا:

"اذا فتح المسلمون الارض عنوة فصارت فیئاً لھم فھو خراج. قال وأرض العشر الرجل یسلم بنفسہ من غیر قتال وفی یدہ الارض فھو عشر۔"[3]

"کہ جب کسی زمین کو مسلمان عنوۃً فتح کریں تو وہ زمین ان کے لئے فئی ہو جاتی ہے اور خراج ہے۔ اور کہا کہ ارض عشر وہ ہے کہ آدمی خود اپنے کو سپرد کر دے (یا اسلام لے آئے) بغیر قتال کے اور اس کے ہاتھ میں زمین ہو تو وہ عشری ہے۔"

---

[1] الاستخراج ابن رجب صلا [2] الاستخراج صلا

جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح فرمایا تھا آپ کے بعد ائمہ نے بلاد جزیرہ، آرمینیا، خراسان وغیرہ والوں سے صلح کیا۔[1]

چوں کہ فقہ احناف میں پانی کے عشری یا خراجی ہونے کا اثر زمین کی بعض صورتوں پر بھی پڑتا ہے اور پانی کے عشری اور خراجی ہونے کی تحقیق سے دوسرے مسائل بھی واضح ہوں گے۔

عشری اور خراجی پانی کی تحقیق

زمینوں کی طرح پانی میں بھی عشری اور خراجی ہونے کا ضابطہ ہے۔ عشری پانی، بارش کا پانی، قدرتی چشمے، بڑے دریا اور ندیاں جو قدرتی طور پر جاری ہیں اور جس کے بنانے میں حکومت یا کسی قوم کا عمل دخل نہیں، وہ نہ عادتاً کسی کی ملک ہیں اور نہ اس میں عمل دخل ہے۔ جیسے عراق میں دجلہ و فرات، مصر میں نیل، خراسان میں جیون جیحون اور گنگا، جمنا، پنجاب کے بڑے دریا، عام فقہاء کے نزدیک عشری ہیں۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ بھی خراجی ہیں اور جو نہریں کسی حکومت یا جماعت نے اپنی محنت اور خرچہ سے نکالا وہ خراجی ہوں گی۔ مگر اس طرح نہیں کہ دوسری ساری زمینیں خراجی ہو جائیں۔ چوں کہ نہر گنگ وغیرہ فتح اسلامی سے پہلے غیر مسلموں کی ملک تھیں، اس لئے ان کا پانی خراجی ہے۔

پانی کے سلسلہ میں تحقیق کرنے والوں کے ذہن میں فقہاء کرام کے ان ضابطوں کے علاوہ یہ بھی رہنا چاہئے کہ ہندوستان میں جو نظام نہر ہے ان نہروں میں سے زیادہ تر انگریزوں کے دور حکومت میں آبپاشی کے لئے تیار کئے گئے، اور حکومت کی طرف سے اس پر محصول مال گذاری کے علاوہ محصول پٹوتی مقرر کیا گیا۔ بہار کے اندر تو سرکاری معاملہ یہی ہے، بقیہ صوبوں میں بھی غالباً یہی ہوگا۔ "موسوعۃ الفقہ الاسلامی" میں جامع صغیر کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے:

«وفي الجامع الصغير: وأرض فتحت عنوة ووصل إليها ماء الأنهار فهي أرض خراج، وما لم يصل إليها ماء الأنهار واستخرج منه عين فهي أرض عشر، لأن العشر يتعلق بالأرض النامية ونماؤها بمائها

---

[1] [illegible]

فيعتبر الحق بماء العشر أو بماء الخراج ومن أحيا أرضاً مواتاً فهي عند أبي يوسف معتبرة. وقال: وإن أحياها ببئر حفرها أو بعين استخرجها أو ماء دجلة أو الفرات أو الأنهار العظام التي لا يملكها أحد فهي عشرية وكذا إذا أحياها بماء السماء وإن أحياها بماء الأنهار التي احتفرها الأعاجم فهي خراجية كما ذكرنا من اعتبار الماء إذ هو السبب النماء[1]

عشری اور خراجی ہونے کا ضابطہ

زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کے لئے اصل میں یہی ضابطہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد صحابہ کرام نے اپنایا۔ "کتاب الاموال" میں ابو عبید نے ان روایات و فیصلوں کو تفصیلاً ذکر کیا ہے۔

اس اصل ضابطہ سے ہٹ کر بعض مواقع میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مختلف رویہ اختیار فرمایا ہے یہ صورتیں استثنائی ہیں۔ مثلاً مکہ مکرمہ قہراً فتح ہوا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی زمینوں کو مجاہدین پر تقسیم نہیں فرمایا بلکہ سابقہ مالکان کو بدستور ان کی ملکیت پر قائم رکھا۔ مذکورہ ضابطہ کا تقاضا یہ تھا کہ اراضی مکہ پر خراج عائد کیا جاتا مگر خراجی نہیں قرار دی گئیں۔ اس کی دو وجہیں فقہاء نے بیان کی ہیں مکہ کی اراضی غیر خراجی قرار دینے میں ایک تو احسان تھا، دوسرے حرم پاک کا احترام ملحوظ تھا۔

دورِ فاروقی میں شہر بصرہ آباد کیا گیا اور اس کی زمینوں کو جو غیر آباد تھیں مسلمانوں نے قابل کاشت بنایا اور یہ زمینیں عراق کی خراجی زمین کے متصل تھیں۔ اس لئے ضابطہ کا تقاضا تھا کہ وہ بھی خراجی ہوتیں جیسا اعتبار امام ابو یوسف کی رائے کے ۔۔۔۔ مگر اجماع صحابہ کرام اس کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا۔

زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے میں عہد رسالت اور خلفاء راشدین کے فیصلے

علامہ شامی نے "تقویم البلدان" کے حوالہ جزیرۃ العرب میں پانچ خطے کو شامل کیا ہے۔ تہامہ،

[1] [illegible]

نجد، حجاز، عروض، یمن، حجاز کی جنوبی جانب کا نام تہامہ ہے، حجاز و عراق کے درمیانی حصہ کا نام نجد ہے، حجاز وہ پہاڑی سلسلہ ہے جو یمن سے شروع ہو کر حدود شام تک پہنچا ہے، اسی میں مدینہ طیبہ اور شام کا ساحل عمان شامل ہے، اور عروض یمامہ سے بحرین تک ہے، یمن میں عدن بھی داخل ہے، بعض حضرات نے جزیرۃ العرب کا طول عدن سے عراق تک اور عروض ساحل جدہ سے ملک شام تک بیان کیا ہے[1]

اسی طرح عراق عرب کی تمام زمینیں خراجی ہیں، فاروق اعظم نے تمام صحابہ کرام کے سامنے فتح کرنے کے بعد عراق عرب پر خراج کا حکم عائد کیا۔

عراق عرب کے حدود طولاً عذیب علاقہ کوفہ سے عقبہ حلوان قریب بغداد تک اور عرضاً علث شرق دجلہ سے ساحل عبادان تک ہے[2]

اراضی مصر و شام میں جن مالکان اراضی کو ان کی زمینوں پر بدستور ملکیت قائم رکھی گئی وہ خراجی ہیں۔

نصاریٰ بنی نجران سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو ہزار جوڑے کپڑے سالانہ خراج پر صلح فرمائی، جس کا نصف رجب میں اور نصف (ایک ہزار) ماہ محرم میں ادائیگی خراج کا فیصلہ فرمایا۔

نصاریٰ بنی تغلب سے فاروق اعظم نے دوگنا عشر کے خراج پر صلح فرمائی[3]

اس زمین کا حکم جو آبادی سے باہر ہو اور اس کا کوئی مالک نہ ہو۔ البدائع الصنائع میں ہے:

"فی أرض خارج البلد لم تکن ملکا لأحد ولا حقا له خاصا فلا تکون داخل البلد موات اصلا وکذا ما کان خارج البلد من مرافقها محتطبا لأهلها أو مرعى لهم لا یکون مواتا لأن ما کان من مرافق أهل البلدة فهو حق أهل البلد کفناء دارهم وفي ظاهر الروایة لیس بشرط أن یکون بعیدا من العمران حتی أن بحرا لوجزر الماء انحسر ماؤه او أجمة عظیمة لم تکن ملکا

---

[1] رد المحتار باب العشر والخراج ۲۵۰/۳ [2] بدائع الصنائع، شامی

[3] بدائع، القول الماضی فی احکام الأراضی۔

لاحد تكون أرض موات فى ظاهر الرواية[1]

"شہر کے باہر اس زمین کے سلسلہ میں جو کسی کی ملکیت نہ ہو اور نہ اس کا کوئی خاص حق ہو ، وہ شہر کے انداعل میں مردہ ہی ہو اور ایسے ہی جو شہر کے باہر - اس کے موافقت میں اس شہر والوں کے منقلب یا ان کے چوپایوں کے لئے چراگاہ نہ ہو اس لئے کہ شہر والوں کے مرافق میں جو وہ اہل شہر کا حق ہوتا ہے ان کے گھر کے صحن کی طرح - اور ظاہر روایت میں یہ شرط نہیں ہے کہ وہ آبادی سے اتنی دور ہو کہ اگر دریا میں طغیانی آجائے تو اس کا پانی اس میں بھر جائے یا اجمہ عظیم ہو تو اس پر کسی کی ملکیت ثابت نہ ہوگی - وہ مردہ زمین قرار دی جائے گی - ظاہر روایت میں !"

اراضئ ہند کا تاریخی جائزہ

محور دوم

۱ــــ محمد ابن قاسم سے لے کر ہندوستان پر برطانوی تسلط سے پہلے ہندوستان کی مفتوحہ اراضی کے ساتھ مسلم فاتحین کا کیا معاملہ رہا اس کا ایک تاریخی جائزہ ۔
ان اراضی پر عشر لازم کیا گیا یا خراج ؟
مفتوحہ اراضی مسلمانوں پر تقسیم کر دی گئیں یا ان پر حسب سابق غیر مسلموں کا قبضہ باقی رکھ کر کسی خاص قسم کا ٹیکس عائد کیا گیا ؟

۲ــــ انگریزوں کی عمل داری کے آغاز سے ۱۹۴۷ء تک اراضی ہند کی کیا نوعیت رہی ؟
ہندوستان کے مختلف صوبوں میں اگر اس سلسلہ میں مختلف رویہ اپنایا گیا تو اس کی وضاحت بھی مطلوب ہے ۔

محمد بن قاسم سے عہد برطانیہ سے پہلے تک :

محور دوم : سوال (۱) چوں کہ ہندوستان کے علاقہ سندھ

---

[1] موسوعة الفقه الاسلامي ۱۱۳/۲

میں سب سے پہلے مسلم مجاہدین دور اموی کے خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانۂ خلافت میں آئے، محمد بن قاسم پہلی صدی ہجری کے اواخر میں چھ ہزار فوج کے ساتھ دریائے سندھ کے راستے سندھ میں داخل ہوئے، تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ سندھ کا چوں کہ علاقہ وسیع تھا پنجاب، کشمیر، گجرات سندھ ہی اجزا تھے اس وسیع خطہ میں جیسا کہ گذشتہ دور میں (طوائف الملوکی) چھوٹے چھوٹے علاقوں کا کوئی نہ کوئی راجہ ہوا کرتا تھا۔ اس لئے ان خطوں کے بہت سے راجاؤں نے محمد بن قاسم سے مقابلہ کیا، اور شکست کھا گئے۔ اور بعض راجاؤں نے جزیہ پر صلح کر لیا، مگر تقریباً ان ہر دو قسم کے علاقوں میں محمد ابن قاسم نے وہاں کی زمینوں پر سابقہ ملکیت برقرار رکھتے ہوئے انھیں کے قبضہ میں چھوڑ دی۔

کتب تاریخ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بعض شہروں اور علاقوں کے لوگ صلح یا جنگ سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے۔ بہرصورت اجمالی طور پر یہ بات قدر مشترک نظر آتی ہے کہ ان کی زمینوں کو ان کی ملکیت میں بدستور رکھا گیا۔ اور شرعی ضابطے سے جو ملک عنوۃً فتح ہوا اور اس کی آراضی وہاں کے باشندوں ہی کے ملک میں بدستور رہیں تو ان آراضی پر خراج عائد ہوگا۔ ـــــ یا وہ ملک صلحاً فتح ہو تو پھر صلح معاہدہ کے تحت ان کی آراضی پر امام مسلمین جو خراج عائد کرے وہ اپنے اختیار سے کرے گا۔

اب دیکھنا چاہئے کہ سندھ اور پھر بعد کے فتوحات جو محمود غزنوی اور غوری عہد حکومت سے علاؤالدین خلجی تک ختم ہو جاتا ہے، ان فتوحات کے بعد زمینوں کے ساتھ حکمرانوں کا کیا رویہ رہا ـــــ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے "القول الماضی فی الحکم الاراضی" میں سندھ کی زمینوں کے حالات اور ان کے حکم کے سلسلہ میں تفصیلی بحث کرتے ہوئے سندھ کے بعض خطوں کو عشری اور بعض کو خراجی قرار دیا ہے۔ سندھ کے حالات پر اور علماء سندھ کے فتاووں پر نظر کرنے سے بہت حد تک یہ مسئلہ آسان نظر آتا ہے کہ اس کے تناظر میں کسی صحیح فیصلہ پر پہنچا جا سکے۔ مفتی صاحب مولانا ہمایونی رحؒ کے قلمی نسخہ کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

کہ مولانا ہمایونی رحؒ نے اپنے رسالہ "سراج الهند فی تحقیق خراج الهند" میں شیخ ابوالحسن سندھی کی کتاب "بضع القریة" کی یہ عبارت نقل کی ہے:

"قد ثبت من كتب التاريخ ان فتح السند كان في سنة ثلاث وتسعين وكان عنوة الاسلام جند الخلفاء في سنة ثلاث وتسعين ايام خلافة وليد بن عبد الملك فتحت ديبل ولا شك ان ديبل هو

اکثر ضیعات السندھ ومدار دیارھا ۔لہ

مولانا ہمایونی رفع القریہ کی اس عبارت کو نقل کرتے ہوئے حضرت مخدوم ہاشم ٹھٹھوی کی کتاب "اتحاف الاکابر" اور مخدوم عبدالواحد سیوستانی کی کتاب "بیاض واحدی" کا حوالہ دیتے ہوئے ان حضرات کا اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ علاقہ سندھ کی ساری زمینیں خراجی ہیں اور ان حضرات نے استدلال کیا ہے کہ سندھ کے بعض علاقے محمد بن قاسم نے عنوۃ فتح کئے اور بعض علاقے صلحاً، اور ان ہر دو صورت میں مالکان زمین کی ملکیت برقرار رکھی، اور ان پر خراج مقرر کیا۔ــــ مگر اس کے ساتھ ہی تاریخی شواہد اور خود شیخ ابوالحسن سندھی وغیرہم اور راجہ داہر کے بیٹے جئے سیہ کا دور عمر بن عبدالعزیز میں مسلمان ہوجانا اور محمد بن قاسم کے پاس دوسرے راجاؤں کی عوام کا اکثر بنفسہ مسلمان ہونا یا امور اس بات پر ذہن کو مطمئن نہیں ہونے دیتے کہ مندرجہ بالا رائے تسلیم کرلی جائے اور پورے سندھ کے بارے میں خراجی زمین کا حکم لگا دیا جائے۔ اور جس طرح یہ ناقابل تسلیم ہے اسی طرح شیخ ابوالحسن سندھی نے جامع الفتاوی الناصری کا قول نقل کیا ہے کہ سندھ کی آراضی عشری ہیں ــــ اس لئے کہ کلیۃً آراضی سندھ کے بارے میں یہ حکم لگانا بھی ازروئے شرع تاریخ کے تناظر میں صحیح نہیں ہوسکتا۔ اس لئے محمد بن قاسم نے راجہ داہر کے پایہ سلطنت برہمن آباد کو عنوۃً فتح کیا اس کے بعد سندھ میں آباد بدھوں نے حجاج ابن یوسف کے پاس اپنے سفیروں کو بھیج کر امان طلب کرلی۔ اور محمد ابن قاسم کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا، مسلمان فوج کی رسد کا انتظام کیا اور صلح کرلی، اس میں بھی احتمال ہے کہ بہت سے لوگ قبل از صلح مسلمان ہوگئے ہوں، اسی طرح سیوستان کے بدھی لوگ اپنے راجہ بجے رائے کو چھوڑ کر مسلمان کے ساتھ ہوگئے۔ سندھ کا مشہور سیاست داں اپنے لوگوں کو چھوڑ کر محمد بن قاسم سے ملا، اس نے پیشن گوئی کی کہ اس ملک کو مسلمان فتح کریں گے۔

محمد بن قاسم نے یہاں کے لوگوں کو تبدیلی مذہب پر بزور حکومت مجبور نہیں کیا، اور نہ ان کی آراضی ان کے قبضے سے لی۔ بلکہ ان کو ان پر قائم رکھا۔ اور فرمان خلیفہ کے بموجب وہی محصول ان پر مقرر کیا۔ جو اس سے پہلے وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے۔ نتیجۃً اس سے ہم کم از کم اس نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں کہ نہ تو سندھ کی ساری آراضی عشری ہے نہ خراجی۔

لہ الجواہر الفقہ ص۲۳۲۔

محمد بن قاسم کے سندھ سے واپس جانے کے بعد تبدیلی حالات

ولید بن عبدالملک کے بعد سلیمان بن عبدالملک کے دور میں محمد بن قاسم کو واپس بلالیا گیا۔ ہلا اس تفصیل میں گئے کہ اس کے کیا محرکات تھے محمد بن قاسم کی واپسی کے نتیجہ میں بغداد کی مرکزی خلافت کی گرفت سندھ پر کمزور پڑ جانے کے سبب راجہ داہر کے لڑکے جیسیہ نے بغاوت کر کے سندھ کے پایہ تخت برہمن آباد پر قبضہ کرلیا، اور اس کے قریب پاس کے علاقوں کو بھی قبضہ میں کرلیا، اور اپنی خود مختاری کا اعلان کردیا۔ مورخین کی تحقیق ہے کہ اسی دور میں دوسرے چند عرب امراء نے بھی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر کے خود مختار ہو گئے، اور صرف دو ریاستوں ملتان اور سندھ کے مشہور شہر منصورہ پر مسلم ولایت برقرار رہی۔

چوتھی صدی کے آخر میں محمود غزنوی تک سندھ اور اطراف سندھ میں چھوٹی چھوٹی مسلم ریاستوں کا پتہ چلتا ہے، جن میں دیبل یا ٹھٹھہ، قیقان یا سیوان، قنبل، بوقان، قصدار یا قزدار، دہند یا دہیاند، مکران، جنگلی، کشمیر۔
عرب کے مشہور سیاح مسعودی کا ورود ہندوستان میں ۳۰۲ھ میں ہوا اس کا بیان ہے کہ ولبھ رائے کی حکومت میں صرف "میمو" شہر میں دس ہزار مسلمانوں کی آبادی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے راجہ داہر کے لڑکے جیسیہ کو خط لکھا جس میں اس کو اسلام کی دعوت دی وہ اس غائبانہ خط سے متاثر ہوا اور اس نے اسلام قبول کرلیا۔

ان تاریخی حقائق کی روشنی میں مجموعی طور پر یہ بات بھی نہیں کہی جا سکتی کہ سندھ کے سارے علاقے عنوۃ ہی فتح ہوئے اس لئے کہ ان میں کچھ وہ لوگ بھی ہیں جو خود مسلمان کے ساتھ مل گئے۔ اس میں اس کا قوی احتمال ہے کہ انھوں نے فتح سے پہلے اسلام قبول کرلیا ہو جیسے کہ ان لوگوں کا حال ابھی گذرا۔ اسی طرح ولبھ رائے کی حکومت میں صیمو کے مسلمان جو کافی تعداد میں تھے۔ اسی طرح راجہ داہر کے لڑکے کا عمر بن عبدالعزیز کے خط پر اسلام قبول کرلینے سے بظاہر خود مختاری اور استیلاء کے بعد اس کا اسلام قبول کرلینا اس کی اور اس کے ساتھ دوسرے مسلمان ہونے والوں کی زمین کو عشری قرار دے گا۔ اسی طرح وہ بنجر زمینیں جن کو مسلمان نے آباد کی ہوں گی اگر عشری پانی سے آباد کیا ہوگا تو وہ بھی عشری ہی قرار پائیں گی۔

۔ اس کے علاوہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس وقت سندھ میں جو زمینیں مسلمانوں کے پاس ہیں ہو سکتا ہے کہ محمد بن قاسم کے ان مفتوحہ علاقوں میں ہوں جو عنوۃ فتح ہوئی ہوں۔ اور اس کے ہندو مالکان کے

قبضہ میں رہی ہوں، اور ان پر اس وقت خراج ہی عائد کیا گیا ہو مگر بعد میں غیر آباد لاوارث ہو کر بیت المال کے قبضہ میں آگئی ہوں، اور متولی بیت المال نے اپنی صواب دید سے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا ہو تو اس طرح اس زمین پر مسلمانوں کی یہ ملکیت اگرچہ فتح اول کے وقت تو نہیں تھی مگر انقلابات کے سبب مسلمانوں کی ملکیت میں داخل ہو گئی۔

غرضیکہ مسلمانوں کی جو مملوکہ اراضی خواہ ہندوستان کے کسی خطہ کی ہو نسلاً بعد نسل متوارثاً چلی آ رہی ہیں اور کسی غیر مسلم کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا تو استصحاب حال کی بنیاد پر پہلا مالک مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ اگرچہ سندھ کی زمینوں کے اکثر مالکان کا غیر مسلم ہونا مشہور ہے مگر جیسا کہ تاریخی اعتبار سے بہت سے لوگوں کا اسلام قبول کرنا بھی ثابت ہے۔ اس لئے محض اس وجہ سے کہ اس علاقہ کی زمینوں کے اکثر مالک ہندو تھے ساری زمینوں کے سلسلہ میں خراجی یا یہ کہ بہت سے مسلمان ہوئے اس بنا پر سب کو عشری قرار دے دینا خلاف حقیقت ہوگا۔

جیسا کہ شیخ ابوالحسن سندھی نے بہت سے نام اور پتے ایسے بھی دیئے ہیں کہ جن کے بارے میں ان کو تحقیق ہے کہ یہ لوگ صلح سے پہلے یا اول فتح کے وقت ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ اسی لئے حضرت شاہ جلال تھانیسری نے احکام الاراضی میں لکھا ہے کہ جو زمینیں مسلمان زمینداروں کے پاس جس خطہ میں بھی نسلاً بعد نسل چلی آ رہی ہے اس کو محض اس بنیاد پر مشتبہ نہیں کیا جا سکتا کہ اس علاقہ کی زمینوں پر ابتدائے فتح کے وقت غیر مسلموں کا مالکانہ قبضہ قائم رکھا گیا تھا۔

ان تحقیقات کے باوجود ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ سندھ کے کن کن علاقوں میں محمد بن قاسم کے دور میں خراجی زمینیں تھیں اور کن علاقوں کی عشری۔ البتہ آئینۂ حقیقت نما کے مصنف نے حجاج بن یوسف کے فرمان کا ایک جز نقل کیا ہے:

"جو لوگ اپنے مذہب پر قائم ہیں ان سے دیہی مال گذاری وصول کرو جو وہ اپنے راجاؤں کو دیا کرتے تھے۔"[1]

اس سے غیر مسلموں سے خراج لینے کا ثبوت جہاں ملتا ہے وہیں اس کا احتمال بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ محاصل غیر مسلموں کے ساتھ تھیں، اور جو لوگ اسلام قبول کر چکے تھے یا تو وہ وہ لوگ تھے جنھوں نے

---

[1] آئینۂ حقیقت نما صفحہ

اول فتح کے وقت ہی مسلمان ہو گئے ہوں یا سندھ میں محمد بن قاسم کے آنے کے بعد دوسرے خطے کے لوگوں کو جب محمد بن قاسم کی آمد اور فتح کی خبر ہوئی ہو تو ان سے صلح و معاہدہ کے پہلے اسلام قبول کر چکے ہوں، تو ظاہر ہے کہ اس فرمان سے ان کو مستثنیٰ کرنا مقصود تھا اور یہ فرمان انہیں لوگوں کے لئے تھا جو اپنے مذہب پر قائم تھے۔ پھر یہ کہ محاصل کی کوئی نئی شرح کے بجائے سابقہ ہی مال گذاری کو قائم رکھا۔

حاصل یہ کہ سندھ کی نہ تو تمام آراضی خراجی کہی جا سکتی ہے اور نہ کل کی کل عشری! ــــــ مگر چونکہ انفرادی طور پر ہر ایک کی زمینوں کے بارے میں اس وقت کی صحیح حیثیت معلوم کرنا جب کہ فتوحات کو تقریباً ۱۲، ۱۳ سو سال گذر چکے، کسی علاقہ میں سات آٹھ سو سال گذرے اور اس زمانہ میں صدہا انقلابات پیش آئے کتنی بستیاں بسیں اور اجڑیں، ان زمینوں پر کتنے زمانے تک کون قابض رہا اور کس کس کی ملکیت میں آتی رہیں اور کتنے زمانہ لاوارث پڑی رہیں وغیرہ ــــــ اس لئے متعینہ طور پر ہر ایک زمیندار کی زمینوں کے متعلق یقینی فیصلہ عشری یا خراجی ہونے کا نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے فقہاء کرام نے استصحاب حال کو بنیاد بنا کر فیصلہ کیا ہے۔

کہ جو زمینیں بھی جس زمیندار کی ملکیت میں ہیں اور نسلاً بعد نسلٍ قرناً بعد قرنٍ اس کی ملکیت میں چلی ہیں اور اس کی ملکیت کسی غیر مسلم کے لئے ثابت نہیں تو اس کو محمول کیا جائے گا کہ اول فتح سے ہی اس کے پاس ہے، یا یہ کہ غیر مسلم کی ملکیت میں تھی مگر وہ بعد میں لاوارث ہو کر بیت المال کے قبضہ میں آگئی اور متولی بیت المال سے عطاءً جاگیر کے طور پر یا قیمتاً فروخت کر کے اس کا اول مسلمان مالک ہو گیا، اسی طرح برہمن آباد اور اس کے قریب کا علاقہ عشری قرار دیا جائے گا، چونکہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے دور میں راجہ داہر کا لڑکا مسلمان ہو گیا تھا، اور مسلمان ہونے سے پہلے برہمن آباد اور اس کے علاقے پر اس کا استیلاء ثابت ہو گیا تھا۔

دوسرے مسلمان بادشاہوں کے دور کا حال

محمد بن قاسم کے بعد ہندوستان کے دوسرے مفتوحہ علاقے محمود غزنوی اور غوری حکومت سے شروع ہو کر علاءالدین خلجی تک تمام ہوتی ہیں ــــــ ان بادشاہوں کے دور میں اہل تاریخ کی کتابوں سے عشر و خراج کی وصولی کا نظام معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ بعض نے لکھا ہے کہ عشری زمینوں سے عشر کی وصولی کا بہت

چاق وچوبند نظام رہا۔

چنانچہ مولانا اکبر شاہ نجیب آبادی نے لکھا ہے کہ :

"نو مسلموں کو ان کی زمینوں اور جائدادوں پر بدستور قابض رکھا گیا، اور ان سے عشر وصول کیا جاتا تھا[1]۔"

سلاطین دہلی کے دور میں بھی عشر کی وصولی کا ثبوت ملتا ہے۔ سید محمد صغریٰ بلگرامی کی استدعا پر سلطان التمش نے بلگرام میں عشر کی وصولی کے لئے فرمان جاری کیا۔ علامہ آزاد نے "ماثر الکرام" میں تحریر فرمایا ہے کہ :

"از آں عہد تا زمان سلطان ابراہیم سکندر لودی دہ یکے پرگنہ بلگرام معمول بود[2]۔"

سلطان شمس الدین کے عہد سے لے کر سلطان ابراہیم بن سکندر لودی تک پرگنہ بلگرام میں عشر کی وصولی کا برابر نظام رہا۔ اسی طرح سلطان التمش کے بعد خاندان غلامان کے تمام بادشاہوں کے دور میں اور بادشاہان غلامان کے بعد خاندان خلجی کے تمام بادشاہوں کے دور میں ـــــ اور خلجی بادشاہوں کے بعد خاندان تغلق کے تمام بادشاہوں کے دور میں تغلقیوں کے خاندان سادات کے تمام بادشاہوں کے دور میں، اور ان کے بعد لودی خاندان کے تمام بادشاہوں کے زمانے میں وصولی کا نظام بدستور قائم رہا ـــــ محمد بن قاسم کی فتوحات کے بعد ہندوستان کے دوسرے علاقے جو محمود غزنوی کے عہد سے علاءالدین خلجی تک فتح ہوئے، ان میں یہ بات مسلم ہے کہ ان علاقوں کی زمینیں جو غیر مسلموں کی ملک میں تھیں، وہ بدستور انھیں کی ملک میں رہیں اور ان پر خراج نافذ کیا گیا ـــــ مگر علاءالدین خلجی نے جو اصلاحات و تغیرات کئے اس سلسلہ میں کتب تاریخ "نزہۃ الخواطر" اور "آئینہ حقیقت نما" سے پتہ چلتا ہے کہ گذشتہ بادشاہوں کے زمانے میں فوج کو تنخواہ بصورت جاگیر دینے کا دستور تھا مگر علاءالدین خلجی نے اس کو نقد تنخواہوں کی صورت میں کر دیا ـــــ اسی طرح مالکان آراضی پر نقد خراج مقرر تھا مگر اس نے اس کی جگہ پر بٹائی کا وصول مقرر کر دیا۔

اس کے بعد فیروز تغلق نے بھی مالکان آراضی کے سلسلہ میں نقد خراج ہی کو جاری رکھا۔ مگر فوج کی جو نقد تنخواہ کا اصول علاءالدین خلجی نے مقرر کیا تھا اس کو پھر جاگیروں کی شکل میں یعنی گذشتہ علاءالدین خلجی سے پہلے والا دستور مقرر کیا۔

---

[1] آئینہ حقیقت نما ۱۰۶/۱   [2] ماثر الکرام ص۳۴۲

دیکھنا چاہئے کہ ان تغیرات کے ذیل میں زمینوں کے احکام میں کیا تبدیلیاں ہوئیں اور ان تغیرات کے کیا اثرات باب احکام میں پڑتے ہیں۔

۱۔ جو جاگیریں فوج کو بعوض تنخواہ دی گئیں اگر وہ مسلمان فوج کے پاس آئی تو یہ خراج کے درجہ میں ہوں گی۔ تنخواہ بطور صلہ خدمت ہے۔ اس لئے مسلمان امیر کی طرف سے جو زمین کسی مسلمان کے ملک میں آئی وہ عشری ہو گی۔

۲۔ جو زمین غیر مسلم فوج کو حکومت نے بصلۂ خدمت عطا کی وہ خراجی ہوگی۔ اس لئے کہ وہ مسلمان امیر کی عطا نہیں ہے وہ ابتداءً اس کی ملکیت میں نہیں تھی۔

اسی سے یہ کہنا درست ہوگا کہ بعض زمینیں ایسی تھیں جن پر خراج مقرر تھا اور بعض پر عشر اور یہ دونوں چیزیں حکومت کی طرف سے وصول کرنے کے لئے مستقل نظام تھا۔

علامہ آزاد بلگرامی نے عشر کی وصولی کے سلسلہ میں سلطان محمود بن محمد شاہ بن سلطان فیروز شاہ کے ایک فرمان کا ذکر کیا ہے جو سلطان محمود نے عشر کی وصولی کے سلسلہ میں جاری کیا تھا اس میں ہے:

[illegible] در عہد سلطان ، [illegible] عشر زمین [illegible][۱]

علامہ آزاد نے لکھا ہے کہ اس فرمان کو میں نے خود دیکھا ہے اور اسی اصل فرمان سے مندرجہ بالا الفاظ نقل کئے ہیں اس فرمان سے دو باتیں بخوبی معلوم ہوتی ہیں ایک یہ کہ فیروز شاہ کے عہد میں بھی عشر کی وصولی کا نظام تھا اور دوسری بات یہ کہ زمین پر نقدی لگان نہیں تھا بلکہ غلہ ہی پیداوار سے لیا جاتا تھا۔

علامہ آزاد کی تحریر کے مطابق عشر کی وصولی کا نظام بابر کے دور میں درہم برہم ہو گیا اور ایک زمانہ تک یہی حال رہا لیکن حضرت عالمگیر نے اپنے دور میں جب سلطنت کی طرف توجہ دی تو تمام ممالک محروسہ میں فرمان جاری فرمائے کہ تمام محاصل شرعیہ احکام شرعیہ کے مطابق وصول کئے جائیں حضرت عالمگیر کا ایک فرمان عشری زمینوں سے متعلق بعض احکام پر مشتمل ہے [illegible] مرآۃ احمدی میں بھی اس فرمان کی نقل محفوظ ہے[۲]۔

علامہ سید سلیمان ندوی نے مقدمہ کتاب عشر و خراج میں تحریر فرمایا ہے:

---

۱ مآثر الکرام [illegible] منقول از [illegible] معارف [illegible] ۲ [illegible] کتاب عشر و خراج [illegible]

حال کی بنیاد پر مسلمانوں کی موجودہ مملوکہ آراضی عشری کہلائیں گی، اسی طرح تقسیم ہند کے بعد پاکستان نے پنجاب میں تھل کا علاقہ، سندھ میں کوٹری بیراج کا علاقہ، اور اندرون سندھ و پنجاب کے وہ نئے علاقے جن کو حکومت پاکستان نے آباد کرائے، سب مسلمانوں میں قیمتاً یا بلاقیمت تقسیم کر دیئے گئے۔ ان سب کے بارے میں عشری ہونے میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا۔ ــــــ مگر ہندوستان کے دوسرے صوبوں میں گجرات و کشمیر اور قنوج وغیرہ جو بضمن سندھ ہی محمد بن قاسم کے فتوحات میں شامل ہیں۔ اس لئے کہ یہ صوبے سندھ ہی کے جز تھے تو ان صوبوں کے بارے میں بھی عشری اور خراجی ہونے کا احتمال ہے۔

اسی طرح دکن کے سلسلہ میں آئینہ دکن کے ان فیصلوں کے مطالعہ سے جو دور مغل حکومت کے ہیں یہی پتہ چلتا ہے کہ مسلمانوں کی ملک میں بڑی بڑی جاگیریں تھیں، جن کو وہ دوسروں سے اور اکثر غیر مسلموں سے بٹائی یا اجارہ پر یا سالانہ محصول پر کھیتی کراتے تھے، اور یہ کھیتی کرانے والوں کے پاس نسلاً بعد نسل رہتی تھیں جس کی وجہ سے بعد میں اس کو موروثین زمین کی وجہ اپنی ملکیت سمجھ بیٹھتے تھے اور دوسروں سے فروخت بھی کرنا چاہتے تھے جس پر مالک آراضی عدالت میں مقدمات دعویٰ ملکیت دائر کر کے اپنی ملکیت کی واپسی کا مطالبہ کرتا تھا۔ اور ان کے ان دعووں میں ثبوت و شہادت کے بعد اس دور کی عدالتوں نے حق موروثیت کا اعتبار نہ کرتے ہوئے مالکان آراضی کے حق میں فیصلے بھی دیئے ہیں اس کی ایک نظیر پیش خدمت ہے:

:- دکن :-

مقدمہ: سید احمد بادشاہ قادری ولد سید محی الدین شاہ۔ مدعا علیہ مرافع

بنام

شیخ حسین ولد غلام محی الدین۔	مدعی مرافعہ علیہ
سند آراضی جو جاگیر میں واقع۔	سند منجانب جاگیردار بابت آراضی

جاگیر دار کے حقوق مالکانہ۔

عطاء جاگیر دار نسبت آراضی واقع جاگیر۔

جاگیر دار کے اختیارات۔ عطاء قبضہ۔ امتداد قبضہ

مدعی نے جو ایک سند نوشتہ جاگیر دار کی بنیاد پر ایک قطعہ آراضی و درختان متعلقہ مقبوضہ مورث کا دعویٰ

بوجہ بے دخلی دائر کیا۔ عدالت ابتدائی و اپیل صدر نے دعویٰ ڈگری فرمایا، بربنا مرافعہ ثانیہ تجویز ہوئی کہ چوں کہ جاگیر دار کو جاگیر کی نسبت وہ حقوق مالکانہ حاصل نہیں ہوتے جو کسی مالک کو اپنی ملک کی نسبت حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے عطاء جاگیر دار بالکل ناجائز ہے اس سے کوئی ـــــ حقیقت توریث پیدا نہیں ہوتی اور نہ امتداد قبضہ سے اثر ملکیت پیدا ہو سکتا ہے۔

مرافعہ علیہ کی جانب سے مولوی فدا حسین خاں صاحب وکلا، حاضر مولوی میر افضل حسین صاحب میر مجلس و مولوی مفتی سید نور الفضلاء الدین متعلق الاالتے مدعی بربنائے سند مورخہ ۱۱ رجب سنہ ۱۱۳۳ھ زمین و [illegible] مندرجہ مصدرہ کا دعویدار ہے۔ اور ہر دو عدالت ہائے ماتحت نے اس کے حق میں ڈگری صادر کر دی ہے جس کا رافعہ ہے۔ ہماری رائے ہے کہ کاتب سند خود ایک جاگیردار ہے جاگیر دار کو نسبت جاگیر کے وہ حقوق مالکانہ حاصل نہیں ہیں جو کسی مالک کو اپنی ملک میں حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے عطاء جاگیر دار مذکور کی بحق مورث مدعی بالکل ناجائز ہے اور اس سے کوئی حقیقت بربنا توریث مدعی کو حاصل نہیں ہوتی ـــــ وکیل مرافعہ علیہ بحث کرتے ہیں کہ مورثان مدعی کا قبضہ بربنا سند مذکور ثابت ہے۔

ہماری رائے ہے کہ محض امتداد بلحاظ واقعات مذکورۃ الصدر مدعی کے حقوق میں اثر ملکیت نہیں پیدا کرتا خصوصاً ایسی حالت میں کہ مدعی اس وقت بے دخل ہے اور قبضہ دہانی کا دعویٰ کرتا ہے۔[1]

اس نظیر کے یہاں تحریر کرنے کا منشاء صرف یہ ہے کہ ہم غور کریں کہ اس دور میں جو زمینیں مسلمانوں کی [illegible] کو بطور کاشت [illegible] دی جاتی تھیں اس پر مسلمان کی ملکیت قائم رہتی تھی خواہ وہ اس کاشت کرانے والے جاگیردار کے ہی مدتوں رہتی ہوں اور توریثاً وہ اس میں کاشت کراتے رہتے تھے۔ باوجود سند جاگیرداری کے جو کسی جاگیردار نے دی ہو اول مالک کی ملکیت سے اس کی ملکیت ختم نہ ہوتی تھی۔ اس سے یہ نتیجہ ضرور نکلتا ہے [illegible] میں اتنی زمینیں ایسی بہت سی تھیں جن کو انھوں نے دوسروں کو دے رکھی تھی۔ اور اس طرح کی جاگیریں [illegible] غیر مسلم کے قبضہ میں چلی جائیں تب بھی وہ عشری رہے گی۔

دوسرا یہ معلوم ہے کہ [illegible] مسلمانوں اور نوابوں کی بہت زیادہ آراضیاں تھیں جو ایک مسلمان کی ملک ہونے کے سبب عشری ہونے پر دال ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا

[1] [illegible]

کہ ایسی بھی بہت سی آراضیاں ہوں گی جن پر خراج مقرر کیا گیا ہوگا۔

مزید دکن کے حالات پر تاریخ کے اوراق سے سراغ لگایا جاسکتا ہے کہ وہاں کی آراضی کن کن خطوں کی عشری ہیں اور کن کن علاقوں کی خراجی:

صوبہ بہار

صوبہ بہار میں بہت سے علاقے مختلف راج کے نام سے مشہور رہے ہیں۔ مثلاً ہتھوا راج جو گوپال گنج کے قریب ہے۔ دربھنگہ راج بیتیا راج جو ضلع چمپارن میں ہے اور اس طرح یہ مختلف راج میں بڑی بڑی آراضیات تھیں۔ ان راجوں میں جو زمینیں جاگیرداروں کو دی جاتی تھیں ان جاگیرداروں کے گھروں کو بہار میں اکثر جگہوں پر دربار کہا جاتا تھا۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ راجا حکمراں تھے بلکہ یہ جاگیردار تھے۔ اور ان بڑے بڑے جاگیرداروں نے جن لوگوں کو اپنی جاگیرداروں کے حصے دے رکھے تھے وہ سب ان جاگیرداروں کے اصل میں کارندے تھے جو ان کھیتوں کو کاشت کاروں کو بٹائی پر دیا کرتے تھے۔ انگریزوں کے دور تک یہ طریقہ رائج رہا۔ اور مسلمانوں کے دور میں مسلمانوں کی عشری زمینوں پر جو عشر کے وصول کرنے کا اصول تھا اسی اصول پر حکومت برطانیہ کے انگریز کاشتکاروں سے دسواں وصول کرتے تھے ——— چنانچہ حضرت امام مولانا عبدالصمد رحمانیؒ نے زکوٰۃ وعشر میں تحریر فرمایا ہے کہ:

"پہلے صوبہ بہار میں تو اس عہد انگریزی میں بھی سرے سے پہلے عشر کا رواج تھا۔ اگرچہ ناواقفیت سے لوگ اس کو عشر نہیں سمجھتے تھے۔ اور وجہ یہ ہے کہ ہم نے دیکھا ہے کہ زمیندار کاشتکاروں سے بٹائی کی کھیت یا ایک مقدار ڈھیکہ کے نام سے وصول کرتے تھے۔ مگر وہ لوگ ناواقفی سے اس کو زمینداری کا حق سمجھتے تھے اور اپنے مصرف میں لاتے تھے۔ حالانکہ ڈھیکہ ٹھیک لفظی ترجمہ عشر کا ہے چونکہ ہندوستان کے سلاطین مغلیہ نے تمام مصطلحات کو فارسی میں رکھا تھا اس لئے عشر کا ترجمہ فارسی میں ڈھیکہ کر دیا گیا۔ اور وہ زمیندار کی معرفت وصول ہوتا رہا۔ اسلامی حکومت کے بعد لوگ اصل حقیقت سے غافل ہو گئے۔ اور اس کو غلط طور پر استعمال کرنے لگے۔ سروے کے زمانہ میں اس کو ناجائز ابواب سمجھ کر رعایا نے ساقط کر دیا۔ اور بہت ممکن ہے کہ اکثر علاقوں میں سروے سے بہت پہلے یہ چیز ختم ہوگئی ہو۔ بہرحال عشری زمین کے وجود اور تحقیق میں کوئی شک نہیں جو لوگ عشری کے وجود

کے منکر ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔[1]

محورِ پنجم

سوال (۱) کیا عشر کا وجوب پیداوار کی ہر مقدار پر ہے یا اس کے لئے کسی نصاب کا اعتبار ہوگا۔ اگر نصاب کا اعتبار ہوگا تو وہ نصاب کیا ہے؟

جواب: آیت کریمہ کے الفاظ "وآتوا حقه یوم حصاده" (فصل کی کٹائی اور پھل کے توڑنے کے دن ان کا معین حصہ ادا کیا کرو) اس کی تفسیر حضرت ابن عباس، حسن، انس بن مالک، جابر بن زید، سعید ابن مسیب، قتادہ، طاؤس، محمد بن حنفیہ، ضحاک اور زید بن اسلم سے یہ نقل کی گئی ہے:

"هذا أمر من الله بإيتاء الصدقة المفروضة من الثمر والحب"[2]

علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں اس آیت کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے کہ "وآتوا حقه یوم حصاده" میں حق سے مراد وہ حق تھا جو مسکینوں کو کٹائی کے وقت دیا جاتا تھا ۔۔۔۔ ابتدا میں یہ صدقہ واجب تھا مگر عشر اور نصف عشر کی فرضیت کے بعد یہ منسوخ ہوگیا۔

ابن العربی نے احکام القرآن میں اس آیت کے ذیل میں تحریر فرمایا ہے:

"وقد أفادت هذه الآية وجوب الزكوة فيما سمى الله سبحانه وأفادت بيان ما يجب فيه من مخرجات الارض التي أجملها في قوله "ومما أخرجنا لكم من الارض" وفسرها ههنا فكانت آية البقرة عامة في الحرام[؟] مجملة في القدر وهذه الآية خاصة في مخرجات الأرض مجملة في القدر فبينه رسول الله صلى الله عليه وسلم الذي أمر بأن يبين للناس ما نزل عليهم فقال فيما سقت السماء العشر وما سقي بنضح أو دالية نصف العشر"[3]

حاصل یہ ہے کہ آیت "مما أخرجنا لكم من الأرض" سے ہر نکلنے والی چیز پر صدقہ کے حکم کا عموم ثابت

---

[1] عشر و زکوۃ ص۔۔ [2] تفسیر طبری ۸/۵۳ طبع مصر [3] احکام القرآن لابن العربی ۲/۷۵۷ طبع مصر

ہوتا تھا۔ گویا وانتو حقہ یوم حصادہ سے خاص کر زمین سے نکلنے والی چیزوں کی قدر اجمال کے ساتھ تفسیر ہوگئی۔ اور اس قدر مجمل کی تشریح و تبیین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول "فیما سقت السماء والعشر وما سقی بنضح او دالیۃ نصف العشر" کے ذریعہ فرمائی۔

ان کے علاوہ علامہ محمود آلوسی نے تفسیر روح المعانی ۸/۱۲۸ مطبوعہ بیروت اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے تفسیر مظہری ۳/۲۴۹ مطبوعہ دہلی سنہ ۱۲۶۹ھ امام قرطبی نے تفسیر الجامع لاحکام القرآن ۷/۱۰۱ مطبوعہ مصر سنہ ۱۳۸۷ھ وغیرہ حضرات مفسرین نے اس آیت کا مورد عشر اور نصف عشر کو قرار دیا۔

اس آیت کے اطلاق و اجمال میں اختلاف کے سبب ائمہ کے درمیان مقدار نصاب میں اختلاف ہوگیا۔ علاوہ ازیں احادیث رو کا اختلاف اس کا سبب ہے۔

حضرت امام اعظمؒ اور صاحبین کے درمیان دو بنیادی اختلاف ہے۔ عشر کے وجوب میں نصاب اور بقاء۔ امام اعظم علی الاطلاق قلیل وکثیر اور بقاء کے عشر کو ہر چیز میں خواہ قلیل ہو یا کثیر باقی رہنے والی ہو یا نہیں۔ ہر حال میں عشر کو واجب قرار دیتے ہیں۔ مگر صاحبین اور دوسرے ائمہ مسالک امام مالکؒ، امام شافعیؒ وغیرہ کے نزدیک وجوب عشر میں نصاب شرط ہے۔ چنانچہ ہدایہ میں ہے :

"قال ابو حنیفۃ فی قلیل ما اخرجتہ الارض وکثیرہ العشر سواء سقی سیحاً او سقتہ السماء الا الحطب والقصب والحشیش"[1]

اور یہ بھی فرماتے ہیں :

"وقالا لا یجب العشر الا فیما لہ ثمرۃ باقیۃ اذا بلغ خمسۃ اوسق"[2]

صاحب بحر رقمطراز ہیں کہ اختلاف دو جگہوں پر ہے۔ اشتراط النصاب اور اشتراط البقاء میں۔ اول میں سے ہر ایک کے مستدل میں حضرت امام اعظمؒ کے قول کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جس کو بخاری نے ذکر کیا ہے :

"ما اخرجتہ الارض ففیہ العشر"

اور اسی طرح : "فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر"

---

[1] بحر الرائق ۲/۲۲۲ [2] فتح القدیر ۲/۲۴۲

وہ فرماتے ہیں کہ اس میں آپ نے بلا تفصیل کے جو کچھ زمین سے پیداوار ہو اس میں عشر کا حکم فرمایا ہے۔ اور مسلم شریف میں ہے :

"فیما سقت الانہار والغیم العشر وفیما سقی بالسانیۃ نصف العشر"

اس کے علاوہ عبد الرزاق نے اس سند کے ساتھ کہ :

"اخبرنا معمر عن سماک بن الفضل عن عمر بن عبد العزیز قال

فیما انبتت من قلیل وکثیر العشر"

اور اسی کے مثل مجاہد و ابراہیم نخعی سے بھی اور ابن ابی شیبہ نے عمر بن عبد العزیز، مجاہد اور نخعی سے ذکر کیا ہے ان دلائل کی بنا پر احناف نے امام صاحب کی رائے کو اقوی اور انفع قرار دیتے ہوئے اختیار کیا ہے۔ صاحبین کے نزدیک پانچ وسق سے کم میں عشر واجب نہیں۔ انھوں نے بھی آیت کو مجمل قرار دیا ہے اور اس کی تفصیل حدیث "لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ" قرار دیا ہے۔ جب کہ یہ روایت بھی بخاری کی ہی ہے۔ اور مسلم کے الفاظ "لیس فی حب ولا تمر صدقۃ حتی تبلغ خمسۃ اوسق" بھی مستدل ہے۔

اصل یہ کہ اس میں عام اور خاص کا تعارض ہے جو لوگ خاص کو مطلق پیش کرتے ہیں وہ اوساق کی حدیث کو موجب قرار دیتے ہیں۔ اور جو عام کو پیش کرتے ہیں یا وہ متعارض سمجھتے ہوئے تاریخ کے عدم علم کی صورت میں ترجیح دیتے ہیں یا اگر ان دونوں حدیثوں کی تاریخ معلوم ہو تو متاخر کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔ بحث کرتے ہوئے صاحب عمر نے لکھا ہے کہ وجوب عشر میں عموم تسلیم کر لیا جائے تو بھی "فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ" والی روایت متعارض نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ عموم وجوب میں احتیاط ہے۔ اصل مقدار جس میں اختلاف ہو اگر وہ پوری ہو جائے تو اور اگر نہ پوری ہو تو غرض مقصود سے نکلنا لازم نہ آئے گا۔

دوسری توجیہ یہ بھی ہے کہ "فیما انبتت من قلیل أو کثیر العشر" اور "لیس فیما دون خمسۃ اوسق" دونوں کو جمع کر سکتے ہیں۔ اور جمع کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ "لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ" میں صدقے سمجھا جاتا ہے کہ یہ حکم نصاب زکوۃ کی مقدار کو بتانے کے لئے ہے۔ اس لئے کہ پیداوار پر جو چیز واجب ہوتی ہے شریعت نے اس کے لئے لفظ عشر متعین کر دیا۔ صاحب فتح القدیر نے یہ توجیہ ذکر کی ہے :

"وما ذکرہ المصنف من حمل مرویھما علی زکوۃ التجارۃ طریقۃ الجمع

بین الحدیثین قبل لفظ الصدقۃ یشعر به فزال المعروف فی الواجب فیما اخرجت اسماء العشر لا الصدقۃ بخلاف الزکوۃ[1]

اور ایک تاویل لیس فیما دون خمسۃ اوسق کی فقہائے یہ بھی کی ہے کہ اس میں زکوۃ تجارت کا حکم بیان کیا گیا ہے، اس لئے کہ وہ اوساق فروخت کرتے تھے اور ایک وسق کی قیمت چالیس درہم ہوتا تھا۔

صاحب عنایہ تحریر فرماتے ہیں:

"وتاویل ما رویاہ زکوۃ التجارۃ لانہم کانوا یتبایعون بالأوساق وقیمۃ الوسق أربعون درہما فتکون قیمۃ خمسۃ أوسق مائتی درہم وھو نصاب الزکوۃ"[2]

اور جن لوگوں نے وجوب عشر کے لئے غنی کو مشروط قرار دیا ہے اس لئے درست نہیں کہ جب عشر کے وجوب کے لئے مالک ہونا ہی مشروط نہیں تو غنی تو مالک کی صفت ہے اور ذات کو عارض ہے، جب ذات مشروط نہیں تو عارض کو مشروط قرار دینا کیوں کر درست ہو سکتا ہے۔

صاحب عنایہ تحریر فرماتے ہیں:

"ولا معتبر بالمالک فیہ أی فی العشر جواب عن قولہ فلیشترط النصاب یعنی ان الغنی صفۃ المالک والمالک فی باب العشر غیر معتبر حتی یجب فی آراضی المکاتب والصبی والمجنون والأراضی الموقوفۃ علی الرباطات والمساجد فکیف بصفتہ وھو الغنی"[3]

غرضیکہ نصاب کے لئے غنی کی صفت وجوب عشر کے لئے مشروط نہیں ورنہ مکاتب اور آراضی موقوفہ میں عشر کیسے واجب ہو سکتا ہے اور اسی لئے عشر میں حولان حول بھی مشروط نہیں "لانہ للنماء وھو کلہ نماء"

الحاصل

عشر میں مقدار نصاب کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے اور حضرت امام اعظم کی رائے کو اکثر احناف نے راجح قرار دیا ہے، حتی کہ علامہ یوسف القرضاوی نے بھی فقہ الزکوۃ میں اسی کو راجح اور قابل عمل قرار دیا ہے۔

---

[1] فتح القدیر ۲/۲۳۰ [2] العنایہ بھامش فتح القدیر ۲/۲۳۴ [3] فتح القدیر ۲/۲۳۳

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے الاموال کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے کہ:

"وجوب عشر کے لئے جو یہ شرط ہے کہ پیداوار کوئی ایسی چیز ہو جس کو اگانے اور پیدا کرنے کا رواج، ذرعادتاً اس کی کاشت کر کے نفع اٹھایا جاتا ہو، خودرو گھاس اور بیکار قسم کی خودرو جھاڑ جھنکار اگر کسی زمین پر اگتے ہیں تو ان پر عشر نہیں۔ گھاس اور بانس کو آمدنی کے لئے اگایا تو ان پر عشر واجب ہوگا۔"[1]

اور فتاویٰ عالمگیری نے لکڑی، گھاس، بانس وغیرہ میں عدم منفعت کی صورت میں عدم وجوب عشر کا قول کیا ہے، فرماتے ہیں:

"ولا عشر في الحطب والحشيش والقصب والطرفاء والسعف لأن الأرض لا تستنمى بهذه الأشياء بل تنقى عنها حتى لو استنمى بقوائم الخلاف والحشيش والقصب وغصون النخل أو فيها دلب أو صنوبر ونحوها وكان يقطعه ويبيعه يجب فيه العشر كذا في محيط السرخسي"[2]

مذکورہ بالا فقہی عبارت سے یہ واضح ہوتا ہے کہ زمین سے جو چیزیں عادتاً کاشت کرنے کا رواج نہیں ہے، اگر وہ خودرو بیکار ہیں تو ان پر عشر واجب نہ ہوگا، اگر انہیں فروخت کرنے اور نفع کی غرض سے یا وہ نفع بخش ہیں تو ان پر عشر واجب ہوگا، اس لئے کہ علت عشر منفعت ہے اور منفعت پائی جائے گی تو عشر کا بھی وجوب ہوگا۔

حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک زمین سے پیدا کی جانے والی ہر چیز میں عشر ہے خواہ وہ کم ہو یا زیادہ اور نفع بخش پیداوار مستثنیٰ نہیں ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"ويجب العشر عند أبي حنيفة في كل ما تخرجه الأرض من الحنطة والشعير والدخن والأرز وأصناف الحبوب والبقول والرياحين والأوراد والرطاب وقصب السكر والذريرة والبطيخ والقثاء والخيار والباذنجان والعصفر وأشباه ذلك مما له ثمرة باقية أو غير باقية قل أو كثر"

---

[1] البدائع ... [2] فتاویٰ عالمگیری

هكذا في فتاوى قاضي خان سواء يسقى بماء السماء او سيحا يقع في الوسق ام لا يقع هكذا في شرح الطحاوي۔[1]

اسی طرح مکھانہ اور سنگھاڑا میں بھی نفع بخش ہونے کے سبب عشر واجب ہوگا۔

بعض فقہاء کی عبارت سے بعض چیزوں میں عدم وجوب عشر کا بھی قول ملتا ہے مثلاً صاحب بحر نے تحریر فرمایا ہے:

"وكذا كل حب لا يصلح للزراعة كبزر البطيخ والقثاء لكونها غير مقصودة في نفسها وكذا لا عشر فيما هو تابع للارض كالنخل والاشجار"[2]

اس کا مطلب یہ ہے کہ بطیخ (خربوزہ) اور قثاء (ککڑی) کے بیج پر عشر نہیں، اس لئے کہ یہ بذاتِ خود مقصود نہیں اسی طرح کھجور کے درخت اور دوسرے درخت پر زمین کے تابع ہونے کے سبب اور ان سے حاصل پھلوں پر عشر واجب ہونے کی بنا پر عشر واجب نہ ہوگا۔

سوال (۳) آج کل عام طور پر زراعتی آراضی پر تالاب کھود دئے جاتے ہیں اور اس میں مچھلی کی کاشت کی جاتی ہے، مچھلی کی کاشت کو بہت نفع بخش تصور کیا جاتا ہے، کسان یہ سوچتا ہے کہ اگر ان آراضی پر گیہوں، دھان وغیرہ کی کاشت کرے تو اخراجات اور محنت زیادہ ہے، اور منفعت کم، اس لئے آراضی کو مچھلی کی کاشت کے لئے تالاب بنا کر استعمال کرتا ہے، کبھی اس تالاب میں قدرتی پانی جمع ہوتا ہے اور کبھی بورنگ یا دوسرے ذرائع سے اس میں پانی پہنچایا جاتا ہے ـــــ اب سوال یہ ہے کہ مچھلی کی اس کاشت کو زراعت میں داخل کرکے اس پر احکام عشر جاری و نافذ ہوں گے یا اس پر زکوۃ اموال کا حکم جاری ہوگا؟

جواب: فقہ کا مشہور اصول ہے "يتغير الحكم بتغير الشئ" شئی کے تغیر سے حکم میں تغیر واقع ہوتا ہے، جیسے کوئی ذمی کافر اپنے گھر یا افتادہ زمین کو باغ یا کھیت بنائے تو اگر اس کی آبیاشی خراجی پانی سے کرے تو خراج، اور اگر عشری پانی سے کرے تو عشر واجب ہوگا۔ اور اگر دونوں قسم کے پانی سے کرے تو عشری ہوگی۔[3]

---

[1] فتاوی عالمگیری ۱/۱۸۶ [2] فتاوی عالمگیری ۱/۱۸۶ نقلاً عن السید الامام السرخسی [3] منتظم المقتضی ۲/۴۹

اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ زمین کے اندر نمو کی وجہ سے حکم بدل گیا اور عشر یا زکوٰۃ کے لئے نمو شرط ہے اس لئے جس عشری زمین میں تالاب کھود دیا جائے اور اس کو مچھلی پالنے کا ایک ذریعہ بنایا جائے اس تالاب کی قوت نمو اس زمین سے کئی گنا بڑھ جاتی ہے جس زمین پر اناج یا پھل پیدا کئے جاتے ہیں۔ اس لئے اب یہ زمین زراعتی نہیں رہی چونکہ مچھلیاں "مما أخرجنا لكم من الارض" میں سے نہیں ہیں بلکہ "ما کسبتم" میں اور اموال تجارت میں شمار کرتے ہوئے اس پر زکوٰۃ اموال واجب ہوگی۔

تالاب سے مچھلیوں کے پکڑنے اور خرید و فروخت کا ثبوت ملتا ہے چنانچہ امام ابو یوسف نے الخراج میں "فی بیع السمک فی الآجام" کے تحت بہت سے آثار جمع کئے ہیں اور جب انہیں پکڑ کے فروخت کیا جانا ثابت ہے تو ان پر اموال تجارت ہونے کے سبب زکوٰۃ کا بھی ثبوت ہو جائے گا۔

چنانچہ الخراج میں ہے:

"عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ أنه قال لا تبيعوا السمك في الماء فإنه غرر۔"[1]

اور اسی کتاب میں دوسری روایت ہے:

"حدثنا ابو حنيفة عن حماد قال كتب عبد الحميد بن عبد الرحمن إلى عمر بن عبد العزيز يسأله عن بيع صيد الآجام فكتب إليه عمر أن لا بأس به وسماه الحبس"[2]

ایک اور اثر اسی کے مطابق ہے:

"عن الحكم (ابن عتيبة) عن إبراهيم قال إن اشتريته صيدا معلوما ورأيت معه فلا بأس."[3]

الغرض بڑے دریاؤں سے پکڑی جانے والی مچھلیوں کی تجارت کے ثبوت میں کوئی کلام نہیں ہے تو مچھلیوں کے پالنے کے لئے جو تالاب کھودے جاتے ہیں اور عام زمین میں مچھلی پال کر جو آمدنی کی جاتی ہے مثل اس تجارتی انڈسٹری کے ہے جو تھوڑی زمین میں کوئی چیز تیار کر کے نفع حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی

---

[1] الخراج لابی یوسف ص [illegible] [2] ایضاً [3] ایضاً

ہے۔ اس لئے آپ کی مچھلیوں کو مالِ تجارت پر محمول کرتے ہوئے اس کی آمدنی پر بشرطِ نصاب و شرائطِ زکوٰۃ کے زکوٰۃ واجب ہوگی ـــــ رہ گئیں وہ مچھلیاں جو سمندروں سے بڑی بڑی کمپنیاں پکڑنے کا اہتمام کرتی ہیں۔ ان کی ملکیت پہونچ کر مثل عنبر اور موتی کے علی حسب اختلاف زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جیسا کہ عنبر کے بارے میں ابن عباس کی رائے میں خمس واجب ہوتا ہے[1]

اور حضرت عمرؓ نے صحابہ کے مشورہ سے یعلیٰ بن منیہ کو خمس لینے کے لئے لکھا تھا[2]

حضرت امام احمد بن حنبل کے نزدیک اس میں زکوٰۃ منقول ہے[3]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے عمان کے اپنے عامل کو لکھا تھا کہ مچھلیوں کی زکوٰۃ نہ لی جائے جب تک کہ ان کی قیمت دو سو درہم نقدی نصاب کی قیمت نہ ہو جائے امام احمد سے بھی یہی رائے منقول ہے[4]

الحاصل

جو تالاب مچھلیوں کو پالنے کے لئے کھودے جاتے ہیں اور ان میں مچھلیوں کو پالا جاتا ہے وہ اموال تجارت میں شمار ہوں گے۔ اور ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی عشر واجب نہ ہوگا۔

ـــ ❁ ـــ

[1] الروض النضیر ۲/۱۹۲ [2] المحلی ۲/۱۷ [3] المغنی ۳/۲۴

عشر کے بعض احکام

عشر سے متعلق سوالات کے جوابات

از ـــــ مولانا مفتی جمیل احمد نذیری، جامعہ عربیہ عین الاسلام نوادہ، مبارکپور، اعظم گڈھ

وجوب عشر کے لیے نصاب شرط نہیں

وجوب عشر کے سلسلے میں جو آیات و احادیث وارد ہیں ان کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ وجوب عشر کے لیے کوئی نصاب شرط نہیں ہے، پیداوار کم ہو یا زیادہ ہر ایک میں عشر ہوگا، اگرچہ یہ بھی ضروری ہوگا کہ پیداوار کم از کم دونوں کے معیار شرعی "نصف صاع"[1] سے کم نہ ہو

لأنه لا تقدير في الشرع بما دونه[2]

اس سے کم کا مقدار کے سلسلے میں شرعاً کوئی معیار نہیں۔

چنانچہ صدقۂ فطر میں گندم نصف صاع دینے کا حکم ہے، اس سے کم کا شریعت نے کوئی معیار مقرر نہیں کیا ہے

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

(قوله بلا شرط نصاب) وبقاء فيجب فيما دون النصاب بشرط ان يبلغ صاعا وقيل نصفه وفي الخضراوات التي لا تبقى وهذا قول الامام وهو الصحيح كما في التحفة[3]

---

[1] یعنی ایک کلو ۶۰۰ گرام بعض کے نزدیک ایک کلو ۶۳۳ گرام [2] ہدایہ ج ۱ ص ۲۴

[3] رد المحتار علی الدر المختار ج ۲

یہاں بھی عام ہے اور حق دینے کے سلسلے میں قلیل وکثیر کی تفصیل نہیں۔

" عن سالم بن عبد اللّٰہ عن ابیہ عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال فیما سقت السماء والعیون او کان عثریا العشر وما سقی بالنضح نصف العشر(۱)

سالم بن عبد اللہ اپنے والد عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس زمین کو بارش یا چشمے سیراب کریں یا گڑھوں اور گڈھے اس میں عشر ہے اور جس کو پانی کھینچ کر سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر (بیسواں حصہ) ہے۔

ومن الآثار ما اخرج عبد الرزاق عن عمر بن عبد العزیز قال فیما انبتت من قلیل وکثیر العشر واخرج نحوہ عن مجاھد وعن ابراھیم النخعی واخرجہ ابن ابی شیبۃ ایضاً عن عمر بن عبد العزیز ومجاھد وعن النخعی حتی فی کل عشر دستجات دستجۃ کذا فی فتح القدیر والبرھان "(۲)

آثار میں سے وہ ہیں جن کی تخریج عبد الرزاق رح نے عمر بن عبد العزیز رح سے کی ہے کہ قلیل وکثیر جو بھی پیداوار ہو اس میں عشر ہے، اسی کے مثل مجاہد رح وابراہیم نخعی سے بھی تخریج کی ہے۔ ابن ابی شیبہؒ نے بھی عمر بن عبد العزیزؒ، مجاہد اور نخعی سے اس کی تخریج کی ہے اور نخعی رح نے مزید یہ بھی کہا ہے کہ یہاں تک کہ جو دس شخص ترکاری میں ایک گٹھا عشر ہے ایسے ہی فتح القدیر اور برہان میں ہے۔

آیات اور احادیث وآثار کے عموم کے ساتھ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ وجوب عشر کا سبب کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ زمین کی پیداوار ہے اور یہ قلیل وکثیر میں فرق لازم نہیں کرتی۔ امام کاسانی رح فرماتے ہیں:

" ولان سبب الوجوب وھی الارض النامیۃ بالخارج لا یوجب التفصیل بین القلیل والکثیر "(۳)

اس لیے کہ وجوب کا سبب ارض نامیہ کی پیداوار ہے اور یہ چیز قلیل وکثیر میں فرق کو واجب نہیں کرتی۔

عموم عشر کی روایات عبد اللہ بن عباس رض، عبد اللہ بن عمر رض، مجاہد رح، حماد بن سلیمان رح، عمر بن عبد العزیز رح، ابراہیم

---

(۱) بخاری ۱؍۲۰۱ ، ترمذی ۱؍۱۴۸ ، ابن ماجہ ۱؍۱۳۱ ، ابوداؤد ۱؍۲۲۴

(۲) العرف الشذی علی الترمذی ص ۲۵۴ (۳) بدائع الصنائع ۲؍۵۹

حدیث کا جواب دو طرح سے ہے ایک یہ کہ وہ آحاد میں سے ہے لہٰذا کتاب اللہ اور خبر مشہور کے مقابلے میں قبول نہیں کی جائے گی۔ پس اگر کہا جائے کہ آپ نے جو آیت اور حدیث بیان کی ہے اس سے صرف وجوب ثابت ہوتا ہے مقدار واجب نہیں ثابت ہوتی اور ہم نے جو روایت نقل کی ہے اس میں مقدار واجب کا تذکرہ ہے۔ پس یہ روایت جن چیزوں میں عشر واجب ہوتا ہے ان کی مقدار واجب کا بیان ہوگی اور خبر واحد کے ذریعہ بیان جائز ہے جیسے مجمل وغیرہ کا بیان۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں خبر واحد کو بیان پر محمول کرنا ممکن نہیں اس لیے کہ ہم نے جس سے استدلال کیا ہے وہ عام ہے وہ ان چیزوں کو بھی شامل ہے جو وسق کے تحت ہوں اور ان کو بھی جو وسق کے تحت نہ ہوں، اور آپ کی روایت کردہ حدیث خاص ہے اس صورت کے لیے جو صرف وسق کے تحت ہو لہٰذا یہ حدیث ان چیزوں کا بیان نہیں ہوسکتی جن میں عشر واجب ہوتا ہے اس لیے کہ بیان کی شان سے ہے کہ وہ ان تمام صورتوں کو شامل ہو جو بیان کو چاہتی ہوں اور اس حدیث کا یہ معاملہ نہیں ہے لہٰذا معلوم ہوگیا کہ وہ مورد بیان میں نہیں وارد ہوئی۔

دوسرا جواب حدیث کا یہ ہے کہ یہاں صدقے سے مراد زکوٰۃ ہے اس لیے کہ مطلق صدقے سے مراد زکوٰۃ ہے اس لیے کہ مطلق صدقے سے زکوٰۃ ہی مراد ہوتی ہے اور ہم بھی اس کے قائل ہیں کہ پانچ وسق غلہ یا کھجور جو تجارت کے لیے ہوں، سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں جب تک ان کی قیمت دو سو درہم کو نہ پہنچ جائے۔ یا یوں کہا جائے کہ اس میں زکوٰۃ کا بھی احتمال تھا لہٰذا زکوٰۃ پر ہی محمول کیا گیا تاکہ تمام دلائل پر بقدر امکان عمل کرتے ہوئے۔

علامہ برہان الدین مرغینانی رح لکھتے ہیں:

"وتاویل ما روياه زكوة التجارة لانهم كانوا يتبايعون بالاوساق وقيمة الوسق اربعون درهماً ولا معتبر بالمالك فيه فكيف بصفته وهو الغناء ولهذا لا يشترط الحول لانه للاستنماء وهو كله نماء" [1]

صاحبین رح کی روایات کی تاویل یہ ہے کہ وہاں زکوٰۃ تجارت مراد ہو اس لیے وہ لوگ وسق سے ہی لین دین کرتے تھے اور وسق کی قیمت ۴۰ درہم ہوتی ہے اور عشر میں مالک کا اعتبار نہیں ہے لہٰذا اس کی صفت غنا یعنی صاحب نصاب ہونا کیسے معتبر ہوسکتا ہے اسی لیے حولان حول شرط نہیں کیونکہ وہ افزائش کے لیے ہوتا ہے جب کہ عشری اراضی مکمل نما ہیں۔

---

[1] ھدایہ ۲۰۱/۱ باب زکوٰۃ الزروع والثمار۔

حاشیہ پر ہے:

"أي لا اعتبار للمالك في العشر ولهذا يجب العشر في الأراضي الموقوفة وأرض المكاتب فلما لم يعتبر المالك كيف يعتبر صفته وهو الغنى الحاصل بالنصاب"[1]

عشر میں مالک کا اعتبار نہیں، اس لیے اراضی موقوفہ اور مکاتب کی زمین میں بھی عشر واجب ہوتا ہے، پس جب مالک کا اعتبار نہیں کیا گیا تو اس کی صفت غنا کا اعتبار کیسے کیا جا سکتا ہے جو کہ نصاب سے ہی حاصل ہوتا ہے۔

عموم عشر کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ

۱۔ سورۂ بقرہ کی آیت وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ نے قلیل و کثیر میں تفریق نہیں کی۔

۲۔ سورۂ انعام کی آیت وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ نے بھی قلیل و کثیر میں کوئی فرق نہیں کیا۔

۳۔ بخاری وغیرہ کی روایت فيما سقت السماء العشر ہر مقدار میں عشر کو واجب کرتی ہے۔

۴۔ وجوب عشر کا سبب "ارض نامیہ" کی پیداوار ہے اور یہ سبب قلیل و کثیر ہر ایک میں پایا جاتا ہے، لہٰذا وجوب بھی ہر صورت میں ہوگا۔

۵۔ پانچ وسق والی روایت، آیت اور حدیث مشہور کا بیان نہیں ہو سکتی کیونکہ بیان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس چیز کی ہر صورت کو شامل ہو جس کا وہ بیان ہو، یہاں آیت اور حدیث مشہور سے عشر پانچ وسق اور اس سے کم و بیش ثابت ہوتا ہے اور جس حدیث کو ان کا بیان قرار دیا جا رہا ہے وہ صرف ایک صورت پانچ وسق یا اس سے زائد کو شامل ہے۔

۶۔ پانچ وسق والی روایت میں صدقے سے مراد عشر نہیں زکوٰۃ ہے اور اس حدیث میں اموال زکوٰۃ کا بیان ہے کہ کتنے اونٹوں میں زکوٰۃ ہے، کتنی چاندی میں زکوٰۃ ہے، اسی طرح کھجور و غلہ وغیرہ اگر تجارت کے لیے ہوں اور اس کی اپنی کھیتی یا باغبانی کے نہ ہوں تو ان کی کتنی مقدار پر زکوٰۃ واجب ہوگی، چنانچہ بتایا گیا ہے کہ پانچ وسق قیمت پہنچنے پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی، ایک وسق کی قیمت چالیس درہم ہوتی ہے اس طرح پانچ وسق کی قیمت دو سو درہم ہوگئی اور ظاہر ہے کہ دو سو درہم پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

حنفیہ کا خیال ہے کہ قرآن و حدیث میں شاید ہی کسی جگہ لفظ صدقہ سے عشر مراد لیا گیا ہو، جب کہ زکوٰۃ مراد لی جاتی

---

(۱) ھدایہ، ج ۱، باب زکوٰۃ الزروع والثمار، حاشیہ ۔۔

ہے۔ اگر احقر کا خیال غلط فہمی پر مبنی ہو تو تصحیح کا خواہش مند ہے۔ پانچ وسق والی روایت میں جن تین چیزوں کا ذکر ہے ان میں سے ہر ایک میں لفظ صدقہ استعمال کیا گیا ہے، دو میں صدقہ سے زکوٰۃ مراد لیا جانا[1] متفق علیہ ہے، لہٰذا عین قرین قیاس ہے کہ تیسرے لفظ صدقہ سے بھی زکوٰۃ ہی مراد ہو نہ کہ عشر۔

۲۔ ــــــ عشر اگرچہ زکوٰۃ ہی کی ایک نوع ہے مگر شرائط و تفصیلات میں فرق بھی ہے، انھیں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عشر میں اس کھیت یا باغ کا مالک ہونا شرط نہیں جس کی پیداوار کا عشر ادا کرتا ہے، جبکہ زکوٰۃ میں ملکیت شرط ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب مالک ہونا ہی شرط نہیں تو اس کی صفت غنا یعنی صاحب نصاب ہونا کیسے شرط ہوگا۔ ذات (موصوف) کے وجود کے بغیر صفت غنا کا وجود کیسے ہوگا، جبکہ ذات جوہر ہے اور صفت عرض، عرض اپنے وجود میں جوہر (یعنی موصوف) کی محتاج ہے۔

کس پیداوار پر عشر ہے

زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز پر عشر ہے بشرطیکہ اس کی زراعت کی جاتی ہو یا کی گئی ہو، چنانچہ وہ چیزیں جو زراعتی کہلاتی ہیں ان میں عشر ہوگا ہی، اگر بانس، گھاس، چارہ اور درخت وغیرہ کو باقاعدہ بویا جاتا ہو تو اس میں بھی عشر ہوگا۔

"ومنها ان یکون الخارج من الارض مما یقصد بزراعته نماء الارض وتشتغل الارض به عادة فلا عشر فی الحطب والحشیش والقصب الفارسی لان هذه الاشیاء لا تستنمی بها الارض ولا تشتغل بها عادة لان الارض لا تنمو بها بل تفسد فلم تکن نماء الارض حتی قالوا فی الارض اذا اتخذها مقصبة وفی شجرة الخلاف التی یقطع فی کل ثلاث سنین او اربع سنین انه یجب فیها العشر لان ذلک غلة وافرة ویجب فی قصب السکر وقصب الذریرة لانه یطلب بهما نماء الارض فوجد شرط الوجوب فیجب فاما کون الخارج مما له ثمرة باقیة فلیس بشرط لوجوب العشر بل یجب سواء کان الخارج له ثمرة باقیة او لیس له ثمرة

---

(۱) پانچ وسق کے قائلین پانچ وسق کو عشر کے وجوب کا نصاب قرار دیتے ہیں۔

بالقيمة وهي الخضراوات كالبقول والرطاب والخيار والقثاء والبصل والثوم
ونحوها في قول أبي حنيفة وعند أبي يوسف ومحمد لا يجب إلا في الحب
وماله ثمرة باقية واحتجا بما روي عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال
ليس في الخضراوات صدقة (۱)

ثمرات عشریہ سے یہ ہے کہ زمین سے نکلنے والی چیزیں ہوں جن کی زراعت سے تو اراضی کا قصد کیا گیا ہو اور جس
سے زمین عادتاً حاصل لیتی ہے لہٰذا لکڑی، گھاس اور بانس وغیرہ میں عشر نہیں ہے کیونکہ ان سے عادتاً زمین کا
بڑھاؤ اور حاصل لینا مقصود نہیں ہوتا اس لیے کہ زمین ان سے تو نہیں پاتی بلکہ خراب ہو جاتی ہے لہٰذا
یہ تمام اراضی تو ہے اگر فقہاء کہتے ہیں کہ اگر زمین میں بانس لگائے جائیں اور ظاہر ہو جیسے کہ ایک قسم کا درخت
لگایا جاتا ہے جو ہر تیسرے سال یا پانچ سال میں کاٹا جاتا ہے اس میں عشر ہوگا اس لیے کہ وہ زمین سے حاصل ہوتا اور
بعض کہتے ہیں درخت میں عشر ہوگا کیونکہ زمین سے حاصل ہونا مقصود ہے لہٰذا وجوب کی شرط پائی گئی پس عشر
واجب ہوگا۔ البتہ مستشرقین کی پیداوار کے لیے ثمرہ باقیہ ہو (یعنی پیداوار جلد خراب ہونے والی نہ ہو بلکہ کچھ دن
تک رکھی جا سکے) وجوب عشر کے لیے یہ شرط نہیں ہے لہٰذا عشر واجب ہوگا، پیداوار جلد خراب ہونے والی ہو یا باقی رہنے والی
ہو مثلاً خضراوات جیسے ترکاریاں، تازہ کھجوریں، ککڑی، کھیرا، پیاز، لہسن وغیرہ امام ابو حنیفہ کے
قول میں اور امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک عشر انہی چیزوں میں واجب ہوگا جن کا ثمر باقی
رہنے والا ہو۔ دونوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا ہے کہ خضراوات میں صدقہ نہیں ہے۔

لیکن یہ حدیث باتفاق محدثین ضعیف ہے اور جن جن سندوں سے مروی ہے سب میں ضعف ہے۔
جامع ترمذی میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

"عن عيسى بن طلحة عن معاذ أنه كتب إلى النبي صلى الله عليه وسلم يسأله
عن الخضراوات وهي البقول فقال ليس فيها شيء" (۲)

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۵۸-۵۹

(۲) جامع الترمذی، ص ۳۳ باب ماجاء فی الخضراوات

عیسیٰ بن طلحہ حضرت معاذ رض سے روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سبزیوں اور ترکاریوں کے متعلق مسئلہ لکھ کر معلوم کیا، آپ نے ارشاد فرمایا: ان میں کچھ نہیں ہے۔

اس حدیث کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں:

" اسناد هذا الحديث ليس بصحيح وليس بصحيح في هذا الباب عن النبي صلى الله عليه وسلم شئ وانما يروى هذا عن موسى بن طلحة عن النبي صلى الله عليه وسلم مرسلاً والعمل على هذا عند اهل العلم انه ليس في الخضراوات صدقة قال ابوعيسى والحسن هو ابن عمارة وهو ضعيف عند اهل الحديث ضعفه شعبة وغيره وتركه عبد الله بن المبارك "(1)

اس حدیث کی سند صحیح نہیں ہے اور اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث صحیح مروی نہیں، البتہ یہ روایت موسیٰ بن طلحہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مرسلاً روایت کرتے ہیں اور عمل اسی پر ہے، اہل علم کے نزدیک کہ سبزیوں میں صدقہ نہیں ہے۔ فرمایا امام ترمذی رح نے کہ حسن جو ابن عمارہ ہیں وہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں، شعبہ وغیرہ نے انھیں ضعیف کہا ہے اور عبد اللہ بن مبارک نے ان سے روایت کرنے کو ترک کیا ہے۔

امام ترمذی رح کی اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس سلسلے کی ساری حدیثوں میں صرف وہ حدیث صحیح ہے جو موسیٰ بن طلحہ سے مرسلاً مروی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل بھی صحیح نہیں، صاحب الدرایہ علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رح فرماتے ہیں:

" وطريق موسى اخرجها الحاكم والطبراني والدارقطني لكن قالوا عن موسى بن طلحة عن معاذ واخرجه الدارقطني والبزار من طريق عن موسى بن طلحة عن انس واسناده ضعيف قال والمشهور رواية الثوري عن عمرو بن عثمان عن موسى بن طلحة قال عندنا كتاب معاذ عن النبي فذكره وله طريق اخرى في الدارقطني عن عطاء بن السائب عن موسى بن طلحة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى ان يوخذ من الخضراوات صدقة وفي الباب عن علي رض وعائشة رض ومحمد

---

(1) حوالۂ مذکورہ

ابن جحش فی الدارقطنی کلہا واسانیدھا ضعیفۃ "۔ (۱)

موسیٰ کی سند کو حاکم رہ، طبرانی رہ اور دارقطنی نے تخریج کیا ہے، لیکن محدثین (عیسیٰ بن طلحہ عن معاذ کے بجائے) موسیٰ بن طلحہ عن معاذ کہا ہے۔ دارقطنی اور بزار نے موسیٰ بن طلحہ عن انس رہ کی تخریج کی ہے اور اس کی سند ضعیف ہے اور کہا کہ مشہور سفیان ثوری عن عمرو بن عثمان عن موسیٰ بن طلحہ ہے انھوں نے کہا کہ ہمارے پاس معاذ رہ کی ایک تحریر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے پس حدیث مذکور کو ذکر کیا۔ اس حدیث کی دوسری سندیں بھی ہیں دارقطنی میں عن عطاء بن السائب عن موسیٰ بن طلحہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضراوات میں صدقہ لینے سے منع فرمایا ہے اور باب میں حضرت علی رہ، حضرت عائشہ رہ اور محمد بن جحش رہ سے دارقطنی میں روایتیں منقول ہیں، سب کی سندیں ضعیف ہیں۔

علامہ زیلعی رہ نے بھی نصب الرایہ میں ان احادیث کے ضعف کی تصریح کی ہے، احکام القرآن لابن العربیؒ، تحفۃ الاحوذیؒ لعلامہ عبدالرحمٰن المبارکفوری میں بھی احادیث مذکورہ کے ضعف اور قابل استدلال نہ ہونے کی صراحت ہے، چنانچہ علامہ یوسف القرضاوی نے فقہ الزکوٰۃ جلد اول میں مفصل بحث کے بعد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کو ترجیح دی ہے اور تسلیم کیا ہے کہ خضراوات کو شامل کرتے ہوئے عموم عشر کا قول ہی صحیح اور بہتر ہے۔

حدیث کے ضعیف ہونے کے باوجود حدیث کا صحیح محمل بھی تلاش کیا گیا ہے، امام کاسانی رہ فرماتے ہیں:

"واما الحدیث فغریب فلا یجوز تخصیص الکتاب والخبر المشہور بمثلہ او یحمل علی الزکاۃ او یحمل قولہ لیس فی الخضراوات صدقۃ علی انہ لیس فیہا صدقۃ تؤخذ بل اربابہا ھم الذین یؤدونہا بانفسہم فکان ھذا نفی ولایۃ الاخذ للامام وبہ نقول واللہ اعلم "۔ (۳)

حدیث غریب ہے لہٰذا اس جیسی حدیث سے کتاب اللہ یا خبر مشہور کی تخصیص جائز نہیں یا وہ زکوٰۃ پر محمول کی جائے گی، یا یہ قول کہ ترکاریوں میں صدقہ نہیں اس بات پر محمول کیا جائے گا کہ ان میں سے صدقہ وصول نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کے مالکان خود ادا کریں گے، لہٰذا امام کے لینے کی ولایت کی نفی ہے اور اس کے ہم بھی قائل ہیں۔ واللہ اعلم۔

---

(۱) الدرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ علی ہامش الہدایۃ، ۱/۲ باب زکوٰۃ الزروع والثمار۔

(۲) بحوالہ ۳۹ (۳) بحوالہ ۳۵ (۳) بدائع الصنائع ۲/۵۹

علامہ مرغینانی رح فرماتے ہیں:

" ومرويهما محمول على صدقة ياخذ العاشر وبه ياخذ ابوحنيفة رح "[1]

صاحبین رح کی مرویات اس صدقہ پر محمول ہیں جو عاشر وصول کرتا ہے، امام ابوحنیفہ رح کا یہی مسلک ہے۔

ان مباحث اور مختلف توجیہات کا خلاصہ یہ ہے کہ زمین سے پیدا ہونے والی ہر اس چیز میں عشر ہے جس سے نمو ِ ارض مقصود ہو، خواہ وہ غلہ اور پھل ہو یا سبزیاں و ترکاریاں یہاں تک کہ اگر کوئی شخص عشری زمین میں بانس لگاتا اور بیچتا ہو یا جانوروں کے لیے گھاس و چارہ بوتا ہو یا فرنیچر بنانے یا جلانے کی لکڑیاں (درخت) بوتا ہو اس میں بھی عشر ہوگا، لیکن اگر یہ چیزیں بغیر بوئے اور لگائے خود پیدا ہوئی ہوں تو ان میں عشر نہ ہوگا۔

" اما الحطب والقصب والحشيش لا تستنبت في الجنان عادة بل تنقى عنها حتى لو اتخذها مقصبة او مشجرة او منبتا للحشيش يجب فيها العشر "[2]

لکڑی، بانس اور گھاس عادۃً باغوں میں اگائے نہیں جاتے بلکہ باغ اس سے صاف کیے جاتے ہیں، لیکن اگر کوئی زمین بانس یا درخت لگانے اور گھاس اگانے کے لیے بنا دی گئی تو اس بانس و گھاس و درخت میں عشر ہوگا۔

وجہ یہ ہے کہ اب یہ چیزیں زمین کا ماحصل اور پیداوار بن گئی ہیں، پہلے زمین سے یہ صاف کی جاتی تھیں، اب زمین اس کے لیے صاف کی جائے گی اور اس کی پیداوار کے لائق بنائی جائے گی۔

پانی میں پیدا ہونے والی چیزیں

اگر عشری زمین میں تالاب بنا دیا گیا ہو اور اس میں سنگھاڑا یا مکھانہ کاشت کیا جائے یا مچھلی پالی جائے تو ان میں عشر نہ ہوگا کیوں کہ وجوب عشر کے سلسلے میں یہ اصول متفق علیہ ہے کہ وہ چیز زمین کا ماحصل اور پیداوار یا اس سے ملحق ہو اور نمو ِ ارض اس سے مقصود ہو اور یہ چیزیں (سنگھاڑا، مکھانہ اور مچھلی) نہ زمین کی پیداوار اور ماحصل ہیں نہ اس سے ملحق اور نہ ہی اس سے نمو ِ ارض مقصود ہوتا ہے، لہٰذا ان میں عشر نہ ہوگا۔

درج ذیل فقہی قواعد و جزئیات سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۵۹ (۲) ھدایہ ۱/۲۰۳

(۳) حوالۂ مذکور و درمختار و ردالمحتار ۲/۵۵، البحرالرائق ۲/۲۵۱، الفتاوی الھندیہ ۱/۱۸۶

امام نووی رہ فرماتے ہیں :

" واعلم ان الائمة ضبطوا ما يجب فيه العشر بقيدين احدهما ان يكون قوتاً والثاني ان يكون في جنس ما ينبته الآدميون " (۱)

ائمہ نے وجوب عشر کے ضابطہ کو دو قیدوں کے ساتھ مقید کیا ہے ایک یہ کہ وہ خوراک ہو دوسرے یہ کہ ان چیزوں کی جنس سے ہو جنہیں لوگ اگاتے ہیں۔

احقر کا خیال ہے کہ نبتت اور نباتات زمین میں ہی اگنے یا اگانے والی چیزوں پر بولا جاتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سنگھاڑا، مکھانہ، مچھلی یا اسی قسم کی پانی میں پیدا ہونے والی چیزیں استغلال ارض اور نماء ارض میں سے نہیں ہیں۔

سید سابق لکھتے ہیں :

" واشترط (اى الامام ابوحنيفة رہ) ان يقصد بزراعته استغلال الارض ونماءها عادةً " (۲)

امام ابوحنیفہ رہ کے نزدیک وجوب عشر کی شرط ہے کہ اس کی زراعت سے زمین کا حاصل اور نماء حاصل کرنا عادۃً مقصود ہو۔

ریشم میں عشر نہیں

ریشم اگرچہ عشری زمین پر لگے شہتوت کے درخت کے ریشم کے کیڑوں سے تیار ہوا ہو مگر اس میں عشر نہیں ہے کیوں کہ یہ زمین کی پیداوار اور زمین کا حاصل ہے نہ زمین پر لگے درختوں کے پھل اور پھول کے رس سے بنتا ہے بلکہ پتوں کے رس سے بنتا ہے جن میں عشر نہیں ہے۔

علامہ ابن نجیم رہ فرماتے ہیں :

" اما في العسل فللحديث في العسل العشر ولان النحل يتناول من الانوار والثمار وفيهما العشر فكذا فيما يتولد منهما بخلاف دود القز لانه يتناول الاوراق ولا عشر فيها " (۳)

---

(۱) روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ج۲/۲۳۲ (۲) فقہ السنۃ ج۱/۳۴۹ [illegible] (۳) البحر الرائق ج۲/۲۳۹ و الھدایۃ ج۱/۲۰۲

شہد میں اس حدیث کی وجہ سے عشر واجب ہوگا جس میں کہا گیا ہے کہ شہد میں عشر ہے، علاوہ ازیں شہد کی مکھی کلیوں اور پھلوں سے رس حاصل کرتی ہے اور ان دونوں میں عشر ہے لہذا جو ان دونوں سے پیدا ہو (یعنی شہد) اس میں بھی عشر ہوگا، لیکن ریشم کا کیڑا پتوں سے خوراک حاصل کرتا ہے اور پتوں میں عشر نہیں ہے۔

ہر پیداوار پر وجوب عشر

سبزیاں اور ترکاریاں جو زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتیں اور جن کی پیداوار میں بھی تسلسل رہتا ہے، کچھ پھل توڑ جاتے ہیں پھر دوسرے نکل آتے ہیں ان سب میں عشر واجب ہے، دیر تک باقی رہنے یا نہ رہنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا، اسی طرح جب جب پھل اور ترکاریاں نکلیں، ان میں عشر واجب ہوتا جائے گا، بشرطیکہ وزن وناپ کے معیار شرعی نصف صاع کی مقدار ہو، سال گذرے یا نہ گذرے۔

(قوله بلا شرط نصاب) وبقاء فيجب فيما دون النصاب بشرط ان يبلغ صاعا وقيل نصف صاع وفي الخضراوات التي لا تبقى وهذا قول الامام وهو الصحيح كما في التحفة[1]

عشر میں نصاب اور بقاء شرط نہیں، لہذا نصاب سے کم میں بھی عشر واجب ہوگا بشرطیکہ ایک صاع ہو اور کہا گیا ہے کہ نصف صاع ہو اور خضراوات (ترکاریاں) جو باقی نہیں رہتیں ان میں بھی عشر ہوگا یہی امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے اور یہی صحیح ہے جیسا کہ تحفہ میں ہے۔

" حتى لو اخرجت الارض مرارا وجب في كل مرة لاطلاق النصوص عن قيد الحول ولان العشر في الخارج حقيقة فيتكرر بتكرره "[2]

اگر زمین کئی مرتبہ پیداوار نکالے تو ہر مرتبہ عشر واجب ہوگا کیوں کہ نصوص حولان حول (سال گذرنے) کی شرط سے مطلق ہیں اور اس لیے بھی کہ عشر حقیقی پیداوار میں ہوتا ہے نہ کہ حکمی، لہذا جب جب پیداوار ہوگی عشر واجب ہوتا رہے گا۔

والحول ليس بشرط لوجوب العشر حتى لو اخرجت الارض في السنة مرارا يجب العشر في كل مرة لان النصوص العشر مطلقة عن شرط الحول ولان العشر في الخارج

---

(۱) رد المحتار على الدر المختار ۲/۳۲۶ (۲) حوالہ مذکورہ

جس کا کوئی مالک نہیں یا مردہ لوگوں کی موقوفہ ہیں۔

امام کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عشر کے سلسلے میں وارد آیات واحادیث کے عموم کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ہر اراضی عشر پر عشر واجب ہے خواہ موقوفہ ہو یا غیر موقوفہ۔ (۱)

ایک سوال یہ ہے کہ اراضی موقوفہ کا عشر کون ادا کرے، ظاہر ہے کہ اگر ان زمینوں پر متولی نے کاشت کرائی ہے تو وہی اس کی پیداوار سے عشر ادا کرے گا اور اگر کسی کو کرایہ پر دے کر کاشت کرائی ہے تو مفتی بہ قول کے مطابق جو اجارہ پر زمین لیے ہوئے ہے وہی عشر ادا کرے گا۔

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"قلت هذا ظاهر فيما إذا زرعها أهل الوقف أما إذا زرعها غيرهم بالأجرة فيجري فيه الخلاف الذي في الأرض المستأجرة" (۲)

میں کہتا ہوں یہ اس صورت میں ظاہر ہے جب اہل وقف نے زراعت کی ہو، لیکن اگر زراعت کرنے والا ان کے علاوہ ہو اور اجرت پر زراعت کی ہو تو اس میں وہ اختلاف جاری ہوگا جو اجارہ والی زمین میں ہے۔

وفی الدر:

"العشر على المؤجر كخراج موظف وقالا على المستأجر كمستعير مسلم وفي الحاوي وبقولهما نأخذ" (۳)

امام صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک عشر اجارہ پر دینے والے کے ذمہ ہوگا جیسے خراج موظف کے، اور صاحبین رحمہما اللہ کے نزدیک اجارہ پر لینے والے کے ذمہ ہوگا، جیسے عاریتاً لینے والے مسلمان کے ذمہ ہوتا ہے، حاوی میں ہے کہ ہم صاحبین رحمہما اللہ کے قول کو ہی لیتے ہیں (یعنی یہی قول مفتی بہ ہے)۔

علامہ شامی رحمہ اللہ کا بھی رجحان اسی طرف ہے۔ (۴)

یہاں ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ اراضی موقوفہ میں وجوب عشر کا تذکرہ تقریباً تمام کتب فقہ و فتاویٰ میں موجود ہے لیکن بزازیہ میں اس کے خلاف بھی لکھا ہوا ملتا ہے۔

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۵۶ (۲) رد المحتار ۲/۳۲۳ (۳) در مختار ۲/۳

(۴) رد المحتار على الدر المختار صفحہ مذکورہ

وفي بعض الفتاوى لا يجب عليهم العشر لانه قربة كزكاة ويجب الخراج لانه مؤنة فاشبه صدقة الفطر۔ (۱)

بعض فتاویٰ میں ہے کہ اراضی موقوفہ میں عشر واجب نہ ہوگا اس لیے کہ وہ زکوٰۃ کی طرح عبادت ہے، البتہ خراج واجب ہوگا اس لیے کہ وہ زمین کا کرایہ ہے لہٰذا صدقۂ فطر کے مشابہ ہے۔

احقر کے خیال میں یہ قابل غور مسئلہ ہے اور زکوٰۃ پر قیاس کی گنجائش ہے، خاص طور سے اس صورت میں جب ورثہ (مثلاً وقف علی الاولاد) کے علاوہ دیگر وجوہ خیر (مثلاً مسجد و مدرسہ، فقراء و مساکین، مسافرخانہ وغیرہ) پر وقف ہو۔

امام نووی رح کی یہ عبارت بھی دعوت فکر دیتی ہے:

"ثمار البستان وغلة القرية الموقوفين على المساجد او الرباطات او القناطر او الفقراء او المساكين لا زكاة فيها اذ ليس لها مالك معين هذا هو المذهب الصحيح المشهور الذي قطع به الجمهور ونقل ابن المنذر عن الشافعي رحمه الله تعالى وجوب الزكاة فيها فاما الموقوف على جماعة معين فتقدم بيانه باب الخلط۔ (۳)

باغ کے پھل اور گاؤں کا غلہ جو مساجد، مسافرخانوں، پلوں یا فقراء و مساکین پر وقف ہوں ان میں زکوٰۃ نہیں ہے اس لیے کہ ان کا کوئی متعین مالک نہیں ہے، یہی مذہب صحیح مشہور ہے جس کے قطعی طور پر جمہور قائل ہیں، اور ابن المنذر

---

(۱) بزازیہ علی الفتاویٰ الهندیہ ۶/۲۹۱ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ، پاکستان

(۲) خلطہ یعنی متعدد اشخاص کا مال بغیر کسی امتیاز کے مخلوط ہو جانا۔ بعض ائمہ کے نزدیک وجوب زکوٰۃ کے سلسلے میں مجموعی مال کا اعتبار ہوگا (روضۃ الطالبین للامام النووی ۲/۲۰، باب الخلطہ) لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مجموعی مال کا اعتبار نہیں کرتے۔ وقال ابو حنيفة الخلطة لا تؤثر بحال و یزکیان زکاۃ الانفراد (حلیۃ العلماء فی معرفۃ مذاہب الفقہاء از سیف الدین ابوبکر محمد بن احمد الشاشی القفال متوفی ۵۰۷ھ، ۳/۵۳)۔

روضۃ الطالبین وعمدۃ المفتین ۲/۲۳۶ (۳) زکوٰۃ سے اصطلاح شرع میں [illegible] کی زکوٰۃ عشر کہلاتی ہے۔

(۳) احقر کے خیال میں بزازیہ کی عبارت لانه قربة كزكاة، امام نووی رح کی عبارت اذ ليس لها مالك معين کے مقابلے میں عدم وجوب کے سلسلے میں زیادہ لائق اعتبار ہے۔ تقی۔

پھل دار درخت اگر گھر میں ہو تو عشر نہیں ہے اور اراضی میں ہو تو عشر واجب ہوگا۔ اس لیے کہ مکان مسکونہ اپنے توابع کے ساتھ مستثنیٰ ہو جاتا ہے۔

رد المحتار کی مندرجہ ذیل عبارت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اگر گھر میں لگے ہوئے یہ درخت باغ کی شکل اختیار کر لیں اور باغ معلوم ہونے لگیں تو بھی عشر واجب نہ ہوگا۔

" وخرج ثمر شجر في دار ولو بستانا في داره لانه تبع الدار، كذا في العناية عن القهستاني " (1)

مذکورہ عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ لوگ جو اپنے مکان کے گرد و پیش افتادہ اراضی میں یا اپنے مکانات کی چھتوں پر سبزی و ترکاری اگا لیتے ہیں ان میں عشر واجب نہ ہوگا، وہ مکان کے تابع ہوں گے جس طرح مکان میں عشر وغیرہ واجب نہیں اسی طرح ان سبزیوں اور ترکاریوں میں بھی نہیں۔

---

(1) رد المحتار علی الدر المختار ۲/۴۶

جس کھیتی کو آسمان کا پانی سیراب کرے اس میں دسواں حصہ ہے اور جس کو کنوئیں کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں بیسواں حصہ ہے۔

عشر اسلام کے نظام زکوٰۃ کا ایک اہم جزو ہے۔ بیت المال کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح اموال تجارت سونا چاندی، مویشی وغیرہ کی زکوٰۃ فرض ہے اسی طرح زمین کے پیداوار کی زکوٰۃ نکالنی بھی فرض ہے۔

لفظ عشر کا اصلی معنی دسواں حصہ ہے مگر مذکورالصدر حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تفصیل واجبات شرعیہ کی بیان فرمائی ہے ان کے مطابق عشری زمینیں دو قسم کی ہوتی ہیں:

(۱) ایک وہ جس میں پیداوار کا دسواں حصہ ادا کرنا فرض ہوتا ہے۔ اور

(۲) دوسری قسم وہ جس میں نصف عشر یعنی پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنا فرض ہوتا ہے۔ لیکن فقہا کی اصطلاح میں ان دونوں قسم کی زمینوں کی پیداوار پر عائد ہونے والی زکوٰۃ کو عشر ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

عشر اور خراج میں بنیادی فرق یہ ہے کہ عشر مسلمانوں کی عشری زمینوں کی پیداوار پر عائد ہوتا ہے اور خراج غیر مسلموں کی خراجی زمینوں پر۔

عشر ٹیکس ہونے کے ساتھ ایک مالی عبادت ہے اور خراج محض اسلامی حکومت کو ٹیکس ہے۔ عشر کا مدار زمین کی پیداوار پر ہوتا ہے۔ اگر پیداوار نہ ہو خواہ اس کا سبب مالک زمین کی غفلت ہی ہو کہ اس نے قابل کاشت زمین کو خالی چھوڑ دیا کاشت نہیں کی اس صورت میں بھی اس پر عشر لازم ہوگا۔

اس کے برخلاف خراج محض ٹیکس ہے جو قابل زراعت زمین پر عائد ہوتا ہے اگر مالک زمین غفلت برتے گا اور قابل کاشت ہونے کے باوجود اس میں کاشت نہیں کرے گا تو خراج اس حالت میں بھی اس پر لازم ہوگا۔

ضابطہ:

ضابطہ یہ ہے کہ جو وظیفہ عشر یا خراج کا کسی زمین پر ابتداءً عائد کیا گیا ہو پھر وہ مالک کے بدلنے سے نہیں بدلے گا۔ اسی لئے اگر کسی غیر مسلم کی خراجی زمین کو کوئی مسلمان خریدے تو اس مسلمان پر خراج ہی واجب ہوگا۔ اسی طرح جن لوگوں پر خراج واجب ہے اگر ان میں سے کوئی مسلمان ہوگیا تو اس سے بدستور سابق خراج ہی لیا جائے گا۔

اس ضابطہ کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ اگر مسلمان کی عشری زمین کوئی غیر مسلم خریدے تو اس پر عشر ہی واجب ہے لیکن چونکہ عشر میں ایک حیثیت عبادت کی ہے اور کوئی غیر مسلم عبادت شرعیہ کا اہل نہیں ہے، اس لئے جمہور کے قول کے مطابق عشری زمین جب کسی غیر مسلم کی ملک میں منتقل ہو جائے تو اس کا وظیفہ عشر نہیں بلکہ خراج ہو جائے گا۔

اب وہ زمین معلوم کرنی چاہئے جس پر عشر عائد ہوتا ہے اور جس پر خراج۔

واضح رہے کہ زمین کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عشری (۲) خراجی

عشری زمین

جس زمین کے لوگ خود مسلمان ہو گئے یا قہراً فتح کر کے مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی تو وہ زمین عشری ہے۔ اس لئے مدینہ طیبہ کی زمینیں عشری ہیں اور خیبر کی زمینیں جو مجاہدین پر تقسیم ہوئیں وہ بھی عشری قرار پائیں۔ اسی طرح جو زمینیں ناقابل زراعت تھیں مسلمانوں نے اسے قابل زراعت بنالیا تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کا موقع دیکھا جائے گا اگر وہ زمین کسی عشری زمین کے قریب ہوگی تو عشری قرار دی جائے گی۔ اور اگر کسی خراجی زمین کے قریب ہوگی تو خراجی بھی جائے گی۔

خراجی زمین

وہ ہے جسے مسلمانوں نے جنگ کے ذریعہ فتح کیا ہو مگر فتح کے بعد اسلامی امیر نے اسے مجاہدین کے درمیان تقسیم نہ کیا ہو بلکہ اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت بدستور قائم رکھی ہو جیسے شام، عراق و مصر کی زمینیں، بجز خاص حصوں کے جو مسلمانوں کو دے دیئے گئے یا بیت المال کے لئے رکھ لئے گئے۔ اسی طرح جن ناقابل زراعت زمینوں کو غیر مسلم اسلامی امیر کی اجازت سے قابل زراعت بنا لیں گے وہ خراجی ہوں گی۔ اسی طرح اگر کوئی ملک مسلمانوں نے صلح سے فتح کیا ہو تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات ان شرائط صلح کے مطابق ہوں گے جن پر معاہدہ صلح ہوا ہے۔ اگر اس صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور آراضی بدستور انہیں لوگوں کی ملکیت رہیں گی جن کی ملکیت میں اب تک تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگا دیا جائے گا۔ اور یہ زمینیں ہمیشہ کے لئے خراجی ہو جائیں گی کیونکہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں ان کی زمینوں کے لئے حکم خراج متعین ہے۔

اور جامع صغیر میں ہے کہ جو زمین قہر سے فتح کی گئی ہو پھر اس زمین میں نہروں کا پانی پہنچا تو وہ زمین خراجی ہے اور جس میں نہروں کا پانی نہیں پہنچا بلکہ وہیں کوئی چشمہ یا کنواں نکالا گیا تو وہ زمین عشری ہے کیونکہ عشر کا تعلق پیداوار زمین سے ہے اور اس کی پیداوار پانی سے ہوتی ہے تو عشری پانی یا خراجی پانی سے سینچنے کا اعتبار ہوگا یعنی جیسا پانی ہوگا ویسا ہی حکم ہوگا۔ (عینی الہدایہ)

عشری پانی

بارش کا پانی اور کنوؤں اور قدرتی چشموں کا پانی عشری پانی ہے۔ اسی طرح بڑے بڑے دریا اور ندیاں جو قدرتی طور سے جاری ہیں، ان کے جاری کرنے میں کسی کے عمل کو دخل ہے اور نہ عادتاً کسی کی ملک ہوتے ہیں جیسے عراق میں دجلہ فرات، مصر میں نیل، خراسان میں سیحون و جیحون اور ہندوستان میں گنگا، جمنا اور پنجاب کے بڑے دریا، ان کا پانی عشری پانی ہے مگر امام ابو یوسف کے نزدیک بڑے دریاؤں کا پانی بھی خراجی ہے۔

خراجی پانی

وہ نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنی محنت اور طاقت کے ذریعہ نکالی ہیں اور عادتاً وہ نکالنے والوں کی ملک ہوتی ہیں اس لئے ان کا پانی خراجی پانی ہے مثلاً ہندوستان میں گنگا و جمنا جیسے بڑے دریاؤں سے نکلنے والی نہریں یا نہر ننگ و نہر جمن وغیرہ جبکہ فتح اسلامی سے پہلے وہ غیر مسلموں کی ملک تھیں۔

زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا اصل ضابطہ یہی ہے جو عشری و خراجی زمینوں اور عشری و خراجی پانیوں کی تفصیل میں لکھا گیا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا تعامل اسی پر شاہد ہے۔

چند استثنائی صورتیں

لیکن بعض مواقع میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل یا صحابہ کرامؓ کے اجماع کی بنا پر مذکورہ بالا ضابطے سے کسی قدر مختلف صورتیں بھی عمل میں آئی ہیں۔ ان کا بھی اسی طرح قائم رکھنا لازم ہے مثلاً:

۱۔ کوئی ملک یا شہر قہراً فتح ہوا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی زمینوں کو احتراماً حرم کی وجہ سے یا کسی نامعلوم مصلحت کی وجہ سے مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ سابق مالکوں کو ان پر [illegible]

مسلمانوں نے فتح کیا ہو اور اس کی زمین غانمین میں تقسیم ہوئی ہو، اس وقت سے آج تک برابر مسلمان ہی کی ملک چلی آرہی ہو اشاذ شاذ و غیرہ ذالک اور ان کا استدلال انھیں پر ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ دار المستقی کے حوالے سے زمینوں کی ایک تیسری قسم بھی بتلاتے ہیں جو غیر عشری اور غیر خراجی ہوتی ہے جس کا نام آراضی مملکت ہے، اور کہتے ہیں کہ جب سرکار مسلم ہو، اس وقت سرکاری زمین میں نہ عشر واجب ہوتا ہے نہ خراج، تو جب سرکار غیر مسلم ہو تو اس وقت یہ حکم بطریق اولیٰ ہوگا، اور اس استدلال کے وقت شاید یہ بات ان کے ذہن سے نکل جاتی ہے کہ آراضی مملکت کا حکم غیر عشری اور غیر خراجی ہونے کا اس لئے ہے کہ وہ بیت المال یا عامۂ مسلمین کی ہیں، نیز یہ کہ یہ حکم بھی مختلف فیہ ہے چونکہ صاحبین کے قول پر عشر، مالک پیداوار پر ہوتا ہے مالک زمین پر نہیں۔

اس لئے یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ آراضی دار الحرب کے عشری اور خراجی دونوں سے خارج ہونے کا مطلب کیا ہے، غور کرنے پر حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے وہ یہ کہ دار الحرب سے اس جگہ وہ دار الحرب مراد ہے جو اصل سے دار الحرب ہے، اس پر کبھی وقت مسلمانوں کی حکومت رہی، نہ وہاں مسلمانوں کے باقاعدہ لینے اور زمینیں خریدنے کو کوئی تصور ہے، ایسے دار الحرب کی زمینیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ملک نہیں ہوں گی، بلکہ اہل حرب کفار کی ملکیت ہوں گی جو احکام شرعیہ فرعیہ کے مخاطب نہیں، اس لئے ایسے دار الحرب کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی

"لان العشر والخراج انما یجب فی اراضی المسلمین وهذه اراضی اهل الحرب"

کیوں کہ عشر و خراج مسلمانوں کی زمینوں پر واجب ہوتا ہے اور یہ زمینیں اہل حرب کی ملکیت ہیں۔

لیکن ایسا ملک جو تقریباً آٹھ سو برس دار الاسلام رہ چکا ہو جہاں لاکھوں مسلمان اپنی اپنی زمینوں کے آج تک مالک چلے آتے ہوں اگر اسلامی اقتدار سے نکل کر دار الحرب بن گیا ہو تو وہ دار الحرب اصلی سے مختلف ہوگا، اور شرح سیر اور شامی باب الرکاز کی روایات اس پر منطبق نہیں ہوں گی بلکہ ایسے ملک میں جہاں مسلمانوں کی ملکیت میں زمینیں موجود ہیں ان پر عشر و خراج کے احکام عائد ہوں گے، خلاصہ کلام یہ ہے کہ:

۱۔ عشر زمین کی زکوٰۃ ہے جیسے سونے چاندی، مال تجارت، مویشی وغیرہ پر فرض ہے، جس طرح سونے چاندی اور مال تجارت پر چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ فرض ہے اور مویشی کا جداگانہ قانون ہے اسی طرح زکوٰۃ الارض کا قانون ان سب سے مختلف ہے، بعض صورتوں میں پیداوار کا عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہوتا ہے بعض میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ، مگر یہ دونوں کوئی ٹیکس نہیں بلکہ عبادت عشر

ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

وجوب عشر کی شرطیں

پہلی شرط

پہلی شرط مسلمان ہونا ہے۔ چونکہ عشر میں ایک حیثیت عبادت کی بھی ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مسلمان کی عشری زمین کو کوئی کافر خریدے تو اس زمین پر بجائے عشر کے خراج عائد کر دیا جاتا ہے کیونکہ عشر ایک اسلامی عبادت ہے کافر اس کا اہل نہیں اس لئے مجبوری اس زمین کا وظیفہ بدلا گیا اور یہ مسلم قاعدہ ہے کہ :

"وظیفہ زمین کا جو ابتداء میں مقرر ہو جائے خواہ عشر ہو یا خراج وہ ہمیشہ کے لئے ناقابل تبدیل ہوتا ہے۔ اسی لئے اگر کسی مسلمان نے کسی کافر کی خراجی زمین کو خرید لیا یا کافر مسلمان ہو جائے تو اس کے باوجود وظیفہ اس زمین کا خراج ہی رہے گا۔" (بدائع)

دوسری شرط

زمین کا عشری ہونا ہے۔ خراجی زمین پر عشر واجب نہیں ہوتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لا یجتمع علی مسلم خراج وعشر یعنی مسلمان پر خراج اور عشر دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔

(بدائع الصنائع ج ۲، فتح القدیر ج ۲)

تیسری شرط

زمین سے پیداوار کا حاصل ہونا ہے۔ اگر کسی وجہ سے پیداوار نہ ہو خواہ کسی قدرتی سبب سے یا اس کی کوتاہی و غفلت سے کہ اس نے کاشت ہی نہیں کی، یا اس کی نگہبانی یا حفاظت نہیں کی تو ہر صورت عشر ساقط ہو جائے گا۔ (بدائع وغیرہ)

چوتھی شرط

یہ ہے کہ پیداوار کوئی ایسی چیز ہو جس کا اگانے اور پیدا کرنے کا عادتاً رواج ہو۔ عقل و بلوغ شرط نہیں۔ عام احکام شرعیہ میں عاقل اور بالغ ہونا کی شرط ہے مگر زمین پر عشر کے وجوب میں دونوں شرطیں نہیں

زمین کا مالک اگر بچہ یا مجنون ہو مگر زمین سے پیداوار حاصل ہوتی ہے تو اس میں عشر واجب ہوگا۔ ان دونوں کے دنیا پر اس کا ادا کرنا فرض ہوگا بخلاف زکوٰۃ کے کہ وہ بچہ اور مجنونوں کے مال میں واجب نہیں ہوتی (بدائع)

اسی طرح ملکیت زمین بھی وجوب عشر کے لئے شرط نہیں اس لئے اراضی وقف جن کا کوئی مالک نہیں ہوتا ان پر بھی عشر لازم ہے۔ نیز جس شخص کی زمین اپنی نہیں کسی سے بطور عاریت کے لی ہے یا اجارہ اور کرایہ پر لے لی ہے اور اس میں زراعت کرتا ہے تو پیداوار کا عشر اسی شخص کے ذمہ ہے جو پیداوار حاصل کرتا ہے مالک زمین کے ذمہ نہیں۔ [illegible] ساقط (درمختار)

عشر کے لئے کوئی نصاب نہیں۔ عشر کا ضابطہ شرعی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ پیداوار کم ہو یا زیادہ بہرحال اس میں عشر یقیناً واجب ہے۔ اس کے لئے زکوٰۃ کی طرح کوئی خاص نصاب نہیں جس سے کم ہونے پر عشر ساقط ہو جائے گا۔ (بدائع وغیرہ)

مقدار واجب

لفظ عشر کے معنی ہیں دسواں حصہ لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدار واجب میں یہ تفصیل بیان فرمائی ہے:

ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب أو دالية ففيه نصف العشر۔

جو زمین بارانی پانی سے سیراب ہو اس میں عشر ہے اور جس کو بڑے ڈول یا رہٹ وغیرہ کے ذریعہ سیراب کیا جائے اس میں نصف عشر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ زمین کی آب پاشی پر کوئی محنت یا خرچ کرنا پڑتا ہے تو اس میں پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔

مسئلہ: زمین میں پیداوار ہوگی تو عشر لازم ہوگا۔ پیداوار نہ ہوئی تو کچھ واجب نہیں۔ (بدائع)

مسئلہ: عشر یا نصف عشر جو کل پیداوار میں نکالا جائے گا، بیج اور حفاظت کرنے کے اور بیلوں اور مزدوروں وغیرہ کے جو اخراجات ہیں وہ عشر کے بعد نکالے جائیں۔

عشر کے مصارف

عشر کے مصارف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں، اور جس طرح ادائے زکوٰۃ کے لئے یہ ضروری ہے کہ مستحق زکوٰۃ کو بغیر کسی معاوضہ خدمت وغیرہ کے مالکانہ طور پر دے کر قبضہ کرا دیا جائے اسی طرح عشر کی ادائیگی کا بھی یہی طریقہ ہے۔

خراج

یہ اسلامی حکومت کو خراجی زمینوں کے مالکین پر عائد کردہ ٹیکس ہے۔ یہ محض ٹیکس ہے اس میں عبادت کا کوئی پہلو نہیں ہے جیسا کہ یہ ابتداءً کافروں پر عائد ہوتا ہے اور کافر کسی شرعی عبادت کا اہل نہیں۔ یہ قابل کاشت زمین پر عائد ہوتا ہے۔ اگر مالک غفلت برتتا ہے اور قابل کاشت ہونے کے باوجود اس میں کاشت نہیں کرتا ہے تو اس حالت میں بھی جو خراج موظف مقرر ہے لازم ہوتا ہے یعنی جس زمین پر کچھ نقد رقم بطور خراج کے عائد کر دی گئی ہو وہ اس صورت میں معاف نہیں ہوتی ہے جب کہ اپنی غفلت اور کوتاہی سے زمین کو خالی چھوڑ رکھتا ہے لیکن اگر زمین پر خراج مقاسمہ مقرر ہے جس کو بٹائی کہا جاتا ہے وہ اس صورت میں معاف ہو جاتا ہے کیونکہ بٹائی پیداوار کا حصہ ہے پیداوار نہیں تو بٹائی بھی نہیں۔ (شامی ۲/۲۰)

البتہ زمین کا قابل کاشت ہونا اس میں بھی شرط ہے۔ جو زمین جس میں کاشت کی صلاحیت نہ ہو یا پانی سے اتنی دور ہو کہ پانی زمین تک نہیں پہنچ سکتا اور بارش اتنی ہوتی نہیں جس سے کوئی چیز زمین سے پیدا ہو سکے تو ایسی زمین میں خراج نہیں۔ (ہدایہ)

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ:

خراجی زمینوں کا خراج عشر کی طرح زکوٰۃ یا عبادت تو نہیں لیکن مسلمانوں پر ایک شرعی حق ہے جس کا ادا کرنا عشر کے ادا کرنے کی طرح واجب ہے۔

خراج کی قسمیں

خراج کی دو قسمیں ہیں:

(۱) خراج مقاسمہ (۲) خراج موظف

خراج مقاسمہ

اس کے معنی یہ ہیں کہ پیداوار کا کوئی حصہ نصف یا ثلث مقرر کر دیا جائے۔

خراج موظف

اس کے معنی یہ ہیں کہ نقد رقم مقرر کر دی جائے۔ فقہاء نے تصریح فرمائی ہے کہ اول فتح کے وقت جن خراجی زمینوں پر جس طرح کا خراج لگا دیا جائے پھر اس کو بدلنا جائز نہیں، مثلاً خراج مقاسمہ کو خراج موظف سے بدل دینا یا اس کا برعکس کرنا جائز نہیں۔ (شامی)

مقدار خراج موظف

جب عراق فتح ہوا تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان بن حنیف کو اس کی زمین کی پیمائش (سروے) کا حکم دیا اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اس کام کا نگران مقرر فرمایا، پوری مفتوحہ زمین عراق کی پیمائش کی گئی تو تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب نکلی۔ (ھدایہ باب العشر والخراج من السیر وکتاب الاموال ابو عبید ص۔۔)

جریب ساٹھ مربع گز کو جریب کہا جاتا ہے جو ہمارے ملک کے مروجہ بیگھہ کے قریب ہے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عراق کی ان سب زمینوں پر جن میں پانی پہنچتا ہے اور قابل کاشت ہیں خراج موظف اس تفصیل کے ساتھ مقرر فرمایا کہ عام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع یعنی ساڑھے سیر گندم یا جو جو چیز اس میں بوئی جائے اور ترکاری کی جریب پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کے باغ جو ایسے گنجان درختوں پر مشتمل ہوں کہ ان میں زراعت نہ ہو سکے تو فی جریب دس درہم۔ (ہدایہ ۱/۵۹۲)

ایک درہم ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس زمانہ کی عام پیداوار کو پیش نظر رکھتے ہوئے مذکورہ الصدر چیزوں کا خراج متعین فرما دیا، ان کے سوا دوسرے پھلوں کے باغات اور دوسری مختلف قابل کاشت چیزیں جن کا خراج حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے متعین نہیں فرمایا ان کے متعلق فقہاء نے فرمایا کہ زمین کی پیداوار کی برداشت کے مطابق خراج لگایا جائے جو

خمس پیداوار کی مقدار سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو۔ اگر اندازہ لگانے کے بعد تجربہ سے ثابت ہو کہ پیداوار اتنی نہیں ہوتی تو اس کے مناسب کمی کر دی جائے۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ، کتاب السیر)

مسئلہ: اگر خراجی زمین پر پانی چڑھ جائے یا کوئی آفت پہنچ جائے جس سے وہ قابل کاشت نہ رہے تو خراج معاف ہو جائے گا۔ (ہدایہ)

مسئلہ: مسلمان کے لئے جائز ہے کہ کسی کافر سے خراجی زمین خریدے مگر مسلمان کے مالک بن جانے کے بعد بھی وظیفہ زمین کا نہ بدلے گا بدستور خراج ہی رہے گا۔ بہت سے صحابہ کرام سے خراجی زمینوں کا خریدنا اور ان کا خراج ادا کرتے رہنا ثابت ہے۔ (ہدایہ)

مسئلہ: خراج موظف ایک ہی رہے گا خواہ زمین سے کئی مرتبہ فصل پیدا کی جائے۔

خراج کے مصارف

خراجی زمینوں سے جو خراج کی رقم یا غلہ وغیرہ وصول ہو اس کا مصرف عام مصالح ملک ہے۔ دور اہل اسلام میں جس ملک میں اسلامی حکومت و اقتدار نہیں ہے وہاں کے مسلمانوں کو اپنی زمینوں کا خراج بطور خود وہاں کے اہل اسلام پر خرچ کرنا چاہئے۔ مدارس اسلامیہ اور علماء و طلباء اس کے بہترین مصرف ہو سکتے ہیں۔

غیر اسلامی ملک میں عشر اور خراج سے سرکاری مالگزاری ادا کرنا صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام کا نظام عشر وخراج

از: مفتی محمد اسماعیل صاحب بھڑکودروی ——— دارالعلوم [illegible] کنتھاریہ

محور اول: عشر وخراج کی حقیقت

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب (رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ) اراضی عشر وخراج کی تعریف اس طرح تحریر فرماتے ہیں:

اراضی خراج

"اگر کوئی ملک صلح کے ساتھ فتح ہوا تو اس کی زمینوں کے تمام معاملات ان شرائط صلح کے مطابق ہوں گے جن پر معاہدہ صلح ہوا ہے۔ اگر اس صلح نامہ میں شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور اراضی بدستور انھیں لوگوں کی ملکیت رہیں گی جن کی ملکیت میں اب تک تھیں تو اس صورت میں ان کی زمینوں پر خراج لگادیا جائے گا اور یہ زمین ہمیشہ کے لئے خراجی ہو جائیں گی، کیونکہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں ان کی زمینوں کے لئے حکم خراج متعین ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ملک جنگ کے ساتھ فتح ہوا اگر فتح کے بعد امام المسلمین نے اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت بدستور قائم رکھی تو یہ زمینیں بھی سب خراجی زمینیں ہوں گی، اور ایسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے وقت کسی کی ملکیت تھیں نہ قابل زراعت، بعد میں اسکو اسلامی امیر کی اجازت سے کسی غیر مسلم نے قابل زراعت بنالیا یا اس نے کسی مکان کو باغ یا مزروعہ زمین بنالیا تو یہ زمین بھی خراجی ہوگی، اسی طریقہ سے اگر مذکورہ زمین کو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کسی مسلمان نے خراجی زمینو

کے قرب وجوار میں قابلِ زراعت بنالیا اور امام محمدؒ کے نزدیک اس کو اگر خراجی پانی سے قابلِ زراعت بنایا تو وہ بھی خراجی زمین ہے۔ علامہ شامیؒ نے قول امام ابویوسفؒ کو معتمد قرار دیا ہے (اسلام کا نظام اراضی بتغیر یسیر)

اراضی عشر

کسی ملک کے صلح کے ذریعہ فتح ہونے کے ساتھ وہاں کے مالکانِ اراضی مسلمان ہوگئے تو وہ زمینیں بدستور سابق مالکوں کی ملک میں رہیں گی اور عشری کہلائیں گی اور اس پر عشر واجب ہوگا۔ اگر کوئی ملک جنگ کے ذریعہ فتح ہوا اور مفتوحہ اراضی کو خمس نکالنے کے بعد مسلمان مجاہدین میں بطور غنیمت تقسیم کردیا گیا، تو وہ اراضی بھی عشری ہوں گی اور ان پر عشر واجب ہوگا۔ اسی طریقے سے صلح سے یا جنگ سے کسی ملک کے فتح ہونے کے وقت جو غیر مملوکہ ناقابلِ کاشت زمینیں تھیں اور وہ عشری اراضی کے قرب وجوار میں تھیں اور اس کو کسی مسلمان نے امیر مسلم کی اجازت سے قابلِ کاشت بنایا تو وہ زمین بھی عشری ہوگی۔

مذکورہ بالا تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اراضی عشر وخراج میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اراضی عشر مسلمان کی مملوکہ ہوتی ہیں اور اراضی خراج عموماً غیر مسلمین کی مملوکہ ہوتی ہیں باستثناء بعض صور۔

محور دوم: اراضی ہند کا تاریخی جائزہ

۱۔ محمد بن قاسمؒ سے لے کر برطانوی تسلط تک ہندوستانی اراضی مختلف قسم کی رہی بعض عشری رہیں اور بعض خراجی اور انگریزی دورِ اقتدار میں اراضی ہند کی نوعیت مختلف رہی۔ اس تاریخی جائزہ کی تفصیل حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نوراللہ مرقدہ نے اپنی کتاب "اسلام کا نظام اراضی" میں تحریر فرمائی ہے۔

محور سوم: ہندوستان کی اراضی کا قانونی جائزہ

۱۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان قوانین کا تفصیلی جائزہ تحریر فرمایا ہے جو مذکورہ عہد کے سلاطین نے اپنے اپنے دائرہ اقتدار کی اراضی کے خراج ولگان سے متعلق جاری کئے تھے اگر اس جزوی تبدیلی کے باوجود باشندگانِ ملک کی ملکیتِ اراضی میں کوئی فرق نہیں آیا، اراضی بدستور اپنے مالکان کی ملکیت ہی میں عشری یا خراجی حیثیت کے ساتھ باقی رہیں اور قانون تنسیخ زمینداری کی وجہ

سے کاشتکاروں کو دوسروں کی مملوکہ اراضی غصب کرنے کا اور سرکاری قانون کے سہارے اس کے قانونی مالک ہونے کا راستہ کھل گیا جس کی وجہ سے بہت سے مالکان اراضی کو جبراً اپنی مملوکہ اراضی سے محروم کر دیا گیا۔ (مسلمانوں کا نقصان اراضی رجواہر الفقہ دوم)

محور چہارم: اراضی ہند کی شرعی حیثیت

۱۔۔۔ ۲۔ ۔۔ قانون تنسیخ زمینداری جو انگریز کے دور حکومت میں جاری ہوا اور آزادی کے بعد بھی اس پر عمل ہو رہا ہے۔ اس قانون کے بعد ہندوستان کی اراضی کے عشری یا خراجی ہونے نہ ہونے میں مفتیان کرام اور علماء کرام کو اختلاف رہا ہے۔ بعض حضرات اس قانون کے بعد اراضی کے ملک سرکار ہونے کی بنیاد پر ان کو عشری کہتے ہیں نہ خراجی اور بعض حضرات دار الحرب ہونے کی بنیاد پر اس کو عشری و خراجی نہیں کہتے۔ جب کہ محقق علماء کرام اس قانون کے بعد دار الحرب کی تقدیر پر بھی ہندی اراضی کو عشری یا خراجی ہی قرار دیتے ہیں۔ قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہم رحمۃ واسعۃ ان میں سے بہت حضرات نے ہندی اراضی کو بعض کو عشری اور بعض کو خراجی قرار دیا ہے، اس کو واضح فرمایا ہے اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی دامت برکاتہم نے قانون تنسیخ زمینداری کے بعد بھی دلائل کے اعتبار سے عشری و خراجی کو فرمایا کہ ملک مالکان ثابت ہے، البتہ اس قانون کے مطابق سرکار نے جو زمینیں زمینداروں سے لے کر کاشتکاروں کو دی ہیں وہ خراجی کہی جائیں گی۔ یہ سب تفصیل "اسلام کا نظام اراضی" اور فتاویٰ محمودیہ ج ۹ / احسن الفتاوی ج ۶ میں موجود ہے۔ اراضی ہند سب عشری ہیں نہ سب خراجی ہیں بلکہ بعض عشری ہیں بعض خراجی ہیں۔ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک میں ہیں اور ان کے پاس مسلمانوں ہی سے پہنچی ہیں ارشادات اکابر کے مطابق وہ زمینیں عشری ہیں۔ اور جن اراضی کے درمیان میں کوئی کافر مالک ہوا ہے وہ خراجی ہیں، چاہے وہ کافر انفرادی ملکیت سے مالک ہوا ہو یا سرکاری حکومتی اقتدار کی شکل میں مالک ہوا ہو۔ اور جن زمینوں کے ماضی کے مالکان کی کچھ خبر نہ ہو سکے ان اراضی کو بطور استصحاب حال عشری ہی کہا جائے گا۔ (اسلام کا نظام اراضی)

۳۔۔۔۔ سرکاری محصول اراضی کے خراج میں محسوب ہونے نہ ہونے میں بھی اختلاف علماء کرام ہے۔ حضرت مولانا مفتی

محمد شفیع صاحبؒ اور علامہ عبد الغفور ہمایونی سندھی وغیرہمؒ اس کو خراجی اراضی کے خراج میں محسوب ہونے کی نفی فرماتے ہیں اور حضرت قطب الارشاد مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ زمین محصول سرکاری کو خراجی زمین کے خراج میں محسوب فرماتے ہیں۔ (اور اس قول کی تائید اس بات سے ہوتی ہے کہ سرکار بہت سے ایسے مصارف پر رقم کثیر خرچ کرتی ہے کہ جو مصارف خراج ہیں اور ان کا نفع مسلمانوں کو بھی برابر پہنچتا ہے۔ (اسلام کا نظام اراضی (فتاوی رشیدیہ) (حصہ اقتصادی جلد دوم)

۴ ـــــــ خراج کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) خراج مقاسمہ کہ خراجی اراضی کی پیداوار کم سے کم پانچواں حصہ ادا کیا جائے۔ (۲) خراج موظف، کہ غلہ اور کپاس جیسی عام پیداوار کی خراجی زمینوں میں فی جریب (بیگہ) ایک درہم نقد (یعنی ۳/۴ ماشہ چاندی) یا اس کی قیمت (اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر گندم یا جو یا جو چیز بھی اس زمین میں بوئی جائے اور سبزیوں کی زمین میں فی جریب (بیگہ) پانچ درہم اور انگور یا کھجور کے متصل درختوں والے باغ پر فی جریب دس درہم چاندی ہوگی۔

رہی یہ بات کہ کون سی خراجی اراضی پر خراج مقاسمہ ہوگا اور کس پر خراج موظف تو اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے تجزیہ و تفصیل (تاریخی) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صوبہ گجرات اور اجپوتانہ کی اراضی خراج پر خراج مقاسمہ پیداوار کا خمس ادا کرنا ہوگا اور دیگر عام صوبہ جات میں خراج موظف ادا کیا جائے گا۔

اور ہندوستانی مسلمان سرکاری مال گذاری کو مقدار خراج میں سے منہا کرنے کے بعد اپنے ذمہ عائد بقیہ خراج کو مصارف خراج یعنی مدارس عربیہ کی تعمیر و تنخواہوں، مساجد کے ائمہ و مؤذنین کی تنخواہوں، مساجد و مسافر خانہ کی تعمیر میں اسلامی عدالتوں کے مصارف میں دے سکتے ہیں۔ (جواہر الفقہ جلد سوم، اسلام کا نظام اراضی)

مسلمان پر عائد ہونے والا خراج مؤنۃ الارض اور زمینی ٹیکس ہی کہا جائیگا، اس میں عبادت کا پہلو نہ ہوگا۔ فقہاء کرام کی عبارات سے یہی معلوم ہوتا ہے۔

۵ ـــــــ جدید طریق زراعت کے غیر معمولی اخراجات کھاد، دوا وغیرہ کی وجہ سے عشر کی مقدار میں کمی کرنا یا ان اخراجات عشر کو لینے سے پہلے کل پیداوار میں سے منہا کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ عشر و نصف عشر کی تفریق پانی پر مبنی ہے نیز ان اخراجات کی صورت میں عموماً پیداوار میں ہونے والی زیادتی سے اس کی تلافی بھی ہوتی ہے۔

۶ ـــــــ اگر مالک اور مزارع دونوں مسلمان ہوں اور مزارعت صحیح ہو تو دونوں میں سے ہر ایک پر اس کے متعین

شدہ حصہ پیداوار کے مطابق عشر عائد ہوگا، اور غیر مسلم پر عشر واجب نہ ہوگا۔ (فتاوی رشیدیہ)
غیر مسلم و مستیر ذمی کے مسئلے سے یہی معلوم ہوتا ہے :

فان كان ذمياً فهو على رب الأرض بالاتفاق (فتح ۲/۱۹۶ بحواله احسن الفتاوى ۴/۲۵۵) لكونه ليس اهلاً للعشر (تقريرات الرافعي التحرير المختار) (من السند سقط عن السراج) لان ايجاب العشر على الذمي غير ممكن (التحرير المختار ۱/۱۳۹)

محور پنجم

۱۔۔۔۔ اگر پیداوار نصف صاع سے زائد ہو تو اس پر عشر واجب ہے، نصف صاع سے چاہے جتنی زائد ہو اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے مطابق نصوص کے اطلاق کی وجہ سے کوئی نصاب شرط نہیں ہے (شامی دوم)

۲۔۔۔۔ زمین سے پیدا ہونے والی ہر چیز میں عشر واجب نہیں ہے بلکہ جس پیداوار سے زمین کے ذریعہ آمدنی حاصل کرنا مقصود ہو، لہذا خودرو گھاس اور بیکار قسم کے درختوں میں عشر واجب نہیں ہے، البتہ اگر کوئی شخص گھاس، بانس یا خودرو قسم کے درختوں کو آمدنی کی نیت سے قصداً لگائے تو اس پر عشر واجب ہوگا۔ (شامی ۲/۵۰)

مکھانا اور سنگھارا جیسی چیزیں زمین ہی کی پیداوار ہیں، چاہے اس قسم کی کاشت کے لئے پانی کی کثرت ضروری ہے مگر اس کی جڑیں تو زمین ہی میں رہتی ہیں۔ اور زمین کی مقصود بالاستغلال میں عشر واجب ہوتا ہے، لہذا مکھانا اور سنگھارا جیسی پیداوار میں بھی عشر واجب ہوگا جب کہ بالقصد اس کی کاشت کی گئی ہو۔ (شامی دوم)

۳۔۔۔۔ مچھلی کی کاشت میں عشر واجب نہ ہوگا، کیوں کہ مچھلی یہ (انزال الارض) زمین کی پیداوار میں سے نہیں ہے اور زمین کی پیداوار سے پرورش پانے والی چیز بھی نہیں ہے۔ لہذا اگر کوئی آدمی اپنی کسی کے بہشت حوض میں اگر مچھلیاں پالنا چاہے تو بھی پال سکتا ہے۔ اور عشر کے وجوب میں اصل یہ ہے کہ وہ بلاواسطہ یا بالواسطہ زمین کی پیداوار ہو۔ (شامی ۲/۵۴)

البتہ اس قسم کے تالاب میں مچھلیاں یا ان کے بچے اگر تجارت کی نیت سے خرید کر تالاب میں ڈالے گئے ہوں تو ان کی مالیت پر تجارتی مال کی زکوۃ فرض ہوگی۔ (احسن الفتاوی ۴/۳۱)

۴ــــــ جو چیز عادۃً مقصود بالزراعۃ ہو اور اس کو مقصود بنا کر کے اس کی کاشت بھی نہ کی گئی ہو تو اس میں تو عشر واجب نہیں ہوتا، اور ایسی غیر مقصود بالزرع چیز سے پرورش پانے والی چیز میں بھی عشر واجب نہیں ہوتا جیسا کہ عام کتب فقہ حنفی میں مصرح ہے۔ مگر جب ایسی عادۃً غیر مقصود بالزرع کسی چیز ہی کو مقصود بنا کر اس کی کاشت کی جائے تو پھر اس میں عشر واجب ہوتا ہے جیسا کہ کوئی غیر پھل دار درختوں کا اور بانس ہی کو کھیت بنائے تاکہ اس سے جلانے یا عمارت کے لکڑ حاصل کرے تو اس میں عشر واجب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی ریشم کی پیداوار حاصل کرنے کے لئے شہتوت کے پتوں ہی کو مقصود بنا کر شہتوت کے درختوں کو پورا کھیت بنائے اور اس میں ان درختوں کے علاوہ دوسری چیز کی کھیتی نہ ہو تو ان پتوں میں بھی عشر واجب ہو جائے گا جیسا کہ "تنقیح الفتاوی الحامدیۃ" میں ہے کہ:

"سئل في أوراق التوت هل يجب فيها العشر أم لا (الجواب) قال في صور المسائل نقلاً عن الزاهدي ما صورته قلت ممكن أن يلحق به أغصان التوت عندنا وأوراقها لأنه يقصد بها الاستغلال بخوارزم وخراسان وقد نص عليه في درر الفقه فقال يجب العشر في أوراق التوت وأغصان الخلاف التي تقطع في أوان تقطيع الكروم وغير ذلك اهـ" (العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية ۱/۱۱)

اور جب شہتوت کے اوراق کو مقصود بالزرع بنا کر اس سے ریشم کے کیڑوں کی پرورش اور ریشم کی پیداوار حاصل کرنا مقصود ہو تو پھر اس ریشم میں عشر واجب ہوگا جیسا کہ عشری زمین کے شہد میں احناف کے نزدیک عشر واجب ہوتا ہے۔ (الہدایۃ/ فتح القدیر ۲/۴)

۵ــــــ پھلدار درختوں کے باغ میں تو زمین کی نوعیت کے مطابق پھلوں میں عشر یا خراج واجب ہوتا ہے، اور جو غیر پھلدار یا پھلدار درخت جلانے کے لئے یا عمارت و فرنیچر کو لکڑی حاصل کرنے کے لئے لگائے جائیں اور صرف ایسے درختوں ہی کو کھیت بنایا جائے اور اس میں درختوں کے درمیان اور کسی قسم کی کھیتی نہ ہو تو اس میں بھی عشری زمین ہو تو عشر واجب ہے (ردالمحتار ۲/۵۰، م ۲۹) (العقود الدریۃ ۱/۹)

۶ــــــ عشری زمین کی سبزیوں کی پیداوار میں پانی کی نوعیت کے اعتبار سے عشر یا نصف العشر واجب ہوگا اور مکان کے گرد و پیش کی افتادہ زمین میں یا چھتوں پر اگائی جانے والی سبزیوں میں

عشر و خراج کا شرعی ضابطہ

از ——— مولانا محمد شعیب اللہ مفتاحی مدرسہ شیخ العلوم بنگلور

عشر و خراج نظام اراضی سے متعلق اسلامی احکامات میں سے ہیں، شرعی قانون کے مطابق بعض زمینوں پر عشر لاگو ہوتا ہے اور بعض پر خراج عائد ہوتا ہے۔ کن زمینوں پر عشر آتا ہے اور کن پر خراج لاگو ہوتا ہے؟ اسی سوال کے جواب کی تفصیل و توضیح پیش کرنا اس موقعہ پر مقصود ہے۔

عشری زمینیں کون سی ہیں؟

شریعت نے جن زمینوں کو عشری قرار دیا ہے علماء نے ان کی تفصیل کرتے ہوئے ان کو چار قسموں پر منقسم کیا ہے۔

(۱) وہ زمین جس کے رہنے والے سب کے سب مسلمان ہو گئے ان کی زمینیں ان ہی کے قبضہ میں رہیں گی اور ان لوگوں کی زمینوں پر عشر آئے گا۔

قال الموفق قال ابن المنذر اجمع كل من نحفظ عنه من اهل العلم على ان كل ارض اسلم اهلها عليها قبل قهرهم عليها انها لهم وان احكامهم احكام المسلمين وان عليهم فيما زرعوا فيها الزكوة - (۱)

(۲) وہ زمین جس کو قتال کے بعد فتح کیا گیا اور اس کو مال غنیمت کے قاعدہ کے موافق پانچ حصے بنا کر چار حصے مجاہدین کو دئے گئے اور ایک حصہ بیت المال میں داخل کیا گیا تو یہ زمینیں جو مجاہدین کے قبضہ میں آئیں عشری قرار پائیں گی۔

---

(۱) المغنی ۲/[illegible]

امام ابوعبید نے "الاموال" میں اس صورت کا ذکر یوں کیا ہے:

کل ارض اخذت عنوۃ ثم ان الامام لم یر ان یجعلها فیئا موقوفا ولکنہ رای ان یجعلها غنیمۃ فخمسہا وقسم اربعۃ اخماسہا بین الذین افتتحوھا خاصۃ فھذہ ایضا ملک ایمانھم لیس فیھا غیر العشر۔ (۱)

(۳) جو زمین کسی کی ملکیت میں نہ تھی اور وہ زراعت کے قابل تھی ملک کے فتح ہونے کے بعد اسلامی حکومت کا سربراہ اس کو کسی کے لیے دے دیا تو وہ زمین بھی عشری ہوگی۔

قال ابو عبید: کل ارض عادیۃ لارب لها ولا عامر اقطعها الامام رجلا اقطاعا من جزیرۃ العرب او غیرها (ذکر فی النوع الثالث من الانواع الاربعۃ من الاراضی العشریۃ)[۲]

(۴) جو زمین غیر آباد پڑی ہو اس کو اگر مسلمان نے قابل زراعت بنا لیا تو وہ زمین بھی عشری ہے (اس میں کچھ تفصیلات ہیں جو آگے چل کر پیش کی جائیں گی)۔ (۳)

یہ چار قسم کی زمینیں ہیں، جن پر عشر آتا ہے اور سنت نبوی و آثار صحابہ سے ان اقسام پر عشر کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔

پہلی قسم کے عشری ہونے کی دلیل

پہلی قسم کی زمین کے عشری ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مدینہ منورہ اور یمن کے لوگوں نے جب اسلام قبول کر لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عشر کو لازم کیا، امام ابو یوسف رح کتاب الخراج میں فرماتے ہیں:

فکل ارض اسلم اھلھا علیھا وھی من ارض العرب او ارض العجم فھی لھم وھی ارض عشر بمنزلۃ المدینۃ حین اسلم علیھا اھلھا وبمنزلۃ الیمن۔ (۴)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

وھی ارض عشر بمنزلۃ المدینۃ حیث اسلم اھلھا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وکانت ارضھم ارض عشر وکذلک الطائف والبحران۔ (۵)

---

(۱) کتاب الاموال لابی عبید ص ۵۱۵ (۲) ایضاً (۳) ایضاً

(۴) الخراج ص ۶۸ (۵) الخراج ص ۶۹

اس سے معلوم ہوا کہ مدینہ، طائف، یمن وغیرہ کی زمینوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشری قرار دیا تھا اور یہاں کے لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔

امام ابن ماجہ نے اپنی سنن میں حضرت علاء ابن الحضرمی رض سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بحرین یا ہجر کی طرف بھیجا، وہ فرماتے ہیں کہ وہاں مسلمان سے عشر اور مشرک سے خراج وصول کرتا تھا۔ (۱)

یہ بحرین یا ہجر کے مقامات بغیر قتال کے مفتوح ہوئے تھے اور وہاں کے لوگ بخوشی مسلمان ہو گئے تھے ان سے حضرت علاء عشر وصول کرتے تھے اور جو مشرک ہی باقی رہے ان سے خراج وصول کیا جاتا تھا۔

دوسری قسم کے عشری ہونے کی دلیل

اور دوسری قسم کی زمین یعنی جو قتال کے ذریعہ مفتوح ہوئی اور مال غنیمت کے اصول کے مطابق پانچ حصوں میں تقسیم کر کے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے گئے تو ان چار حصوں پر جو مجاہدین کی ملک میں عشر آتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو اسی طرح تقسیم فرمایا اور مجاہدین کی اراضی پر عشر لازم قرار دیا تھا۔ (۲)

تیسری قسم کے عشری ہونے کی دلیل

اور جس زمین کو امیر المومنین نے کسی کو عطیہ دے دیا جب کہ وہ زمین کسی کی ملک نہیں تھی تو اس پر عشر لاگو ہونے کی دلیل یہ ہے کہ مسلمانوں نے جب تمص کو فتح کیا تو وہ ہزار ہا بربع ہوئے اور وہاں کی زمین کو قابل بنالیا اور اس کو حضرت عثمان رض نے نافذ فرمایا اور اس پر خراج نہیں لیا جاتا تھا بلکہ عشر لاگو کیا گیا تھا، اسی طرح تمص کے بعض اور حصے بھی لشکریوں کو ان کی درخواست پر دے گئے اور ان پر عشر ادا کیا جاتا تھا۔ (۳)

چوتھی قسم کے عشری ہونے کی دلیل و تفصیل

چوتھی قسم کی زمین یعنی جو زمین آبادی میں ہو اور اس کو کسی مسلمان نے قابل زراعت بنالیا تو اس میں کچھ تفصیل ہے۔

---

(۱) ابن ماجہ ص ۱۳۳ (۲) الاموال ص ۵۱۳

(۳) رواہ ابن ماجہ فی کتابہ باسنادہ قالہ العرائق فی المغنی۔ المغنی ص ۴۵۵ بحوالہ اصل الاسلام ص ۴۰۶

وہ یہ کہ امام ابویوسف رح کے نزدیک مذکورہ زمینیں عشری ہوں گی۔ اگر اس کے قرب وجوار کی زمینیں عشری ہوں اور اگر قرب وجوار کی زمینیں خراجی ہیں تو یہ بھی خراجی قرار دی جائیں گی، اور اگر قرب وجوار میں دونوں قسم کی زمینیں ہیں تو اس زمین کو عشری قرار دیا جائے گا۔(۱)

اور امام محمد رح کے نزدیک مذکورہ بالا زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار اس کو دیے جانے والے پانی پر ہے اگر عشری پانی سے اس زمین کو سیراب کیا جاتا ہے تو وہ عشری ہے اور اگر خراجی پانی دیا جاتا ہے تو وہ بھی خراجی ہوگی۔(۲)

علماء احناف نے ان دونوں قولوں میں سے امام ابویوسف رح کے قول پر فتویٰ دیا ہے جیسا کہ اسی طرح شامی نے تصریح کی ہے۔

امام محمد رح کے قول کے مطابق ایسی زمین کے عشری ہونے کی دلیل یہ ہے کہ بصرہ کو صحابہ نے عشری زمین قرار دیا، حالانکہ اس کے قرب وجوار میں عراق کی خراجی زمینیں ہی وجہ یہ ہے کہ یہ عشری پانی سے سیراب کی جاتی تھیں، یحییٰ بن آدم نے کہا کہ،

وقد قال بعض اصحابنا فی ارض البصرة ارضها ارض عشر لانها استخرجت من انهار الخراج لان البطائح تقطع مابينهما و بين دجلة وشربها من البطائح ومن البحر والبحر ليسا من انهار الخراج ۔(۳)

اور امام ابویوسف رح کے قول کے مطابق بصرہ کو اگرچہ خراجی زمین قرار دینا چاہیے تاہم اجماع صحابہ کے پیش نظر وہ بھی اس کو خلاف قیاس عشری ہی قرار دیتے ہیں۔

خراجی زمین کا ضابطہ

اوپر عشری زمینوں کا اصول وضابطہ پیش کیا گیا تھا اب خراجی زمینوں کا اصول وضابطہ بیان کیا جاتا ہے۔

(۱) جس ملک کو مسلمان صلح کے ساتھ فتح کریں اس کی شرائط صلح میں اگر یہ بات ہو کہ اس کی زمینیں بدستور انہی غیر مسلم لوگوں کی ملکیت میں رہیں گی تو اس شرط کے مطابق یہ زمینیں وہاں کے غیر مسلم باشندوں کی ملک ہوں گی اور ان پر خراج عائد ہوگا۔

(۱-۲) شامی علی الدر جلد ۲/۴۳ (۳) الخراج یحییٰ بن آدم بحوالہ اسلام کا نظام اراضی ص ۳۰۸/۱

امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں:

ایما قوم من اهل الشرک صالحهم الامام علی ان ینزلوا علی الحکم والقسم وان یؤدوا الخراج فهم اهل ذمة وارضهم ارض خراج ۔ (۱)

(۲) جس ملک کو بعد قتال فتح کیا گیا اگر اس کی زمینیں مجاہدین میں تقسیم نہیں کی گئیں اور امیر المومنین نے اسی کو مصلحت خیال کیا کہ یہاں کی زمینیں بدستور انہی کفار کی ملکیت میں رہیں تو یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔

امام ابو یوسف رح فرماتے ہیں:

ایما ارض افتتحها الامام عنوة ——— وان لم یر قسمتها ورای الصلاح فی اقرارها فی ایدی اهلها کما فعل عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی السواد فله ذلک وهی ارض خراج ولیس له ان یاخذها بعد ذلک منهم الخ ۔ (۲)

(۳) جس غیر آباد زمین کو باذن امام غیر مسلم آباد کرلیں اور قابل کاشت بنالیں وہ زمین بھی خراجی ہوگی۔ (۳)

(۴) وہ زمین جو مسلمان آباد کرلیں امام ابو یوسف رح کے مطابق اگر وہ خراجی زمینوں کے قرب میں ہو تو وہ خراجی ہوگی اور امام محمد رح کے مطابق وہ اگر خراجی پانی سے سیراب ہوتی ہے تو خراجی ہوگی۔ (۴)

دلائل کی طرف

خراجی زمینوں کی پہلی قسم پر دلیل یہ ہے کہ خراج کا وظیفہ کفار کے ساتھ مخصوص ہے لہٰذا جب امیر نے شرط کے مطابق ان کی زمین ان کی ملکیت میں رہنے دی تو اس کے لائق یہی ہے کہ خراج عائد کیا جائے۔

فی الهدایة: وکذا اذا صالحهم لان الحاجة الی ابتداء التوظیف علی الکافر والخراج الیق به۔ (۵)

قلت ودلیله ما اخرجه یحیی بن آدم فی الخراج له بسنده عن ابن ابی لیلی قال: قد رد الیهم عمر بن الخطاب رض اراضیهم وصالحهم علی الخراج (اعلاء السنن ۱۲/۳۰۱) فیه دلالة واضحة علی ان الامام اذا رد الیهم اراضیهم وصالحهم علی علیه فهی ارض خراج ۔

(۱) الخراج لابی یوسف ص ۹۶/ (۲) ایضاً (۳) شامی ۳/۱۰۳ (۴) ایضاً

(۵) عنایہ ۵/۲۷۵

اور بعد قتال کے فتح ہو تو کفار کے قبضہ میں جو زمینیں دی گئیں وہ خــراجی ہوتی ہیں کیوں کہ حضرت عمرؓ نے عراق و شام کی زمینوں پر خراج ہی عائد کیا تھا۔ (۱)

اور جس زمین کو غیر مسلم آباد کرلیں وہ بھی خراجی ہوگی کیوں کہ غیر مسلم پر عشر نہیں ہوتا۔

اور چوتھی قسم کی زمین کے خراجی ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اہل بصرہ میں سے ایک شخص ابو عبداللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ ہمارے قریب ایک زمین بصرہ میں ہے جو خراجی نہیں اگر آپ کی رائے ہو تو یہ مجھے عنایت فرمادیں تاکہ میں اپنے گھوڑوں کے لیے چراگاہ بناؤں، آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اگر یہ شخص جس طرح کہتا ہے وہ صحیح ہے تو اس زمین کا حصہ اس کو دے دیں اور اس خط کے جملے یہ تھے :

فان لم تكن ارض جزية ولا ارضا يجري اليها ماء جزية فاعطها اياه۔ (۲)

اس میں حضرت عمرؓ کے یہ جملے بتاتے ہیں کہ پانی کے عشری یا خراجی ہونے کا ہی اثر و اعتبار ہے ورنہ "ولا ارضا يجري اليها ماء جزية" کہنے کی کوئی وجہ نہ ہوتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی زمین کو خراجی پانی دیا جاتا ہے تو وہ زمین خــراجی ہوگی۔ یہ دلیل امام محمدؒ کے مطابق ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم)

امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ کے نزدیک ایک اختلاف کی تفصیل

یہاں یہ بھی واضح ہونا چاہیے کہ اس چوتھی صورت میں امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ میں جو اختلاف ہے وہ اس صورت میں ہے جب کہ یہ آباد کردہ زمین خراجی یا عشری زمینوں کے حیز و قرب میں ہو، اس صورت میں امام ابو یوسفؒ قرب کا اعتبار کرتے ہوئے آباد کردہ زمین پر عشری ہونے کا (جب کہ وہ عشری زمین کے قرب میں ہو) اور خراجی ہونے کا (جب کہ خــراجی زمینوں کے پاس ہو) حکم لگاتے ہیں اور امام محمدؒ عشری یا خراجی پانی کا اعتبار کرتے ہوئے حکم لگاتے ہیں۔

لیکن اگر یہ نئی آباد کردہ زمین عشری یا خراجی زمینوں کے قرب میں نہ ہو تو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ دونوں کا مسلک ایک ہے وہ یہ کہ پانی کے عشری یا خراجی ہونے پر اس زمین کے عشری یا خــراجی ہونے کا مدار ہوگا۔ چنانچہ امام ابو یوسفؒ نے بھی کتاب الخراج میں پانی کے عشری یا خراجی ہونے پر مدار رکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :

---

(۱) الخراج لابی یوسف، الاموال لابی عبید وغیرہ۔

(۲) ابی عبید الاموال ۷/۹۴

أيما رجل أحيا أرضاً من أرض الموات من أرض الحجاز أو أرض العرب التي أسلم أهلها عليها وهي أرض عشر فهي له وإن كانت من الأرضين التي افتتحها المسلمون مما في أيدي أهل الشرك فإن أحياها وساق إليها الماء من أنهار التي كانت في أيدي أهل الشرك فهي أرض خراج وإن أحياها بغير ذلك الماء بئر احتفرها فيها أو عين استخرجها منها فهي أرض عشر وإن كان يستطيع أن يسوق الماء إليها من الأنهار التي كانت في أيدي الأعاجم فهي أرض خراج ساقه أو لم يسقه۔ (۱)

علامہ ظفر احمد التھانوی رح اعلاء السنن میں مذکورہ بالا عبارات کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وبه تبين أن أبا يوسف لا يخالف محمداً في اعتبار الماء بل يوافقه إذا لم تكن الأرض التي أحياها المحيي في حيز أرض الخراج أو العشر۔ (۱)

غرض یہ کہ امام محمدؒ و امام ابو یوسفؒ میں اختلاف صرف اس وقت میں ہے جبکہ آباد کردہ زمین عشری یا خراجی زمینوں کے قریب میں ہو ورنہ دونوں حضرات کے نزدیک پانی کا اعتبار ہے۔

خلاصۂ کلام

اوپر کی پیش کردہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ:

(۱) عشری زمین وہ ہے جو اول دن ہی مسلمان لوگوں کو مل یا دی گئی خواہ جنگ و قتال کے بعد وہ زمین مسلمانوں کے قبضہ میں آئی ہو یا صلح کے ذریعہ حاصل ہوئی ہو لہٰذا ہر وہ زمین جو صلح یا جنگ کے بعد کسی مسلمان کو حاصل ہوئی وہ عشری کہلائے گی۔

(۲) خراجی زمین یا تو وہ ہے جو جنگ یا صلح کے بعد امام المسلمین نے کسی کافر کو دی خواہ وہ بصورت صلح کی بنا پر ہو یا از راہ تبرع و احسان ہو۔

(۳) خراجی زمین وہ بھی ہے جو غیر آباد تھی اور اس کا کوئی مالک نہ تھا اور کسی مسلمان نے اس کو آباد کر لیا تو اگر یہ خراجی پانی سے سیراب کی جاتی ہے تو خراجی ہو گی اسی طرح امام ابو یوسف رح کے نزدیک یہ زمین خراجی زمین کے قریب میں ہے تو خراجی ہو گی۔

---

(۱) کتاب الخراج لابی یوسف [illegible] اعلاء السنن [illegible] ۲۹

استثناء

یہ تو اصل قاعدہ وضابطہ ہے جس سے خراجی وعشری زمینوں کا تعین کیا جاسکتا ہے، مگر اس قاعدہ سے ہٹ کر بھی بعض فیصلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ سے منقول ہیں اور یہ بعض خصوصیات کی بنا پر ایک استثنائی صورت ہے اور اس کو اسی طرح قائم وباقی رکھنا ضروری ولازمی ہے ان استثنائی صورتوں کی تفصیل یہ ہے:

(۱) اوپر معلوم ہوا کہ جس ملک کو جنگ وقتال کے بعد فتح کیا جائے اور اس کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہ کیا جائے بلکہ بدستور کفار ہی کی ملکیت میں رہنے دیا جائے تو ایسی زمینیں خراجی ہوں گی مگر مکہ مکرمہ کی زمینوں کو جس کو بعد قتال فتح کر کے کفار ہی کو دے دیا گیا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خراجی قرار نہیں دیا بلکہ اصل ضابطہ سے ہٹ کر ان پر عشر عائد کیا۔

امام ابویوسفؒ اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وارض العرب مخالفة لارض العجم من قبل ان العرب انما يقاتلون على الاسلام لاتقبل منهم الجزية ولا يقبل منهم الا الاسلام فان عفى لهم عن بلادهم فهى ارض عشر وان قسمها الامام ولم يدع منها لهم فهى ارض عشر وليس يشبه الحكم فى العرب الحكم فى العجم لان العجم يقاتلون على الاسلام وعلى اعطاء الجزية والعرب لا يقاتلون الا على الاسلام فاما ان يسلموا واما ان يقتلوا ولا نعلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا احدا من اصحابه ولا احدا من الخلفاء من بعده اخذوا من عبدة الاوثان من العرب جزية انما هو الاسلام او القتل۔(۱)

(۲) اسی طرح عرب کی کل زمین عشری قرار دی گئی خواہ وہ عنوۃً مفتوح ہوئی ہو یا صلحاً، یہ عرب کی زمین کی خصوصیت ہے امام ابویوسف فرماتے ہیں:

وقد بلغنا ان رسول الله صلى الله عليه وسلم افتتح فتوحا من الارض العربية فوضع عليها العشر ولم يجعل على شيئ منها خراجا وكذالك قول اصحابنا فى تلك الارضين۔(۲)

---

(۱) الخراج لابی یوسف ۶۹/۲ (۲) ایضاً ۶۹/۲

(۳) اسی طرح بصرہ قہراً و عنوۃً فتح ہوا، اس کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ وہاں کی ان زمینوں کو جو کفار کو دی گئیں خراجی قرار دیا جاتا مگر اجماع صحابہ بصرہ کی کل زمین کو عشری قرار دیا گیا۔

علامہ ابن نجیم مصری رح بنایہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

فان القياس وضع الخراج عليها اى على البصرة لكونها فتحت عنوة مع ذلك لم يوظف رسول الله صلى الله عليه وسلم عليها الخراج تعظيما لها ولاهلها فكما لا رق على العرب لا خراج على اراضيهم ۔ (۱)

الغرض بعض علاقوں کی خصوصیت کی وجہ سے اصل ضابطہ سے ان کو مستثنیٰ رکھا گیا اور ان کو ہمیشہ اسی طرح باقی رکھنا لازم ہے۔

۱۔ بحرالرائق، جلد ۵،

عشر و خراج سے متعلق سوالات کے جوابات

از :- مولانا عبد الرحمٰن قاسمی ، دار الافتاء دار العلوم چھاپی

محور اول

عشری و خراجی زمینیں

کتاب وسنت ، تعامل عہد صحابہ و تابعین اور فقہائے امت کے اجتہادات کے مطالعہ سے عشری و خراجی زمینوں کے متعلق بطور خلاصہ کے یہ روشنی ملتی ہے کہ

جزیرۃ العرب (جس میں تہامہ ، حجاز ، مکہ ، یمن ، طائف ، عمان ، بحرین شامل ہیں) کی تمام زمینیں عشری ہیں :

فارض العرب کلها عشرية وهي ارض تهامة وحجاز ومكة واليمن وطائف وعمان والبحرين . (۱)

ہر وہ شہر یا ملک جو صلح کے ساتھ اس طرح فتح ہوا کہ اس کے باشندے بھی مسلمان ہو گئے تو ان کی زمینیں بدستور ان کی ملکیت میں ہی رہیں گی اور شرعا یہ زمینیں عشری ہوں گی ، جیسے مدینہ طیبہ کی زمینیں ۔

كل ارض اسلم عليها اهلها تكون عشرية . (۲)

ہر وہ شہر یا ملک جو جنگ کے ساتھ فتح ہوا اور امام المسلمین نے ان کی زمینیں مال غنیمت کے قانون سے چار حصے مجاہدین میں تقسیم کر دیئے تو زمینیں تقسیم ہو کر مجاہدین کی ملکیت میں آئیں گی وہ سب عشری ہوں گی ۔

---

(۱) الفتاوى الهندية پاره ۲۳ (۲) ایضاً

كل بلدة فتحت عنوة وقسمها الامام بين الغانمين تكون عشرية ۔ (۱)

ہر وہ بنجر زمین جو ملک فتح ہونے کے وقت نہ کسی ملک تھی نہ قابل زراعت بعد میں اس کو اسلامی امیر کی اجازت سے قابل زراعت بنایا گیا یا آبادی میں کوئی مکان تھا اس کو باغ یا مزروعہ زمین بنایا گیا تو ایسا کرنے والے غیر مسلم ہیں تو ان کی یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی اور اگر مسلمانوں نے اس زمین کو قابل بنایا ہے تو ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابو یوسف رح کے نزدیک قرب و جوار کی زمینوں پر ہوگا۔ اگر قریب کی زمینیں عشری ہیں تو یہ زمینیں بھی عشری ہوں گی۔ اور امام محمد رح کے نزدیک نو آباد زمینوں کے عشری و خراجی ہونے کا مدار اس پانی پر ہے جس سے نو آباد زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہے اگر وہ پانی عشری ہے تو یہ زمینیں عشری ہوں گی اور اگر وہ پانی خراجی ہے تو یہ زمینیں خراجی ہوں گی۔ امام ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا قول مفتی بہ ہے اور علامہ شامی نے اس کو معتمد قرار دیا ہے۔

موات احياه ذمي باذن الامام او رضخ له كما مر خراجي ولو احياه مسلم اعتبر قربه فما قارب الشئ يعطى حكمه ۔ (۲)

(قوله اعتبر قربه) أي قرب ما أحياه إن كان إلى أرض الخراج أقرب كانت خراجية وإن كان إلى العشر أقرب فعشرية ۔ (۳) ــــــ وإن كانت بينهما فعشرية مراعاة لجانب المسلم وعند أبي يوسف واعتبر محمد الماء فإن أحياها بماء الخراج فخراجية وإلا فعشرية بحر وبالاول يفتى درمنتقى ۔ (۴)

نیز علامہ شامی قوله وكل منهما کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

ان الماء يعتبر فيما لو احيا مسلم ارضا او جعل داره بستانا بخلاف المتعرض على انه عشري أو خراجي وقدمناه على الدر المنتقى ان المفتى به قول ابي يوسف انه يعتبر القرب وهو ما مشى عليه المصنف اولا كالكنز وغيره وقدمه في متن الملتقى فأفاد ترجيحه على قول محمد وقال ح وهو المختار كما في الحموي على الكنز عن شرح قراحصاري وعليه المتون واعتبار الماء قول محمد ۔ (۵)

---

(۱) ہندیہ ۲/۲۳۰ (۲) الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۳/۳۰۲ (۳) ایضاً

(۴) شامی مصری ۳/۳۰۳ (۵) شامی مصری ۳/۳۰۵

نیز فتاویٰ ہندیہ میں ہے :

من احیا ارضا مواتا فان کانت من حیز ارض الخراج فهی خراجیة وان کانت من حیز ارض العشر فهی عشریة وهذا اذا کان المحیی لها مسلما اما اذا کان ذمیا فعلیه الخراج وان کانت من حیز ارض العشر ۔ (۱)

ہر وہ شہر یا ملک جو صلح سے فتح ہوا اور صلح نامہ میں یہ شرط ہے کہ یہ لوگ اپنے مذہب پر رہیں گے اور اراضی بدستور انہی لوگوں کی ملکیت میں رہیں گی جن کی ملکیت میں اب تک تھیں تو اس صورت میں یہ زمینیں ہمیشہ کے لیے خراجی ہو جائیں گی کیوں کہ ان کے مالک غیر مسلم ہیں ان کی زمینوں کے لیے خراج کا حکم متعین ہے ۔

کل بلدة فتحت صلحا وقبلوا الجزیة فهی ارض خراج ۔ (۲)

ہر وہ شہر یا ملک جو جنگ کے ساتھ فتح ہوا مگر فتح کے بعد امام المسلمین نے ان کی زمینوں کو مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ اپنے اختیار سے مالکان سابق کی ملکیت میں بدستور رکھی تو یہ زمینیں بھی سب خراجی ہوں گی ، جیسے شام اور عراق اور مصر کی زمینوں کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہی معاملہ فرمایا بجز خاص حصوں کے جو مسلمانوں کو دیے گئے یا بیت المال کے لیے رکھے گئے ۔

وما فتح عنوة واقر اهله علیه او فتح صلحا خراجیة ۔ (۳)

اگر کسی غیر مسلم کی زمین کو کوئی مسلمان خرید لے تو یہ زمین خراجی ہی رہے گی ۔

او اشتری مسلم من ذمی ارض خراج یجب الخراج ۔ (۴)

محور چہارم

اراضی ہند سے متعلق شرعی حیثیت کے سوالات

(۱) ۱۹۴۷ء کی آزادی اور قانون تنسیخ زمینداری کے بعد ہندوستان کی زمینیں بعض عشری بعض خراجی اور

---

(۱) فتاویٰ هندیه ۲۴۶/۲ (۲) الفتاویٰ الهندیه ۲۴۶/۲

(۳) تنویر ۱۷۷/۳ (۴) الدر المختار علی هامش رد المختار ۱۹۱/۳

بعض نہ عشری نہ خراجی ہیں۔

خاتمہ زمینداری میں جن اراضی کو حکومت نے اپنی ملکیت میں لے لیا اور مالکوں کی ملک ختم کر دی وہ تمام زمینیں خراجی ہوں گی۔ پھر ان زمینوں میں سے جن اراضی کو حکومت نے اپنے قاعدہ وضابطہ سے کچھ عوض لے کر یا بغیر عوض کے قابضین کی ملک میں دے دیا تو قابضین اس کے مالک ہو گئے پھر بھی یہ زمینیں خراجی رہیں گی۔

اور ان میں سے جن اراضی پر حکومت نے قابضین یا دوسروں کی ملکیت کا حق نہیں دیا ہے وہ اب تک حکومت کی ملک میں باقی ہیں اور یہ اراضی نہ عشری ہیں نہ خراجی ہیں بلکہ اراضی مموزہ سلطانیہ کے درجہ میں ہیں۔

اور جو اراضی قانون تنسیخ زمینداری سے مستثنیٰ رہی ہیں اور حکومت نے ان کو اپنی ملکیت میں نہیں لیا بلکہ وہ اب تک مالکوں کی ملک میں ہیں تو ان اراضی کا حکم یہ ہے (بشرطیکہ وہ اراضی مملوکہ مسلمین ہوں)۔

ان اراضی میں سے جس کے بارے میں معلوم ہو کہ اسلامی دور سے اب تک کسی غیر مسلم کی ملک میں نہیں گئی ہے وہ زمین عشری ہے…… اسی طرح جن زمینوں کے متعلق علم ہی نہ ہو کہ کبھی کسی غیر مسلم کی ملک میں گئی ہیں یا نہیں؟ تو یہ زمینیں بدلیل استصحاب عشری ہی سمجھی جائیں گی۔(۱)

اور ان میں سے جن اراضی کے متعلق یقینی علم ہے کہ اسلامی دور کے بعد کسی بھی وقت غیر مسلم کی ملکیت میں گئی ہیں وہ زمینیں خراجی ہیں…… اسی طرح ہندوستان چھوڑ کر پاکستان چلے جانے والے مسلمانوں کی اراضی جن پر حکومت ہند نے قبضہ کر کے دوسروں کو دے دی ہیں وہ بھی بوجہ استیلائے کافر خراجی ہو گئیں۔(۲)

(۲) جن اراضی کا عشری و خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے اور وہ مملوکہ مسلمین ہیں اور ان کو حکومت نے اپنی ملک میں نہیں لیا تو ان زمینوں کو بدلیل استصحاب عشری قرار دیا جائے گی۔(۳)

(۳) سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہائے معاصرین کی رائیں مختلف ہیں لہٰذا احتیاطاً سرکار کو دی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل نہ سمجھی جائے۔

(۴) محمد بن قاسم ثقفی رحؒ کی فتوحات میں ہندوستان کے جو علاقے اور صوبے داخل تھے ان میں عموماً خراج مقاسمہ خمس پیداوار واجب ہے اور اس کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں خراج موظف کا حکم جاری ہے۔

---

(۱) المستفاد من نظام الفتاوی ج۱، ۳۵۶-۳۵۷ (۲) جواہر الفقہ ج۲، ۲۶۶

(۳) مستفاد من اسلام کا نظام اراضی، عشر و خراج کے احکام اور [illegible] حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور خراج موظف کی تفصیل یہ ہے کہ عام قابل کاشت زمینوں میں ایک جریب (ساٹھ مربع گز) پر ایک درہم (۳ ۱/۲ ماشہ چاندی) اور ایک صاع گندم یا جو کا واجب ہوگا۔ ترکاری کی ایک جریب پر پانچ دراہم اور گنجان باغات پر دس دراہم واجب ہوں گے اور باقی اشیاء کا خراج اس انداز سے لگایا جائے گا کہ پیداوار کے خمس سے گھٹے نہیں اور نصف سے بڑھے نہیں۔ (۱)

خراجی زمینوں کا خراج عشر کی طرح زکوٰۃ یا عبادت تو نہیں لیکن زمینوں پر ایک شرعی حق ہے جس کا ادا کرنا عشر کے ادا کرنے کی طرح واجب ہے۔ (۲)

(۵) جدید طریق زراعت میں غیر معمول ہونے والے اخراجات کی وجہ سے عشر کی مقدار میں کمی کرنا جائز نہیں ہے نیز اصل پیداوار سے ان اخراجات کو منہا کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے بلکہ اصل پیداوار سے عشر ادا کرنا واجب ہے۔

یجب العشر ...... ونصفه ...... بلا دفع مؤن ۔ (۳)

(قوله بلا دفع مؤن) ای یجب العشر فی الاول ونصفه فی الثانی بلا دفع اجر العمال ونفقة البقر وكری الانهار واجرة الحافظ ونحو ذلك درر قال فی الفتح یعنی لا یقال بعدم وجوب العشر فی قدر الخارج الذی بمقابلة المؤنة بل یجب العشر فی الكل لانه علیه الصلوة والسلام حكم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة ولو رفعت المؤنة كان الواجب واحداً وهو العشر دائماً فی الباقی لانه لم ینزل الی نصفه الا للمؤنة والباقی بعد رفع المؤنة لا مؤنة فیه فكان الواجب دائماً العشر لكن الواجب قد تفاوت شرعاً فعلمنا انه لم یعتبر شرعاً عدم عشر بعض الخارج وهو القدر المساوی للمؤنة اصلا اه تامه فیه۔ (۴)

(۶) جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر مالک زمین اور بٹائی دار دونوں پر واجب ہے،

ولو دفعها مزارعة اما علی مذهبهما فالمزارعة جائزة والعشر یجب فی الخارج والخارج بینهما فیجب العشر علیهما۔ (۵)

---

(۱) المستفاد من اسلام کا نظام اراضی/ ۹۵ (۲) ایضاً/ ۹۷ (۳) الدر المختار ۲/ ۳۴۱

(۴) شامی مصری ۱/ ۳۲۸ (۵) البدائع ۲/ ۵۶

پانی میں کاشت ہونے والی چیزیں اگر ان کی جڑیں زمین سے لگتی ہیں تو عشر کا سبب الارض النامیہ پائے جانے کی وجہ سے اس میں عشر واجب ہوگا۔

(۳) مچھلی کی اس طرح کی کاشت پر عشر واجب نہیں ہے بلکہ تالاب میں مچھلیاں یا ان کے بچے خرید کر ڈالے ہوں تو ان کی مالیت پر زکوٰۃ فرض ہے ورنہ نہیں۔

(۴) ریشم کی کاشت پر عشر واجب نہیں ہے۔

(بخلاف دود القز) ای الذی یتولد منہ الابریسم ...... (لانہ یتناول الاوراق ولاعشر فیہا) ای فی الاوراق وکذا فی ما یتولد منہا وھو الابریسم۔ (۱)

(۵) باغات کے وہ درخت جن میں پھل اور درخت دونوں مقصود ہوں تو ان میں عشر واجب ہوگا۔

ان المدار علی القصد حتی لو تصد بہ ذلک وجب العشر۔ (۲)

(۶) اگر عشری و خراجی زمین میں خضراوات (سبزیاں) کی کاشت کی گئی تو اس میں عشر یا خراج واجب ہے چاہے وہ خضراوات زیادہ دیر تک باقی نہ رہتے ہوں اور چاہے ان کی پیداوار میں تسلسل رہتا ہو۔

(قولہ بلاشرط نصاب) وبقاء فیجب ...... وفی الخضراوات التی لاتبقی وھذا قول الامام وھو الصحیح کما فی التحفۃ۔ (۳)

اور جو پھل یا سبزیاں اپنے گھر کے آنگن یا اپنے مکان کے گرد و پیش افتادہ اراضی یا اپنی چھتوں پر اگائے گئے ہوں ان میں عشر و خراج واجب نہیں ہے۔

(قولہ جعلت بستانا) قید بجعلھا بستانا لانہ لو لم یجعلھا بستانا وفیہا نخل تغل اکرارا لاشیئ فیہا (بحر) وکذا فی المحر بستان الدار لانہ تابع لہا کما فی قاضی خان قہستانی۔ (۴)

(۷) اراضی اوقاف کی پیداوار میں عشر واجب ہے اور وقف علی الاولاد کی اراضی کی پیداوار میں بھی عشر واجب ہے۔

(قولہ وقف) افاد ان ملک الارض لیس بشرط لوجوب العشر وانما شرط ملک الخارج لانہ یجب فی الخارج لافی الارض فکان ملکہا وعدمہ سواء۔ (۵)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب وعلمہ اتم واکمل۔

---

(۱) البدایۃ ج ۲ ص ۵ (۲) شامی ج ۲ ص ۳۲۹ (۳) ایضاً ج ۲ ص ۳۲۶ (۴) ایضاً ج ۲ ص ۳۳۰ (۵) ایضاً ج ۲ ص ۳۲۶

اسلام کا نظامِ عشر و خراج

و

اراضیِ ہند کی شرعی حیثیت

از ——— مفتی حبیب اللہ قاسمی دارالعلوم اعظم گڈھ (یوپی)

تجویزِ چہارم

عشر و خراج کا نظام اسلام کے نظامِ معیشت کی اہم کڑی ہے، داخلی، خارجی، دفاعی، فلاحی بہت سے نظام ان سے قائم ہوا کرتے تھے، لیکن سلطنتِ اسلامیہ کے زوال کے بعد یہ دونوں نظام اس قدر متاثر ہوئے کہ آج ان کی صحیح تصویر دھندلی ہو گئی۔ اللہ پاک جزائے خیر عطا فرمائے حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی زید مجدہ کو کہ انہوں نے اس موضوع کو نکال کر وقت کے ایک اہم تقاضے کو پورا کیا ہے۔ اللہ پاک ان کی سعی کو قبول فرمائے اور نظامِ عشر و خراج پر امتِ مسلمہ کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلام نے یقیناً ایسی بنیادیں فراہم کی ہیں کہ ان کی روشنی میں اراضی کے عشری و خراجی ہونے کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرات فقہاء کرام نے اس بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

(الف): جن ممالک کے باشندوں نے اسلام قبول کر لیا اس طرح وہ ممالک فتح ہو گئے تو وہاں کی زمینیں عشری قرار دی جائیں گی۔

(ب): اور وہ ممالک جو عنوۃً فتح ہوئے اور امیر المؤمنین نے اراضی تقسیم کر کے کچھ حصہ مسلمانوں کو دے دیا وہ زمینیں بھی عشری ہوں گی۔

(ج): اور اگر زمینِ موات یعنی بنجر زمین کو مسلمانوں نے باذنِ امیر قابلِ کاشت بنا لیا تو اس کا مدار قرب کی اراضی پر ہوگا،

اگر عرب کی زمینیں عشری ہیں تو یہ بھی عشری ہوں گی اور اگر خراجی ہیں تو یہ بھی خراجی ہوں گی۔ (۱)

(د) : اور اگر کوئی ملک صلحاً فتح ہوا اور یہ طے پایا کہ یہاں کے باشندے اپنے سابق مذہب پر رہتے ہوئے اپنی اراضی پر قابض و دخیل رہیں گے تو ایسی زمینیں خراجی ہوں گی۔

(ھ) : اور اگر جنگ کے ذریعہ ملک فتح ہوا لیکن امیر المومنین نے سابق قبضہ بحال رکھا تب بھی یہ زمینیں خراجی ہوں گی۔ (۲)

الحاصل اساسی طور پر اسلام و کفر کا فرق عشر و خراج کے سلسلہ میں ملتا ہے، اسی کے ساتھ یہ ضابطہ بھی ملتا ہے کہ وظیفۂ عشر و خراج ملک کے تبدل سے متبدل نہیں ہوتا یعنی اگر خراجی زمین مسلمان نے خریدی تو اس پر خراج ہی واجب ہوگا، لیکن اگر عشری زمین کسی کافر نے خریدی تو اس پر خراج واجب ہوگا عشر نہیں چونکہ عشر فی الجملہ عبادت بھی ہے اور کافر عبادت کا اہل نہیں۔ (۳)

لیکن ہندوستان کی اراضی کا اب حکم کیا ہے؟ مذکورہ بالا اصول کی روشنی میں راقم کے نزدیک ارفق بالناس والیسر حضرت تھانویؒ کا فتویٰ معلوم ہوتا ہے۔

(الف) وہ یہ کہ جو زمینیں اس وقت مسلمانوں کی ملک ہیں اور ان کو مسلمانوں ہی سے ملی ہیں خواہ وراثۃً ملی ہوں یا ہبۃً وصیۃً ملی ہوں یا شراءً وہ زمینیں عشری ہیں۔

(ب) اور اگر کافر یا حکومت کا قبضہ رہا ہو اور پھر کسی طرح مسلمان نے وہ زمین حاصل کرلی تو وہ زمین خراجی ہوگی چونکہ کفر یا استیلاء کفر مانع وجوب عشر ہے اور یہ بات اوپر آچکی ہے کہ تبدل ملک سے وظیفۂ عشر و خراج متبدل نہ ہوگا، لہٰذا خراج ہی واجب ہوگا۔

(ج) اور جن اراضی کا حال معلوم نہ ہو کہ درمیان میں کسی کافر کا قبضہ رہا ہے یا نہیں لیکن فی الحال مسلمان کے قبضہ و ملک میں ہو تو وہ زمین عشری کہلائے گی اور استصحاب حال کے تحت یہ سمجھا جائے گا کہ کسی مسلمان ہی سے حاصل ہوئی ہے، لہٰذا عشر واجب ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ دو صورت میں ہند کی زمینیں عشری ہیں اور صرف ایک صورت میں خراجی ہیں جس کی تفصیل اوپر آچکی ہے۔

---

(۱) رد المحتار باب العشر والخراج (۲) شامی (۳) بدائع الصنائع

۲ ـــ ۱ کے تحت ذکر کردہ تفصیلات کی روشنی میں یہ فیصلہ مشکل نہیں رہا کہ ان کی زمین عشری ہے اور کون سی خراجی اس لیے کہ اگر مسلمان کا قبضہ ہے تو استصحاب حال کی دلیل سے عشری ہے اور اگر کافر یا حکومت کا قبضہ ہے تو استیلاء کفر کی وجہ سے خراجی ہے۔

۳ ـــ مقرر کردی جانے والی مالگذاری خراج کے حکم میں داخل نہیں چونکہ کافر کو مسلمانوں سے خراج وصول کرنے کا حق نہیں۔ ورنہ بھی کافر حکومت کی فوج وغیرہ مصرف خراج ہے۔ اس لیے اگر مسلمانوں کے پاس خراجی زمین ہو تو ان کو خراج نکال کر اپنے تئیں مصارف خراج پر خرچ کرنا ضروری ہے۔ مصارف خراج میں علماء، طلبہ، مفتیان کرام، قضاۃ، مدارس اسلامیہ بھی داخل ہیں۔

فان الكفار ليس لهم ولاية اخذ الخراج من المسلمين ولا هم مستحقين ايضا ليسوا بمصارف الخراج حتى اذا ادى المسلمون اليهم مالا بنية الخراج لا يخرجون عن عهدته [۱]

۴ ـــ خراجی زمینوں کا خراج عشر و زکوۃ کی طرح عبادت تو نہیں ہے لیکن ایک شرعی و اسلامی حق ضرور ہے جس کا ادا کرنا عشر کی طرح واجب ہے۔ البتہ یہاں یہ سوال ضرور ہے کہ ہندی مسلمان خراج کی ادائیگی کس طرح سے کرے۔ یہاں پہونچ کر امیر المومنین کی ضرورت محسوس ہوتی ہے چونکہ خرچ کا موقف امیر المومنین ہی مقرر کرتا ہے چنانچہ حضرت عمر فاروق نے اراضی عراق کی پیمائش کے بعد خرچ کا موقف کے بارے میں احکامات جاری فرمائے تھے۔ باہم فقہاء امت کو چاہیئے کہ جزئی فیصلہ امت کے لیے صادر کریں اور اپنے فیصلہ کی نظیر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کو بنائیں۔

۵ ـــ عشر یا نصف عشر پوری پیداوار سے نکالنا ضروری ہے۔ زراعت میں غیر معمولی اخراجات ہوں یا معمولی یہ اخراجات عشر نکالنے سے منہا نہیں کیے جاسکتے بلکہ پہلے پوری پیداوار سے عشر نکالا جائے گا اس کے بعد اخراجات منہا کیے جاسکتے ہیں۔

ولا يحتسب لصاحب الارض ما انفق على الغلة من سقي او عمارة او اجر الحافظ او اجر العمال او نفقة البقر لقوله عليه السلام ما سقته السماء ففيه العشر۔ [۲]

---

(۱) سراج الہند (۲) بدائع الصنائع

۶۔ جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں عشر دونوں پر واجب ہے، یعنی مالک اور بٹائی دار دونوں اپنے اپنے حصۂ پیداوار کے مطابق عشر ادا کریں لیکن یہ اس صورت میں ہے جب دونوں مسلمان ہوں اور اگر ایک مسلمان دوسرا غیر مسلم ہے تو مسلمان اپنے حصۂ پیداوار کا عشر ادا کرے لیکن غیر مسلم پر عشر واجب نہیں چونکہ وجوب عشر کے شرائط میں سے پہلی شرط اسلام ہے اور دوسرے یہ کہ عشر فی الجملہ عبادت ہے اور کافر اس کا اہل نہیں۔ (بدائع)

محور پنجم

۱۔ حضرت امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک عشر پیداوار کی ہر مقدار پر واجب ہے خواہ کم ہو یا زیادہ، زکوٰۃ کی طرح اس کے لیے کوئی نصاب مقرر نہیں اس کی وجہ قرآن کریم اور احادیث پاک کے الفاظ کا عموم ہے مثلاً ومما اخرجنا لکم الارض — وما سقتہ السماء ففیہ العشر۔

۲۔ وجوب عشر کے شرائط میں علامہ کاسانی رح نے ایک شرط یہ بھی لکھی ہے کہ پیداوار ایسی چیز ہو جس کو اگانے اور پیدا کرنے کا رواج ہو اور عادۃً اس کی کاشت کر کے نفع اٹھایا جاتا ہو لہٰذا بانس، درخت، جانوروں کے لیے گھاس اگر لگائی گئی ہو جب تو اس پر عشر واجب ہے اور اگر خودرو ہو تو اس پر عشر واجب نہیں، سنگھاڑا وغیرہ اگر خودرو ہو تو اس پر عشر واجب نہیں اور اگر اس کی کاشت کی گئی ہو تو اس پر عشر واجب ہے۔(۱)

۳۔ مچھلی کی کاشت پر ہمارے کے نزدیک زکوٰۃ اموال کا حکم جاری ہونا چاہیے چونکہ زمین کی پیداوار میں مچھلی کو داخل کرنا ہمارے کے نزدیک واضح نہیں۔

۴۔ شہد کے چھتے پر قیاس کرتے ہوئے ریشم کے کیڑوں پر بھی وجوب عشر راجح معلوم ہوتا ہے۔

ویجب فی العصفر والکتان وبذرہ لان کل واحد منہما مقصود فیہ حتی لو اشغل ارضہ بہا یجب العشر الخ۔ (۲)

۵۔ درخت ثمر وبار آور ہوں یا غیر مثمر اگر اس کو مالک ارض نے لگایا ہے خودرو نہیں اور عادۃً اس کی کاشت کر کے نفع اٹھایا جاتا ہے چاہے بشکل جلاون یا بشکل فرنیچر اس پر عشر واجب ہے۔ (۳)

---

(۱) بدائع (۲) رد المحتار ۲/۲۔ ۹ (۳) بدائع وشامی

ف ــــ سبزیاں چاہے تجارت کی نیت سے لگائی گئی ہوں یا ذاتی استعمال کے لیے ہر صورت خضراوات پر عشر واجب ہے۔ (۱)

م ــــ وجوب عشر کے شرائط میں ملکیت زمین نہیں لہٰذا اراضی وقف جس کا کوئی مالک نہیں ہوتا اس پر بھی عشر لازم ہے اور وقف علی الاولاد کی اراضی پر بھی عشر واجب ہے۔

ويجب في ارض الوقف وفي الصبي والمجنون لأن ملك الارض ليس بشرط لوجوب العشر وانما الشرط ملك الخارج لانه يجب في الخارج لا في الارض فكان ملكه لها وعدمه سواء۔(۲)

---

(۱) احسن الفتاوی

(۲) بدائع الصنائع ـ رد المحتار ۲/۲ ط

فقہی سوالات کے جوابات

مفتی عبدالواحد ———————— شیخ الحدیث مدرسہ دارالعلوم مغربی بنگال

محورِ اوّل

جواب وھو علیم بالصواب۔ درمختار کی عبارت "ما اسلم اھلہ طوعا او فتح عنوۃ وقسم بین الغانمین عشریۃ" یعنی جو زمین مسلم افواج نے فتح کیا اور مجاہدین میں تقسیم کر دی گئی۔ اور ہمیشہ مسلمانوں کے ملکیت میں رہی۔ یا وہ زمین تقسیم تو نہیں کی گئی بلکہ وہاں کے رہنے والے برضاء مسلمان ہو گئے اور انہی کے پاس وہ زمین رہی ہمیشہ اور درمیان میں غیر مسلم کی ملکیت نہ آئی ایسی زمین عشری ہے، ورنہ خراجی۔

محورِ چہارم

اصل اسی میں اختلاف ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے یا نہیں اکثر اکابر مشائخ جیسے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، حضرت گنگوہی، حضرت نانوتوی، حضرت مدنی نوراللہ مراقدہم دارالحرب ہونے کے قائل ہیں۔ اس کے برخلاف بہت سے اکابر دارالامن ہونے کے قائل ہیں۔ اگر دارالحرب مانا جائے تو پھر اس کی زمین بقول علامہ شامی نہ عشری ہے نہ خراجی۔

"ویحتمل ان یکون احترازا عما وجد فی دار الحرب فان ارضھا لیست ارض خراج او عشر" [1]

---

[1] باب العشر، کتاب الزکوٰۃ

اگرچہ اکثر حضرات علی سبیل الاحتیاط نیز فقراء و مدارس کا خیال کرتے ہوئے اور ہر اختلاف سے بچنے کے لئے فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کو عشر نکالنا اولیٰ ہے، اور اگر اس کو دارالامن تسلیم کریں تب بھی مسئلہ عشر ایک ہی ہے گا کیونکہ دارالامن دارالاسلام نہیں کہ عشر واجب ہو بلکہ دارالکفر کا شعبہ ہے اس لئے اس کی زمین کو عشری یا وجوب عشر کو نہیں کہا جا سکتا، لہذا ہندوستان دارالحرب ہو کہ دارالامن کوئی فرق نہیں پڑتا۔ عشر کے واجب نہ ہونے میں اگرچہ احقر کے نزدیک راجح یہی ہے کہ ہندوستان دارالامن ہے، اسی کو پچھلے سمینار نے ثابت کیا ہے بلفظ دیگر کیونکہ انشورنش وغیرہ کو ضرورتاً جائز کیا ہے۔ اگر دارالحرب ہو تو پھر تو بلا دریغ جائز ہونا چاہئے بقول امام ابی حنیفہؒ و امام محمدؒ ضرورتاً مباح قرار دینے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

۵-۲ — اگر احتیاطاً عشر نکالا جائے تو کل پیداوار سے عشر نکالنا ہوگا، سرکاری مال گذاری و مؤنۃ فرع اور جدید غیر معمولی اخراجات وغیرہ کا منہا نہیں کیا جائے گا، اس لئے کہ حدیث میں ہے "کل ما اخرجت الارض ففیہ العشر" اس میں کسی کا استثناء نہیں کیا گیا جس کو کیا گیا وہ صرف ایک چیز "وما سقی بدلو ففیہ نصف العشر" صرف اسی کا استثناء لہذا اس تصریح کی وجہ سے کسی اور کا اعتبار نہیں اسی لئے فقہاء لکھتے ہیں:

"یجب العشر ای بلا رفع مؤنۃ الزرع وبلا اخراج البذر لتصریحھم بالعشر فی کل الخارج ... وبلا رفع اجرۃ العمال ونفقۃ البقر وکری الانہار واجرۃ الحافظ ونحو ذلک"[1]۔

۶ — اور چوں کہ عشر کا تعلق پیداوار سے ہے غلہ جات و ثمار سے ہے لہذا مالک و مزارع کاشتکار میں سے جس کے پاس جتنا غلہ پہنچے گا وہ اسی کے بقدر عشر نکال کر دے گا یعنی بقول صاحبین رحمہما اللہ دونوں پر عشر ہے:

"وعلیہ الفتوی ان العشر یجب فی الخارج والخارج بینھما فیجب العشر علیھما"[2]۔

اور اسی لئے اجارہ پر دینے کی صورت میں صاحبین کے نزدیک مستاجر اور کاشتکار پر ہے کیونکہ عشر کا تعلق غلہ جات و پیداوار سے ہے نہ کہ ملکیت سے، اسی پر فتویٰ بھی ہے۔

۷ — اور چوں کہ عشر مثل صوم و صلوۃ کے ایک عبادت ہے اس لئے مسلمان جہاں کہیں رہے دارالحرب دارالاسلام دارالامن عشر کو ادا کر سکتا ہے دارالحرب ہونا مانع عشر نہ ہوگا مسلمانوں کا اصل وظیفہ عشر ہے نہ کہ خراج۔ عبادت کے پہلو ہونے کی وجہ سے اسی لئے نیز مدارس و فقراء کا خیال کرتے ہوئے اکابر عشر نکالنے کو اولیٰ کہتے ہیں نہ کہ واجب، یہی احقر کی بھی رائے ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

---

[1] شامی ۲/۶۹۔ [2] شامی ۲/۷۰۔

الجواب

عبدالوھاب ——————————— مدرسہ باقیات الصالحات ویلور

ھو المصوفق للصواب۔ عشری زمین عرب کی ساری زمین عشری ہے جس ملک کے لوگ مسلمان خوشی ہو گئے وہ بھی عشری زمین ہے جن مسلمان فوجوں نے جس ملک کو فتح کیا اور امیر الجیش نے وہاں کی زمین کو فوجیوں پر تقسیم کردی وہ سب عشری ہے اور جن مسلم بادشاہوں نے بجائے عشر لینے کے روپئے نرقم لینے لگے وہ خراجی ہے ذمی سے جو وہ لگان لیتے ہیں وہ جزیہ ہے۔

لیکن انگریزوں کے تسلط کے بعد مسلمان اور ہندوؤں سے روپیہ ٹیکس لینے لگے۔ موضوع بحث عشری نہ رہا سب کے سب خراجی ہو گئے تمام ٹیکس ہندو مسلمان تمام سے خراجی ہو گئے۔ عشری ختم ہو گئی عشری بحث کو اٹھانا فضول ہے بلکہ ہیں۔

مسئلہ فقہیہ عشر اور خراج جمع نہیں ہو سکتے "لا یوخذ العشر من ارض الخراج لانھما لا یجتمعان" (در مختار) اناج بیچ کر روپئے بنا لیا ٹیکس خراج دے کر جیسے روپئے نصاب کو پہنچے تو چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنا ہوگا نصاب سے کم ہو تو زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں یہی در مختار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

❀ ❀ ❀

ہے کہ بندہ کریم آقا کا شکر بجالائے اور بے نیاز مولی کی حاجتمند مخلوق کی حاجت روائی اور نظام عالم کی استواری کے لیے اپنا جان و مال صرف کر دے اور رب العالمین کی خلافت کا حق ادا کر دے۔ اپنی جسمانی اور مالی قوتوں کو اللہ عزوجل کے لیے وقف کر دے اور پھر اس کا صلہ بھی وصول کرے۔

حج و قربانی، زکوٰۃ و صدقات اور عشر و خراج کی صورت میں بارگاہ رب اعلیٰ سے عظیم و نافع سودا کرے۔ اسی لیے آج ہم عشر و خراج کے متعلق مباحث پر غور و فکر کے لیے مجتمع ہیں۔

بزرگان ملت! جس طرح اللہ عزوجل نے اموال تجارت اور اموال نامیہ میں زکوٰۃ کے نام سے ہم پر ایک فریضہ عائد کیا ہے اسی طرح زمین اور زمین کی پیداوار میں بھی ایک فریضہ عائد کیا ہے جس کو زکوٰۃ الارض اور خراج سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ غنائم میں اسی کو خمس کہا گیا ہے۔

عشر و خراج کی حقیقت

عشر: ـــــــ عشر کا لغوی معنی ہے کسی بھی چیز کا دسواں حصہ۔

عشر کا اصطلاحی اور شرعی معنی جو مشہور ہے وہ یہ ہے "العشر مؤنة الأرض النامية" ارض نامی پر عائد شدہ بار یا اجرت (۱) اور "زكاة الزروع والثمار" زمین کی پیداوار کی زکوٰۃ۔[۲]

عشر میں دو پہلو ہیں۔ عشر عبادت بھی ہے اور اجرت بھی۔ عشر کا وجوب زمین کے ثمار حقیقی سے متعلق ہے، اگر زمین میں کاشت ہوئی ہے تو پیداوار میں عشر واجب ہے۔ اگر کاشت نہیں ہوئی تو عشر واجب نہیں ہے اگرچہ قصداً استطاعت کے باوجود زمین میں کاشت نہ کی ہو تب بھی عشر واجب نہیں ہوتا۔

عشر کا سبب وجوب ارض نامی ہے، پیداوار سبب وجوب نہیں ہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک پیداوار عشر کا سبب وجوب ہے[۳] ـــــــ عشر کی حیثیت امام شافعیؒ کے نزدیک صرف عبادت ہے اور زکوٰۃ اموال ہی پر اس کو قیاس کرتے ہیں۔[۴]

خراج: ـــــــ عشر کے مقابلہ میں ارض نامی پر آنے والا دوسرا بوجھ و مؤنۃ خراج ہے۔ خراج کا وجوب زمین کے مطلق ثمار سے متعلق ہے۔ زمین میں کاشت ہوئی ہو تب بھی اور کاشت نہ ہوئی ہو تب بھی

---

[۱] مبسوط سرخسی ۲/۳، رد المحتار [۲] بدائع الصنائع [۳] مبسوط سرخسی ۲/۳

خراج واجب ہوتا ہے جبکہ زمین قابل کاشت ہو۔ خراج کا سبب وجوب ارض نامی ہے حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک بھی خراج کا سبب وجوب ارض نامی ہے۔[1]

لہٰذا اصطلاح شرع میں خراج (مؤنۃ الارض النامیہ) کو کہتے ہیں فقط اس میں عبادت کا پہلو بالکل نہیں ہے "فان الخراج مؤنۃ الارض النامیۃ فیتفاوت بتفاوت الریع"[2]

جزیہ کو بھی خراج کہتے ہیں کیونکہ وہ خراج الرؤس ہے۔

خراج کی ایک اور قسم ہے جس کو اصطلاح میں عشر سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت وہ خراج میں داخل ہے۔ جو اہل ذمی اور حربی سے بطور معاوضہ (بدلہ) کے اموال تجارت میں سے وصول کیا کیا جاتا ہے۔ حربی جب دارالاسلام میں تجارت کے لیے آتا ہے تو اس سے عشر (دسواں) حصہ وصول کیا جاتا ہے کیونکہ مسلمین جب ان کے ملک میں تجارت کے لیے جاتے ہیں تو وہ مسلمین سے وصول کرتے ہیں۔ اگر وہ مسلمین سے کچھ نہ لیتے ہوں تب بھی حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ دسواں حصہ تو لیا جائے گا اور ہمارے ملک کے ذمی تاجروں سے بیسواں حصہ وصول کیا جائے گا۔ اس کو بھی عشر کہتے ہیں جو دراصل خراج میں داخل ہے۔ ہاں ہمارے تاجروں سے زکوٰۃ تجارت اور ان کی موزون سے گنتی پر چالیسواں حصہ لیا جائے گا جو زکوٰۃ میں داخل ہے۔[3]

انتقال بلد کی زکوٰۃ

آج کل ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں مال لیجانے کا جو ٹیکس ہے جس کو زکوٰۃ اور چنگی کہا جاتا ہے اس کو خراج اور عشر سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے۔ ہماری شریعت میں یہ مال حرام ہے۔ علامہ ماوردی فرماتے ہیں:

واما اعشار الاموال المنتقلۃ فی دار الاسلام من بلد الی بلد فمحرمۃ[4] لا یبیحہا شرع ولا یسوغہا اجتہاد ولا ہی من سیاسات العدل ولا قضایا

---

[1] البدائع الصنائع ۲/۵۸ [2] مبسوط سرخسی ۱۰/۷۹

[3] شرح السیر الکبیر ۵/۲۱۳۹ [4] الاحکام السلطانیہ ص[illegible] از ڈاکٹر ضیاء، قاہرہ

خراج کا لغوی معنی

اجرت، ٹیکس، آمدنی، جو مال آمد پیدا وار سے نکالا گیا۔ مال کا ایک معین حصہ جو سال میں ایک بار لوگ نکالتے ہیں۔[1]

عشر و خراج میں بنیادی فرق

عشر و خراج کی تعریفات سے معلوم ہوا کہ دونوں میں بنیادی فرق یہ ہے کہ عشر زمین کی پیداوار سے متعلق ایک فریضہ ہے جس میں عبادت کا پہلو غالب ہے جس کا اصل مکلف مسلم ہے۔ کافر پر عشر عائد نہیں ہو سکتا۔ اور عشر کے مستحق فقراء ہیں۔ اور خراج زمین نامی سے متعلق ایک الہٰی ٹیکس ہے۔ جس کا اصل ذمہ دار کافر ہے۔ مسلم پر ابتداءً یہ ٹیکس عائد نہیں ہو سکتا اور اس کے مصارف مجاہدین فی سبیل اللہ اور مصالح مسلمین ہیں۔

عشر و خراج جمع نہیں ہوتے

جب عشر و خراج کا سبب وجوب ارض نامی ہے تو عشر و خراج ایک شخص پر ایک ہی زمین میں جمع نہیں ہو سکتے۔ ایک زمین پر بطور فریضہ بیک وقت دونوں عائد نہیں ہو سکتے۔ یہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک ایک شخص پر بیک وقت عشر و خراج واجب ہو سکتے ہیں ارض خراجی میں خراج کے ساتھ عشر واجب ہوگا۔ وہ کہتے ہیں دونوں اپنی ذات میں بھی جدا ہیں ایک خالص عبادت۔ دوسرا خالص مؤنت۔ سبب بھی دونوں کا جدا ہے۔ عشر کا سبب پیداوار ہے اور خراج کا سبب ارض نامی ہے۔ محل بھی دونوں کا جدا ہے۔ خراج، خراجی زمین کے مالک کے ذمہ میں واجب ہوتا ہے اور عشر پیداوار پر آتا ہے۔ جب حیثیات مختلف ہیں تو ایک کا وجوب دوسرے کے وجوب سے مانع نہیں ہے۔[1]

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۷۔

ولنا ما روي عن ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال لا يجتمع عشر وخراج في أرض مسلم ولأن أحداً من الأئمة العدل وولاة الجور لم يأخذ من أرض السواد عشراً إلى يومنا هذا فالقول بوجوب العشر فيها يخالف الإجماع فيكون باطلاً ولأن سبب وجوبهما واحد وهو الأرض النامية فلا يجتمعان كما لا يجتمع زكاتان في مال واحد وهي زكاة السائمة والتجارة والدليل على أن سبب وجوبهما الأرض النامية أنهما يضافان إلى الأرض يقال خراج الأرض وعشر الأرض والإضافة تدل على السببية فثبت أن سبب الوجوب فيهما هو الأرض النامية إلا أنه لم يزرعها وعطلها يجب الخراج لأن التعطيل منها كان لتقصير من قبله فيجعل موجوداً تقديراً حتى لو فاتت الصلوات بتقصيره بأن صلاته لا تجب. وإنما لا يجب العشر بدون الخارج حقيقة لأنه يتعين بعض الخارج فلا يمكن إيجابه بدون الخارج[1]

علامہ کاسانی فرماتے ہیں، ہماری حجت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو حضرت ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ عشر و خراج کسی مسلم کی زمین میں جمع نہیں ہو سکتے اور اس وجہ سے بھی کہ ائمہ عدول اور ظالم حکمرانوں میں سے کسی نے بھی ارض سواد (عراق و اطراف) سے عشر نہیں لیا۔ پس ارض سواد میں عشر کے وجوب کا قول اجماع کے خلاف ہے اس لیے یہ قول باطل ہے۔ اور اس لیے بھی کہ عشر و خراج کے وجوب کا سبب ایک ہی ہے اور وہ ارض نامی ہے اس لیے ایک ہی زمین پر عشر و خراج جمع نہیں ہو سکتے جس طرح ایک مال میں دو زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی یعنی جانوروں میں زکوٰۃ سائمہ اور زکوٰۃ تجارت جمع نہیں ہو سکتی اور اس بات کی دلیل کہ دونوں کا سبب وجوب ارض نامی ہے، یہ ہے کہ دونوں کی اضافت ارض کی طرف ہوتی ہے اور اضافت سببیت پر دال ہے۔ لیکن جب زمین کی کاشت نہ کی جائے بیکار چھوڑ دیا جائے تب بھی خراج واجب ہوتا ہے۔ اس لیے کہ زمیندار کا فقدان کاشت کی بھی

---

[1] بدائع الصنائع ۲/۵۷۔

کوتاہی ہے اس لیے ثمار کو تقدیراً موجود قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر کاشت کے ترک میں کاشتکار کی کوتاہی نہ ہو یا بیں طور کہ کاشت ہلاک ہو جائے تو خراج واجب نہیں ہوتا ہے:

البتہ عشر بلا پیداوار کے واجب نہیں ہوتا اس لیے کہ عشر کا تعین پیداوار ہی کے ایک حصہ میں ہوتا ہے اس لیے عشر کا وجوب حقیقی پیداوار کے بغیر نہیں ہوتا ہے (واللہ اعلم)

عشری اور خراجی زمین میں بنیادی فرق

عشری اور خراجی زمین میں بنیادی فرق یہ ہے کہ وہ زمینیں جس کے ساتھ مجاہدین کا کسی درجہ میں حق متعلق ہو گیا اور پھر ان کو نہ ملی تو ایسی زمینوں پر خراج عائد ہوتا ہے۔ ایسے ہی وہ زمینیں جو صلحاً حاصل ہوئیں لیکن اس کے غیر مسلم باشندوں کو کچھ عوض لے کر زمینوں پر برقرار رکھا گیا تو یہ عوض خراج ہے اور زمین خراجی ہے۔ کیونکہ کافر خراج کے لائق ہے۔

اور عشری زمینیں وہ کہلاتی ہیں جس سے مجاہدین کا کوئی حق متعلق نہ رہا اور مسلمین کی ملک یا قبضہ میں رہیں تو ان پر عشر عائد ہوتا ہے۔ یہ تو بنیادی فرق ہے۔ اس کے علاوہ بعض زمینوں میں عشری پانی یا خراجی پانی کی بنا پر عشر و خراج عائد ہوتا ہے۔ یا بعض پر عشری یا خراجی زمینوں سے ملحق ہونے کی بنا پر عشر و خراج عارض ہوتا ہے تو وہ بھی عشری یا خراجی کہلاتی ہیں۔

حضرت امام محمدؒ نے کتاب السیر الکبیر میں تحریر فرمایا ہے:

إذا بعث الخليفة أميرا على جنده من الجنود فدعا قوما من المشركين إلى الاسلام فاسلموا فهم احرار لا سبيل عليهم ومالهم وأرضهم ورقيقهم لهم وتكون أرضهم أرض عشر كأرض المهاجرين والانصار

جب خلیفہ کسی لشکر پر کسی شخص کو امیر بنا کر بھیجے اور امیر مشرکین کو دعوت اسلام پیش کرے مشرکین اسلام قبول کر لیں تو یہ لوگ آزاد ہوں گے ان کے جان و اموال زمین اور غلام سب ان کے رہیں گے۔ امیر کو ان اشیاء پر تصرف کا حق نہیں رہے گا اور ایسے لوگوں کی زمین عشری رہے گی جس طرح مہاجرین و انصار کی زمینیں عشری رہیں۔

آگے شرح السیر الکبیر میں تحریر ہے:

لأن التأمير يقتضي أن يكون فعل الأمير كفعل المأمور (المؤمر) والمؤمر هو الخليفة إذا دعاهم فأسلموا فهم أحرار وأرضهم أرض عشر فكذلك هاهنا والمعنى في ذلك وهو أن الأرض إنما تصير خراجية إذا افتتحت عنوة وثبت فيها حق المقاتلة ثم لم تقسم بينهم وتركت على أربابها وقطع حق المقاتلة عنها فتجعل خراجية ليكون الخراج للمقاتلة ولمصالح المسلمين وهذا المعنى معدوم فيما إذا أسلم أهلها طوعا فإنه لم يثبت فيها حق المقاتلة فلا يثبت لهم حق في أرضها (بدلها) فجعلت عشرية غير خراجية [1]

(علامہ سرخسی فرماتے ہیں) اس لیے کہ کسی کو امیر بنانے کا تقاضا یہ ہے کہ امیر کا فعل مامور (مؤمر) (مؤمر لکھنا کتابت کی غلطی ہے) کا شمار ہو (مؤمر کے فعل کے حکم میں ہو) اور مؤمر (خلیفہ) جب کسی قوم مشرکین کو دعوت پیش کرے اور وہ اسلام قبول کرلیں تو آزاد رہتے ہیں اور ان کی زمینیں عشری ہوتی ہیں، اسی طرح امیر کی دعوت پر اسلام لانے والوں کا بھی یہی حکم ہے۔ وجہ یہ ہے کہ زمین تب خراجی بنتی ہے جب بزور طاقت فتح ہو اور مجاہدین کا حق اس سے متعلق ہو جانے کے بعد ان کے درمیان میں تقسیم نہ ہو۔ مالکین کے قبضہ میں رہنے دی جائیں اور مجاہدین کا حق ان زمینوں سے قطع ہوا ہو تو ایسی زمینوں کو خراجی قرار دیا جاتا ہے تاکہ خراج مجاہدین اور مصالح مسلمین پر صرف ہو۔ اور یہ وجہ خوشی اسلام قبول کرنے کی صورت میں مفقود ہے۔ کیوں کہ مجاہدین کا حق ان زمینوں سے متعلق ہوا ہی نہیں ہے۔ اس لیے ان زمینوں کے بدل میں مجاہدین کا حق نہیں بنتا۔ اس لیے ایسی زمینوں کو عشری غیر خراجی قرار دیا جاتا ہے۔

عشر و خراج کا مصرف

خراج مجاہدین کے حق کا ایک بدل ہے جزاء ہے جس کا مصرف مجاہدین اور مصالح مسلمین ہے

---

[1] شرح السیر الکبیر للسرخسی ۵/۲۱۰۹۔

اور عشر فقراء کا حق ہے جو ایسی زمینوں پر عائد ہوتا ہے جس سے کسی درجہ میں بھی مجاہدین کا حق متعلق نہ رہا ہو، چنانچہ جن اموال میں سے خمس نکال کر مجاہدین میں تقسیم کئے گئے ایسے اموال سے مجاہدین کو ان کا حق پہونچ گیا ہے تو ایسی زمینوں سے حق فقراء متعلق ہو کر ان پر عشر عائد ہو گا اور یوم قیامت تک وہ زمین عشری رہے گی، کیوں کہ عشر فقراء کا حق ہے۔ اور خراج مقاتلین اور مصالح مسلمین کے لیے قیامت تک رہے گا۔

جب عشر و خراج جماعت مسلمین کا حق ہے تو خلیفہ اور امام کو یہ اختیار حاصل ہو گا کہ عنوۃً فتح شدہ زمینوں کو خواہ مجاہدین میں تقسیم کر دے، خواہ مالکین کے قبضہ میں رہنے دے۔ مجاہدین میں تقسیم کی صورت میں عشری ہو جائیں گی۔ مالکین کے قبضہ میں رہنے دینے کی صورت میں خراجی ہو جائیں گی۔

علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں:۔

لأن الأمير له ولاية على جنده وليس له ولاية على جماعة المسلمين وفي القسمة أو المن حق لجماعة المسلمين لأنه إن قسمها بينهم صارت الأرض عشرية والعشر حق الفقراء إلى قيام الساعة وإن من عليهم صارت الأرض خراجية والخراج للمقاتلة ولمصالح المسلمين إلى يوم القيامة تثبت أن القسمة أو المن تصرف على جماعة المسلمين فكان الذي يلي ذلك هو الخليفة دون الأمير[1]

عنوۃً مفتوحہ زمین کی ملکیت و استحقاق میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف

جو زمین مجاہدین نے بزور طاقت فتح کی اس زمین پر مجاہدین کا استحقاق ہے یا نہیں ہے اگر ہے تو کس درجہ میں۔ اس بارے میں ائمہ کے درمیان اختلاف رونما ہوا ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کا مسلک ہے کہ ایسی زمین پر مجاہدین کا حق ثابت ہو جاتا ہے، امام پر لازم ہے کہ ایسی عنوۃً مفتوحہ زمین کو مجاہدین میں تقسیم کر دے اور خمس وصول کر لے[2]

حضرت امام مالکؒ کا مسلک ہے کہ ایسی مفتوحہ زمینیں فتح ہوتے ہی وقف ہو جاتی ہیں۔ اور عامۃ المسلمین کے مصالح اس سے متعلق ہو جاتے ہیں۔ مجاہدین میں تقسیم نہیں ہوں گی اور مجاہدین کا

---

[1] ترجمۃ السیر الکبیر ۵/۱۰۲۰ [2] کتاب الام شافعی۔

اس پر کوئی حق نہیں ہے۔ بعض صورتوں میں امام مناسب سمجھے تو مجاہدین کو زمین دے سکتا ہے۔[1]

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک جیسے کہ معلوم ہوا ہے کہ وہ کلیۃً مجاہدین کے حق کی نفی بھی نہیں کرتے۔ مگر مستقلاً و ابتداءً مجاہدین کے حق کے لیے زمین کو مخصوص نہیں سمجھتے۔ بلکہ وہ مجاہدین کا کسی درجہ میں حق متعلق سمجھتے ہوئے غیر مجاہدین اور آئندہ نسلوں کے مصالح کو بھی ان زمینوں سے متعلق سمجھتے ہیں۔[2]

اس لیے امام کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ حالات و مصالح کے پیش نظر اگر تقسیم مناسب سمجھتا ہے تو تقسیم کردے۔ ورنہ عامۃ المسلمین کے لیے چھوڑ دے اور ملاک پر خراج عائد کردے۔ واللہ اعلم۔

حضرت امام احمدؒ کا یہی مسلک ہے۔ علامہ ابن قدامہ نے المغنی میں اختیار والی روایت کو راجح قرار دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ امام کو یہ اختیار اختیار تشہی (من مانی) کے طور پر نہیں بلکہ یہ اختیار مصلحت ہے۔ اور مصلحت کے بموجب عمل کرنا امام پر لازم ہے۔[3]

سوادِ عراق کا حکم

اس سلسلہ میں سب ائمہ اس پر متفق ہیں کہ سوادِ عراق عنوۃً مفتوحہ علاقہ ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے مجاہدین میں تقسیم نہیں فرمایا اور یہ علاقہ خراجی ہے۔ البتہ طریقِ استخراج میں مختلف ہیں۔

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں:

> "سوادِ عراق مجاہدین کا حق تھا۔ لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے مجاہدین کو آئندہ نسلوں کے حق میں اپنے حق سے دستبرداری پر راضی کرلیا اور مجاہدین بطیب خاطر اس کو منظور فرمایا جس طرح حنین کے بعد قبیلہ ہوازن کے قیدیوں کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم کے بعد صحابہ مجاہدین کو قیدیوں کی رہائی پر راضی کرلیا تھا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت جریر بن عبداللہؓ کو عوض دیا۔ سوادِ عراق کے موقع پر اسی طرح ایک عورت کو بھی بیت المال سے کچھ دے کر خوش کیا۔"[4]

---

[1] ہدایۃ مع فتح القدیر، ابن رشد، شرح السیر الکبیر، بدائع الصنائع، المغنی لابن قدامہ، ۔۔۔ القاہرہ

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ :

"زمین عامۃ المسلمین کے لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وقف سمجھتے تھے ۔ اس لیے تقسیم نہیں کیا کیونکہ مجاہدین کا کوئی حق حضرت عمرؓ نے نہیں سمجھا ۔" [۱]

حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ :

"حضرت عمرؓ نے اس لیے سواد عراق کو تقسیم نہیں کیا کہ وہ اپنا اختیار ثابت مانتے تھے اور ایسی زمینوں پر مجاہدین کا حق مخصوص نہیں سمجھتے تھے ۔" [۲]

حضرت امام احمد رحمۃ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں ۔

دلائل ائمہ کا تفصیلی جائزہ

اختلاف کی بنیاد دراصل قرآن کریم کی آیات کریمہ ہیں ۔ سورۃ انفال کی آیت ۔

واعلموا انما غنمتم من شیئ فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتامی والمساکین وابن السبیل الخ [۳]

اور جان لو کہ جو شے بھی غنیمت کے طور پر تم کو ملے تو اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیے اور ذوی القربی یتیموں، مسکینوں اور مسافرین کے لئے رہے گا ۔" ———— دوسری آیت کریمہ سورۃ حشر کی ہے :

ما افاء اللہ علی رسولہ من اھل القری فللہ وللرسول ولذی القربی والیتٰمی والمساکین وابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب ۔ للفقراء المہاجرین الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ اولئک ھم الصادقون ۔ والذین تبوؤ الدار والایمان من قبلھم یحبون من ھاجر الیھم ولا یجدون

[۱،۲] الخراج [۳] القرآن سورۃ الانفال

بارے میں ہے اور سورۂ حشر کی آیت فئی کے بارے میں ہے۔ اور غنیمت و فئی کے مفہوم میں فرق ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایسے اموال جن کا نظم ولاۃ مسلمین کرتے ہیں۔ تین قسم کے ہیں۔ ایک تو صدقات واجبہ اور زکوٰۃ وغیرہ کے اموال جو مسلمین سے وصول کیے جاتے ہیں۔ دوسری و تیسری قسم وہ اموال ہیں جو مشرکین سے وصول کیے جاتے ہیں۔ اور وہ دو قسم پر ہیں۔ غنیمت اور فئی۔ غنیمت پر تو سورۂ انفال والی آیت دلالت کرتی ہے اور فئی پر سورۂ حشر کی آیات رؤف رحیم تک دلالت کرتی ہیں۔

(قال الشافعی رح) فالغنيمة والفئ يجتمعان فى أن فيهما معا الخمس من جميعهما لمن سماه الله تعالىٰ له ومن سماه الله عز وجل له فى الآيتين معا سواء مجتمعين غير مفترقين قال ثم يتفرق الحكم فى الأربعة الأخماس بما بين الله عز وجل على لسان نبيه صلى الله عليه وسلم وفى فعله فانه قسم أربعة أخماس الغنيمة

والغنيمة هى الموجف عليها بالخيل والركاب لمن حضر من غنى أو فقير والفئ وهو ما لم يوجف عليه بخيل ولا ركاب فكانت سنة النبى صلى الله عليه وسلم فى قرى عرينة التى أفاءها الله عليه إن أربعة أخماسها لرسول الله صلى الله عليه وسلم خاصة دون المسلمين يضعه رسول الله صلى الله عليه وسلم حيث أراد الله عز وجل [1]

(کتاب الام کے اندر حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ پس غنیمت اور فئی دونوں اس بات میں مشترک ہیں کہ دونوں کے مجموعہ سے خمس نکالا جائے گا جو ان کا حق ہے۔ جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا اور دونوں آیتوں میں اللہ عزوجل نے جن کا نام لیا ہے وہ جدا نہیں ہیں سب یکساں مجتمع ہیں (یعنی دونوں آیات میں مصرف متحد ہے) فرمایا۔ پھر چار خمس (بقیہ) کا حکم اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کی زبان اور آپ کے فعل سے ظاہر فرمایا کہ نبیؐ نے چار خمس غنیمت کے حاضرین جہاد کو دے کے تقسیم کر دیے۔ اور غنیمت وہ مال ہے کہ لشکر کشی کرکے قتال کے ذریعہ حاصل کیا گیا ہو)

---

[1] کتاب الام للشافعی ۴/۶۴۔

في صدورهم حاجة مما أوتوا ويؤثرون على أنفسهم ولو كان بهم خصاصة ۔ ومن يوق شح نفسه فاولٰئك هم المفلحون ○ والذين جاؤا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولإخواننا الذين سبقونا بالإيمان ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين اٰمنوا ربنا انك رؤف رحيم[1]

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پران بستی والوں سے جو کچھ لوٹایا ہے (عنایت کیا) وہ مال اللہ کا ہے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ اور رسول کے رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لیے ہے۔ تاکہ یہ مال تمہارے مالداروں میں سمٹ کر نہ رہ جائے۔ رسول تمہیں جو دیدیں وہ لے لو (حکم مانو) اور جس سے تم کو روک دیں اس سے رک جاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ بیشک اللہ کی گرفت (مؤاخذہ) بڑی سخت ہوتی ہے (اولین مصرف اس مال کا) وہ حاجتمند مہاجرین ہیں جن کو اپنے گھروں اور اموال سے بے دخل کر دیا گیا جو اللہ کی رضا اور فضل کے طالب ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کے حامی و مددگار ہیں۔ یہی تو وہ ہیں سچے مخلص۔ اور ان انصار کے لیے ہے جو دار الہجرۃ (مدینہ) میں پہلے سے مقیم ہیں۔ مہاجرین سے محبت رکھتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ ملا اس پر تنگ دل نہیں ہوتے (مہاجرین پر اللہ کے فضل سے جلتے نہیں ہیں) (دل کھول کر مہاجرین پر خرچ کرتے ہیں) اور مہاجرین کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے ہیں۔ اگرچہ خود ان کو سخت ضرورت درپیش ہو۔ اور جو آدمی اپنے نفس کے بخل سے بچا رہا (محفوظ رہا) تو یہی لوگ ہیں جو فلاح پائیں گے۔ اور یہ مال فئی ان لوگوں کے لئے بھی ہے جو انصار و مہاجرین کے بعد پیدا ہونے والے ہیں (قیامت تک) جو اپنے سابقین اولین کے لیے یوں دعائیں کریں گے کہ اے اللہ ہماری بھی بخشش فرما اور ہمارے ایمانی بھائیوں کی بھی جو ایمان میں ہم سے سابق ہیں اور ہمارے دلوں میں مؤمنین کی طرف سے کینہ نہ رکھیے۔ اے پروردگار! بلاشبہ آپ نہایت شفیق اور مہربان ہیں۔

آیت انفال وحشر اور حضرت امام شافعیؒ

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔ ان دونوں آیات کا مصداق جدا ہے۔ سورۃ انفال کی آیت غنیمت کے

---

[1] القرآن سورۃ الحشر

(قال الشافعی رح) وهكذا كل ما ظهر عليه من قليل اموال المشركين او كثيره ارض أو دار أو غيره لا يختلف لانه غنيمة وحكم الله عز وجل في الغنيمة أن تخمس وقد بين رسول الله صلى الله عليه وسلم أن الاربعة الأخماس لمن أوجف عليها بالخيل والركاب وإن ظهر المسلمون على طرف من اطراف المشركين حتى يكون بهذه قوة على منعه من المشركين وإن لم ينالوا المشركين فهو بلد عنوة يجب عليه قسمه وقسم أربعة أخماسه بين من أوجف عليه بخيل وركاب إن كان فيه عمارة او كانت لأرضه قيمة (قال الشافعی رح) وكل ما وصفت أنه يجب قسمه فان تركه الامام ولم يقسمه فوقفه المسلمون أو تركه لاهله رد حكم الامام فيه لأنه مخالف للكتاب ثم السنة معًا الخ[1]

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اور اسی طرح مشرکین کا ہر وہ مال خواہ تھوڑا ہو یا زیادہ جس پر غانمین کا غلبہ ہو جائے، زمین ہوں یا گھر ہوں یا اس کے سوا کوئی بھی مال ہو اس کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ غنیمت ہے۔ اور اللہ عز وجل کا حکم غنیمت کے بارے میں یہ ہے کہ خمس نکالا جائے گا۔ اور نبی کریمؐ نے واضح فرما دیا ہے کہ غنیمت کے چار خمس ان غانمین کیلئے ہیں جنھوں نے اپنی قوت بازو سے اس کو حاصل کیا ہے۔ اور اگر مسلمین کا غلبہ مشرکین کے اطراف میں سے کسی حصہ زمین پر ہو جائے اور مسلمین اس حصہ زمین کی حفاظت کی قوت رکھتے ہوں، مشرکین سے بچا سکتے ہوں اگرچہ مشرکین پر کلی فتح حاصل نہ کر سکتے ہوں تو یہ حصہ زمین عنوۃ مفتوحہ شمار ہوگی۔ امام پر اس کو تقسیم کرنا لازم ہوگا (خمس لیا جائے گا) اور چار خمس غانمین میں تقسیم کرنے ہوں گے۔ اگر اس حصہ زمین میں کوئی عمارت ہو یا زمین کچھ قیمت رکھتی ہو۔ اور شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ مال جسکا وصف میں نے بیان کیا ہے اس کی تقسیم لازم ہے تو اگر امام اس کو تقسیم نہ کرے ایسے ہی چھوڑ دے اور مسلمین اس کو وقف کر دیں یا اہل زمین کیلئے اس کو چھوڑ دیا جائے (یعنی زمین کو برقرار رکھا جائے) تو امام کا حکم مردود ہوگا اس لیے کہ وہ کتاب اللہ کے مخالف ہے اور سنت کے بھی مخالف ہے۔

[1] کتاب الام ۴/۱۰۳۔

اور اگر غلبے کے بعد اہل ملک اسلام لے آئیں تو امام کو اختیار رہے گا کہ ان پر احسان کر کے معاف کر دیا جائے۔ یا زمین کو تقسیم کر دیا جائے۔ مکہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی عمل ہوا۔ مکہ کے بارے میں اختیار کا ثبوت ان کے نزدیک ہوگا۔ جو مکہ کو عنوۃ مفتوح مانتے ہیں کیونکہ مکہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ اگرچہ اصح یہ ہے کہ عنوۃ ہی فتح ہوا ہے۔ اسی لیے کہ مسلم نے عنوۃ مفتوح ہونے کی روایت کی تخریج کی ہے"۔

ابن رشد کا اعتراض

پھر ابن رشد بطور اعتراض فرماتے ہیں کہ یہ جان لینا ضروری ہے کہ جو لوگ تخییر کے قائل ہیں اور آیت فئی کو آیت غنیمت کے ناسخ مانتے ہیں یا مخصص مانتے ہیں تو یہ قول نہایت ضعیف ہے۔ لیکن غنیمت اور فئی کو ایک ہی معنی میں لیا جائے تو بات بنے گی۔ مگر اس صورت میں دونوں آیتیں متعارض ہو جائیں گی۔ کیونکہ آیت غنیمت تو ہر مال میں خمس کا تقاضا کرتی ہے۔ اور آیت حشر بلا خمس تقسیم کو ثابت کرتی ہے۔ تو رفع تعارض کے لیے ضروری ہوگا کہ ایک آیت کو دوسری آیت کے لیے ناسخ تسلیم کیا جائے یا امام کو تخمیس اور عدم تخمیس میں مختار مانا جائے لیکن اس صورت میں امام کو یہ اختیار جملہ انواع اموال میں (منقول اور غیر منقول) میں ملنا چاہیے۔ بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ بعض لوگوں کا یہ مذہب ہے۔

علامہ فرماتے ہیں:

مگر جو لوگ (احناف) دونوں آیات کو اس طرح جمع فرماتے ہیں کہ اموال منقولہ سے خمس لیا جائے گا یعنی آیت انفال اموال منقولہ پر محمول ہے اور اموال غیر منقولہ مفتوحہ عنوۃ میں امام کو تقسیم و عدم تقسیم کا اختیار ہے۔ تو ان کے لیے ضروری ہوگا کہ دونوں آیتوں میں سے ہر ایک آیت کو دوسری آیت کے بعض حصے کے لیے ناسخ یا مخصص مانیں۔ چنانچہ یہ ماننا ہوگا کہ آیت حشر نے آیت انفال کے عموم سے غیر منقول کو خمس کے حکم سے مستثنیٰ کر لیا۔ اور آیت انفال نے آیت حشر کے عموم (تقسیم بلا خمس) کے حکم سے اموال منقولہ کو خاص کر کے ان میں خمس کو واجب کر دیا۔

فرماتے ہیں:

یہ نسخ و تخصیص کا دعویٰ بے دلیل درست نہیں ہو سکتا بلکہ آیت حشر سے تو صاف علت

ظاہر ہو رہی ہے کہ "فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب" مال فئی میں لشکر کا حق تصرف
اس لیے نہیں ہے کہ لشکر نے اپنی قوت کے بل پر اس کو فتح نہیں کیا ہے۔ اس لیے
سب اس میں مشترک ہیں، جب کہ آیت انفال ایجاف خیل و رکاب سے حاصل شدہ مال کی
تقسیم میں مسلمانوں اور تخصیص کو بتلا رہی ہے۔ جب دونوں آیات جدا جدا نوع مال کا حکم
بتلا رہی ہیں تو ایک دوسرے کے لیے کیسے مخصص مانا جا سکتا ہے۔

اعتراض کا جواب

علامہ ابن رشدؒ کے اشکال کا جواب واضح ہے کہ یہ اختیار و ترجیح و تخصیص بے دلیل نہیں ہے حضرت
عمرؓ کے پیش نظر یہ دونوں آیات اور غزوہ خیبر کے اموال کی تقسیم اور خیبر کے بعض اموال کو باقی رکھنا سب
کچھ ہے، پھر بھی سواد عراق میں اموال منقولہ کی تقسیم فرماتے ہیں اور زمینوں میں آئندہ نسلوں اور غائبین وغیرہ کا
خیال فرما کر عدم تقسیم پر عمل کرتے ہیں اور یہ جلیل القدر صحابہؓ کے مشورہ اور تائید سے ہوتا ہے تو ان حضرات کا یہ عمل
اور بعد کے خلفاء راشدین کا بھی مفتوحہ علاقوں میں اسی معمول کو باقی رکھنا یہ دلیل ہے کہ دونوں آیات ایک دوسرے
کی مخصص ہیں۔ یہ آیت انفال خیبر کے ایک حصہ کی عدم تقسیم و تخصیص والی روایت کی بنا پر اموال منقولہ کے حکم پر محمول ہے
اور آیت حشر اموال غیر منقولہ کے حکم پر محمول ہے تو تعارض یا تناقض نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ فئی و غنیمت کا مصداق متحد اور معنی کا ایک ہونا بعید ہے۔ تو احناف یہ کہتے ہیں کہ غنیمت
اور فئی دونوں باہم متقابل نہیں ہیں بلکہ فئی کا لفظ عام ہے جس کا اطلاق کبھی بلا جنگ یا ایجاف خیل سے حاصل شدہ
مال پر بھی ہوتا ہے اور کبھی بہ ایجاف خیل حاصل شدہ اموال پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے اموال بنی نضیر۔ اور
غنیمت کا لفظ جب بھی بولا جاتا ہے تو ایسا مال مراد ہوتا ہے جس میں خمس لازم ہوتا ہے۔

چنانچہ ابن رشدؒ کے اشکال کا جواب علامہ ابن قدامہ حنبلیؒ اور علامہ ابو بکر جصاص رازیؒ کے بیان سے
بھی ملتا ہے۔ ان دونوں حضرات کا بیان نقل کرنے سے قبل

غنیمت اور فئی متضاد نہیں ہیں

[illegible] یونیورسٹی کے صدر شعبہ تاریخ ڈاکٹر ضیاء الدین کی کتاب "القرآن" سے کچھ اقتباسات پیش کئے

جاتے ہیں۔ جس سے غنیمت و فئی کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

"قال الشافعیؒ والغنیمۃ ھی الموجف علیہا بالخیل والرکاب ـــــ والفئ ھی ما لم یوجف علیہ بخیل ولا رکاب"

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غنیمت وہ اموال ہیں جو لشکر کشی سے حاصل شدہ ہوں۔ اور فئی وہ مال ہے جو بلا لشکر کشی کے حاصل ہوا ہو۔ (الخراج)

وقال یحیی بن آدم والغنیمۃ ما غلب علیہ المسلمون بالقتال حتی یاخذوہ عنوۃ والفئ ما صولحوا علیہ من الخراج والجزیۃ۔

یحیی ابن آدم کہتے ہیں کہ غنیمت وہ مال ہے جس پر مسلمین کا غلبہ بذریعہ قتال ہوا ہو۔ اور فئی وہ مال ہے جو دشمن سے بلا قتال مصالحت سے حاصل کیا گیا ہو جیسے جزیہ اور خراج۔

وقال الماوردی والغنیمۃ والفئ یفترقان فی أن مال الفئ ماخوذ عفواً ـــــ ومال الغنیمۃ ماخوذ قہراً ثم قال إن مال الفئ ھو کل مال وصل من المشرکین عفواً من غیر قتال ولا ایجاف بخیل ولا رکاب فہو کمال الہدیۃ والجزیۃ واعشار متاجرھم أو کان واصلا بسبب من جہتہم کمال الخراج (احکام السلطانیہ)

علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں: غنیمت و فئی میں مابہ الافتراق یہ ہے کہ مال فئی بطور عفو حاصل شدہ مال کو کہتے ہیں اور مال غنیمت بزور غلبہ حاصل کردہ مال کو کہتے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں۔ مال فئی ہر اس مال کو کہا جاتا ہے جو مشرکین سے بلا قتال اور فوج کشی کے بغیر مل جاتا ہے۔ پس اس کی مثال مال ہدیہ جزیہ اور ان کی تجارت کے اعشار (ٹیکس) ہیں۔ یا مشرکین کی جانب سے کسی اور وجہ سے ملتا ہے جیسے کہ مال خراج۔

ڈاکٹر ضیاء الدین کی رائے

ڈاکٹر ضیاء الدین فرماتے ہیں کہ ظاہر ہے کہ غنیمت و فئی کی یہ تعریفات بنی نضیر کی شان میں نازل شدہ آیات فئی سے مشتق ہیں۔

لیکن اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ لفظ انفال کا اطلاق اس مال پر بھی ہوتا ہے جو قتال اور طاقت

حاصل کیا گیا ہو چنانچہ غانمین اور صحابہؓ نے حضرت عمرؓ سے سواد کی تقسیم کے مطالبہ میں بطور اعتراض یوں فرمایا

"أتقف ما أفاء الله علينا بأسيافنا"[1] اللہ تعالیٰ نے ہماری تلواروں کے بل پر جو مال ہمیں دیا ہے آپ اس کو وقف کریں گے؟

اسی طرح اُشتر نے سعید بن العاص کے سامنے کہا:

أتزعم أن السواد الذي أفاءه الله علينا بأسيافنا بستان لك ولقومك[2]

کیا تم ایسا سمجھتے ہو کہ وہ سواد جو ہماری تلواروں سے حاصل ہوا ہے تمہارا اور تمہاری قوم کا باغ ہے؟

اور حدیث شریف میں آیا ہے:

ليس لي من فيئكم ولا هذه الوبرة إلا الخمس والخمس مردود عليكم[3]

یہ ارشاد غزوۂ حنین کے بعد حاصل شدہ غنائم کی تقسیم کے موقعہ پر صادر ہوا۔[4]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فئی کا اطلاق غنیمت پر ہوتا ہے۔ اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ غنیمت کی جو بھی تعریف ہو اس قدر مسلّم ہے کہ غنیمت میں خمس واجب ہوتا ہے اور غنیمت کو تقسیم کیا جاتا ہے۔ اور ارض سواد بزور وطاقت اور فوج کشی سے فتح کے باوجود نہ اس کی تقسیم ہوئی نہ خمس نکالا گیا۔ اور اس پر فئی کا اطلاق بھی ہوا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کی تشریح

اس لیے غنیمت و فئی کی تعریف میں ایجاف خیل و رکاب اور عدم ایجاف سے فرق کرنا صحیح نہیں ہے چنانچہ حضرت امام ابو یوسفؒ نے غنیمت اور فئی کی تعریف میں مذکورہ تعریف سے گریز کیا ہے۔ انھوں نے واعلموا أنما غنمتم الآیۃ کے بعد فرمایا: اس کا مصداق واللہ اعلم وہ منقول مال و اسباب، اسلحہ اور جانور ہیں جو مشرکین کے لشکروں سے مسلمین نے حاصل کئے۔ ایسے اموال میں خمس ہے اور چار خمس مجاہدین میں تقسیم ہوں گے ـــــــــ اور فئی کے بارے میں فرمایا کہ اے امیر المومنین زمین کی پیداوار کے موقعہ پر جو خراج

---

[1] کتاب الخراج لابی یوسف [2] ابن الاثیر الکامل ۲/۵۳

[3] ابن الاثیر الکامل ۲/۱۰۳ [4] الخراج للضیاء ص ۱۱۲

حاصل ہوتا ہے وہ فئی ہے۔ اس کے بعد حضرت امام ابو یوسفؒ نے اسی آیت کو پیش فرمایا جو سورۂ حشر میں فئے کے بارے میں آئی ہے: ما افاء اللہ علیٰ رسولہ من اھل القریٰ الآیۃ

دوسری جگہ حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں

الخراج ما افتتح عنوۃ مثل السواد وغیرہ

تو اس سے واضح ہوتا ہے کہ فئی کا اطلاق خراج پر بھی ہوتا ہے۔ اور خراج وہ ہے جو عنوۃً حاصل کیا گیا ہو جو غنیمت کا مفہوم ہے تو فئی اور غنیمت کا مفہوم ایک ہو جاتا ہے۔

چنانچہ قدامہ بن جعفرؒ نے فئی کی تعریف اس طرح فرمائی۔

الفئی اسم لما غلب المسلمون علیہ من بلاد العدو قسرًا بالقتال وجعل موقوفا علیہم۔

حضرت امام ابو یوسفؒ نے فئی و غنیمت کی جو تعریف فرمائی وہ حضرت عمر فاروقؓ کی اس تعبیر کے بالکل مطابق ہے جو انہوں نے حضرت سعدؓ کو بیت خط میں ارسال فرمائی۔ فرماتے ہیں:

فاذا اتاک کتابی فانظر ما اجلبوا بہ علیک فی العسکر من کراع او مال فاقسمہ بین من حضر واترک الارضین والانہار لعمالہا۔ [1]

اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ غنیمت کی حقیقی تعریف یہ ہے کہ جو اموال مشرکین سے بذریعہ قتال حاصل ہوں وہ غنیمت ہیں اور فئی کا اطلاق جائداد اور زمین پر ہوتا ہے یا اموال غیر منقولہ پر جو عنوۃً فتح کئے ہوں یا بغیر قتال معاہدات سے حاصل ہوئے ہوں۔ فئی کا اطلاق کس طرح ہوتا ہے، باہم ان تعریفات کے مطابق سب اموال غیر منقولہ ہونے ہی چاہئیں یعنی فئی عام ہے عنوۃً وصلحاً حاصل شدہ غیر منقول اموال کو فئی کہا جاتا ہے۔

علامہ رازیؒ کا ارشاد

حضرت علامہ ابو بکر الجصاص رازیؒ نے احکام القرآن میں جو لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ تین آیات میں سورۂ انفال کی آیت "واعلموا انما غنمتم" تو اموال غنیمت کے بارے میں ہے جس سے خمس لیا جائے گا۔

---

[1] الخراج لابی یوسف ص۲۳

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور عنایت کے جس پر مسلمین نے فوج کشی نہیں کی اور جنگ سے قبضہ میں نہیں آئے ایسے اموال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص کر دیئے گئے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے عیال کا ایک سال کا نفقہ دیا کرتے تھے اور جو کچھ بچ رہتا تھا اس کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرنے والوں کے سامان جنگ میں صرف کرتے تھے۔

وہ اموال جو نبی ؐ کے لئے مخصوص تھے

ابو بکر جصاص لکھتا ہے یہ وہ فئی ہے جس پر پورا اختیار رسول اللہؐ کا تھا اور کسی کا اس میں کوئی حق نہیں تھا۔ مگر نبی کریمؐ جس کے لئے اس مال کو تجویز فرماتے پس نبی کریمؐ ان اموال میں سے اپنے عیال پر خرچ فرماتے اور بقیہ کو جہاد کی تیاری میں صرف فرماتے۔ اور اس کی وجہ یہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دی کہ مسلمین نے اس کو اپنے زور بازو سے حاصل نہیں کیا تھا اور جنگ کر کے نہیں لیا تھا بلکہ مصالحت سے حاصل ہوا تھا۔

یہی حکم زہری کے بیان کے مطابق فدک اور قری عرینہ کا تھا۔ اور نبی کریمؐ کے لئے مخصوص اموال میں سے غنیمت کا منتخب مال بھی تھا۔ جس کو الصفی کہا جاتا تھا۔ یہ وہ مال تھا جس کو نبیؐ غنیمت کی تقسیم سے قبل اپنے لئے منتخب فرمالیں یہ آپ کا امتیاز مخصوص تھا۔ اسی طرح نبی کریمؐ کو خمس میں بھی حق تھا پس نبی کریمؐ کے فئی میں سے یہ حقوق تھے جس کو اپنی ازواج مطہرات اور عیال پر خرچ فرماتے تھے اور بقیہ کو مسلمین کی ہنگامی ضرورتوں میں صرف فرماتے تھے۔ اور ان اموال میں نبی کریمؐ کے سوا دوسرے کسی کا حق نہیں تھا۔ ہاں حضورؐ جس کو دینا چاہتے تھے دیتے تھے۔

سورۂ حشر کی دو آیات میں فرق ہے

تو یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ مشرکین سے جو بھی اموال اس طرح حاصل ہوں کہ جس پر مسلمین نے قہراً قبضہ نہ کیا ہو مصالحت سے حاصل ہوئے ہوں تو ایسے اموال بیت المال میں نہیں رکھے جائیں گے بلکہ ان مقامات میں صرف ہوں گے جہاں خراج وجزیہ صرف ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کے اموال، اموال بنی نضیر کی طرح نبی کریمؐ

کے ساتھ مخصوص ہونے کے درجہ میں آجاتے ہیں، تو وہ اموال فئی ہیں جن میں خمس رائج آتا ہے۔

اور تیسری آیت "ما افاء اللہ علیٰ رسولہ من اھل القریٰ" کے بارے میں حضرت امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ اس مال کے بارے میں وارد ہوئی ہے جو مسلمین کے زور بازو سے حاصل ہوا ہو کیونکہ اس کا مصرف بعینہ وہ پانچ اصناف ہیں جن کا ذکر سورۂ انفال والی آیت میں ہوا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انفال کی آیت میں خمس کا تذکرہ ہے، اور مذکورہ آیت میں خمس کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن مال بہرحال قہراً حاصل کردہ اور تقسیم کے لائق ہے۔ اور تقسیم کی وجہ بتلائی گئی ہے کہ مالداروں میں دولت سمٹ کر نہ رہ جائے۔

اور آیت "والذین جاؤ من بعدھم" یہ بھی بتلا رہی ہے کہ یہ مال اگرچہ قہراً حاصل کردہ ہے مگر اس کا مصرف آئندہ نسلیں بھی ہیں جو قیامت تک آنے والی ہیں اس کے مصارف مذکورہ پانچ اصناف بھی ہیں۔ اس لئے اس آیت میں مال کی اس نوع کا ذکر ہے جو بایجاف خیل سے حاصل ہوا اور آیت "ما افاء اللہ علیٰ رسولہ منھم فما اوجفتم" میں اس نوع کا ذکر ہے جو بلا ایجاف کے حاصل ہو، اور نبی کریمؐ کی حیات طیبہ میں آپ کے ساتھ مخصوص تھا اور آپ کے بعد تمام مسلمین میں صرف ہوگا۔

حضرت عمرؓ کا فیصلہ

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے جب سواد عراق فتح ہوا تو تقسیم سے انکار فرمایا اور یہی وجہ بیان کی کہ آنے والے مسلمین اور مجاہدین کا کیا ہوگا۔ حضرت بلالؓ اور حضرت زبیرؓ کا اصرار تھا کہ سواد کو غانمین میں تقسیم کر دیا جائے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے جلیل القدر صحابہؓ سے مشورہ لیا جس میں حضرت علیؓ بھی شامل تھے اور حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے کی تائید کی، اور حضرت عمرؓ نے اس فیصلہ کو تسلیم کیا۔ بعد میں آنے والے خلفاء نے بھی اس معمول کو باقی رکھا۔ اس موقع پر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا کہ میں جہاں تک سمجھا ہوں کہ مال فئے کے مصارف میں مہاجرین و انصار اور آئندہ آنے والی نسلیں بھی شامل ہیں جو "والذین جاؤ من بعدھم الآیۃ" کا مصداق ہیں۔

حضرت عمرؓ کے اس فیصلہ سے چند باتیں معلوم ہوگئیں۔

(۱) فئی کا اطلاق غنیمت پر ہوتا ہے۔

(۲) آیت حشر منسوخ نہیں ہے اگر آیت منسوخ ہوتی تو وہ صحابہ جو تقسیم کے طالب تھے ضرور نسخ کو پیش فرماتے۔

(۳) آیت کریمہ اس قسم کی زمین پر خراج مقرر کرنے کے جواز کو بتلا رہی ہے۔ کیونکہ حضرت عمرؓ نے اسی آیت کے

استدلال کر کے سواد کے باشندوں کو برقرار رکھ کر ان پر خراج عائد کیا۔

(۴) جملہ صحابہؓ کا حضرت عمرؓ کی رائے کو مان لینا اس پر دلالت کرتا ہے کہ غانمین فئی کی زمینوں کے اگرچہ عنوۃً لی گئی ہوں مستحق نہیں ہو جاتے۔ بلکہ فئی کی زمینیں امام کے اختیار کے ماتحت رہتی ہیں۔ جیسے امام کو اختیار ہے کہ جو قیدی مشرک گرفتار ہوں خواہ ان کو قتل کر دے خواہ غانمین میں تقسیم کر دے۔

(۵) نفس احراز غنیمت سے غازی غلاموں کے بھی مالک نہیں بن جاتے۔

آیت انفال و حشر میں تعارض نہیں ہے

اب رہ جاتی ہے یہ بات کہ سورۃ انفال والی آیت ہر مال غنیمت میں خمس کے وجوب اور باقی چار خمس کو مجاہدین میں تقسیم کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ اور سورۃ حشر کی آیت میں خمس کا تذکرہ نہیں ہے اس لئے یہ آیت سورۃ انفال کی آیت سے متعارض ہو جاتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تعارض نہیں۔ بلکہ دونوں آیات کا محل پہلے ہی سے الگ ہے۔ سورۃ انفال والی آیت اموال منقول میں خمس و تقسیم پر محمول ہے۔ اور آیت حشر اموال غیر منقولہ میں خمس وعدم خمس، تقسیم وعدم تقسیم کے بارے میں اختیار پر محمول ہے۔ اور یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیبر کی تقسیم وعدم تقسیم، ایسے ہی حضرت عمرؓ کے سواد کی عدم تقسیم سے سمجھ میں آرہی ہے۔

علامہ رازی فرماتے ہیں:

فیکون تقدیر الآیتین بمجموعہما واعلموا أنما غنمتم من شیئٍ فان للّٰہ خمسہ فی الأموال سوی الأرضین وفی الارضین اذا اختار الامام ذالک وما افاء اللّٰہ علی رسولہ من الارضین فللّٰہ وللرسول ان اختار ترکہا علی ملک أھلہا ویکون ذکر الرسول ھہنا التفویض الأمر الیہ فی صرفہ الی من رای الخ (۱)

آیت حشر سے امام کی تخییر پر استدلال

کہتے ہیں: جب یہ زمینیں وقف ہوئیں تو للّٰہ تو برابر ہے پھر "للرسول" کیوں کہا گیا؟ تو فرماتے ہیں

(۱) احکام القرآن للجصاص ۳/۵۲۹۔

یہاں رسول کا تذکرہ رسول کے مختار ہونے اور رسول کی صوابدید پر مال کو صرف کرنے کا اختیار رسول کے لئے ثابت کرنے کی خاطر یہ لفظ بڑھایا گیا ہے اھ۔

اور ظاہر ہے کہ رسولؐ کے بعد نائبین رسولؐ (ائمہ) کو یہ اختیار حاصل ہو گا۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

ابن قدامہؒ کا ارشاد

حضرت علامہ عبداللہ بن احمد بن قدامہ حنبلیؒ اپنی مشہور تالیف المغنی میں رقم طراز ہیں:

جن زمینوں کو مسلمین نے از سر نو عنوۃً فتح کیا ہے تو ان کے بارے میں تین روایات ہیں۔

۱ ——— امام کو اختیار ہے کہ ایسی زمینوں کو وہ غانمین میں تقسیم کر دے یا کل مسلمین کے لئے وقف کر دے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں طریق ثابت ہیں۔ اور آپؐ کا عمل دونوں باتوں کیلئے حجت ہے۔ نبی کریمؐ نے نصف خیبر کو تقسیم فرمایا اور نصف کو ہنگامی ضرورتوں کے لئے وقف کر دیا۔

حضرت عمر فاروق رضہ نے شام، عراق، مصر اور بقیہ مفتوح علاقوں کو وقف کر دیا اور علماء صحابہؓ نے حضرت عمرؓ کی تائید فرمائی اور یہی مشورہ دیا۔ نیز حضرت عمر رضہ کے بعد دیگر خلفاء نے بھی مفتوحہ علاقوں میں یہی معمول جاری رکھا۔ اور ہمارے علم میں دیگر خلفاء سے مفتوحہ زمینوں کو تقسیم کرنے کا عمل منقول نہیں ہے

۲ ——— مسلمین کا استیلاء ہوتے ہی ایسی زمینیں وقف ہو جاتی ہیں کیونکہ صحابہؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقف کے فیصلہ پر متفق ہو گئے۔ نبی کریمؐ کا خیبر کو تقسیم کرنا ابتداءِ اسلام کی بات ہے اور یہ تقسیم شدتِ حاجت کی وجہ سے ہوئی کیونکہ مصلحتِ وقت (شدتِ حاجت) کا یہی تقاضا تھا۔ لیکن بعد میں مصلحت اسی پر منحصر ہو گئی کہ وقف کر دیا جائے اس لئے وقف متعین و واجب ہے۔

۳ ——— ایسی زمینوں کو غانمین میں تقسیم کرنا واجب ہے۔ یہی قول امام مالکؒ اور ابو ثورؒ کا ہے (مگر جیسا کہ لکھا جا چکا ہے کہ وجوبِ تقسیم کا قول حضرت شافعیؒ کا ہے حضرت مالکؒ وجوبِ وقف کے قائل ہیں) اس لئے کہ نبی کریمؐ کا عمل تقسیم کا ہے۔ اور حضرت عمر رضہ کے عمل کے مقابلہ میں نبیؐ کا عمل زیادہ لائق اتباع ہے۔ نیز آیتِ کریمہ "واعلموا أنما غنمتم من شيء فأن لله خمسه الآية" کے عموم سے یہی مفہوم ہوتا ہے کہ چار خمس غانمین کے ہیں۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

والرواية الاولى اولى لان النبي صلى الله عليه وسلم فعل الامرين جميعا في خيبر ولان عمر قال لولا آخر الناس لقسمت الارض كما قسم النبي صلى الله عليه وسلم خيبر فقد وقف الارض مع علمه بفعل النبي صلى الله عليه وسلم فدل على ان فعله ذلك لم يكن متعينا كيف والنبي صلى الله عليه وسلم قد وقف نصف خيبر ولو كانت للغانمين لم يكن له وقفها. الخ (۱)

پہلی روایت راجح ہے اس لئے کہ نبی کریمؐ نے خیبر میں دونوں کام کئے (تقسیم وعدم تقسیم) اور اس لئے بھی کہ حضرت عمرؓ نے ارشاد فرمایا کہ اگر بعد میں آنے والے لوگ نہ ہوتے تو میں اس زمین سواد کو اس طرح تقسیم کر دیتا جس طرح نبی کریمؐ نے خیبر کو تقسیم فرمایا تھا۔ تو حضرت عمرؓ نے نبی کریمؐ کے عمل کا خیبر کے بارے میں علم ہوتے ہوئے سواد کو وقف کر دیا۔ تو حضرت عمرؓ کا یہ عمل دلالت کرتا ہے کہ نبی کریمؐ کا عمل تقسیم، تقسیم کی تعیین کے لئے نہیں تھا، اور تعیین کے لئے بھی کیسے واجب ہو جب کہ خود نبی کریمؐ نے نصف خیبر کو وقف کیا۔ اگر غانمین کا حق بن گیا ہوتا تو نبی کریمؐ کیلئے وقف کا اختیار نہ ہوتا۔

اس کے بعد ابن قدامہؒ نے فرمایا کہ امام کو یہ اختیار مصلحت کی بنیاد پر حاصل ہوتا ہے۔ مصلحت کے مطابق تقسیم و وقف امام پر لازم ہے۔ امام اپنی من مانی نہیں چلا سکتا۔

لفظ وقف کا استعمال

پھر اس بات پر بھی متنبہ فرمایا کہ اس طرح مالکین ارض کے لئے زمین چھوڑ دینے اور آئندہ نسلوں کو بذریعہ خراج فائدہ پہنچانے کے طریقے کے لئے لفظ وقف کا استعمال حضرت عمرؓ وغیرہ سے ثابت نہیں ہے۔ اس لئے مطلب یہ ہو گا کہ یہ زمینیں اس طرح چھوڑ دی جائیں گی کہ اس کا کوئی مالک مخصوص نہ ہو گا بلکہ مسلمین کے مصالح کے لئے ان کو باقی رکھا جائے گا۔ مطلب یہ کہ وقف اصطلاحی ہونا ضروری نہیں ہے۔

---

(۱) المغنی ج ۲، ص ۲۰۹، ۲۱۵۔

خلاصہ بحث

اس جملہ بحث سے یہ خلاصہ نکلتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں جو زمینیں صلحاً بلا فوج کشی و قتال کے حاصل ہوئیں، فئی کا لفظ اس کے لئے بھی استعمال ہوا اور ایسی زمینیں خالص نبی کریمؐ کیلئے مخصوص تھیں۔ آپؐ اپنی اور اپنے عیال کے نفقہ میں صرف فرماتے۔ اپنے اختیار سے جس کو چاہے عطا فرماتے اپنی ضرورت سے زائد آمدنی کو آپ نوائب مسلمین میں صرف فرماتے تھے۔ اہل خیبر کا بھی کچھ حصہ صلحاً ملا جو آپؐ کے لئے مخصوص رہا اور فدک بھی مخصوص رہا۔

چنانچہ حضرت یحییٰ بن آدم القرشیؒ (متوفی ۲۰۳) نے اپنے رسالہ الخراج میں ایک اثر نقل کیا ہے، زہری عبداللہ بن ابی بکر اور محمد بن مسلمہ کے بعض بیٹوں سے نقل فرماتے ہیں:

"قالوا بقيت بقية من أهل خيبر تحصنوا فسألوا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يحقن دماءهم ففعل فسمع بذلك أهل فدك فنزلوا على مثل ذلك فكانت لرسول الله صلى الله عليه وسلم خالصة لأنه لم يوجف عليها بخيل ولا ركاب"[1]

کچھ اہل خیبر جو بچے کھچے تھے کہیں قلعہ بند ہوگئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست جاں بخشی کی اور اپنی بستی سے نکل جانے کی، آپ نے منظور فرمالیا۔ جب اہل فدک نے سنا کہ اس طرح جاں بخشی ہو جاتی ہے تو انھوں نے بھی اسی طرح صلح کر لی پس فدک خاص رسول اللہؐ کے لئے رہا، کیونکہ اس پر فوج کشی نہیں ہوئی تھی (اور قتال کی نوبت نہیں آئی)۔

اور جو زمینیں قہراً فتح ہوئیں ان کو کبھی غانمین میں تقسیم کیا گیا اور کبھی تقسیم نہیں کیا گیا۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں عمل ثابت ہیں۔ فئی کا اطلاق قہراً حاصل کردہ زمین پر بھی ہوا ہے جیسے اپنی جگہ پر گذرا، خیبر کی تقسیم کے بارے میں حضرت یحییٰ بن آدم القرشیؒ نے متعدد روایات لکھی ہیں۔

عن رجال من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أن رسول الله

---

(۱) الخراج ۲/۳۶۔

صلی اللہ علیہ وسلم لما ظہر علی خیبر قسمہا علی ستۃ وثلاثین سہما جمع کل سہم مأۃ سہم فکان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وللمسلمین النصف من ذالک وعزل النصف الباقی لمن ینزل بہ من الوفود والأمور ونوائب الناس (۱)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعدد صحابہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ جب خیبر پر غالب ہوئے (فتح کیا) تو خیبر کی زمینوں کو چھتیس حصوں پر تقسیم فرمایا۔ ہر حصہ کا مجموعہ سو حصص پر مشتمل تھا۔ پس اس میں سے آدھا رسول اللہؐ اور مسلمین کے حصہ میں رہا اور باقی نصف ان وفود کے انتظام کے لئے جو آپ کے یہاں وارد ہوتے تھے۔ اور دیگر ضروری امور اور لوگوں کی ہنگامی حاجات کے لئے الگ کر لیا گیا

عشری اور خراجی زمینوں کی تفصیل

عشری اور خراجی زمینوں میں بنیادی فرق اور اس سلسلہ میں غانمین کے استحقاق وعدم استحقاق کی بحث آجانے کے بعد اب عشری اور خراجی زمینوں کی تفصیل کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ حضرت حضرت امام ابو یوسف رحؒ نے اپنی کتاب الخراج میں فرمایا۔

أن کل أرض أسلم علیہا سواء کانت من أرض العرب والعجم فہی لہم وہی أرض عشر مثل المدینۃ حین أسلم علیہا أہلہا وأیضا الیمن وکذالک أرض العرب من عبدۃ الأوثان الذین لا تقبل منہم الجزیۃ وإن ظہر علیہا الإمام وإذا قسم الإمام أرض العجم التی فتحت عنوۃ بین الفاتحین فہی أرض عشر۔

أما أرض الخراج فہی أرض العجم التی فتحت عنوۃ وترکہا الإمام بین أیدی أہلہا فلم یقسمہا وکذالک أرضہم التی صالحوا المسلمین علی أن یؤدوا الخراج عنہا ولیصیروا ذمۃ۔ (۲)

---

(۱) الخراج ص ۵۰ (۲) کتاب الخراج ص ۶۹

فرمایا:

۱ ـــــ ہر وہ زمین ملک جہاں کے باشندے بخوشی اسلام لے آئے خواہ زمین عرب ہو یا عجم تو زمین مالکین کی ملک میں رہے گی، اور یہ زمین عشری ہوگی، جیسے مدینہ منورہ، یمن وغیرہ۔

۲ ـــــ اسی طرح عرب کے بت پرستوں کی زمین جن سے جزیہ قبول نہیں کیا جاتا۔ اگرچہ امام نے ان کو معاف کر دیا ہو تب بھی وہ عشری رہے گی۔

۳ ـــــ اور عجم کی وہ زمینیں جو بزور مفتوح ہوئیں اور امام نے غانمین کے درمیان تقسیم کر دیں۔ یہ زمینیں بھی عشری ہیں۔

۴ ـــــ ارض خراج عجم کی وہ زمینیں ہیں جو بزور فتح کی گئیں اور امام نے ان کو غانمین میں تقسیم نہیں کیا، اور اصل باشندوں کے قبضہ میں ہی رہنے دیا تو یہ خراجی زمین ہے۔

۵ ـــــ ایسے ہی وہ زمینیں جن کے بارے میں کفار نے مسلمین سے مصالحت کر لی اور تابعیت اختیار کر لی، کہ ذمی بن کر رہیں گے۔ اور زمین کا خراج ادا کریں گے تو یہ بھی خراجی زمین ہے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ نے نہایت دقیق انداز میں عشری اور خراجی زمینوں کی تفصیل اور فرق کو واضح فرما دیا۔ کہ جس قدر بھی اقسام عشری یا خراجی کی ممکن طور پر نکلتی ہیں تو وہ سب ان پانچ اقسام کے تحت آ گئیں

علامہ کاسانی کی تشریح

علامہ علاء الدین ابو بکر بن مسعود کاسانی رحمہ اللہ نے ان اقسام کو مفصل طور پر بیان کر دیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

زمین کی دو قسمیں ہیں (۱) عشری (۲) خراجی۔

۱ ـــــ عرب کی پوری زمین عشری ہے۔ حضرت امام محمدؒ نے فرمایا عرب کی زمین عذیب سے مکہ اور عدن ابین اور اقصائے حجر یمن مہرہ تک ہے۔ حضرت کرخیؒ فرماتے ہیں کہ زمین عرب کا اطلاق زمین حجاز، تہامہ، یمن، مکہ، طائف اور بریہ پر ہوتا ہے۔

ان زمینوں کو اس لئے عشری قرار دیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد خلفاء راشدینؓ نے زمین عرب سے خراج نہیں لیا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مذکورہ زمین عرب عشری ہے۔ اس لئے کہ کوئی بھی زمین دونوں مؤنتوں (عشر و خراج) سے خالی نہیں ہوتی تو جب خراجی نہیں تو عشری ضرور ہے۔

زمین عرب پر خراج اس لئے نہیں ہے کہ خراج فی الجزیہ اس کے مشابہ ہے تو جس طرح جزیہ اہل عرب کے
رؤس پر نہیں آتا تو ان کی زمین پر بھی جزیہ (خراج) نہ آنا چاہئے۔ (واللہ اعلم)

۲۔ ـــــ عشری زمینوں میں وہ زمین بھی ہے جس کے باشندے بخوشی اسلام لے آئے۔

۳۔ ـــــ وہ زمین بھی عشری ہے جو قہراً فتح ہوئی اور مجاہدین میں تقسیم ہو گئی۔ کیونکہ ایک مؤنتہ تو زمین پر لاگو ہوتی ہے
عشر یا خراج۔ اور مسلم ابتداءً خراج عائد کرنے کے لائق نہیں ہے۔ خراج کے اندر حقارت و ذلت کا پہلو
ہے۔ اور عشر میں عبادت کا پہلو بھی ہے اس لئے مسلم عبادت و عشر کے لائق ہے۔

۴۔ ـــــ عشری زمین میں مسلم کا وہ گھر بھی شامل ہے جس کو مسلم نے باغ بنالیا ہو۔

۵۔ ـــــ وہ غیر مزروعہ زمین جس کو امام کی اجازت سے کسی مسلم نے قابل کاشت بنایا ہو تو حضرت امام ابو یوسفؒ
کے نزدیک اگر آباد کردہ زمین عشری زمینوں سے ملحق اور اس کے توابع میں سے ہو تو عشری قرار دیجائیگی۔
اور حضرت امام محمدؒ کے نزدیک عشری پانی سے سیراب ہوتی ہو تو عشری ہے۔

خراجی زمینیں

۱۔ ـــــ وہ زمین جو عنوۃً قہراً فتح کی گئی اور امام نے اس کے مالکین پر کرم فرما کر زمینوں کو مالکین کے قبضہ میں ہی
رہنے دیا۔ تو اگر مالکین اسلام نہ لائے تو ان کی ذات پر جزیہ اور ان کی زمینوں پر خراج عاید ہوگا۔

۲۔ ـــــ اگر مفتوحہ علاقے کے باشندے اسلام لے آئے تو ان کی مقبوضہ زمینوں پر صرف خراج ہوگا۔

۳۔ ـــــ ارض سواد پوری خراجی ہے۔ اور سواد کی حد عذیب سے عقبہ حلوان اور علث سے عبادان تک ہے
اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب ان ممالک کو فتح کیا تو صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں ان پر خراج عائد کیا
اور حضرت حذیفہ ابن الیمان اور حضرت عثمان بن حنیف کو زمین کی پیمائش کے لئے بھیجا اور خراج مقرر کیا
گیا۔ کیونکہ کافر پر ابتداءً مؤنت واجب کی جارہی تھی۔ اور کافر خراج کے زیادہ لائق ہے۔ اس لئے کہ
خراج میں حقارت کا پہلو ہے۔ عشر میں عبادت کا پہلو ہے۔ کافر اس کا اہل نہیں ہے۔

زمین مکہ کا حکم

اس لحاظ سے مکہ کی زمین خراجی ہونا چاہئے کیونکہ مکہ قہراً مفتوح ہوا ہے اور اس کے باشندے

بصرہ کی زمین کا استثنائی حکم

حضرت امام ابو یوسفؒ کے قیاس کے مطابق بصرہ کی زمین خراجی ہونا چاہئے اس لئے کہ وہ ارض خراجی کی حیز میں واقع ہے اگرچہ مسلمین نے اس کو قابل کاشت بنایا ہے۔ لیکن اجماع صحابہؓ کی وجہ سے قیاس متروک ہو گیا۔

۸۔۔۔۔۔ جس زمین کو کسی ذمی نے قابل کاشت بنایا وہ بھی خراجی ہے۔

۹۔۔۔۔۔ غنیمت کی وہ زمین جو امام نے کسی ذمی کو مسلمین کے ساتھ قتال میں شرکت کی وجہ سے بطور رضخ (بلا سہم غنیمت کچھ دے دینا) کے طور پر دی ہو خراجی ہے۔

۱۰۔۔۔۔۔ ذمی کا گھر جس کو ذمی نے بستان بنالیا ہو تو خراج عائد ہو گا۔

عشری اور خراجی پانی

ماء خراج ان چھوٹی نہروں کے پانی کو کہتے ہیں جو عجمیوں نے کھود کر تیار کی ہوں۔ قدرتی نہ ہوں جیسے نہر یزدجرد وغیرہ جو مملوک ہوں اور کسی کے قبضہ ذاتی یا سرکاری میں نہ ہوں یعنی ان پر قبضہ رکھا جا سکتا ہو تو مفتوح ہونے کے بعد غنیمت ہونے اور تقسیم نہ کئے جانے کی بناء پر خراج عائد ہو گا۔ اس کا پانی خراجی قرار دیا جائے گا۔

اسی طرح بیت المال کے صرفہ سے جو نہریں چشمے اور نالیاں نکالی گئی ہوں ان کا پانی خراجی ہے۔ حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بڑی ندیوں (دریاؤں) کا پانی بھی خراجی ہے۔ اس لئے کہ ان پر قبضہ رکھنا ممکن ہے۔۔۔ کشتیوں کی قطار کے ذریعہ قبضہ کیا جا سکتا ہے۔

عشری پانی

بارش کا پانی، کنوؤں کا پانی، قدرتی چشموں اور بڑے دریاؤں (ندی) کا پانی جو کسی کے قبضہ میں نہیں ہیں جیسے سیحون جیحون، دجلہ و فرات اور ان کے جیسی ندیاں۔ اس لئے کہ ان کے پانیوں کو قبضہ اور حفاظت میں لینے کی کوئی سبیل نہیں۔ (۱)

---

(۱) بدائع الصنائع ۲/۵۸۔

(ب) وہ زمینیں جو اگرچہ ابتداءً کسی شخص خاص کی ملک تھیں، مگر وہ لاوارث مرگیا اور یہ زمین بیت المال میں داخل ہوگئی۔ اس قسم کی زمینوں کو اصطلاحِ فقہاء میں اراضی مملکت یا اراضی حوز یا اراضی سلطانیہ کہا جاتا ہے۔[1]

(ج) جس صورت میں مفتوح ملک کی مملوکہ زمینیں غانمین میں تقسیم کی جائیں جس کی تفصیل اراضی مملوکہ کے بیان میں آئندہ آئے گی، تو ان میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا نکالا جائے گا۔ یہ زمینیں بھی اراضی بیت المال میں شامل ہوں گی۔

(د) جب کوئی ملک جنگ کرکے قہر و غلبہ کے ساتھ فتح کیا جائے تو اس کی مملوکہ زمینوں میں امام کو یہ بھی اختیار ہے کہ پوری اراضی مملوکہ کو بیت المال کے قبضہ و تصرف میں لے لے۔ نہ غانمین میں تقسیم کرے نہ اصل مالکوں کی ملک میں رکھے۔ اس صورت میں یہ سب اراضی بھی اراضی بیت المال ہو جائیں گی۔

(ہ) قہراً فتح ہونے کی صورت میں یہ بھی اختیار ہے کہ اراضی مملوکہ میں سے خاص خاص زمینوں کو بیت المال کیلئے مخصوص کرلے۔ "جیسے حضرت عمر فاروق رضی نے عراق کی زمینوں سے یا کسریٰ اور اس کے متعلقین کی زمینیں اور جو شخص زمین چھوڑ کر بھاگ گیا اس کی زمین جو شخص معرکہ میں قتل ہو گیا اس کی اراضی۔"

"اسی طرح خاص خاص دوسری زمینیں بیت المال کے لئے مخصوص فرمالی تھی اور انھیں میں سے لوگوں کو جاگیریں دیتے تھے۔ امام ابو یوسفؒ کی کتاب الخراج اور امام ابو عبید کی کتاب الاموال میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔"

حدیث میں ہے:

عادی الارض ﷲ ولرسول ثم هی لکم قال ابو عبید والعادی کل ارض کان بها ساکن فی آباد الدهر فانقرضوا فلم یبق منهم انیس فصار حکمها الی الامام۔[2]

اراضی بیت المال کا حکم عشر و خراج کے بارے میں

خراج مقاسمہ اور خراج موظف

علامہ شامی رحمہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی زمینوں کا حکم یہ ہے کہ امام کو اختیار ہے۔ اس کے لئے جائز ہے

(1) شامی ۳/۲۵۳ باب العشر والخراج (2) اموال ابی عبید ۲۷۹۔ اسلام کا نظام اراضی ۱/۲۱۰۔

کہ اس قسم کی زمینیں کسانوں کو دیدے یا تو کسانوں کو قائم مقام مالکین کے بناوے زراعت میں اور خراج ادا کرنے میں یا کسانوں کو یہ زمین محض اجرت کے طور پر دیدے۔ اجرت خراج کے بقدر ہو۔ امام کے حق میں یہ خراج ہوگا اور کسانوں کے حق میں محض اجرت ہوگی۔ نہ اس کو عشر کہیں گے نہ خراج۔

پھر یہ اجرت اگر دراہم و نقد کی صورت میں مقرر ہوئی ہے تو یہ خراج موظف کہلائے گا، اور بعض پیداوار کے عوض زمین دی ہے۔ پیداوار اجرت ہے تو یہ خراج مقاسمہ کہلائے گا۔ جو بھی لیا جائے گا وہ محض اجرت ہوگی۔

علامہ شامی فرماتے ہیں، اس بنیاد پر ان کسانوں پر نہ عشر ہے نہ خراج۔ ہاں صاحبینؒ کے قول کے مطابق مستاجر پر عشر آتا ہے، اس لئے عشر کا احتمال ہے۔ لیکن تمہیں معلوم ہے کہ یہ کلی طور پر اجرت بھی نہیں ہے۔ بلکہ امام کے حق میں خراج ہے، اور عشر و خراج مجتمع نہیں ہو سکتے۔ فرماتے ہیں میں نے فتاویٰ خیریہ میں یہ مسئلہ دیکھا ہے کہ وقف کی زمین میں کسان عامل بالحصہ ہوتا ہے اور مستاجر کے مانند ہوتا ہے۔ اس پر خراج نہیں ہوتا، اسعاف میں ہے کہ وقف کا متولی وقف کی زمین مزارعت پر دیدے تو عشر و خراج اہل وقف کے حصہ میں آئے گا۔ اس لئے کہ یہ معنوی اجارہ ہے۔ تو اسی طرح بیت المال کی زمین کے بارے میں ہم کہتے ہیں کہ جب مزارعت پر دی جائے تو کسانوں سے لیا ہوا مال بدل اجارہ ہے (اجارہ کا بدل) خراج نہیں ہے۔ چنانچہ کمال وغیرہ نے صراحت کی ہے کہ یہ خراج مقاسمہ ہے۔

اس کے ایک اشکال کا جواب دیا ہے۔ کہ اس صورت میں یہ استیجار الارض ببعض الخارج منہا میں داخل ہوگا اس لئے اجارہ فاسدہ ہوگا۔ تو جواب یہی ہے کہ اس کو مزارعت قرار دیا جائے گا جو معنوی اجارہ ہے حقیقی اجارہ نہیں ہے اسی لئے فتح القدیر میں فرمایا کہ ماخوذ بدل اجارہ ہے (۱)

بیت المال کی کسانوں کو دی ہوئی زمینوں کا حکم

جب یہ اراضی بیت المال کسانوں کے قبضہ میں ہوں تو جب تک خود پر واجب الادا فریضہ کو ادا کرتے رہیں گے زمینیں ان سے واپس نہیں لی جائیں گی۔ البتہ کسان ان زمینوں کو فروخت بھی نہیں کر سکتے۔ ہاں کسانوں کی اولاد ہو تو یہ زمینیں زراعت کے لئے ان کی طرف منتقل ہو جائیں گی۔ اس انتقال کا کوئی عوض نہیں لیا جائے گا۔

اگر کسان لاوارث مر جائے یا تین سال تک زراعت نہ کرے زمین کو بیکار چھوڑے رکھے یا کم و بیش

---

(۱) رد المحتار ۴/۱۸۷۔

مدت تک اس سے زمین کے قابل کاشت رہنے میں نقصان آتا ہو تو دوسرے کسان کو دی جائے گی۔ مسلمان یا
ذمی سب سلطان کی اجازت کے بغیر کسی بھی کسان سے لے کر دوسرے کو نہیں دی جا سکتی

ثم اعلم أن أراضي بيت المال المسمى بأراضي المملكة وأراضي الحوز
إذا كانت في أيدي زراعها لا تنزع من أيديهم الخ (۱)

محور ثانی

مزارعت کے بارے میں آپ کی مزید معلومات موصول نہیں ہوئی ہیں۔ اس سلسلہ میں حضرت
مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی کتاب "اسلام کا نظام اراضی" میں جو تحقیق پیش فرمائی ہے، اسی کے حوالہ
پر اکتفا کیا جا رہا ہے کیونکہ وہ عمدہ تحقیق ہے اور بندہ اس سے متفق ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

---

(۱) رد المحتار ۳/۱۸۰۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کا نظامِ عشر و خراج سے متعلق جوابات

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی

محورِ اول: عشر و خراج کی حقیقت

اسلامی نظام محاصل و مالیات کے قدیم ترین مآخذ کتاب الخراج لابی یوسف و یحییٰ بن آدم القرشی اور کتاب الاموال لابی عبید القاسم بن سلام وغیرہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے درج ذیل چار طرح کی زمینوں کو عشری قرار دیا ہے۔

(۱) وہ زمینیں جن کے مالکین کسی جنگ و جدال کے بغیر مسلمان ہو گئے ہوں۔

(۲) وہ زمینیں جو بزور قوت فتح ہوئی ہوں اور انھیں مسلمانوں میں تقسیم کر دیا گیا ہو۔

(۳) عام سرکاری زمینیں جو کسی مسلمان کو بطور جاگیر دی گئی ہوں۔

(۴) افتادہ زمینیں جنھیں کوئی مسلمان قابل کاشت بنالے۔

وہ ممالک جو کسی صلح یا معاہدہ کے ذریعہ اسلامی حکومت کے زیر نگیں ہوئے ہوں وہاں کی زمینوں کے ساتھ معاملہ حسب معاہدہ ہوگا۔

وہ علاقے جو بزور قوت فتح ہوئے ہوں اور ان کی زمینیں مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے بجائے ان کے قدیم مالکین کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی ہوں وہ سب خراجی زمینیں سمجھی جائیں گی۔ خراجی زمینوں کے مالکین مسلمان ہو جائیں یا حسب اختلاف مسلمانوں کو فروخت بھی کر دیں تو بھی خراج ساقط نہیں ہوگا۔

کتاب و سنت، اعمال عہد صحابہ و تابعین اور فقہاء امت کے اجتہادات کو پڑھنے کے بعد راقم اس نتیجہ پر پہنچا کہ عشر و خراج دو الگ الگ مستقل واجبات ہیں جو ایک دوسرے کے قائم مقام نہیں ہو سکتے۔ عشر از قسم زکوٰۃ ہے جس کی قرآن و حدیث میں بار بار تاکید آئی ہے اور جو کہ ایک رکن اسلام ہے۔ یہ زرعی پیداوار پہ ہے

اس کا ایک نصاب ہے اس کے مصارف زکوٰۃ کے مصارف ہیں۔ اور کسی بھی حال میں ناقابل اسقاط ہے جبکہ خراج کی تفصیلات قرآن و حدیث میں نہ کے برابر ہیں۔ اس کا کوئی نصاب نہیں، یہ زمین کے رقبہ پر بھی رہا ہے جیسا کہ شروع سے ہارون رشید کے ابتدائی عہد تک تھا، اور پیداوار کی بٹائی پر مبنی ہو سکتا ہے جیسا کہ امام ابو یوسف کے مشورہ پر خلیفہ ہارون رشید نے اختیار کیا تھا۔ اس کے علاوہ خراج کے مصارف عشر کے مصارف سے الگ ہیں، خراج کا شمار اموال مصالح میں سے ہے جس کے مستفیدین بشمول خراج دہندہ سارے شہری ہیں۔ بہتر ہے کہ عشر و زکوٰۃ کا نظم بھی حکومت کی جانب سے ہو مگر حکومت کی غیر موجودگی بلکہ خود موجودگی میں بھی اس فریضہ کی ادائیگی ازخود کے ذمہ کی جا سکتی ہے جب کہ خراج کا تصور بغیر حکومت کے عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے۔ خراج بنیادی طور سے سرکاری اخراجات کے لئے حکومت کا ایک اہم ذریعۂ آمدنی ہے۔ اس کی ادائیگی کی شکل شرح اور دیگر تفصیلات حکومت طے کر سکتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں جو بھی حکومت ہے وہ جس شکل میں بھی زمین کا خراج وصول کرتی ہے اس سے مسلمان بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ اگر وہ بالکل معاف کر دیتی ہے تو مسلمانوں کو اپنے طور پر خراج نکالنے کا مکلف نہیں بنایا جا سکتا۔ خراج چوں کہ زمین پر ہے اس لئے اس کو پیداوار کی لاگت میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

محور دوم

محور دوم سے متعلق ضروری معلومات فراہم نہیں کی گئیں۔

محور سوم

محور سوم سے متعلق بھی ضروری معلومات کا انتظار ہے۔

محور چہارم

۱۔ قانون تنسیخ زمینداری کے بعد معاوضہ دے کر حکومت نے جو زمینیں لے کر تقسیم کر دیں اب ان کے مالک وہی ہیں جن کو وہ مل گئیں۔ میرا خیال ہے کہ اب اسلامی حکومت بھی ان کو حالت سابقہ پر لانے کی پابند یا مجاز ہو گی یا نہیں؟ قابل غور مسئلہ ہے جو نئی صورت حال پیدا ہونے پر اس وقت کے علماء حل کریں گے۔ اس وقت تو ملکیت کا جو حق قائم ہو چکا ہے اسے تسلیم کرنا ہوگا۔ مذکورہ بالا محور اول کی بحث سے یہ واضح ہے کہ یہاں ہر مسلمان کو عشر دینا ہے، رہا خراج کا معاملہ تو یہ

حکومت کے طے کرنے کا ہے۔ اس کے خراج عائد کرنے یا نہ کرنے سے عشر کے فریضہ کی ادائیگی پر اثر نہیں پڑنا چاہیے اس لئے راقم کے خیال میں اب اس بحث میں پڑنا فضول ہے کہ ہندوستان کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی۔ یہاں کی ہزار سالہ تاریخ میں حکومتوں کے بے شمار تغیرات کے بعد اس کا پتہ لگانا بھی مشکل ہے اور اس کا کوئی خاص حاصل بھی نہیں اگر ہم جمہور ائمہ کی رائے کو مان لیں۔

۲ ـــــ جن اراضی کا عشری و خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے ان کے، مالکان پر فرض ہے کہ پیداوار پر عشر نکالیں اور حکومت کو خراج دیں۔ احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے اور اس کے حق میں قوی دلائل بھی ہیں۔

۳ ـــــ بے شک سرکار کو دی جانے والی مال گزاری خراج کے حکم میں ہے۔

۴ ـــــ اگر ہندوستان میں کچھ زمینیں عشری اور کچھ خراجی کا پتہ بھی چل جائے تو صورت مسئلہ میں کوئی فرق نہیں واقع ہوگا۔ مسلمان کو پیداوار عشر یا نصف عشر نکالنا ہے۔ رہا خراج کی ادائیگی کا مسئلہ تو میرے علم کی حد تک تاریخ اسلام میں انفرادی یا رضاکارانہ خراج نکالنے کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس لئے مسلمانوں کو اپنے طور پر خراج نکالنے اور اس کی خود شرح متعین کرنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی۔ خراج کی ادائیگی بھی عبادت ہے۔ اگر عبادت کے محدود معنی میں نہیں تو وسیع معنی میں اس کی ادائیگی بھی عبادت ہوگی۔

۵ ـــــ علامہ یوسف القرضاوی نے فقہ الزکاۃ جلد اصفحات ۴۹۱۔ ۴۹۳ میں اس مسئلہ پر کافی وشافی بحث کی ہے اس سے اتفاق کرتے ہوئے ان دلائل کو دہرانے کے بجائے ان پر ایک اور نکتہ کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ غیر معمولی اخراجات کو عشر کی ادائیگی سے قبل وضع کر لینا اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اگر کھاد و دوا وغیرہ پر خرچ قرض لے کر کیا گیا ہے تو وضع دین پر سبھی کا اتفاق ہے لیکن اگر ان چیزوں پر اپنی رقم لگائی ہے تو یا تو وہ صاحب نصاب نہیں ہوگا اس شکل میں گویا ہم اس کی اس رقم پر بھی زکاۃ عاید کریں گے جو پیداوار میں لگی ہے لیکن اگر وہ صاحب نصاب ہے جو اس کی اور رقموں کے ساتھ اس پیسہ پر زکاۃ دی گئی ہوگی جو اس نے کھاد و دوا وغیرہ پر صرف کی ہے اور جسکی تھی ہم اس رقم پر دوبارہ زکاۃ عاید کریں گے کیوں کہ وہی رقم اس پیداوار میں لگی ہوئی ہے۔ غرضیکہ مناسب یہی معلوم ہوتا ہے کہ غیر معمولی اخراجات کو عشر کی ادائیگی سے قبل

منہا کر لیا جائے۔ بہت سے صحابہ کے آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے پھر نصف عشر کی علت [1] بھی اس کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۶ــــ جن اراضی کی کاشت بٹائی کے طور پر ہوتی ہے ان میں مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ مالک بٹائی دار دونوں پر ان کے حصوں کے مطابق عشر واجب ہو بشرطیکہ ان کا حصہ نصاب بھر پہنچے یا اس کے علاوہ ان کے پاس اور زمینیں ہوں جن کی پیداوار سے ملا کر نصاب پورا ہو جاتا ہو۔ اگر ان میں سے صرف ایک کا نصاب پورا ہوتا ہو تو صرف اسی کو اپنے حصہ کا عشر دینا چاہئے۔ یہ اس شکل میں جبکہ دونوں حصہ دار مسلمان ہوں۔ اگر ان میں سے ایک مسلمان ہے تو وہ اپنے حصہ کی پیداوار کا عشر یا نصف عشر نکالے۔ غیر مسلم پر عشر واجب نہیں ہوگا۔

محورِ پنجم

۱ــــ جمہور ائمہ کے نزدیک زرعی پیداوار کی ہر مقدار پر عشر واجب نہیں ہوگا بلکہ اسی وقت عشر واجب ہوگا جب کہ پیداوار پانچ وسق (تقریباً ساڑھے چھ سو کلو گرام) ہو۔ اس سے کم پر عشر واجب نہیں۔ میری ناچیز رائے میں جمہور کا مسلک قوی ہے۔

۲ــــ زمین پر جس چیز کی بھی کھیتی کی جائے اس پر عشر واجب ہونا چاہئے بشرطیکہ وہ نصاب بھر ہو۔ پانی میں کاشت کی جانے والی چیزیں بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہونی چاہئے۔

۳ــــ مچھلی اور مرغی جیسی جاندار چیزوں کی فارمنگ کی زکوٰۃ کے سلسلہ زکوٰۃ الاموال کا حکم جاری کرنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۴ــــ ریشم کی پیداوار پر بھی زکوٰۃ الاموال کا معاملہ ہونا چاہئے۔

۵ــــ وہ درخت جن سے پھل مقصود نہیں ہوتا بلکہ ان کی پرورش و پرداخت لکڑی کے حصول کے لئے ہوتی ہے ان درختوں کی فروخت کے وقت ان پر زکوٰۃ الاموال واجب ہونی چاہئے۔

۶ــــ خضراوات جو تجارت کے لئے اگائی جاتی ہیں ان پر زکوٰۃ تمام واجب ہونی چاہئے۔ اس رائے کی موافقت میں فقہاء کے بعض اقوال مروی ہیں۔[2] جو سبزیاں مجھتوں یا کھیتوں کو وزن من کافی

---

[1] کتاب الخراج لیحییٰ بن آدم ص۱۲۵، کتاب الاموال لابی عبید ص۵۰۵

جاتی ہیں اور جن کی پیداوار تو خصوصی اناج کو اعلیٰ ہے ہی دو سو درہم چاندی کو پہنچتی ہیں ان پر زکوٰۃ نہیں ہونی چاہئے۔ البتہ ان کے تزکیہ کے لئے ضروری ہے کہ اس پڑوس کے محروم لوگوں کی بھی تواضع کی جائے۔

۷ ـــــ وقف فی سبیل اللہ ہو تو اس پر عشر نہیں واجب ہوگا۔ اس طرح کی شکل کے بارے میں علماء پہلے ہی رائے دے چکے ہیں۔ راقم کے نزدیک وقف علی الاولاد کی اراضی پر عشر ہونا چاہئے۔

واللہ اعلم بالصواب

عشر و خراج سے متعلق سوالوں کے جوابات

مولانا نعیم الدین ——————— استاذ جامعہ اسلامیہ بدر پور، آسام

محور اول۔ عشر و خراج کی حقیقت :۔ اسلام نے کن اراضی کو عشری قرار دیا اور کن کو خراجی؟ عشری اور خراجی زمینوں کے درمیان بنیادی فرق کیا ہے؟ اس سلسلہ میں کتاب و سنت، تعامل عہد صحابہ و تابعین اور فقہائے امت کے اجتہادات سے ہمیں کیا روشنی ملتی ہے؟

جواب :۔ جن ممالک پر اسلام کا غلبہ ہو گیا اور خلیفہ نے وہاں کی زمینیں مفتوحین کفار کے قبضہ میں رہنے دیں یا جن ممالک کفار سے صلح ہو گئی اور وہ اسلامی حکومت میں داخل ہو کر ذمی بن گئے ان کی زمینیں خراجی کہلاتی ہیں۔ اسی طرح جن ممالک پر قہراً یا صلحاً اسلام کا غلبہ ہو گیا ہو اور وہاں کے تمام باشندے خود بخود مسلمان ہو گئے ہوں اور ان کی تمام زمینیں بدستور ان کی ملکیت میں برقرار رکھی گئی تو ان کی یہ تمام زمینیں عشری قرار دی جائیں گی۔ وہ ایسی زمینیں جو ملک فتح ہونے کے وقت نہ کسی کی ملک تھی نہ قابل زراعت، بعد میں ان کو اسلامی امیر کی اجازت سے قابل زراعت بنالی گئی۔ یا آبادی میں کوئی مکان تھا اس کو باغ یا مزروعہ زمین بنالیا گیا تو اگر ایسا کرنے والے غیر مسلم ہیں تو ان کی یہ زمینیں بھی خراجی ہوں گی۔ اور اگر مسلمانوں نے اس زمین کو قابل کاشت بنایا ہے تو ان زمینوں کے عشری یا خراجی ہونے کا مدار امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قرب و جوار کی زمینوں پر ہوگا۔ وہ عشری ہیں تو ان کو بھی عشری قرار دیا جائیگا۔ اور اگر قرب و جوار کی زمینیں خراجی ہیں تو ان کو بھی خراجی سمجھا جائے گا۔ اور اگر قرب و جوار میں دونوں قسم کی اراضی ہوں تو یہ نو آباد اراضی عشری ہوں گی۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک مدار اس پانی پر ہوگا کہ جس پانی سے ان زمینوں کو سیراب کیا جاتا ہے وہ پانی عشری ہے تو زمین عشری کہلائے گی اور وہ پانی خراجی ہے تو زمینیں بھی خراجی قرار دی جائیں گی۔ علامہ

شامیؒ نے قول ابو یوسفؒ کو معتمد قرار دیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ ملک کی اول فتح کے وقت اسلامی حکومت نے جو زمین کسی کافر کی ملکیت تسلیم کرلی وہ خراجی ہے اور جو کسی مسلمان کو دے دیا وہ عشری ہے۔ اسی طرح زمین کا عشری اور خراجی ہونے میں پانی کو بھی دخل ہے لہٰذا فقہاء کرام نے اس کی بھی تصریح کردی کہ بارش کا پانی اور کوؤں اور قدرتی چشموں کا پانی اسی طرح بڑے دریا اور ندیاں جو قدرتی طور سے جاری ہیں نہ ان کے جاری کرنے میں کسی کے عمل دخل ہے اور نہ وہ عادۃً کسی کی ملک ہوتی ہیں جیسے عراق میں دجلہ و فرات، مصر میں نیل، خراسان میں سیحون و جیحون اور ہندوستان میں گنگا جمنا اور پنجاب کے بڑے دریا یہ سب عشری پانی ہے۔ مگر بڑے دریاؤں کے پانی کے بارے میں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے ان کے نزدیک وہ بھی خراجی ہے۔ اور وہ نہریں جو حکومت یا کسی جماعت نے اپنی محنت اور خرچ کے ذریعہ نکالی ہیں وہ عادتاً نکالنے والوں کی ملک ہوتی ہیں۔ جیسے ان دریاؤں سے نکلنے والی نہریں نہر گنگ وجمن وغیرہ۔ وہ چوں کہ فتح اسلام سے پہلے غیر مسلموں کی ملک تھی اس لئے ان کا پانی خراجی پانی ہے۔ عام طور پر اراضی کا عشری یا خراجی ہونے کا مذکورہ بالا ضابطے ہیں جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احادیث و تعامل صحابہ اور آیات قرآنیہ سے فقہاء کرام نے استنباط کئے ہیں۔

ان کے علاوہ خصوصی طور پر بعض بعض مواقع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور اجماع صحابہ کی وجہ سے ان ضوابط کا خلاف پایا گیا لہٰذا ان صورتوں کو بھی استثنائی طور پر ہمیشہ کے لئے اپنی جگہ میں خود بخود جیسے وہ ایک اصول کی حیثیت سے قائم رکھا گیا جیسے مکہ مکرمہ قہراً فتح ہوا اس کی زمینیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجاہدین میں تقسیم نہیں کیا بلکہ سابق مالکان کو ان پر برقرار رکھا ضابطہ کے طور پر وہ ہمیشہ کے لئے خراجی مانا جاتا لیکن صاحب بدائع نے فرمایا کہ اس معاملہ میں قیاس کو چھوڑ دیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احتراماً حرم کی وجہ سے اس کی زمینوں پر خراج عائد نہیں فرمایا اس لئے مکہ مکرمہ کی زمینیں عشری ہیں۔ اسی طرح شہر بصرہ جو حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں بسایا گیا یہ غیر آباد زمین تھی مسلمانوں نے اس کو آباد کیا اور قابل زراعت بنایا مگر اس کا محل وقوع عراق کی خراجی زمینوں کے متصل ہے اس لئے امام ابو یوسفؒ کے قول پر ضابطہ مذکورہ کا مقتضی یہ تھا کہ اس کی زمینیں بھی خراجی قرار دی جاتیں مگر باجماع صحابہ کرام اس کی زمینوں پر عشر عائد کیا گیا اس لئے یہ ہمیشہ کے لئے عشری ہیں۔

پورے جزیرۃ العرب کی زمینوں کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشری قرار دیا ہے اور خلفاء

راشدین اور بعد کے ملوک اسلام نے بھی اسی طرح جاری رکھا ہے۔ علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے کہ جزیرۃ العرب میں پانچ خطے شامل ہیں، تہامہ، نجد، حجاز، عروض، یمن۔ اسی طرح عراق عرب کی کل زمینیں خراجی ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے جب اس ملک کو فتح کیا تو تمام صحابہ کرام کے سامنے اس کی زمینوں پر خراج کا حکم جاری فرمایا۔ اسی طرح اراضی مصر و شام میں بھی جن پر مالکان سابق کو بدستور قائم رکھا گیا ان پر خراج عائد فرمایا گیا اسی طرح بدائع میں ذکر کیا گیا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نصاریٰ بنی نجران سے ایک خاص طرح کے خراج پر صلح فرمائی وہ یہ ہے کہ دو ہزار جوڑے کپڑے کے سالانہ ادا کریں۔ نصف ماہ رجب میں اور نصف ماہ محرم میں اور یہی طریقہ بعد تک جاری رہا۔ نصاریٰ بنی تغلب سے حضرت عمر فاروقؓ نے اس پر مصالحت فرمائی کہ ان سے خراج کے بجائے دوگنا عشر وصول کیا جائے مگر شرعی حیثیت سے یہ دوگنا عشر بھی بحکم خراج تھا اور خراج ہی کے مصارف میں صرف ہوتا تھا۔

"واصل الخراج كل بلدة فتحت عنوة ولم يسلم اهلها ان قسمها الامام بين الغانمين فهي عشرية وان من عليهم فهي خراجية ان كان يصل اليها ماء الخراج وهو ماء الانهار التي حفرتها الاعاجم واما السيحون والجيحون والدجلة والفرات فانها خراجية عند ابي يوسفؒ. وكل بلدة فتحت صلحا وقبلوا الجزية فهي ارض خراج وكل بلدة فتحت عنوة واسلم اهلها قبل ان يحكم الامام فيهم بشيء كان الامام فيهم بالخيار ان شاء قسمها بين الغانمين وتكون عشرية وان شاء من عليهم وبعد المن الامام بالخيار ان شاء وضع العشر وان شاء وضع الخراج ان كانت تسقى بماء الخراج"[1]

فتح القدیر میں ہے:

"وحاصله تقسيم ارض الخراج الى ما يفتح عنوة والى ما لم يفتح عنوة لكنها تسقى بماء الانهار نعم يجب تقييد الاول بان يقر اهلها عليها

---

[1] خلاصۃ الفتاویٰ کتاب الزکوٰۃ ۲۳۶/۱

بدائع میں ہے :

"وجملة الكلام فيه ان الاراضی نوعان عشرية وخراجية اما العشرية فمنها ارض العرب كلها قال محمدؒ وارض العرب من العذيب الى مكة وعدن ابين الى اقصى حجر باليمين بمهرة وذكر الكرخی هی ارض الحجاز وتهامه واليمين والمكة والطائف والبريه وانما كانت هذه ارض عشر لان رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء الراشدين بعده لم يأخذوا من ارض العرب خراجًا فدل انها عشرية اذ الارض لا تخلو عن احدى المؤنتين ولان الخراج يشبه الفئ فلا يثبت في ارض العرب كما لم يثبت في رقابهم والله اعلم" [1]

محور چہارم : اراضی ہندوستان کی شرعی حیثیت کے بارے میں چند سوالات اور جواب۔

۱ــــ ۱۹۴۷ء کی آزادی اور قانون تنسیخ زمین داری کے بعد ہندوستان کی زمینوں کا کیا حکم ہے ؟ یہاں کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی ؟ اگر کچھ زمینیں عشری ہیں اور کچھ خراجی تو ان کی تفصیل کیا ہے ؟ کس بنیاد پر کس زمین کے عشری یا خراجی ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا ؟

جواب :- موجودہ ہندوستان کے کچھ اراضی خراجی اور کچھ عشری ہیں اور اس بارے میں فیصلہ کرنے کی بنیادی اصول وضوابط محور اول میں تفصیل کے ساتھ بیان کر دئے گئے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ملک کی اول فتح کے وقت اسلامی حکومت نے جو زمین کسی کافر کی ملکیت تسلیم کر لی وہ خراجی ہے اور جو کسی مسلمان کو دے دی وہ عشری ہے۔

اسی طرح جن اراضی پر حکومت ہند کا مالکانہ قبضہ حاصل ہو گیا اور اس کے بعد وہ اراضی مسلمان یا غیر مسلمان میں تقسیم کر کے دے دیا تو ان پر غیر مسلم کی استیلاکی وجہ سے خراجی قرار دیا جائے گا اور وہ اراضی جو زمانہ قدیم سے مسلمانوں کی ملکیت میں چلی آئی ہیں اور کسی زمانہ میں بھی ان اراضی پر کسی غیر مسلم کی ملکیت کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ہے وہ عشری ہوگی۔

---

[1] بدائع ۲/۵۷

اراضی ہند کے بارے میں مولانا مفتی شفیع صاحب نے جواہر الفقہ[1] کے صفحات میں جو تحقیقات ذکر فرمائے ہیں میرے خیال میں وہ بہت موافق صواب اور معتمد ہے۔

ان ہندوستان کی زمینوں کے عشری اور خراجی ہونے کے معاملہ میں ایک اشتباہ فقہاء کی بعض روایات سے پیدا ہوتا ہے وہ یہ کہ دار الحرب کی زمینیں نہ عشری ہوتی ہیں نہ خراجی۔ یہ مضمون علامہ ابن عابدین شامی نے درمختار باب الرکاز میں خمس معادن کے وجوب کی شرط ان معدن خراجیہ او عشریہ کے تحت بالفاظ ذیل لکھا ہے:

"ای بشرط ان یکون احترازاً عما یوجد فی دار الحرب فان ارضها لیست ارض خراج او عشر"[2]

اسی طرح شمس الائمہ سرخسی نے امام محمد کی کتاب سیر کبیر کی شرح میں ایک مسئلہ کی توضیح کرتے ہوئے فرمایا:

"لان العشر والخراج انما یجب فی ارض المسلمین وهذه الارض فی ارض اهل الحرب لیست بعشریة ولا خراجیة"[3]

حضرات فقہاء کی مذکورہ روایات سے بعض اہل علم کو یہ اشتباہ پیدا ہو گیا کہ جب انگریزی تسلط کے بعد ہندوستان دار الحرب قرار دے دیا گیا تو اس کی سب زمینیں خواہ وہ غیر مسلموں کے ملک میں ہوں یا مسلمانوں کی ملکیت میں نہ عشری رہیں نہ خراجی۔ پھر اس کے نتیجہ میں بعض علماء نے تو ہندوستان کے مسلم مالکان اراضی کو بالکلیہ عشر و خراج سے سبکدوش قرار دے دیا اور بعض اہل علم نے قرآن و سنت کی نصوص کے عموم و اطلاق سے یہ ثابت کیا کہ اصل وظیفہ مسلمان کی زمین کا عشر ہے۔ خواہ وہ کسی ملک اور کسی جگہ میں ہو اور کسی کافر کی ملکیت سے منتقل ہو کر مسلمان کے پاس آئی ہو یا اول ہی سے مسلمان کی ملک ہو کیونکہ آیت قرآنی وآتوا حقه یوم حصاده عام ہے۔ اسی طرح آیت کریمہ یا ایها الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض بھی تمام اراضی کے لئے عام ہے۔ اس عموم کا تقاضا یہ تھا کہ ان زمینوں پر خراج عائد ہو چکا ہے جب وہ مسلمان کی ملکیت میں آجائیں تو ان پر خراج کے ساتھ عشر بھی لازم ہو کر رہے گا

---

[1] جواہر الفقہ ۲/ ۲۰۲ - ۲۶۶

[2] شامی ج ۲ - باب الرکاز [3] شرح سیر ۳/ ۲۰

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا یجتمع علی مسلم خراج وعشر (رواہ ابن عدی فی الکامل از فتح القدیر)
اس حدیث کی وجہ سے خراجی زمین جب مسلمان کی ملک میں آجائے تو اس پر عشر لازم نہیں کیا جاتا۔
یہ سب مضمون مع حدیث مذکور کے محقق ابن ہمام نے فتح القدیر میں بیان فرمایا ہے ——— اس کا حاصل تو یہ ہے کہ خراجی زمین جو مسلمانوں کی ملکیت میں آجائے تو اس پر بھی قاعدہ سے عشر لازم ہونا چاہئے تھا، مگر چوں کہ اس پر ایک وظیفہ خراج کا پہلے سے عائد ہو چکا ہے اس لئے دوسرا وظیفہ عشر کا عائد نہیں کیا جا سکتا جس سے معلوم ہوا کہ اگر اس زمین پر خراج نہ ہوتا تو عشر ضرور لازم ہوتا۔

اب مذکور الصدر حکم دار الحرب کو دیکھا جائے کہ اس کی اراضی نہ عشری ہیں نہ خراجی اس قانون کی رو سے خراج کا حکم اراضی ہندوستان سے ساقط ہو گیا اس لئے اصل وظیفہ جو عشر تھا وہ عود کر آیا اور جتنی زمینیں مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں خواہ وہ پہلے عشری تھیں یا خراجی لیکن دار الحرب ہونے کے بعد ان میں سے جو بھی مسلمانوں کی ملکیت میں ہیں وہ سب عشری سمجھی جائیں گی اور سب پر عشر لازم ہوگا۔

یہ وہ تحقیق ہے جو بعض علماء اہل عصر نے لکھی ہے لیکن اول تو اس تحقیق میں یہ خامی ہے کہ فقہاء کی جن عبارات کی بناء پر اراضی دار الحرب سے خراج کے ارتفاع کو ثابت کیا گیا ہے انھیں عبارتوں میں عشر کی بھی نفی موجود ہے تو خراج کی نفی سے عشر کا اثبات ان روایات فقہاء سے کس طرح ثابت کیا جا سکتا ہے۔

اور اصل بات یہ ہے کہ خود یہ مسئلہ غور طلب ہے کہ اراضی دار الحرب کے عشری اور خراجی دونوں سے خارج ہونے کا مطلب کیا ہے۔ غور کرنے پر شرح سیر کی عبارت سے حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ دار الحرب سے اس جگہ وہ دار الحرب مراد ہے جو اصل سے دار الحرب ہے اس پر نہ کسی وقت مسلمانوں کی حکومت رہی نہ وہاں مسلمانوں کے باقاعدہ لینے اور زمینیں خریدنے کا کوئی تصور ہے ایسے دار الحرب کی زمینیں ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی ملک نہیں ہوں گی۔ بلکہ اہل حرب کفار کی ملکیت ہوں گی (یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ وجوب عشر کے لئے ملکیت زمین شرط نہیں اسی لئے اراضی وقف پر بھی عشر عائد ہوتا ہے اور مستاجر و مستعیر پر بھی۔ وجہ یہ ہے کہ ان سب اراضی پر تصرف مسلمانوں کا ہے بخلاف اراضی دار الحرب کے کہ وہاں مسلمانوں کا تصرف ہی نہیں) جو احکام شرعیہ فرعیہ کے مخاطب نہیں اس لئے ایسے دار الحرب کی زمینیں نہ عشری ہیں نہ خراجی۔ شرح سیر کی عبارت اس مضمون کے لئے بالکل واضح ہے اور اس کے الفاظ ذیل پر مکرر نظر کی جائے: لان العشر والخراج انما یجب فی الاراضی المسلمین وھذہ اراضی

اهل الحرب (یعنی کیونکہ عشر و خراج مسلمانوں کی زمینوں پر واجب ہوتا ہے اور یہ زمینیں اہل حرب کی ملکیت ہیں)

اس عبارت میں اراضی المسلمین سے مراد وہ اراضی ہیں جو اسلامی حکومت واقتدار میں داخل ہیں خواہ ملکیت کسی غیر مسلم کی ہو کیوں کہ یہ بات اپنی جگہ متیقن ہے کہ خراج ابتداءً کسی مسلمان کی ملکیت پر نہیں لگایا جاسکتا۔ اس لئے اس جگہ اراضی المسلمین سے اراضی حکومت مسلمہ مراد ہونا واضح ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم ایسے ہی خطہ ملک کے لئے ہو سکتا ہے جہاں ابتداء سے مسلمانوں کی کوئی ملکیت نہیں ہے۔ ہندوستان کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے وہ تقریباً آٹھ سو برس دار السلام رہا ہے یہاں لاکھوں مسلمان اپنی اپنی زمینوں کے آج تک مالک چلے آتے ہیں۔ غیر مسلم اقتدار کے وقت اگرچہ ملک کو دار الحرب کہا جائے گا لیکن یہ دار الحرب اصلی دار الحرب سے مختلف ہوگا جو دار السلام کے بعد پھر دار الحرب بن گیا ہے کہ اس میں املاک مسلمانوں کی موجود ہیں۔

اس لئے شرح سیر اور شامی باب الرکاز کی روایات اس پر منطبق نہیں بلکہ جب یہاں مسلمانوں کی ملکیت میں زمینیں ہیں تو ان پر احکام عشر و خراج کے عائد ہوں گے شرح سیر کی عبارت خود اس کیلئے کافی دلیل ہے۔ امداد الفتاوی میں حضرت سیدی حکیم الامۃ قدس سرہ کی تحقیق بھی اسی کے قریب قریب ہے (جس کا ایک جزو یہ ہے):

"پس ثابت ہو گیا کہ ان عبارتوں سے اس پر استدلال نہیں ہو سکتا پھر جس اراضی پر خراج کی تعریف صادق آتے اس پر خراج ہے اور جس پر عشر کی تعریف صادق آئے اس پر عشر ہے۔ البتہ درمختار باب الرکاز کی عبارت مشعر ہے عدم وجوب عشر و خراج کو مگر یہ موقوف ہے دار الحرب ہونے پر اور اس میں گنجائش کلام ہے"[1]

اس فتوی میں دار الحرب کے متعلق گنجائش کلام جو ذکر کی گئی ہے اس کی بنا یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ ملک اصل سے دار الحرب نہیں کچھ زمانے سے بن گیا ہے تو اس کے احکام اصل دار الحرب کے احکام سے کچھ مختلف ہوں گے۔

---

[1] ۱۷ رمضان ۱۳۴۹ھ تتمہ خامسہ ص ۳، امداد الفتاوی ج ۲ ص ۵۳-۵۴

خلاصہ یہ کہ جس ملک میں مسلمانوں کی اپنی ملکیت میں زمینیں موجود ہوں ان پر احکام شرعیہ ضرور عائد ہوں گے اگرچہ بدا عمالیوں کے نتیجہ میں وہ ملک اسلامی اقتدار سے نکل کر دار الحرب بن گیا ہو اس لئے صحیح صورت حال ہندوستان کے زمینوں کی وہی ہے جو امداد الفتاوی وغیرہ کے حوالے سے پہلے بیان ہو چکی ہے کہ جن زمینوں کے مالک مسلمان نسلاً بعد نسل چلے آتے ہیں اور کسی زمانہ میں ان پر کسی کافر کی ملکیت کا ثبوت نہیں وہ ابتداہی سے مسلمانوں کی جائز ملکیت قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی۔ اور جن زمینوں پر کسی زمانہ میں ان پر کافر کی ملکیت ثابت ہے اور پھر اس سے منتقل ہو کر مسلمان کے قبضہ میں آئی ہے وہ خراجی قرار پائے گی۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جواب۔۲۔ اور وہ اراضی جو فی الحال مسلمانوں کے قبضہ میں ہے لیکن اس کے پہلے کا حال معلوم نہیں جس کی وجہ سے عشری اور خراجی ہونا متعین نہ ہو سکے تو ان کے بارے میں ابتدائے مسلمانوں کی ملکیت قرار دے کر عشری سمجھی جائیں گی۔ بدلیل الاستصحاب۔

جواب۔۳۔ سرکار کو دی جانے والی مال گذاری خراج کے حکم میں داخل نہیں ہوں گی، کیوں کہ خراج کا مصرف شریعت میں متعین ہے۔ حکومت ہند اس کو علیحدہ کر کے اس مد میں خرچ نہیں کرتی ہے۔ امیر المسلمین اس مد کے آمدنی کو اس کے شرعی مصرف میں خرچ کرنے کا حقدار ہے۔ لیکن ہندوستان میں نہ اسلامی حکومت ہے نہ اسلامی فوج ہے جس کی خدمت کا معاوضہ خراج کے مد سے دیا جائے اور نہ خود وہ حکومت خراج کے اصول وضوابط پر اس کو وصول کرتی ہے بلکہ وہ حکومت ایک خالص ٹیکس ادا کرتے ہیں جس کے ادا کرنے سے خراج کی شرعی ذمہ داری پوری نہیں ہوتی۔ علامہ ہمایونی سندھی کے رسالہ سراج الهندفی خراج السندھ میں اس مسئلہ کو بڑی وضاحت سے لکھا ہے کہ کوئی غیر مسلم حاکم اگر مسلمان کی خراجی زمینوں کا خراج کہہ کر وصول کرے تو اس سے خراج ادا نہیں ہوگا بلکہ از خود مسلمانوں کو رقم خراج نکال کر ان کے ان مصارف پر خرچ کرنا واجب ہوگا جو اس ملک میں موجود ہیں۔ مثلاً علماء، طلباء، عام مصالح ملک واہل اسلام، سرحدوں کی حفاظت اور فوج کے اخراجات اور عمال حکومت۔ مفتیوں قاضیوں وغیرہ کا گذارہ بقدر کفایت، سڑکوں اور پلوں کی تعمیر ومرمت وغیرہ۔

"وما جباه الامام من الخراج ومن اموال بنی تغلب وما اهداه اهل الحرب الی الامام والجزیۃ یصرف فی مصالح المسلمین کسد الثغور وبناء القناطر والجسور ویعطی قضاۃ المسلمین وعمالهم وعلماؤهم منه ما یکفیهم ویدفع منه ارزاق المقاتلة وذراریهم ویعطی ایضا المعلمین والمتعلمین وبهذا تدخل طلبة العلم"[۱]

بدائع میں ہے:

"واما مصرف النوع الثالث من الخراج واخواته فعمارة الدین واصلاح مصالح المسلمین وهو رزق الولاة والقضاة واهل الفتوی من العلماء والمقاتلة ورصد الطرق وعمارة المساجد والرباطات والقناطر والجسور وسد الثغور واصلاح الانهار التی لا ملك لاحد فیها"[۲]

علامہ ہمایونی سندھی نے "سراج الہند فی سراج السنۃ" میں تحریر فرمایا ہے:

"پس بداں کہ ہر گاہ کہ خراج لازم آید او را لازم است کہ در مصارف خراج کہ در کتب فقہ متعین ہست صرف نماید تا عند اللہ از عہدۂ آں بیروں آید و در قیامت ماخوذ نگردد و اما حکام نصاری می گیرند پس در ادائے خراج محسوب نمی گردد"[۳]

"لان الکافرین لیس لهم ولایة اخذ الخراج من المسلمین وایضا لیسوا بمصارف الخراج حتی اذا ادی المسلمون الیهم ما لابتیة الخراج لا یخرجون عن عهدته لانهم لیسوا بمقاتلین لاهل الحرب ولا رادین اعداء الاسلام عنهم وعن دیارهم۔ انتهی۔

جواب ۴۔ شرعی حیثیت سے زمین کے واجبات دو قسم پر ہیں عشر اور خراج۔ عشر مسلمانوں پر عائد ہوتا ہے اور خراج غیر مسلموں پر اور قاعدہ یہ ہے کہ جو وظیفہ عشر یا خراج کا کسی زمین پر ابتداءً عائد ہو گیا

---

[۱] ہدایۃ مع فتح القدیر ۴/۳۰۳ [۲] بدائع ۲/۶۹

[۳] جواہر الفقہ ۲/۲۶۸

پھر وہ وظیفہ مالک بدلنے سے متبدل نہ ہوگا۔ لیکن عشری زمین کسی غیر مسلم کی ملک میں منتقل ہو جائے
تو فریضہ عشر کے وہ اہل نہ ہونے کی وجہ سے اس پر عشر واجب نہ ہوگا بلکہ خراج ہی واجب ہوگا۔
اور اگر کسی غیر مسلم کی خراجی زمین کو کوئی مسلمان خرید لے تو اس مسلمان پر خراج ہی واجب ہوگا
حکومت اسلامیہ کی طرف سے عائد ہونے کی حیثیت سے ٹیکس ہونے میں دونوں برابر ہیں لیکن
عشر فقط ٹیکس نہیں بلکہ اس میں اس سے زیادہ اصلی حیثیت عبادت مالی کی ہے، مثل زکوٰۃ کے۔ اسی لئے
اس کو زکوٰۃ الارض بھی کہا جاتا ہے لہذا اس کی ادائیگی عبادت ہے۔ اور خراج خالص ٹیکس ہے جس میں عبادت
کی کوئی حیثیت نہیں۔

لیکن جب اصول و ضوابط بالا کی بنا پر کوئی مسلمان خراجی زمین کا مالک بن جائے گا تو وہ شریعت
کے مکلف ہونے کی حیثیت سے حقوق ارضی کی بنا پر عشر کی ادائیگی کی طرح ادا کرنا واجب ہو جائے گا
اور اسی بنا پر وہ عبادت بن جاتے گا۔ گرچہ اصل وضع کے اعتبار سے وہ خالص ٹیکس ہے کیونکہ اب جب
ذمیوں کا وظیفہ تھا اب وہ مسلمانوں کا وظیفہ بن گیا جو کہ عبادت کا اہل اور پابند ہے۔ اب وہ اتو حقت اور
مہما امرجت الکمہ من الاخرجت ہیں وہ عمل ہو کر اپنا فریضہ ادا کر کے رضائے مولیٰ حاصل کرے گا۔

خراج کا باقاعدہ نظام حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں قائم ہوا چنانچہ سب سے پہلے عراق کی فتح
کے بعد انھوں نے تمام اکابر مہاجرین کو مشورہ کے لئے جمع کیا اور ان لوگوں میں حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ
حضرت عثمانؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے
مخالف گروہ کی تائید کی بالآخر حضرت عمرؓ نے ایک عام اجلاس کیا جس میں تمام انصار سے دس۔ اوس
سے پانچ اور خزرج سے پانچ بزرگ شریک ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر ایک نہایت پرزور تقریر کی
اور سب نے ان کی رائے سے اتفاق کر لیا۔ اس طریقے سے محکمہ خراج کی مشروعیت وجود میں آئی اس کے
بعد انھوں نے اراضی کی پیمائش کا کام انجام دیا اور آخر کار اراضی کو مالگزار دے کر باقی تمام زمینیں مالکان
قدیم کے قبضے میں دے دی گئیں اور ان پر حسب ذیل مال گذاری مقرر کی گئی۔

یہ جو ماسب لکھ رہا ہے وہ سلسلہ دارالمصنفین حوالہ اسوۂ صحابہ کی کتاب حصہ دوم صفحہ ... کے
مطابق ہے:

گیہوں فی جریب (ایک بیگہ پختہ) ______ درہم سالانہ

جو فی جریب یعنی پون بیگہ پختہ	————	ایک درہم سالانہ
لیشکر	،، ————	چھ درہم سالانہ
روئی	،، ————	پانچ درہم سالانہ
انگور	،، ————	دس درہم سالانہ
نخلستان	،، ————	،،
تل	،، ————	آٹھ درہم سالانہ
ترکاری	،، ————	تین درہم سالانہ

ہدایہ مع شرح فتح القدیر میں ہدایہ کی عبارت میں جو مقدار بیان فرمایا گیا اس کا مضمون یہ ہے :

"عام زمینوں پر فی جریب ایک درہم نقد اور ایک صاع یعنی ساڑھے تین سیر گندم یا جو یا جو چیز اس میں بوئی جائے اور ترکاری ایک جریب پر پانچ درہم اور انگور یا کھجور کا باغ جو متصل درختوں پر مشتمل ہو تو فی جریب دس درہم" لے

شرح میں فرمایا :

"واعلم ان الروایة عن عمرؓ اختلف کثیراً فی تقدیر الوظیفة۔ الخ"

مذکورہ بالا عبارات سے خراج کی مشروعیت کا طرز و طریقہ معلوم ہو گیا نیز خاص متعین کوئی شرح موجود نہیں۔ لیکن اصول و ضوابط ضرور ملتے ہیں۔ فی الحال ہم اسی کی طرف مراعات کر کے اس کی شرح متعین کریں گے۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے اس زمانہ کی عام پیداوار کا جائزہ لے کر مذکورۃ الصدر چیزوں کا خراج متعین فرمایا۔ اس کے سوا دوسرے پھلوں کے باغات اور دوسرے مختلف قابل کاشت چیزیں جن کا خراج حضرت فاروقؓ نے متعین نہیں فرمایا ان کے متعلق فقہاء رحمہم اللہ نے فرمایا کہ زمین کی پیداوار کی برداشت کے مطابق خراج لگایا جائے جو خمس پیداوار کی مقدار سے کم نہ ہو اور نصف سے زائد نہ ہو۔ اگر اندازہ لگانے کے بعد تجربہ سے ثابت ہو کہ پیداوار اتنی نہیں تو اس کے مناسب کمی کر دی جائے۔

لے ہدایہ مع شرح فتح القدیر ج ۳۰۱ - ۳۰۱

(یہ تحقیق ہدایہ کتاب السیر کی ہے۔)

بدائع میں ہے:

"ان مبنى الخراج على الطاقة الا ترى ان حذيفة بن اليمان وعثمان ابن حنيف رضى الله عنهما لما مسحا سواد العراق بامر عمر رضى الله عنه وضعا على كل جريب يصلح للزراعة قفيزا ودرهما وعلى كل جريب يصلح للرطبة خمسة دراهم وعلى كل جريب يصلح للكرم عشرة دراهم فقال لهما عمر رضى الله عنه لعلكما حملتما ما لا تطيق فقالا بل حملناها ما تطيق ولو زدنا لاطاقت - فدل الحديث على ان مبنى الخراج على الطاقة فيقدر بها فيما وراء الاشياء الثلاثة المذكورة في الخبر۔

واختلف فيما اذا كانت تطيق اكثر من الموضوع انه هل تزاد ام لا قال ابو يوسف رحمه الله لا تزاد وقال محمد رحمه الله تزاد ووجه قول محمد رحمه الله ان مبنى الخراج على الطاقة على ما بينا فتجوز الزيادة على القدر الموظف اذا كانت تطيقه ولابي يوسف ان معنى الطاقة انما يعتبر فيما وراء المنصوص والمجمع عليه والقدر الموظف من الخراج الموظف منصوص ومجمع عليه على ما بينا فلا تجوز الزيادة عليه بالقياس۔

واما الخراج المقاسمة فهو ان يفتح الامام بلدة فيمن على اهلها ويجعل على اراضيهم خراج مقاسمة وهو ان يؤخذ منهم نصف الخارج او ثلثه او ربعه وانه جائز لما روى ان رسول الله صلى الله عليه وسلم هكذا فعل لما فتح خيبر ويكون حكم هذا الخراج حكم العشر ويكون ذلك في الخارج كالعشر لانه يغير موضع الخراج لانه خراج في الحقيقة والله اعلم"

جواب نمبر ۶ کے ضمن میں جو ذکر کیا گیا اس سے سمجھا جاتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں پر واجب

— بدائع [illegible]

ہے کہ جہاں نظام شرعی قائم ہے وہاں اپنی خراجی زمینوں کا خراج بطور خود یا امیر کی معین کردہ عمال کے ذریعہ نکال کر بیت المال میں جمع کردے اور بیت المال سے امیر شریعت مدارس اسلامیہ اور علماء طلباء وغیرہ جو مصرف شریعت نے متعین کر دیا ہے اس میں صرف کریں یا تو خود بخود مصارف خراج میں صرف کردے

جواب ۔۵۔ قانون زکوٰۃ میں شریعت اسلام نے ہر قسم کی زکوٰۃ میں اس بات کو بنیادی اصول کے طور پر استعمال کیا ہے کہ پیداوار میں محنت اور خرچ کم ہے اس میں زکوٰۃ کی مقدار زیادہ اور جتنی محنت اور خرچ کسی پیداوار پر بڑھتا جاتا ہے اتنی ہی زکوٰۃ کی مقدار کم ہوتی جاتی ہے۔ لہذا جدید طریق زراعت میں ہونے والے غیر معمولی اخراجات کی وجہ سے عشر نصف عشر ہو جائے گا۔ اور اصل پیداوار سے عشر یا نصف عشر نکالنے کے بعد ان اخراجات کو باقی سے لیا جائے گا۔

بدائع میں ہے:

"ولا يحتسب لصاحب الارض ما انفق على الغلة من سقي او عمارة او اجر الحافظ او اجر العمال او نفقة البقر لقوله عليه السلام ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب او دالية ففيه نصف العشر- اوجب العشر ونصف العشر مطلقا من غير احتساب هذه المؤن- ولان الشرع اوجب الحق على التفاوت لتفاوت المؤن ولو رفعت المؤن لارتفع التفاوت"[1]

جواب ۔۶۔ زمین بٹائی پر دے کر اگر کھیتی کرائی جائے تو دیکھا جائے گا بذر عامل کی جانب سے ہے یا رب الارض کی جانب سے اگر بذر عامل کے جانب سے ہو تو صاحبینؒ کے نزدیک عشر علیہما دونوں پر واجب ہوگا۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک صرف رب الارض پر قبل التقسیم اپنے عین حصے سے تمیع عشر واجب ہوگا۔ بعد التقسیم وہ اپنا حصے سے ادا کرے وہ نصف عشر بطور زمین بٹائی دار کو دے گا۔ اور اگر بذر رب الارض کی جانب سے ہو تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک عشر صرف رب الارض پر واجب ہوگا۔

وجوب عشر کے لئے اہلیت شرط ہے اور ذمی مسلم عشر ادا کرنے کا اہل نہیں ہے لہذا اس پر عشر

---

[1] بدائع الصنائع ج ۲/۶۲

واجب نہ ہوگا۔

بدائع میں ہے:

"ولو دفعها مزارعة فاما على مذهبهما فالمزارعة جائزة والعشر يجب في الخارج والخارج بينهما فيجب العشر عليهما واما على مذهب ابي حنيفة فالمزارعة فاسدة ولو كان يجيزها لكان يجب على مذهبه جميع العشر على رب الارض الا ان في حصته جميع العشر يجب في عينه وفي حصة المزارع يكون في ذمته" [۱]

فتح القدیر میں ہے:

"ولو زارع بالعشرية ان كان البذر من قبل العامل فعلى قياس قول ابي حنيفة العشر على صاحب الارض كما في الاجارة وعندهما يكون في الزرع كالاجارة وان كان البذر من رب الارض فهو على رب الارض في قولهم" [۲]

بدائع میں ہے:

"اما شرط الاهلية فنوعان احدهما الاسلام وانه شرط ابتداء هذا الحق فلا يبتدأ بهذا الحق الا على مسلم بلا خلاف لان فيه معنى العبادة والكافر ليس من اهل وجوبها ابتداء فلا يبتدأ به عليه" [۳]

مجوزہ ترمیم۔ ۱۔ عشر کا ضابطہ شرعی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بلا شرط نصاب و بلا شرط بقا پیداوار ہے۔ پیداوار کم ہو یا زیادہ ہر حال میں اس کا عشر پیداوار کے حساب سے ادا کرنا واجب ہے زکوٰۃ کی طرح کوئی خاص نصاب نہیں جس سے کم ہونے پر عشر ساقط ہو جائے گا۔ وجہ اس کی قرآن و حدیث کے الفاظ کا عموم ہے۔ "مما اخرجنا لكم من الارض" اور دوسری آیت "وآتوا حقه يوم حصاده"۔ مقدار واجب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ ثابت ہے وہ یہ ہے کہ:

"ما سقته السماء ففيه العشر وما سقي بغرب او دالية ففيه نصف العشر"

---

[۱] بدائع ۲/۵۶ [۲] فتح القدیر ۲/۶

[۳] بدائع ۲/۵۳

اس سے معلوم ہوا کہ جس زمین کی آب پاشی پر کچھ محنت یا خرچ کرنا پڑتا ہے جیسے چاہی زمینوں میں یا نہری زمینوں میں جن کے پانی کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے تو ان میں پیداوار کا بیسواں حصہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔ صاحبین کے نزدیک بشرط بقا پیداوار پر عشر واجب ہے، اور اس کا نصاب پانچ وسق ہے، اس مقدار سے کم میں عشر واجب نہیں ہے۔ انھوں نے نصاب کو ثابت کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو پیش کیا (لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة) امام صاحب کی طرف سے اس کا جواب دیا جاتا ہے کہ اولاً یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد سے کتاب اللہ پر زیادت جائز نہیں۔ ثانیاً یہ حدیث اموال تجارت کی نصاب زکوٰۃ کے بیان میں ہے۔ انھوں نے شرط بقا کو ثابت کرنے کے لئے دوسری حدیث پیش کی۔ (لیس فی الخضراوات صدقة) اس کا جواب امام صاحب کی طرف سے دیا جاتا ہے کہ اولاً اس مضمون کی حدیث حضرت معاذؓ سے ترمذیؒ نے نقل کر کے فرمایا کہ اس کی اسناد صحیح نہیں ہے اور اس باب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح کچھ ثابت نہیں ہے۔ ثانیاً اگر اس کو صحیح مان بھی لیا جائے تو وہ محمول ہے اس صدقہ پر جو عاشر اخذ کرتا ہے یعنی خضراوات لے کر جب کوئی زارع عاشر کے پاس سے گذرتا ہے تو اس وقت عاشر چاہتا ہے کہ عین اس خضراوات سے فقرائ کے لئے عشر اخذ کرے جب کہ مالک اس پر عائد کردہ عشر کی قیمت دینے سے انکار کرے تو اس صورت میں عاشر کو عشر نہ لینے کا حکم ہے۔ کیوں کہ عاشر غالباً شہر سے دور ہوتا ہے لہٰذا شہر میں فقرائ کے پاس اس خضراوات کو پہنچانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ بسا اوقات یہ سبزیات فقرائ کے پاس پہنچنے سے پہلے خراب ہو جاتا ہے اس قسم کی عین خضراوات کو اخذ کی وجہ سے فقرائ کے بجائے نفع کے بدلے نقصان ہو جاتا ہے بنا بریں اس کا عشر مالک خود بخود فقرائ کو دے دے عاشر عشر میں عین خضراوات کو وصول نہ کرے۔

فتح القدیر میں ہے:

"باب زكوة الزروع والثمار قال ابو حنيفة في قليل ما اخرجته الارض وكثيره سواء سقي سيحا او سقته السماء الا الحطب والقصب والحشيش وقالا لا يجب العشر الا فيما له ثمرة باقية اذا بلغ خمسة اوسق والوسق ستون صاعا بصاع رسول الله صلى الله عليه وسلم وليس في الخضراوات عندهما عشر فالخلاف في موضعين في اشتراط النصاب وفي اشتراط البقاء لهما في الاول قوله عليه الصلاة والسلام ليس فيما دون خمسة اوسق

صدقة ولأنه صدقة فيشترط فيه النصاب ليتحقق الغنى ولأبي حنيفة[1] قوله عليه السلام ما أخرجت الأرض ففيه العشر من غير فصل وتأويل ما روياه زكاة التجارة لأنهم كانوا يتبايعون بالأوساق وقيمة الوسق أربعون درهما ولا معتبر بالمالك فيه فكيف بصفته وهو الغنى ولهذا لا يشترط الحول لأنه للاستنماء وهو كله نماء ولهما في الثاني قوله عليه الصلاة والسلام ليس في الخضراوات صدقة والزكاة غير منفية فتعين العشر (قوله ولهما في الثاني قوله عليه الصلاة والسلام) روى نفي العشر في الخضراوات بألفاظ متعددة سوقها يطول فالترمذي عن حديث معاذ وقال إسناده ليس بصحيح وليس يصح في هذا الباب عن النبي صلى الله عليه وسلم شيء ورواه الحاكم هذا المعنى أيضا وصححه وغلط بأن إسحاق بن يحيى تركه أحمد والنسائي وغيرهما الا (وفي العناية) (وما روياه) وهو ليس في الخضراوات صدقة (محمول على صدقة يأخذها العاشر) يعني إذا مر بالخضراوات على العاشر وأراد العاشر أن يأخذ من عينها لأجل الفقراء عند إباء المالك عن دفع القيمة لا يأخذ (وبه) أي بهذا المروي (أخذ أبو حنيفة) في حق هذا الحكم الذي حملناه عليه وإنما قلنا لأجل الفقراء لأنه لو أخذ من عينها ليصرفه إلى عمالة جاز وإنما قلنا عند إباء المالك عن دفع القيمة لأنه إذا أعطاه القيمة لا كلام في جواز أخذه وهذا لأن الأخذ ثبت نظرا للفقراء ولا نظر هنا لأن العاشر في الأغلب يكون نائيا عن البلد ولا يجد فقيرا ثمة يصرفه إليه فيحتاج إلى أن يبعث بها إلى البلد وربما تفسد قبل الوصول إلى الفقراء فيؤدي إلى الضرر فلا يأخذ بل يؤديه المالك بنفسه إلى أهله

بدائع میں ہے:

" واحق ما تتناوله هذه الآية الخضراوات لانها هي المخرجة من الارض

---

[1] فتح القدير ۲/۲۰۳

حقیقۃ واما الحبوب فانها غیر مخرجۃ من الارض حقیقۃ بل من المخرج من الارض

...... فکان الحمل علی النبات عملا بحقیقۃ الاضافۃ اولیٰ من الحمل علی

الحبوب ...... واما الحدیث فغریب فلا یجوز تخصیص الکتاب والخبر المشہور

بمثلہ او یحمل علی الزکاۃ او یحمل قولہ لیس فی الخضروات صدقۃ علی انہ

لیس فیہا صدقۃ تؤخذ بل اربابہا ھم الذین یؤدونہا بانفسہم فکان ھذا

نفی ولایۃ الاخذ للامام وبہ نقول واللہ اعلم[1]

۲ ـــــ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زمین سے جو بھی پیداوار ہو جیسے گیہوں، جو، چنا، باجرہ، دھان وغیرہ ہر قسم کے اناج، گنا، روئی، ہر قسم کی ترکاریاں پھول، پھل، میوے سب میں عشر واجب ہے تھوڑا پیداوار ہو یا زیادہ۔ البتہ ان چیزوں میں عشر واجب نہیں ہے جن کا زمین سے پیدا کرنا مقصود نہ ہو۔ جیسے لکڑی اور پتے، سوکھی اور تر گھاس، کھجور کے پتے، گوند، قطران جو ایک درخت کا عصارہ ہوتا ہے۔ خطمی، اشنان، کپاس اور بینگن کا درخت، تربوز اور ککڑی کی بیج اور دوائیاں۔ گنا میں عشر نہیں ہے لیکن اس کے رس میں عشر ہے اور امام محمدؒ سے ایک روایت آئی ہے کہ سوکھی گھاس میں عشر ہے البتہ بینگن اور کپاس کے درخت میں عشر نہیں ہے مگر خود بینگن اور کپاس میں عشر ہے دواؤں میں عشر نہیں ہے۔

اسی طرح پانی میں کاشت کی جانے والی چیزوں کی بھی یہی حکم ہے کہ زمین سے جن کا پیدا کرنا مقصود نہ ہو ان پر عشر واجب نہ ہوگا۔ چوں کہ مکھانہ، سنگھارہ کا تعلق مٹی سے ہے جو مٹی ہی میں ہوتا ہے اور پھل پانی پر لہٰذا ان کا بھی ایک ہی حکم ہوگا۔

فتاوی ہندیہ میں ہے:

فلا عشر فی الحطب والحشیش والقصب والطرفاء والسعف لان الارض

لا تستنمی بہذہ الاشیاء بل تنقی عنہا حتی لو استنمی بقوائم الخلاف

والحشیش والقصب وغصون النخل او فیہا دلب او صنوبر ونحوہا

وکان یقطعہ ویبیعہ یجب فیہ العشر کذا فی محیط السرخسی ویجب

ـــــــــــــــــــ

[1] فتاوی ہندیہ ۱/۱۸۶

العشر عند ابی حنیفة رح فی کل ما یخرجه الارض من الحنطة والشعیر والدخن والارز واصناف الحبوب والبقول والریاحین والاوراد والرطاب وقصب السکر والذریرة والبطیخ والقثاء والخیار والباذنجان والعصفر واشباه ذلک مما له ثمرة باقیة او غیر باقیة قل او کثر هکذا فی فتاوی قاضی خان۔ سواء یسقی بماء السماء او سیحا یقع فی الوسق او لا یقع هکذا فی شرح الطحاوی۔ ویجب فی الکتان وبذره لان کل واحد منهما مقصود کذا فی شرح المجمع۔ ویجب فی الجوز واللوز والکمون والکزبرة هکذا فی المضمرات۔ ویجب العشر فی العسل اذا کان فی ارض العشر وکذا المن اذا سقط علی الشوک الاخضر فی ارضه کذا فی خزانة المفتین۔ وما یجمع من ثمار الاشجار التی لیست بمملوکة کاشجار الجبال یجب فیها العشر کذا فی الظهیریة ولا عشر فیما هو تابع للارض کالنخل والاشجار وکل ما یخرج من الشجر کالصمغ والقطران لانه لا یقصد به الاستغلال کذا فی البحر الرائق۔ ولا یجب فی البذور التی لا تصلح الا للزراعة او للتداوی کبذر البطیخ والشاهترج والشونیز کذا فی المضمرات۔ ولا یجب فی القنب والصنوبر وشجر القطن والباذنجان والکندر والموز والتین هکذا فی خزانة المفتین۔[1]

۴ ـــــ کھلی کی کاشت زمین کی پیداوار نہیں، کیوں کہ یہ مما اخرجنا لکم من الارض میں داخل نہیں۔ علاوہ ازیں شرائط وجوب عشر چار ہیں: (پہلی شرط مسلمان ہونا۔ دوسری زمین کا عشری ہونا تیسری زمین سے پیداوار کا حاصل ہونا۔ چوتھی پیداوار کوئی ایسی چیز ہو جس کو اگانے اور پیدا کرنے کا رواج ہو اور عادتاً اس کی کاشت کرکے نفع اٹھایا جاتا ہو۔) ان چاروں میں سے تیسری شرط مفقود ہے۔ لہٰذا اس کو زکوٰۃ اموال میں شمار کرکے اسی کا حکم جاری کرنا ہوگا۔ نیز کھلی پانی

---

[1] فتاوی ہندیہ ١٨٦/١

کا پیداوار ہے اس میں عشر نہیں ہے مگر اس کو آمدنی کے ذریعہ بنانے کی صورت میں اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ خلاصۃ الفتاویٰ میں سیپی کو مستخرجات البحر میں شامل کیا:

"ولا شيء فيما يستخرج من البحر كالعنبر واللؤلؤ والسمك"[۱]

۴ــــ ریشم کے کیڑوں کے بارے میں جہاں تک تعلق ہے ان میں عشر واجب نہیں۔

"بخلاف دود القز لانه يتناول الاوراق ولا عشر فيها"[۲]

لیکن آمدنی کے غرض سے باقاعدہ کاشت کی جائے تو اس پر عشر واجب ہو جائے گا جس طرح تخم شعیر میں تخم مقصود نہیں اس لئے تخم پر عشر نہیں ثمر مقصود ہے لہٰذا ثمر پر عشر واجب ہو جائے گا

۵ــــ عشری زمین میں جلانے کے کام میں لانے کے لئے یا تو عمارت، فرنیچر وغیرہ میں استعمال کے لئے اگر درخت لگایا جائے تو اس صورت میں مقصود ہونے کی وجہ سے اس پر عشر واجب ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر بید کے درخت، گھاس، سرکنڈے اور کھجور کے پتے کی پیداوار بالارادہ اور کسی مقصود کی خاطر کسی قطعہ زمین میں کی گئی ہو یا چنار یا صنوبر کے درخت لگائے گئے ہوں انھیں کاٹ کر فروخت کرنا اور ان سے نفع اٹھانا مقصود ہو تو ایسی چیزوں میں بھی عشر واجب ہوگا۔

فتح القدیر میں ہے:

"حتى لو استغلها مقصبة او مشجرة [او منبتا للحشيش يجب فيها العشر"[۳]

اسی طرح شامی:

"وفي المعراج قصب الفسل يجب العشر في قصبه دون خشبه منبته لا ليد"[۴]

اسی طرح فتاویٰ ہندیہ جواہر ورق میں ملاحظہ ہو العنب والنخیل سے لے کر اوراق ...

---

۱ خلاصۃ الفتاویٰ ۱/۲۳۶ ۲ ھدایۃ ۱/۲۰۲

۳ فتح القدیر ۲/۲-۳، فتاوی ھندیہ ۱/۲۰۰ ۴ شامی ۲/۲۳

ونحوها وكان يقطعه ويبيعه يجب فيه العشر كذا في محيط السرخسی تک ذکر کیا گیا اسی سے بھی یہ حکم صاف طور پر صادر ہوتا ہے۔

۴۔۔۔ سبزیاں کی کاشت کر کے باقاعدہ تجارت کرنا مقصود ہو تو اس کاشت میں عشر واجب ہو جائے گا۔ اس کی دلیل نص کی عمومیت ہے۔ مکان کے گردوپیش میں یا اپنی چھتوں پر جو سبزیاں اگا لیتے ہیں اس میں عشر واجب نہ ہوگی۔

فتاویٰ ہندیہ میں ہے:

"ولو كان في دار رجل شجرة مثمرة لا عشر فيها كذا في شرح المجمع لابن الملك" [1]

بدائع میں ہے:

"والحول ليس بشرط لوجوب العشر حتى لو اخرجت الارض في السنة مرارا يجب العشر في كل مرة لان نصوص العشر مطلقة عن شرط الحول ولان العشر في الخارج حقيقة فيتكرر الواجب بتكرار الخارج" [2]

بحرالرائق میں ہے:

"والفرق بين الارض والدار على احدى الروايتين وهي رواية الجامع الصغير ان الدار ملكت خالية عن المؤن دون الارض ولهذا وجب العشر او الخراج في الارض دون الدار فكذا هذه المؤنة حتى قالوا لو كان في الدار نخلة تطرح كل سنة اكرارا من الثمار لا يجب فيه شيء لما قلنا بخلاف الارض۔ وفي شرحه (قوله وان جعل مسلم داره بستانا فمؤنته تدور مع مائه) ۔۔۔۔۔۔ ولو لم يجعلها بستانا وفيها نخل تغل اكرارا لا شيء فيها" [3]

---

[1] فتاویٰ ھندیہ ۱۹۱ [2] بدائع ۲/۹۲

[3] البحر الرائق ۲/۲۵۳

ثانياً : أرض غير مملوكة لا تتعلق بها مصالح البلدة ولا قابلية لها للزراعة بالفعل حالياً (أو أرض الموات).

حكمها : تثبت الملكية لمن استحياها سواء كان مسلماً أم كافراً ولكن بشرط إذن السلطان عند الإمام الأعظم وبدونه أيضاً عند صاحبيه.

قال صلى الله عليه وسلم : من أحيا أرضاً ميتة فهي له . و (نظر كتاب الأموال لأبي عبيد) وفي البدائع : فالملك في الموات يثبت بالإحياء بإذن الإمام عند أبي حنيفة و عند أبي يوسف ومحمد يثبت بنفس الإحياء وإذن الإمام ليس بشرط . (١)

ثالثاً : أرض غير مملوكة ليست مختلطة في مرافق البلدة ولكنها قابلة للزراعة والمنفعة حالياً فهي أرض بيت المال وتدخل في هذا القسم أربعة من أنواع الأراضي المباحة وهي

(الف) : أرض غير مملوكة من الأصل إلى أن فتحت البلدة .

(ب) : أرض كانت مملوكة ثم مات أربابها بلا وارث فهي أرض سلطانية .

(ج) : خمس أرباضها دفعه الإمام إلى بيت المال من أموال الغنيمة .

(د) : أرض أخذها السلطان لبيت المال بعد فتح البلدة عنوة .

أما الأراضي المملوكة :

فهي على ثلاثة أنواع ، نوعان في حالة الفتح البلد صلحاً ونوع واحد في حالة فتح البلدة عنوة ونبين أنواعها الثلاثة كالتالي :

أولاً : أرض مملوكة فتحت صلحاً بأن أسلم عليها أهلها فهم مالكون لرقابها ولا خيار للسلطان أن يأخذ من أهلها أبداً وهي كقوله صلى الله عليه وسلم : عصموا مني دماءهم وأموالهم هذه الأرض عشرية بلا ريب .

في كتاب الأموال : وجدنا الآثار عن رسول الله صلى الله عليه وسلم والخلفاء بعده قد جاءت في افتتاح الأرضين بثلاثة أحكام : أرض أسلم عليها أهلها فهي لهم ملك أيمانهم وهي أرض عشر لا شيء عليهم غيره .

(١) بدائع [illegible]

ثانياً: أرض مملوكة فتحت البلدة صلحاً مشروطاً بأن أقر الإمام تركها في أيديهم بالخراج
لتعيين المعلوم والأرض هذه خراجية بلا ريب.

في الشامية: إذا فتح الإمام بلدة صلحاً جرى على موجبه وكذا من بعده من الأمراء
وأرضها تبقى مملوكة لهم. (١)

ثالثاً: أرض مملوكة من يد الكفار وفتحت البلدة عنوة ففي مثل هذه الأراضي خيارات ثلاثة للسلطان
الف: جعلها كالغنيمة يقسمها السلطان ويجعل خمسها لبيت المال وأربعة أخماسها بين
المجاهدين فأرض المجاهدين في هذه الحالة عشرية بلا ريب.

في الأموال: أرض أخذت عنوة فهي التي اختلف فيها المسلمون وقال بعضهم سبيلها
سبيل الغنيمة فتخمس وأربعة أخماسها خططاً بين الذين افتتحوها.

ب: وللإمام أن يتركها في أيدي المفتوحين خراجية أيضاً.

في أحكام القرآن للجصاص: اختلف أهل العلم في أحكام الأرضين المفتتحة عنوة
فقال أصحابنا والثوري إذا افتتحها الإمام عنوة فهو بالخيار إن شاء قسمها ...... وإن شاء
أقر أهلها عليها وجعل عليها وعليهم الخراج ويكون ملكاً لهم. (٢)

ج: وللإمام أن يأخذها كلها لبيت المال بدون القسمة فهي أراضي بيت المال. فمن هذه الأقسام
الست للأراضي الواقعة في البلدة المفتتحة نجد خمسة أنواع للعشرية وخمسة أنواع
للخراجية كما يلي:

أنواع الأراضي العشرية:

أولاً: أراض أسلم عليها أهلها عند فتح البلدة صلحاً.

ثانياً: أرض قسمها السلطان بين المجاهدين فجعلهم مالكاً لها بعد فتح البلدة عنوة.

ثالثاً: أرض الموات أحياها المسلمون بإذن الإمام عند أبي حنيفة وبدون إذنه أيضاً عند صاحبيه ولكنها
وقعت متصلة بحدود أراضي العشرية فحسب.

---

(١) باب العشر والخراج (٢) أحكام القرآن للجصاص ج ٣

رابعاً : أرض الموات أحياها المسلمون بإذن الإمام أو بدونه ولكنها وقعت متصلة بالأراضي العشرية والخراجية معاً.

خامساً : أرض الموات أحياها الحكومة الإسلامية أو الحكومة الغير الإسلامية ثم دفعتها ابتداء إلى مسلمين فهي عشرية مطلقاً ؛ لأنها في ملكية المسلمين ابتداءً.

أنواع الأراضي الخراجية

أولاً : أرض تركها السلطان في أيدي أهلها بخراج معلوم بعد أن فتحت عنوة أو صلحاً مشروطاً.

ثانياً : أرض تركها السلطان في أيدي أهلها بخراج معلوم وجزية معلومة بعد فتح البلدة عنوة.

ثالثاً : أرض موات استحياها غير مسلم بإذن الإمام أو بدونه.

رابعاً : أرض الموات استحيتها الحكومة الإسلامية أو الكافرة ثم دفعتها إلى غير المسلمين ملكية ابتدائية.

خامساً : أرض الموات استحياها المسلم بإذن الإمام ولكنها متصلة مع الأراضي الخراجية المحضة، فهي عشرة أنواع للأراضي العشرية والخراجية بالإجمال.

كيفية فتوح البلدان مع الأحكام المتعلقة بالأراضي

قبل أن ندرس أنواع الأراضي الهندية لابد لنا أن نشير إلى كيفية فتوح بعض منها. علماً بأن كل بلدة تفتح بأحد طرق ثلاثة.

أولاً : فتحت البلدة صلحاً بأن أسلم أهلها عند الفتح.

ثانياً : فتحت البلدة صلحاً بأن تكون بين المعاهدين والفاتحين شروط الصلح.

ثالثاً : فتحت البلدة عنوة وللإمام في أراضي هذه البلدة المفتوحة ثلاث خيارات :

(أ) أن يوزع الأراضي بين الفاتحين والخمس لبيت المال.

(ب) أو يأخذ كلها أو بعضها لبيت المال.

(ج) أن يترك الأراضي في أيدي أهلها ويعين عليهم الخراج المعلوم والجزية المعلومة.

وقد بحثت في الكتب التاريخية لسلطنة الغزنوية والغورية والخلجية فعرفت

أن الطريقة الثالثة المذكورة تحققت في فتح بلاد الهند إلا أن الطريقة الأولى يعني إسلام أهلها عند الفتح فهذه نادرة قليلة وقد ذكر المؤرخ ابن الأثير نماذج لها في ديار الهند .

أما الطريقة الثانية والثالثة فتوجد كثيرة في فتح البلدة ولكن الخيارات الثلاثة كلها في الطريقة الثالثة لم توجد في فتح بلدة لأن التاريخ يشهد أن الأراضي الهندية لم يوزعها الإمام بين الفاتحين كذلك لم توجد في التاريخ أن الأراضي كلها أخذتها الحكومة الإسلامية أو السلطان لبيت المال ما عدا تلك الأموال التي كانت مملوكة للملاكين الهندوسيين فأخذتها السلطان وأدخلتها في بيت المال بل الصورة التي توجد في القارة الهندية كثيرة جدا هي تركت الأراضي في أيدي أهلها ملكا وأخذ الخراج والجزية منهم فحسب .

أما النظام الإقطاعي في الأراضي الهندية

والأراضي التي أقطعها السلطان للجيش والعلماء وغيرهم لا يتعلق هذا النظام بملكية ولم تؤثر في ثبوت ملكية أهلها لأن المقطعين لهم حق لأخذ الخراج الذي هو حق للحكومة وأما الأراضي بعد تعريفها لهؤلاء المقطعين كما بعد تعريفه في بيت المال ولا علاقة للإقطاعيين بالملكية في هذه الأراضي .

إلا أن في الظروف النادرة أعطت الحكومة للإقطاعيين ملكية الأراضي ومثالها هذه الأراضي هي أراضي بيت المال التي أخذتها الحكومة من الأموال السلطانية المغتصبين والله أعلم .

فإذا اتفق العلماء على :

أن الأراضي الهندية في أحكامها مثل أحكام الشام والعراق والمصر حيث لم توزع أرضها بين الفاتحين كالغنيمة بل صارت الأراضي كالتالي :

١ ـــ أخذت الحكومة بعض أرضها لبيت المال .

٢ ـــ أخذت بعضها لبيت المال ثم دفعتها بعض المستحقين ملكية .

٣ ـــ ومعظم أراضيها تركتها في أيدي أهلها بخراج معلوم .

أقسام الأراضي الهندية وأحكامها

إن الأراضي الهندية باعتبار المملوكية وغيرها منقسمة إلى أقسام ثمانية.

الأول: أرض أسلم عليها أهلها عند بداية الفتح طوعاً أو تركها السلطان في أيدي أهلها حسب شروط الصلح وفتحت البلدة صلحاً. فهذه الأرض مملوكة لأهلها بلا ريب.

الثاني: أرض تركت على أيدي أهلها بعد فتح البلدة عنوة ولكن ثبتت بالتصريحات التاريخية بأن السلطان أقرهم على ملكيتها، فهي مملوكة لأهلها أيضاً.

الثالث: أرض غير مملوكة من الأصل أو كانت مملوكة ثم مات أصحابها بلا وارث ثم أخذتها الحكومة وأعطتها المستحقين ملكاً أو كانت الأرض مملوكة لكفار ثم أخذتها الحكومة الإسلامية بسبب ما ثم منحتها إلى المستحقين فهي مملوكة للمستحقين أيضاً.

الرابع: أرض أموات أحياها مسلم أو غير مسلم بإذن الإمام والسلطان أو بدون إذنه حسب الأقوال. فهذه مملوكة لمن أحياها.

الخامس: أراض يملكها من الكفار بعد فتح البلدة ولكن لم توجد عندهم أية سند ووثيقة من السلطان بأنه أقرهم على ملكيتهم، فهذه هي مملوكة عند جماهير العلماء وإن اختلف فيه بعض العلماء، كالشيخ جلال تهانيسري رحمه الله فقال أنه غير مملوك.

فهذه هي الأنواع الخمسة كلها مملوكة لصاحبها.

السادس: أراض مختصة في مصالح الناس ومرافق البلدة كالمقبرة والشوارع فهي غير مملوكة لأحد محفوظة كالموقوفة.

السابع: أراض تتعلق بالمنفعة العامة وتنبت منها الأشجار الغير مربية للمجتمع كالمحتطب والملح فهذه غير مملوكة لأحد وتكون محفوظة كالموقوفة.

الثامن: أرض لم تكن مملوكة لأحد أخذتها الحكومة لبيت المال فهي حق لبيت المال غير مملوكة لأحد.

التاسع: أراض مملوكة للسلاطين المفتوحين تحت الدولة الإسلامية عنوة وأخذتها

لبيت المال فهي كذلك وليس لأحد حق التملك .

العاشر : أراضي أخذتها الحكومة بعد سيطرتها على الكفار بفتح الهند عنوة وأدخلتها كلها في بيت المال فهي أيضاً غير مملوكة لأحد .

فهذه الأنواع الخمسة للأراضي كلها غير مملوكة لأحد إلا أن الثلاثة الأخيرة للإمام والسلطان الخيار أن يدفعها إلى مستحقيها ملكية فتثبت الملكية لهم .

الحادي عشر : أراضي مملوكة كانت في يد الإقطاعيين ثم بعد فترة طويلة غلبوا عليها أو رفعت أنها مملوكة للإقطاعيين والحكومة الإنجليزية أقرت بملكيتها للإقطاعيين فضلاً عن أهلها . فتكون هذه ملكية للإقطاعيين ومن اشتراها منهم أو حصلوا عليها إرثاً فهم مالكون لها ، لأنها تعتبر استيلاء من الكفار ثم تسليمها إلى الإقطاعيين ملكية .

الثاني عشر : أراضي سيطرت عليها الحكومة البريطانية وضبطتها لنفسها ثم دفعتها لمسلم أو غير المسلم أو بيعت في يد المسلم أو غيره فهذه مملوكة لمن يشتريها أو يأخذها .

بيان الأراضي الهندية العشرية والخراجية

فمن هذه الأنواع الاثني عشر من الأراضي الهندية نحسب الأنواع العشرية كما يلي :

أما العشرية :

أولاً ـــ كل أرض أسلم أهلها عند بداية الفتح ـ فهذه عشرية بلا ريب .

ثانياً ـــ كل أرض قسمها السلطان للغانمين فهي عشرية بلا ريب إلا أن هذا القسم من الأراضي غير موجودة في ديار الهند كما نقلنا من قبل وإن وجدت فرضاً فهي عشرية .

ثالثاً ـــ كل أرض كانت غير مملوكة ثم مات أربابها بلا وارث ثم أخذتها الحكومة الإسلامية ودفعتها للمسلمين ابتداءً فهي أراضي عشرية .

رابعاً: كل أرض أخذتها الحكومة الاسلامية من الفاتحين ثم دفعتها المسلمين ملكاً ابتدائياً فهي أيضاً عشرية. إلا أنها نادرة لم توجد في القارة الهندية كما ذكرنا.

خامساً: كل أرض كانت موتاتاً أحيتها الحكومة البريطانية أو الحكومة الاسلامية ثم دفعتها المسلمين ملكية ابتدائية فهي أيضاً عشرية.

سادساً: كل أرض كانت مواتاً ثم أحياها المسلمون بإذن الإمام فإن اتصلت هذه الأرض بالأراضي العشرية المحضة أو واقعة بين الأرض العشرية والأراضي الخراجية معاً فهي إذاً عشرية عند الإمام أبي يوسف وعليه الفتوى.

سابعاً: كل أرض تركها الهندوس في أرض باكستان وبنغلاديش ثم دفعتها الحكومة الباكستانية أو البنغلاديشية المسلمين ملكاً فهي أيضاً عشرية.

أما الأراضي الخراجية في القارة الهندية

أولاً: كل أرض تركها السلطان في أيدي المحاربين حسب شروط الصلح عند فتح البلدة صلحاً فهذه الأراضي في أيدي أهلها خراجية.

ثانياً: كل أرض تركها السلطان في يد أهلها بعد فتح البلدة عنوة فهي أرض خراجية أيضاً.

ثالثاً: كل أرض كانت غير متروكة أو كانت متروكة ثم مات أصحابها بلا وارث ثم أخذتها الحكومة الاسلامية ودفعتها الكفار ملكية ابتدائية فهي أرض خراجية.

رابعاً: كل أرض غير متروكة أو متروكة مات أصحابها بلا وارث ثم أخذتها الحكومة البريطانية ودفعتها الكفار ثم اشتراها منهم المسلمون فهي أرض خراجية.

خامساً: كل أرض ميتة أحياها الكافر بإذن الإمام فهي أراضي خراجية.

سادساً: كل أرض ميتة أحياها مسلم بإذن الإمام ولكنها متصلة بالأراضي الخراجية المحضة فهي خراجية أيضاً.

سابعاً: كل أرض يملكها الكافر بعد فتح البلدة وليس لديهم أية وثيقة حكومية

تدل على أنها أقرت على ملكيتها فهذه الأراضي خراجية أيضًا .

ثامنًا: كل أرض تركها المسلمون في ديار الهند ثم أخذتها الحكومة الهندية ودفعتها المسلمين ملكية فهي خراجية أيضًا ، لاستيلاء الكفار عليها .

تاسعًا: كل أرض كانت لبيت المال ثم دفعتها الحكومة الاسلامية المستحقين من المسلمين إبتداء فهي أيضًا خراجية .

وههنا نذكر بعض أنواع الأراضي التي ليست عشرية ولا خراجية كالآتي :

الأول: كل أرض مشغولة بمصالح العباد ومرافق البلدة كالشوارع والمقبرة فهي غير مملوكة فليست عشرية ولا خراجية .

الثاني: كل أرض تنبت فيها المعادن كالبترول والملح وغيرها فليست عشرية ولا خراجية .

الثالث: كل أموال أدخلتها الحكومة في بيت المال مثل أراضي غير مملوكة أو أراضي السلاطين المفترضين بعد فتح البلدة عنوة أو أراضي الكفار أخذتها الحكومة الاسلامية بوجه ما وأدخلتها في بيت المال فهي كلها حق لبيت المال لا عشرية ولا خراجية .

وفي الأخير: نضيف في البحث شيئًا هامًا وهو إننا لا نعرف حتميًا أن الأراضي الموجودة في أيدي المسلمين اليوم في الهند من أي نوع من الأنواع السابقة وهل هي كانت للمسلمين بدائيًا أو متروكة للكفار ؟ لذا نحتاج إلى ضابطة هامة إلى تعيين الحكم ، والفتوى بأنها في هذه الحالة عشرية ؟ فيها خراجية .

فنقول : الضوابط ههنا كالتالي :

الضابطة الأولى :

كل أرض في أيدي مسلمي الهند اليوم إذا علم ذلك علمًا جازمًا بأنها كانت مملوكة للمسلمين إرثًا أو شراء ، وعلم جزمًا فهي أرض عشرية بلا ريب لأنها من الغالب أن الحكومة الاسلامية تركتها في أيدي المسلمين منذ الفتح ، كان أو صلحًا أو أن أهلها أسلموا عند بداية الفتح .

الضابطة الثانية

كل أرض مملوكة في أيدي مسلمي الهند اليوم إن لم يعلم ملك جازم من التاريخ بأنها جاءت في ملكية المسلمين منتقلة من ملكية الكفار بل تكون جهتها مجهولة فهذه الأرض عشرية كذلك باستصحاب الحال.

الضابطة الثالثة

كل أرض مملوكة في أيدي المسلمين الهند اليوم إن علم علما جازما أنها جاءت في ملكية المسلمين منتقلة من ملكية الكفار أو بعد استيلاء الكفار فهي أراضي خراجية بلا ريب.

الضابطة الرابعة

كل أرض ميتة استحياها الحكومة الكافرة أو الإسلامية ثم أعطتها المسلمين ابتداء فهي أرض عشرية وإن جعلت الحكومة البريطانية أو الهندية عمل أراضي المسلمين بسبب ما تم أعطتها المسلمين ملكية ابتدائية فهي أرض خراجية لإستيلاء الكفار وبعدها بالإيجار.

ورحمكم الله وإيانا للوصول إلى الحق — اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه. آمين.

تجاویز

اسلامک فقہ اکیڈمی کے پہلے فقہی سمینار میں پیش کردہ مقالات و مباحث کے بعد جو تجاویز طے ہوئیں وہ درج ذیل ہیں ———————

تجاویز بابت اراضی ہند

شریعت اسلامی نے جس طرح دوسرے اموال میں زکوٰۃ واجب قرار دی ہے، زمین کی پیداوار سے بھی فقراء کا حق متعلق کیا ہے، جس کو عشر و خراج کہا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں کتاب و سنت کی ہدایات اور قرون خیر کے تعامل کو پیش نظر رکھتے ہوئے فقہاء نے زمین کی درج ذیل قسموں کو عشری قرار دیا ہے:

۱ —— وہ زمینیں جن کے مالکوں نے اسلامی فتوحات سے پہلے ہی اپنی خوشی سے اسلام قبول کر لیا ہو۔

۲ —— کسی علاقہ کو مسلمانوں نے فتح کیا، اور مفتوحہ زمین مسلمانوں میں تقسیم کردی ہو۔

۳ —— جو زمینیں مسلم حکومتوں کی طرف سے مسلمانوں کو جاگیر عطا کی گئی ہوں۔

۴ —— جزیرۃ العرب کی تمام زمینیں جن کی نشاندہی حدیث نبوی نے کی ہے۔

۵ —— مسلمانوں کی بالکل افتادہ زمینیں جن کو قابل کاشت بنایا گیا ہو اور ان کے قرب و جوار کی زمینیں عشری ہیں

۶ــــ مسلمان ملک کی افتادہ زمینیں جن کو کسی مسلمان نے قابل کاشت بنایا ہو اور ان کے قرب و جوار کی زمینیں بھی عشری ہوں گی۔

اور درج ذیل صورتوں کو خراجی قرار دیا گیا ہے:

۱ــــ مسلمانوں کی مفتوحہ زمینیں جو غیر مسلم باشندوں ہی کے قبضہ میں چھوڑ دی گئی ہوں۔

۲ــــ وہ زمینیں جہاں کے غیر مسلم باشندوں نے مسلمانوں سے صلح کر لی اور زمین انھیں کے پاس رہنے دی گئی ہو۔

۳ــــ مسلمانوں کی زمینیں جو غیر مسلموں کی ملکیت میں چلی جائیں اور پھر ان کو مسلمان حاصل کریں۔

۴ــــ جو زمینیں مسلمان حکومت کی طرف سے جاگیر کے طور پر غیر مسلموں کو دی گئی ہوں۔

البتہ اصولی طور پر شریعت نے مسلمانوں کی زمین میں عشر اور غیر مسلموں کی زمین میں خراج واجب قرار دیا ہے، عشر میں بنیادی تصور عبادت کا ہے اور یہ زکوٰۃ ہی کی ایک قسم ہے، اس لیے مسلمانوں کے حق میں اصل عشر ہے اور چوں کہ عشر کو ساقط کرنا ایک عبادت کو ساقط کرنا ہے، اس لیے جہاں عشر کے ساقط ہونے کی صراحت اور اس پر کوئی قوی نص موجود نہ ہو وہاں احتیاط کا تقاضا ہے کہ مسلمانوں کے حق میں عشر ہی کے حکم کو باقی رکھا جائے ــــ عشر کے سلسلہ میں ان بنیادی اور متفقہ اصولوں اور ہندوستان کے موجودہ سیاسی نظام کو سامنے رکھ کر ہندوستان کی اراضی کی شرعی حیثیت کے متعلق سیمینار اس نتیجہ پر پہونچا ہے کہ:

۱ــــ ہندوستان میں مسلمانوں کی زرعی زمینوں کے متعلق یہ خیال کہ ان میں نہ عشر واجب ہے نہ خراج، درست نہیں ہے۔

۲ــــ ہندوستان کی زمینیں مندرجہ ذیل صورتوں میں بالاتفاق عشری ہیں:

(الف) مسلمان حکومت کی طرف سے مسلمانوں کو عطا کردہ زمینیں جو اب تک مسلمانوں کے پاس چلی آرہی ہیں۔

(ب) جس علاقہ کے لوگ مسلم حکومت کے قیام سے پہلے بخوشی مسلمان ہوگئے ہوں اور ان کی زمینیں ابھی تک مسلمانوں ہی کے پاس چلی آرہی ہیں۔

(ج) جو زمینیں عرصہ دراز سے مسلمانوں کے پاس ہیں اور تاریخی طور پر ان کا خراجی ہونا ثابت نہیں ہے۔

(د) جو مردہ و افتادہ زمینیں حکومت ہند کی طرف سے مسلمانوں کو حاصل ہوں، اس صورت کو

بعض حضرات خراجی قرار دیتے ہیں۔

۷ــــ جو زمینیں غیر مسلم حکومت یا افراد سے کسی مسلمان کو حاصل ہوئی ہوں، ان کے بارے میں شرکاء سیمینار کی رائیں مختلف ہیں، بعض حضرات کے نزدیک ہندوستان میں مسلمانوں کی تمام ہی زمینیں عشری ہیں اور بعض حضرات کے نزدیک اس صورت میں خراج واجب ہے ــــ تاہم اس پر اتفاق ہے کہ احتیاط تمام ہی زمینوں میں عشر ادا کرنے میں ہے۔

(۲)

تجاویز بسلسلہ مکھانا، مچھلی و ریشم

۱ــــ پانی میں کاشت کی جانے والی چیزیں مثلاً مکھانا، سنگھاڑا وغیرہ زمینی پیداوار ہیں کیونکہ ان سے استغلال ارض ہوتا ہے اس لیے ان پر عشر واجب ہوگا۔

۲ــــ تالابوں میں بغرض تجارت مچھلیوں کی پرورش کی جاتی ہے یہ زمینی پیداوار میں سے نہیں، بلکہ اموالِ تجارت میں سے ہے اس لیے ان پر عشر کے احکام جاری نہ ہوں گے بلکہ مالِ تجارت کی زکوٰۃ کا حکم ہوگا۔

۳ــــ اگر عشری زمین میں شہتوت کی کاشت ریشم پیدا کرنے کے لیے کی جاتی ہے اور شہتوت کے پتوں کو ریشم کے کیڑوں کی غذا کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ چونکہ اراضی کو شہتوت کے پتوں کے ذریعہ ذریعۂ آمدنی بنایا جاتا ہے، اس اراضی پر شہتوت کے پتوں پر عشر واجب ہوگا۔ بعض شرکاء سیمینار کی رائے میں پتوں پر عشر واجب نہیں، البتہ اس سے حاصل شدہ ریشم پر زکوٰۃ اموال کی شرائط کے ساتھ واجب ہوگی۔

(۳)

تجویز بابت عشر زمینی پیداوار از درخت و خضراوات

۱ــــ زکوٰۃ کی طرح عشر بھی ایک فریضہ ہے جس کا تعلق زمینی پیداوار سے ہے۔ قرآن کریم میں اہل ایمان کو پاکیزہ کمائی سے زکوٰۃ اور زمینی پیداوار سے عشر کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔

" یاایھا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض "

عشر زمین کی ہر پیداوار پر واجب ہے یا کچھ چیزیں وجوب عشر سے مستثنیٰ ہیں، اس سلسلے میں قرآن وحدیث کے عمومی دلائل شرکاء سیمینار کے مقالات وآراء پر غور وفکر کے بعد مجلس اس نتیجہ پر پہونچی کہ

۱ ـــــ بشمول گھاس و درخت وغیرہ ہر ایسی زمینی پیداوار پر عشر واجب ہے جس کی پیداوار سے مقصود زمین کی نما ہوتی ہے، اور جسے آمدنی کی غرض سے زمین سے پیدا کیا جاتا ہے لہٰذا تمام غذائی اجناس، میوہ جات، پھلوں اور پھولوں پر عشر واجب ہے، البتہ خود رو درخت اور گھاس جن سے حصول آمدنی مقصود نہ ہو، اس پر عشر واجب نہیں ۔

۲ ـــــ وہ درخت جن سے پھل مقصود نہیں ہوتا ہے بلکہ جلانے یا فرنیچر اور عمارت وغیرہ میں استعمال ہوتے ہیں، جیسے صنوبر، ساکھو، شیشم، ساگوان وغیرہ ـــــ اگر کسی عشری زمین کو ایسے درختوں کے لیے خاص کر لیا گیا ہو اور ان کی کاشت سے آمدنی مقصود ہو، ایسے درختوں کے تیار ہونے میں چاہے جتنی مدت درکار ہو کاٹے جانے کے وقت ان سے یا ان کی آمدنی سے عشر کی ادائیگی واجب ہوگی ۔

۳ ـــــ وہ سبزیاں جو عشری زمین میں بوئی جائیں اور جن سے مقصود آمدنی ہو ان میں عشر واجب ہے، البتہ اپنے مکان کے گرد و پیش کی افتادہ اراضی یا اپنی چھتوں پر اگائی جانے والی سبزیاں وجوب عشر سے مستثنیٰ ہیں ۔

(۳)

مکان کے اندر کی اراضی یا اس کی چھتوں یا مکان کے گرد و پیش کی افتادہ اراضی میں ہونے والی سبزیاں، پھلوں وغیرہ اسی طرح اوقاف کی اراضی خصوصاً وقف علی الاولاد کی اراضی میں عشر واجب ہے یا نہیں ؟

اس سلسلہ میں طے کیا گیا کہ

۱ ـــــ چونکہ وجوب عشر کے لیے زمین کا عشری ہونا شرط ہے اور مکان کی زمین نہ عشری ہے اور نہ خراجی، اس لیے مکان کے اندر کی اراضی یا اس کی چھتوں یا مکان کے گرد و پیش کی افتادہ

اراضی کی سبزیوں اور پھلوں وغیرہ میں عشر واجب نہیں ہوگا۔

۲ ——— چونکہ وجوب عشر کے لیے زمین کا مالک ہونا ضروری نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ غیر مملوکہ اراضی میں بھی عشر واجب ہے۔ نیز عشر پیداوار میں واجب ہے نہ کہ زمین میں۔ اس لیے اراضی وقف میں بھی عشر واجب ہوگا۔ خواہ اوقاف عامہ کی اراضی ہوں یا وقف علی الاولاد کی۔ فقط

(۵)

مزارعت میں عشر کی تفصیل

جن عشری زمینوں کی کاشت بطور بٹائی کے کرائی جاتی ہے ان کی پیداوار پر عشر کے واجب ہونے کے سلسلہ میں طے کیا گیا کہ

۱ ——— اگر زمین کا مالک اور بٹائی دار دونوں مسلمان ہوں تو دونوں پر اپنے اپنے حصہ کے بقدر عشر واجب ہوگا۔

۲ ——— اگر مالک زمین مسلمان اور بٹائی دار غیر مسلم ہوں تو مسلمان مالک پر اس کے حصہ کے بقدر واجب ہوگا۔

(۶)

تجویز بابت نصاب

— فقہی سمینار کے سامنے یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ آج کل کاشت کے جدید طریقوں میں زراعت کے اخراجات قدیم طرز کی کھیتی کے مقابلے میں کہیں زائد ہوتے ہیں، لہٰذا ان بڑھے ہوئے اخراجات کو واجب عشر کی ادائیگی سے پہلے اصل پیداوار سے منہا کیا جائے تاکہ کاشت کاروں کو سہولت حاصل ہو۔ سمینار نے اس مسئلہ پر غور کیا اور اس کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد سمینار اس نتیجہ پر پہنچا کہ عشر اور نصف عشر شریعت کی طرف سے منصوص مقادیر ہیں اور شریعت نے کاشت کو سیراب کرنے کی بنیاد پر اخراجات کی کمی وزیادتی کا احساس تسلیم کرتے

ہوئے مقدار واجب میں فرق کیا ہے۔ اور کسی قسم کے اخراجات کی رعایت کرتے ہوئے مقدار واجب میں تبدیلی کا اعتبار نہیں کیا ہے اور جو مقدار واجب شریعت نے طے کر دی ہے اس میں عقل و قیاس کا دخل نہیں اور نہ کسی کو مقدار واجب میں تبدیلی کا حق ہے۔

دوسری طرف یہ بھی واقعہ ہے کہ کاشت کے جدید طریقوں پر جہاں اخراجات زائد ہوتے ہیں پیداوار کی مقداروں میں بھی معتد بہ اضافہ ہوتا ہے۔

لہٰذا سمینار یہ طے کرتا ہے کہ کاشت کے جدید طریقوں پر کھاد یا دوا وغیرہ مصارف پر ہونے والے زائد اخراجات اصل پیداوار سے منہا نہیں کیے جائیں گے۔

(۲) حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور بعض دیگر فقہاء کی رائے میں آیات اور بعض احادیث کے عموم کو پیش نظر رکھ کر وجوب عشر کے لیے پیداوار کی مقدار کا کوئی نصاب نہیں، جو بھی شئ جو زمین سے پیدا ہو جائے وہ قلیل مقدار میں ہو یا کثیر میں، عشر کا نکالنا واجب ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ اور دیگر جمہور ائمہ کے نزدیک حدیث "لیس فیما دون خمسة اوسق صدقة" کی رو سے پانچ وسق سے کم اگر پیداوار ہو تو ایسے لوگوں پر عشر واجب نہیں ہے۔ سمینار کی رائے میں چھوٹے کاشتکار یا قدرتی آفت کی وجہ سے بہت کم مقدار میں پیداوار حاصل ہونے کی صورت میں مطلقاً وجوب عشر کے قول کے نتیجے میں دشواریوں میں مبتلا ہوتے ہیں، اس لیے ایسے حالات میں جب کسی کاشتکار کی کل پیداوار پانچ وسق یعنی چھ کوئنٹل ۵۳ کلو سے کم ہو جاتی ہو تو صاحبین و دیگر جمہور ائمہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے اگر کوئی ضرورت مند شخص اس پر عشر نہ نکالے بلکہ پوری پیداوار کو اپنے ذاتی استعمال میں لائے تو ایسا کرنا جائز ہوگا۔ بعض شرکاء کی رائے یہ ہے کہ اگر نصاب سے کم پیداوار ہو اور دوسرے ذرائع کفالت موجود نہ ہوں تو خود استعمال کرنے کی گنجائش ہوگی۔

(۵)

ادائیگی خراج کا طریقہ اور خراج سے سرکاری ٹیکسوں کی منہائی

۱۔ بعض شرکاء سمینار کی رائے ہے کہ مسلمانوں پر خراج واجب نہیں ہوتا۔ لیکن جو شرکاء سمینار ہندوستان کی خراجی زمینوں میں خراج لازم قرار دیتے ہیں اور خراج کو حق شرعی قرار دے کر واجب الاداء کہتے ہیں ان کا عام رجحان یہ ہے کہ زمین کا سرکاری لگان ادا کرنے سے خراج شرعی ادا

نہیں ہوگا بلکہ مسلمان مالک زمین پر لازم ہے خراج خود نکال کر مصارف خراج میں صرف کرے۔

اور بعض شرکاء سیمینار کی رائے ہے کہ خراج شرعی سے سرکاری لگان منہا کرنے کے بعد خراج کی باقی مقدار مصارف خراج میں صرف کرنا ضروری ہے۔

(۲) ہندوستان کی خراجی زمینوں پر خراج مقاسمہ لازم ہے یا خراج موظف۔ اس سلسلہ میں بعض شرکاء سیمینار نے ادائے گی اور حساب کی سہولت کے پیش نظر تمام خراجی زمینوں میں خراج مقاسمہ لازم قرار دیا ہے۔

لیکن وجوب خراج کا رجحان رکھنے والے اکثر حضرات کے نزدیک جن زمینوں کے بارے میں تاریخی طور پر ثابت ہے کہ فتح اسلامی کے بعد ان پر خراج مقاسمہ لازم قرار دیا گیا تھا (مثلاً گجرات و راجپوتانہ) ان میں خراج مقاسمہ لازم ہوگا اور اس کی مقدار وہی ہوگی جو اسلامی فتوحات کے وقت متعین کی گئی تھی، اور باقی تمام خراجی زمینوں میں خراج موظف کی ادائے گی لازم ہوگی۔

(۳) وجوب خراج کا رجحان رکھنے والے اکثر شرکاء سیمینار نے تطبیق عمری کی بنیاد بنا کر غلہ اور کپاس جیسی عام پیداوار کی خراجی زمینوں میں فی جریب ایک درہم نقرئی یعنی ساڑھے تین ۳ ۱/۲ ماشہ چاندی یا اس کی قیمت) اور پیداوار سے ایک صاع (یعنی تین کیلو تین سو پچیس گرام) لازم قرار دیا ہے اور سبزیوں کی زمین میں فی جریب پانچ درہم یا اس کی قیمت اور انگور یا کھجور کے متصل درختوں والے باغ فی جریب دس درہم چاندی یا اس کی قیمت لازم قرار دی ہے۔

(۸)

المجمع الفقہی الاسلامی کے چھٹے سیمینار میں بینکنگ اور شیئرز سے متعلق بھی کچھ مسائل زیر بحث آئے اور بحث کے نتیجے میں درج ذیل اتفاقی نقطے سامنے آئے۔

(۱) اسلامی مالیاتی ادارہ کو ریزرو بینک کے حکم کی وجہ سے جبراً اپنے سرمایہ کا پانچ فی صد حصہ سرکاری تمسکات میں محفوظ کرنا پڑتا ہے۔ اس پر حکومت سود بھی دیتی ہے۔ تو سیمینار کے نزدیک یہ صورت درست ہے کہ اس محفوظ سرمایہ پر ملنے والے سود کو بتدریج محفوظ سرمایہ بنا دیا جائے اور اصل سرمایہ دھیرے دھیرے نکال لیا جائے

(۲) ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار خالص حلال ہے اسلامی الیاتی ادارہ یا کوئی بھی مسلمان اس کے شیئرز خرید سکتا ہے۔

(۳) ایسی کمپنیاں جن کا کاروبار خالص حرام ہے، اس کے شیئرز کی خریداری ہرگز جائز نہیں ہے۔

(۴) بینکنگ و شیئرز کے دوسرے بہت سے مسائل جو کہ سیمینار میں پیش کیے گئے، ان کے متعلق یہ سیمینار المجمع الفقہی کو یہ ہدایت کرتا ہے کہ وہ ان مسائل کی پوری طرح تحقیق و تنقیح کے لیے ماہرین علما کا ایک خصوصی اجلاس منعقد کرے تاکہ وہ غور کے بعد کسی آخری رائے تک پہونچ سکیں۔

ادارۃ القرآن کراچی کی چند جدید و مفید عربی مطبوعات

فقہ المشکلات (عربی)	جامع احادیث الاحکام (متن اعلاء السنن ۲ جلد)
الفقہ الحنفی وادلتہ ۳ جلد	اعلاء السنن ۱۸ جلد مع فہارس
شرح الزیادات للامام محمد ۶ ج	الاشباہ والنظائر ابن ملقن ۲ جلد
جمع الفوائد من جامع الاصول ۴ ج	الاشباہ والنظائر ابن نجیم ۳ جلد
مجموعہ رسائل لکھنوی، ۶ جلد	شرح طیبی ۱۲ جلد
انوار المحمود شرح سنن ابی داؤد ۲ ج	مصنف عبد الرزاق ۱۲ جلد
اعلام الاعلام بمفہوم الدین والاسلام	الفتاویٰ تاتارخانیہ ۵ جلد
کتاب الرد علی سیر الاوزاعی	ہدایہ حاشیہ عبد الحیٔ لکھنوی ۴ جلد
شرح مقامات الحریری للشریشی	مجموعہ رسائل کشمیری ۴ جلد
شرح شرح المنار فی اصول الفقہ	الکوکب الدری ۴ جلد
فتح الغفار بمعجم رد المحتار	احکام القرآن تھانوی ۵ جلد
مجموعۃ الخطب اللکنویۃ	جدید فقہی مباحث ۱ تا ۱۷ (اردو)
معجم لغۃ الفقہاء	JESUS .... (پیغمبر اسلام حضرت عیسیٰ) The Authority of Sunnah (حجیت حدیث) ISLAM AN INTRODUCTION (تعارف اسلام)
مکانۃ الامام ابوحنیفۃ بین المحدثین	The Life and Message (خطبات مدراس) SHAMAA-IL TIRMIDHI (شمائل ترمذی) BIBLE QURAN & SCIENCE (بائبل قرآن اور سائنس)
المدخل الی دراسۃ علم الکلام	"Life Example of P.U.H" (اسوۂ رسول اکرم ﷺ) "The Islamic way in the Death" (احکام میت)

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ

ادارۃ القرآن کراچی کی چند اہم اور مفید مطبوعات

کیا آپ موت کیلئے تیار ہیں	اللہ کا خطاب (اہل ایمان سے)
بنیادی فقہی احکام	اشرف المکتوبات
اجتماعی ختم قرآن کی شرعی حیثیت	احکام وآداب طہارت، وضو، نماز
جدید تجارتی شکلیں	حج عمرہ اور انکے جدید مسائل
سوال وجواب (آپ کے مسائل [illegible])	شیئرز اور کمپنی طریقہ کار واحکام
ضرورت وحاجت [illegible]	لڑکے اور لڑکیوں کے نکاح کا اختیار
وقف املاک کے شرعی احکام	ذکر سید الکونین ﷺ
اہم فقہی فیصلے	طبی اخلاقیات
تعلیم سیرت	مسند ابوداؤد طیالسی ۲ جلد
بائبل قرآن سائنس	فضائل اعمال اعلیٰ
طشت جواہر	نکاح مشروط
جواہر حکیم الامت	نبیوں کی سچی کہانیاں
جدید فقہی مباحث ۱۷ جلد	JESUS .... (پیغمبر اسلام حضرت عیسیٰ) The Authority of Sunnah (حجیت حدیث) ISLAM AN INTRODUCTION ([illegible])
جو تم مسکراؤ تو سب مسکرائیں	The Life and Message ([illegible]) SHAMAA-IL TIRMIDHI ([illegible]) [illegible] AND SCIENCE ([illegible])
دل کی دنیا	"Life Example of H.Q.H" ([illegible]) "The Islamic way in the Death" ([illegible]) COMPENDIUM OF ISLAMIC LAW ([illegible])

ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ